

ایک ڈاکو اور ایک ڈاکٹر کی مجرت کی تہلکہ نیز کہانی  
انتقام کی آگ میں منگتی ہوئی ہے جس تحریر

# گنگا طوفان

PDFBOOKSFREE.PK

مصنف: یعقوب جمیل



## ابتدائیہ

گنگا اور طوفان کی یہ کہانی سنہ ۱۹۸۰ء میں ماسٹرام  
الف لیلہ ڈائجسٹ کے صفحات پر سلسلہ وار کہانی کے طور پر  
پر شائع ہوئی تھی جسے ہمارے قارئین نے جس قدر پسند کیا تھا  
اس کہانی کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے ہم نے اسی وقت فیصلہ  
کر لیا تھا کہ جب بھی موقع ملے گا ہم اس سلسلہ وار کہانی کو  
مکمل کتابی صورت میں اپنے قارئین کی خدمت میں پیش  
کریں گے اور آج ہماری یہ خواہش پوری ہو رہی ہے اس  
سچے واقعے کو ایک طویل کہانی کے قالب میں ڈھالنے کے لیے  
مصنف کو اس دور کی کئی علاقائی زبانوں کی نایاب تحریروں  
سے بھی استفادہ کرنا پڑا ہے تاکہ اس کہانی کے اصل واقعات  
اور اصل کردار مسخ نہ ہونے پائیں۔ بزرگھیر کے اس وسیع و  
عریض خطے میں ایسے سینکڑوں اور ہزاروں واقعات نے جنم  
لیا ہے جن کی گونج ایک عرصے تک وہاں کی فضاؤں میں سنائی  
دیتی رہی تھی۔ مگر پھر گزرتے وقت نے آہستہ آہستہ ان کی داستانوں  
کو بھی منوں مٹی تلے دفن کر دیا۔ لیکن اب بھی اگر تحقیق و جستجو  
کے بعد اس دبی ہوئی مٹی کو کسید اجاڑے تو عہد ماضی کے  
ایسے کئی چوندکا دینے والے واقعات ہمارے سامنے بے نقاب  
ہو سکتے ہیں جن سے ہم ابھی تک نا آشنا ہیں۔ گنگا اور طوفان کی  
اس کہانی کا تعلق بھی اس دور سے ہے جب بزرگھیر انگریزوں  
کی غلامی میں جکڑا ہوا تھا۔ راجا، ہمارا اجا، زمیندار اور  
جاگیرداروں نے اپنے انگریز آقاؤں کی خوشنودی کے لیے  
اپنی غریب رعایا کو اپنے جوتوں تلے اس طرح دبا رکھا تھا  
کہ ان میں نظر اٹھانے کی بھی ہمت نہیں تھی۔ لیکن یہ قدرت کا  
اصول ہے کہ جب ظلم حد ضبط سے تجاوز کر جاتا ہے تو مظلوم  
کی چیخیں آسمانوں سے بھی ٹکرا جاتی ہیں۔ گنگا بھی ایک ایسی ہی مظلوم  
لڑکی تھی جو ظلم کے خلاف ایک طوفان بن چکی تھی۔

ہمیں یقین ہے یہ دلچسپ کہانی آپ کو ضرور متاثر کرے گی

ادارہ

ندیم

ہر تلخی حیات کو گوارہ بنا دیتی ہے  
اور جن کی پُر خلوص مسکراہٹ مجھے  
جینے کا حوصلہ عطا کرتی ہے۔

یعقوب جمیل

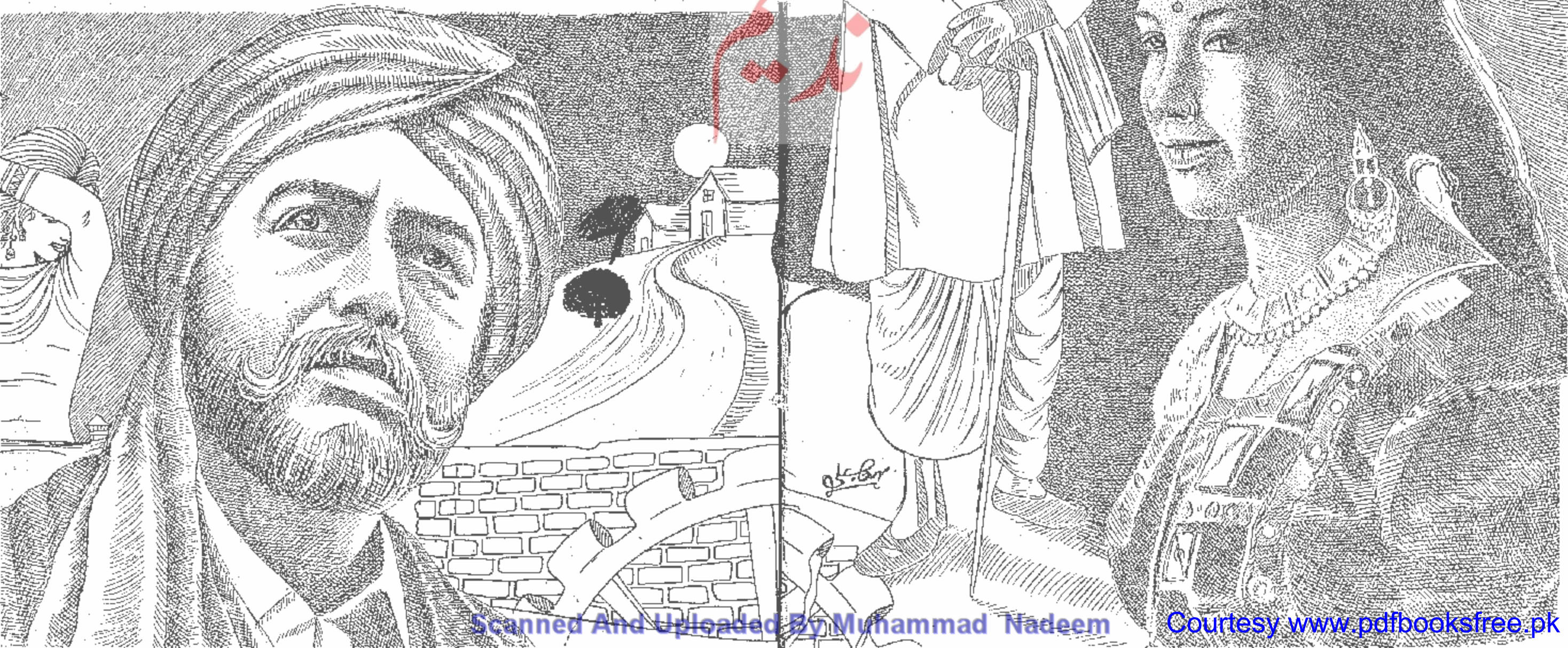


# گنگا اور طوفان

یعقوب جیلہ



انجمن افسانہ کے خیمے میں آئے والے ایک طوفان کے  
بدرجے ہوئے دلت کے جیسے ایک خوفناک ڈاکو یا دیا  
ایک مصروف و مہولہ پر ہے لڑکے گنگا کے سچے داستانے



درگا پور میں ہی نہیں بلکہ پورے راجستھان میں لنگا وہ پہلی لڑکی تھی جس نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی تھی۔ اس دور میں وہاں کی لڑکیوں کو زیادہ تعلیم دلانے کا رواج نہیں تھا۔ لڑکیوں کے اسکول صرف چوتھی جماعت تک ہی محدود تھے۔ پنڈت سیتارام کو جنوں کی حد تک یہ شوق تھا کہ وہ اپنی بیٹی کو اعلیٰ تعلیم کے زور سے بھرتے۔ اسی شوق کی تکمیل کے لیے اس نے اپنی بیٹی لنگا کو لڑکوں کے اسکول میں داخل کروا دیا۔ غلط تعلیم کے بارے میں ان دنوں کوئی سوچ بھی نہیں سکتی تھا۔ لڑکوں کے اسکول میں لنگا کے داخلے کے بعد پنڈت سیتارام پورے درگا پور میں گفتگو کا موضوع بن گیا۔ ہر گلی اور ہر موڑ پر جہاں بھی تین چار آدمی جمع ہوتے، لنگا اور پنڈت سیتارام کے بارے میں ہی گفتگو ہوتی۔ بھلا پنڈت سیتارام جیسا کٹر مذہبی آدمی خود اپنے ہاتھوں اپنے دھرم کی دھجیاں بکھر دے۔ یہ بات درگا پور کے لوگ کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ گاؤں والوں کا خیال تھا کہ لنگا کو لڑکوں کے ساتھ بٹھا کر پنڈت سیتارام نے نوجوان نسل کے جذبات بھڑکانے کی کوشش کی ہے۔

لیکن پنڈت سیتارام پر لوگوں کی ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ دلائل سے انہیں سمجھاتا کہ ہمارے مذہب کی کسی بھی کتاب میں یہ نہیں لکھا ہے کہ ہماری عورتیں تعلیم حاصل نہ کریں اور باہل رہ کر زندگی بھر گھر کی چار دیواری میں چو لھا پھونکتی رہیں۔ مذہب ترقی کرتی ہوئی کہاں سے کہاں نکل گئی ہے۔ ہمیں بھی اپنی عورتوں کو نئی دنیا کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا چاہیے۔ جس طرح لڑکے ہماری اولاد ہیں، اسی طرح لڑکیاں بھی ہماری خون ہیں۔ ہم ایک کو علم کی روشنی عطا کریں اور دوسرے کو زندگی بھر کے لیے اندھیروں میں غرق رکھیں، یہ کہاں کا انصاف ہے؟

پنڈت سیتارام کی بات سن کر گاؤں کا جاگیردار اپنی منطبق بیٹی کرتا تو کیا ہمارے باب دادا اچھے تھے جو لڑکیوں کو واجی سی تعلیم دلانے کے بعد انہیں بیاہ دیا کرتے تھے؟

”نہیں جاگیدار جی!“ پنڈت سیتارام مسکرا کر اسے سمجھاتا۔

”ہمارے باب دادا اچھے نہیں تھے، اس وقت انہیں حالات سے سمجھنا کرنا پڑا تھا۔ ایک دور آیا تو عورتوں کا گھر سے باہر نکلا بند کر دیا گیا تھا۔ غیر مرد کی نظر کسی کی ہو بیٹی پر نہ پڑے اس لیے گھونگٹ اور پردے کا رواج عام ہو گیا۔ پھر انگریزوں کا دور آ گیا اور اب وہ بھی ہمارا دلش چھوڑ کر جانے والے ہیں ان حالات

میں ہم اپنی بیٹی لڑکیوں نہ ترک کر دیں؟ بڑے بڑے شہروں میں تو لڑکیوں کے کالج بھی ہیں جہاں وہ تعلیم کے زور سے آراستہ ہو رہی ہیں۔ جب ہمارے دھرم کی دوسری لڑکیاں ایم اے اور پی ایس کی ڈگری لے سکتی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہم لوگ پیچھے رہ جائیں۔ وقت کا تقاضا ہے کہ ہم اپنی بیٹیوں کو کم سے کم میٹرک تک ضرور پڑھائیں۔“

”یہ تو ٹھیک ہے پنڈت جی! لیکن گاؤں والوں کی نظروں میں بڑا ہی کرتم کو اس طرح پہل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“

جاگیردار کا یہ سوال سن کر پنڈت سیتارام گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا: ”جاگیردار! میں تمہارے اس سوال کا جواب دے تو رہا ہوں مگر تم شاید اسے سمجھ نہ سکو۔ میرا خیال ہے کہ کسی اپنی لڑکی کی بے جا تعریف کر رہا ہوں۔ پہلے اکثر میرے دل میں یہ خواہش اُبھرتی تھی کہ میری لنگا لڑکی ہونے کی بجائے لڑکا ہوتی تو... اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک لڑکے میں جو خوبیاں ہوتی ہیں، ان تمام خوبیوں کی جھلک میری لنگا میں موجود ہے۔ اس کا انداز گفتگو اور مردانہ جھپٹوں کا شوق، اسے اپنی ہم عمروں میں منفرد کرتا ہے۔ جب وہ دس سال کی تھی تو سنسکرت روانی سے بولنے لگی تھی۔ دھرم کی کتابوں سے بھی اسے بڑی دل چسپی ہے۔ گھر کے کالج میں اپنی ماں کا ہاتھ بنا کر اپنا فرض سمجھتی ہے۔ گفتگوں میں اسے پاس بیٹھ کر دینی تعلیم حاصل کرنے کے باوجود وہ اپنے اسکول میں ہمیشہ اول آتی رہی ہے۔ اب تم ہی بتاؤ کہ کیا وہ عام لڑکی ہے جو ہمیں اسے آگے نہ بڑھاؤں؟ اس طرح کیا میں اس کی حق تلفی نہیں کروں گا؟ وہ غریب معمولی طور پر ذہین ہے۔ اگر میں اس کے ذہن کو زبردستی نہ کروں تو یہ کب مجھے زندگی بھر تکلیف دیتی رہے گی۔“ پنڈت سیتارام کی یہ دلیل بھی جاگیردار کے حلق سے نکلتی تھی۔

ایک دوسری ہی فکر سارا ہی تھی۔

”تب تو ہمیں بھی اپنی لڑکیوں کو آگے بڑھانا پڑے گا نہیں تو تمہاری لنگا کے آگے وہ خود کو کم تر سمجھنے لگیں گی۔“ جاگیردار ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔

”ہاں جاگیردار! تم بھی اپنی لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم دلاؤ۔ تمہارے باب کے نام پر گاؤں میں جو اسکول چل رہا ہے اس میں صرف چار جماعت تک تعلیم دی جاتی ہے۔ اگر اسے میٹرک تک دو تو گاؤں کی کسی بھی لڑکی کو لڑکوں کے اسکول میں نہیں جانا پڑے گا۔“ پنڈت جی نے کہا۔

ان سب باتوں کے باوجود سال بھر تک گاؤں کے کئی بھر سماج نے پنڈت سیتارام پر اپنے غصے کا اظہار کیا۔ شادی بیاہ اور دیگر مذہبی تقریبات کے لیے وہ پنڈت سیتارام کی بجائے دوسرے بدھت اور پنڈتوں کو اپنے گھر بلائے گئے۔ اس طرح پنڈت سیتارام کا سماجی بائیکاٹ کر دیا گیا۔

پانچویں کے امتحان میں لنگا نے اول آنے کے علاوہ کھیل کود اور کیرن پڑھنے میں بھی تیسری بار پہلا انعام حاصل کیا۔ یہ دیکھ کر پڑانے خیالات رکھنے والے رہبانوں کو یہ سوچنے پر مجبور ہونا پڑا کہ پنڈت سیتارام کی لڑکی لنگا واقعی غریب معمولی لڑکی ہے۔

پھر بے پور جا کر اس نے میٹرک کا امتحان دیا تو امتحان کا نتیجہ نکلتے ہی وہ درگا پور کی دیوی بن گئی۔ ہر شخص اس پر غصہ کرنے لگا۔ پورے راجستھان میں پہلی میٹرک پاس لڑکی کی حیثیت سے جب اس کی تصویر اخباروں میں چھپی تو گاؤں کے لوگوں کی آنکھوں میں ایک چمک سی لڑنے لگی۔ سارا گاؤں ہی پنڈت سیتارام کو مبارک باد دینے کے لیے آئندہ آیا۔ یہ دیکھ کر باب کی آنکھوں میں غموں کے آنسو چھلک اُٹے۔ اس نے اپنی بیٹی کو گلے سے لگا کر جذباتی لمحے میں کہا۔

”بیٹی! تم نے باب کی پگڑی کی لاج تو رکھ لی، لیکن کاش تم اس عزیز برہمن کے گھر میں پیدا ہونے کی بجائے کسی امیر گھرانے میں پیدا ہوتی، ہوتی تو تمہاری زندگی سنور جاتی۔“

”تم ایسی باتیں کیوں کر رہے ہو بابو؟“ اپنے باب کو جذباتی ہوتا دیکھ کر لنگا نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ میں اگر تمہاری بیٹی نہ ہوتی تو مجھے دینی اور دنیاوی علم کا یہ عزا کہاں سے ملتا؟ راجستھان میں سینکڑوں امیر گھرانے موجود ہیں، مگر ان کی کوئی لڑکی بھی میٹرک تک تعلیم حاصل نہیں کر سکی۔ ان کے والدین تمہارے جیسے دور اندیش اور سمجھدار نہیں ہیں اور نہ ہی ان کے پاس تمہاری جیسی ہمت ہے کہ وہ گاؤں والوں کا مقابلہ کر سکیں۔“

”لیکن بیٹی! اب بے پور کالج میں تمہارا داخلہ کرانے اور مزید تعلیم دلانے کے لیے میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ تھیں علم کی دولت سے مالا مال کرنے کی تھا تو میرے دل میں ہے لیکن مجھے آنسو ہے کہ میں...“ پنڈت سیتارام کی آنکھیں چھپ چھپک لگیں۔

لنگا کا دل باب کی محبت میں ترپ گیا۔ وہ اس کے سینے سے نکلتی ہوئی بولی۔ کالج میں پڑھنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ جب میں میٹرک کا امتحان دینے سے پورے تھیں تب میں نے درگا مانا کے

چرنوں میں سر جھکا کر منت ماننی تھی کہ اگر میں فرسٹ آئی تو گاؤں کی لڑکیوں کو میں خود پڑھاؤں گی۔ میں لڑکیوں کے اسکول میں ٹیچر بننا چاہتی ہوں بابو!۔“

لنگا کے انداز گفتگو سے پنڈت سمجھ گیا کہ اس کی بیٹی گھر کی غربت کو سہارا دینے کے لیے اسکول میں پڑھنا چاہتی ہے۔ پچھلے دو سال سے پنڈت سیتارام کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں رہتی تھی محبت جواب دیتی جا رہی تھی۔ جہاں تقابلیت کی وجہ سے وہ شادی بیاہ اور دیگر مذہبی تقسیم ہوں میں بہت کم ہی کام کر پاتا تھا۔ اس کا چھوٹا بھائی دتارام، جو اب خود بھی ادھیڑ عمر کا ہو چکا تھا، بالاق نابت ہوا تھا۔ برہمن ہونے کے باوجود چرس، گانجا اور جوئے کی لت میں وہ گرفتار تھا۔ لوگ اس کی بڑی عادتوں کی وجہ سے یہ کہنے پر مجبور تھے کہ سیتارام جیسے دیوتا کا سگا بھائی تو شیطان پیدا ہوا ہے، اسی لیے اس کی بیوی اس کا گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے۔

”کیا سوچتے گئے بابو؟“ لنگا نے اپنے باب کو خاموش دیکھ کر بڑے لاڈ سے پوچھا۔ میں اگر ٹیچر بن جاؤں تو تم کو کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا نا؟

”نہیں بیٹی! ہم برہمنوں کا اصل کام بھی تو لوگوں کو تعلیم دینا ہے۔“

”تو شاید تم مجھ سے کاہل بننے سے اس لیے گھبر رہے ہو کہ میں لڑکا نہیں، لڑکی ہوں۔“ لنگا نے کہا۔

”یہ بات نہیں ہے بیٹی بلکہ میں نے تو ہمیشہ تمہیں اپنا بیٹی ہی سمجھا ہے۔“ پنڈت سیتارام جذباتی لمحے میں بولا۔ لیکن چھپ رہی لڑکی تو پرا یاد حسن ہوتی ہے۔ تمہاری آمدنی پر ہمیشہ یہ گھر تو نہیں چل سکتا۔ تمہارا بھائی شیاام ابھی بہت چھوٹا ہے اور کمانے کے لائق تمہارا چوچا ہے، وہ تو گھر میں بوجھ بنا ہوا ہے۔ تم ان سب کی ذمہ داری کب تک اٹھا سکو گی اور کسے معلوم کر میرے کھوکھلے ہونے ہونے جسم سے کب میری روح نکل جائے۔“

”ایسا مت کو بابو!“ لنگا نے براعتا دلچسپی میں کہا۔ یہ تو تم نے ہی مجھے سکھایا ہے کہ جو دوسروں کا برا نہیں جانتا، اس کا بھگوان ہمیشہ بھلا کرتا ہے۔ ساری زندگی ہی تم دین کی راہ پر چلتے رہے ہو۔ جب تھیں کئی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوتی تو آندھو جی نہیں ہوگی، بھگوان ہمیں کسی بھی دکہ نہیں دے گا۔“ بیٹی کے خیالات سن کر پنڈت سیتارام دل ہی دل میں تو خوش ہوا لیکن اس کے



باوجود اس کے ہرے پر سے پریشانی کے سائے دور نہیں ہوئے۔ یہ دیکھ کر گنگا اس کی بہت بندھ جاتے ہوئے بولی: ”اور بالو پڑاؤ میں ہونے کے باوجود میں تم سے کہاں دور جانے والی ہوں۔ میرا میک اور سسرال اسی گاؤں میں تو ہیں۔ تمہارے ہونے والے داماد اکثر بن کر آئے تو اسی گاؤں میں پریشانی شروع کریں گے اور اس طرح میں تمہاری آنکھوں کے سامنے ہی رہوں گی۔ کچھ دکان میں ہم ایک دوسرے کا ساتھ بخوری چھوڑ سکتے ہیں؟“

پندرہ سیتارام کو اپنی بیٹی کی یہ بات کچھ بچہ کی طرح لگی۔ یہ بھی انہیں اپنی بیٹی کے لیے ڈرگیش جیسا ہونما لڑکھانے لگا تھا۔ یہ کب خوش قسمتی کی بات تھی؟ چھ ماہ قبل جب وین دیال اس کے پڑوسی کے آؤنٹاٹ سے پندرہ سیتارام کی نظر اس کے اکلوتے بیٹے پر پڑی ہوئی تھی۔ دیکھنے میں تو وہ کسی عزیز برہمن کے بیٹے جیسا لگتا ہی نہیں تھا۔ اس کی تیز چٹکی ہوئی آنکھوں اور ناک نچھٹے سے تو راجپوتانہ جھلکتی تھی۔ ایسا تو جوان انہیں گنگا کے لیے اور کہاں سے مل سکتا تھا! ایک دن انہوں نے اس سے پوچھا تھا: ”بیاد درگیش! اتنا بڑھ کر آخر تم کیا کرنا چاہتے ہو؟“

تو اس نے کتنا خوب صورت جواب انہیں دیا تھا۔ ”بچپن کرنے کے لیے تو دنیا میں بہت کچھ ہے، میٹرک کرنے کے بعد میں اچھ گیا تھا کہ میں کیا ہوں، انجینئر یا ڈاکٹر؟ کبھی میں انجینئر بن کر بڑے بڑے پل اور اونچی اونچی عمارتیں تعمیر کرنے کے خواب دیکھتا، اور کبھی ڈاکٹر بن کر لوگوں کی خدمت کرنے کے سونے دیکھنے لگتا... آخر کار میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ ڈاکٹر بن کر اپنے گاؤں کے لوگوں کی خدمت کروں گا... ابتدا میں مجھے ایک فکر ستاتی رہی تھی کہ اپنے بالوں کو اکیلا چھوڑ کر شہر ڈاکٹر بن کر پڑھنے کیسے جاؤں؟ لیکن درگا پور میں آنے کے بعد یہ فکر بھی دور ہو گئی ہے۔ یہاں آکر ہمیں آپ کا بڑا دوس ملا تو بالوں کا جی خوش ہو گیا، تنہائی کا احساس نہ رہا۔ یہاں آپ جیسے مخلص انسان، سادہ سادہ چچی اور گنگا ہیں...“ اتنا کہہ کر وہ چپ ہو گیا۔ پندرہ سیتارام سمجھ گیا کہ گنگا کے لیے اس کے دل میں جگہ بن چکی ہے۔

ایک دن درگیش کے بالوں سے سیتارام نے بات چھیڑی تو دین دیال نے جوان بیٹے کا باپ ہونے کا

غور نہیں کیا وہ پندرہ سیتارام کی بات سن کر بے حد خوش ہوا تھا۔ اس نے دوستانہ لہجے میں کہا۔

”پندرہ جی! حقیقت تو یہ ہے کہ تم نے میرے غم کی بات چھین لی ہے۔ میں نے گنگا کو اپنی بہو بنانے کا خواب تو اسی وقت دیکھ لیا تھا، جب پہلی بار وہ مجھے نظر آئی تھی... مگر...“

”مگر کیا؟“ پندرہ سیتارام نے جلدی سے کہا: ”تھلا درگیش ڈاکٹر بن جائے گا تو اس کے لیے بڑے بڑے گھر والوں سے رشتے آئیں گے۔ میں اپنی حیثیت سے بخوبی واقف ہوں۔ مجھ جیسا آدمی، بیٹی کو جہیز میں کچھ نہیں دے سکتا، اسی لیے شاید...“

”نہیں پندرہ جی! نہیں“ دین دیال اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا: ”میں جانتا ہوں، گنگا میرے بیٹے کی پسند ہے۔ مگر اس معاملے میں میری زبان نہیں کھل رہی تھی۔ بہر حال یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ درگیش کو ڈاکٹر بننے میں ابھی تین سال کا طویل وقت درکار ہے۔ اس نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد شادی کا فیصلہ کیا ہے۔ اس وقت تک تمہیں انتظار کرنے کے لیے کہنا، میرے بس کی بات نہیں ہے۔“ یہ کہتے ہوئے اس کا لہجہ بہت دھماکا تھا۔

”ارے دین دیال جی!“ پندرہ سیتارام نے یہ سن کر اطمینان کا سانس لیا اور بولا: ”مگر میں نے تم سے کب کہا ہے کہ تم درگیش کی شادی کل ہی گنگا سے کر دو۔ میں تو صرف ملگنی کی بات کہتی کرتے آیا ہوں شادی کی تاریخ تو تمہاری اور درگیش کی مرضی ہی سے طے ہوگی۔ اب تو کوئی اعتراض نہیں ہے نا؟“

”نہیں بھائی مجھے کوئی اعتراض نہیں“ دین دیال نے خوش ہو کر پندرہ جی کو گلے سے لگا لیا تھا۔

”کس سوچ میں ڈوب گئے بالو؟“ گنگا نے پندرہ سیتارام کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے ہلایا، حالانکہ اس دوران میں وہ خود بھی درگیش کے خیالوں میں کھو گئی تھی، مگر اس نے اس بات کا اظہار اپنے چہرے سے نہیں ہونے دیا تھا۔ ”میں اسکول میں ٹیچر بن جاؤں تو تم برا تو نہیں مانو گے نا؟“ وہ باپ کا چہرہ دیکھتے ہوئے بولی۔

”نہیں بیٹی میری طرف سے اجازت ہے... لیکن اب تمہیں دین دیال سے بھی اجازت لینا چاہیے مجھ سے پہلے ان کا آئندہ ضروری ہے۔“

”ان کا آئندہ وار تو میں کب کالے چکی ہوں؟“ گنگا خوش ہو کر بولی: ”تمہارے ہونے والے داماد بھی راہی ہیں“ ”تب تو...“ سیتارام نے آگے بڑھ کر بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”تیری کوشش اور محنت سے بہت سی لڑکیوں کی زندگی سنور جائے گی بیٹی! مجھے یقین ہے تو ان کے اندر بھرے دور کرنے میں ضرور کامیاب ہو جائے گی۔“ باپ کی دعاؤں سن کر گنگا اس کی چھاتی میں سمٹ گئی تھی...

۴۰

گنگا کی محنت و لگن سے تین سال کے عرصے میں ہی لڑکیوں کا اسکول چوتھی جماعت سے سولہویں جماعت تک کا ہو گیا۔ اس کے دلائل سے گاؤں کے لوگوں میں لڑکیوں کو تعلیم دلانے کا خیال زور پکڑتا گیا۔ ہر سال جے پور میں ہونے والے کھیلوں کے مقابلوں میں بھی درگا پور کی لڑکیاں پہلا انعام جیتنے لگیں... پہلے سال ہی سے گنگا نے اپنے اسکول میں تیرکان اور لاٹھی چلانے کے فن سے لڑکیوں کو روشناس کرانا شروع کر دیا تھا۔ ابتدا میں گاؤں والوں نے اس پر اعتراض کیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ لڑکیوں کو پڑھ لکھ کر اپنے سسرال جانا ہے، وہاں بھلا تیرکان اور نیزے بھالوں کی لڑائی کے فن کی کیا ضرورت ہے؟ ان لوگوں کے خیال میں گنگا لڑکیوں کو جبر و تشدد کی جانب مائل کر رہی تھی۔

لیکن چند ہی دنوں کے بعد گاؤں میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا، جس سے گنگا کے اس اقدام کی تعریف ہونے لگی۔ ہوا یہ کہ دن دھاڑے ایک چیتا گاؤں میں گھس آیا، جنگل کے کنارے والے کھیت میں اس وقت ایک عورت تنہا کام کر رہی تھی۔ اس نے ایک درخت کی ڈال سے کپڑا باندھ کر اپنے شہر خوار بچے کو لٹا دیا تھا جو اس وقت گہری نیند سو رہا تھا۔ چیتے کی غمراہ سن کر عورت ڈر گئی وہ بچے کو گود میں اٹھا کر کھیت کے سرے پر واقع اپنی

جھونپڑی میں داخل ہو جانا چاہتی تھی، لیکن چیتا گاؤں کی پگڑی کے درمیان میں گھڑا اسے گھور رہا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ عورت اپنے بچے تک نہیں پہنچ سکتی تھی... ماں بیٹے کے درمیان وہ چیتا دیوار کی طرح مائل تھا۔ کسی بھی لمحے وہ کسی ایک پر چھلانگ لگانے والا تھا۔ عورت اگر چاہتی تو بھاگ کر جان بچا سکتی تھی اس کا جھونپڑا زیادہ دور نہیں تھا۔ لیکن پالنے میں سوئے ہوئے بچے کو موت کے منہ میں دھکیل کر کوئی ماں اپنی جان کیسے بچا سکتی تھی؟

اس نے ایک نظر اپنے معصوم بچے پر ڈالی، پھر بہت کمر کے دوچار قدم کے فاصلے پر پڑی ہوئی کدال کی جانب کھسکنے لگی۔ قریب پہنچ کر اس نے پھرتی سے وہ کدال اٹھالی۔ چیتا بڑے غور سے اس کی حرکت دیکھ رہا تھا۔ اچانک وہ غرایا اور اس پر چھلانگ لگا دی۔ غصے میں بھرے ہوئے چیتے سے بچنے کے لیے عورت بڑی پھرتی سے ایک جانب ہٹی اور کدال کی اتنی اس کے سامنے کر دی۔ نہ جانے اس وقت اس میں اتنی عقل کہاں سے آگئی تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے کدال اٹھا کر چیتے کے سامنے ڈیڑھی کدال کی اتنی چیتے کی گردن میں لکٹی اپنی اندر دھنس چکی تھی۔ تکلیف سے کراہتا ہوا درندہ اپنے ہی زور میں زمین پر آگرا اور تڑپنے لگا، لیکن اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ اس پر چھٹے عورت نے نہایت پھرتی سے اپنے بچے کو پالنے سے نکال کر اپنی بانہوں میں دلوچ لیا اور تیز تیز چھلانگ لگا کر اپنے جھونپڑے میں پہنچ چکی تھی۔ اس دوران اس پاس کی کھیتوں میں کام کرنے والے لوگ بھی وہاں آچکے تھے انہیں دیکھ کر زخمی چیتا وہاں سے بھاگ نکلا۔

اس حادثے کے بعد اس عورت کی بہادری کی داستان سارے گاؤں میں پھیل گئی۔ اخبار والوں نے بھی مریج سالانہ کرماں بیٹے کی اس کہانی کو نمایاں طور پر شائع کیا۔ درگا پور کے دیہاتی اپنے گاؤں کی بہادر عورت کی تعریف سن کر خوش ہونے لگے۔ اس خوف ناک واقعے کے بعد ان کی خواہش کو ہمیز لگی کہ لڑکیوں کو اپنے اسکول میں تیرکان اور نیزے چلانے کی تربیت ضرور حاصل کرنی چاہیے۔

”تمہیں نشان میں کیا دکھائی دے رہا ہے پتا ہے تیرکان کی تربیت حاصل کرتی ہوئی ایک لڑکی سے اسکول کے آنگن میں گنگا نے پوچھا۔

لڑکی نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ ”گنگا دیوی! مجھے تو اس نشان پر شبیہ دکھائی دے رہا ہے جو سامنے سے دوڑا چلا آ رہا ہے۔“

گنگا اپنے چھوٹے بھائی شام کو پیار سے شبیہ کوہ کر رہی تھی اس نے چونک کر پیچھے کی طرف دیکھا۔ واقعی اس کا بارہ سالہ بھائی شام تیزی سے دوڑ کر آتا ہوا دکھائی دیا۔

وہ خود دو چار قدم آگے بڑھ گئی اور چھوٹے بھائی کا کندھا پکڑ کر بولی۔ ”کیا بات ہے شبیہ؟“

”با... پو...“ شبیہ بڑی شکل سے ہانپتا ہوا بولا۔ گنگا کا دل بڑی طرح دھڑکنے لگا۔

”کیا ہوا بالو کو؟“ یہ سوال پوچھتے ہوئے اس کی آواز زندہ گئی کسی بری خبر کے تصور سے ہی وہ کانپ گئی اس نے دونوں ہاتھوں سے شام کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ ”بتاتے کیوں نہیں کیا ہوا ہے بالو کو؟“

”بالو کی طبیعت اچانک ہی خراب ہو گئی ہے میں تمہیں لینے آیا ہوں، جلدی چلو،“ شبیہ ہانپتے ہوئے بولا۔

گنگا نے بھائی کی کلائی پکڑ لی اور کسی سے کچھ کہے بغیر تیزی سے اسکول سے باہر نکل آئی۔ اسے تو ہر وقت یہ خدشہ رہتا تھا کسی وقت بھی باپ کے بارے میں کوئی بری خبر سنائی آسکتی ہے۔ باپ سے بے انتہا محبت کی وجہ سے وہ دل ہی دل میں اپنے بھگوان سے ان کی زندگی کی دعائیں مانگا کرتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ پنڈت سنا رام اس وقت تک زندہ رہے جب تک اس کا منگیتر درگیش ڈاکر بن کر گاؤں نہ آجائے اور اپنے ہاتھوں سے اس کی رخصتی کرے۔

اسکول کے احاطے سے نکل کر گنگا نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ شبیہ بھی اسی رفتار سے اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ گنگا اس سے بالو کے بارے میں بہت کچھ پوچھنا چاہتی

تھی لیکن سوال کرنے اور جواب دینے کے لیے اس وقت دونوں کو ہی فرصت نہیں تھی... اسے یہ بھی ڈر تھا کہ انہیں پہنچنے میں دیر نہ ہو جائے اور وہ اپنے باپ کی آخری کلام سننے سے محروم رہ جائے اس کے باپو اکثر کہا کرتے تھے کہ لڑکیاں نو دالہ رہیں۔ لینے کے لیے پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف، میری بیٹی ہم سے کچھ لینے کی بجائے خود ہمارا سہارا بنی ہوئی ہے۔ گنگا سے پہلے بھی اس کی تین چار اولادیں پیدا ہوئی تھیں لیکن کوئی بھی زندہ نہیں رہ سکا تھا۔ گنگا جب پیدا ہوئی تھی تو بہت کم زور تھی۔ سب کا خیال تھا کہ بھگوان اسے بھی پنڈت سے چھین لے گا اس لیے پنڈت نے اس کا نام نہیں رکھا تھا۔ پھر جب وہ چار سال کی ہو گئی تو پنڈت اپنی مانی ہوئی منیت کے لیے

نیرتھ یا تر کو پٹے کے دوہاں اس نے گنگا کو گھاٹ پر بٹھا کر نکال دیا۔ گنگا پانی سے کھینچتے کھینچتے گرائی ٹبک چلی گئی اس کا کسی کو ہوش ہی نہیں تھا۔ جب اسے گنگا کا خیال آیا تو وہ پانی کی لہروں میں بہتی ہوئی دور نکل چکی تھی۔ یہ دیکھ کر اس کی ماں نے چیخ بکا کر شروع کر دی۔ وہاں موجود ہر کوئی یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ چار سال کی بچی کو گنگا پتا نے نکل یا ہوگا، لیکن تیسرے گھاٹ پر گنگا پتا نے اسے بالکل صحیح سلامت لاکر چھوڑ دیا، اس بات پر کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا تب ایک سادھو نے پنڈت سے کہا تھا۔ ”تمہاری بچی کو گنگا پتا نے دوسری بار جنم دیا ہے اس لیے اس کا نام گنگا ہی رکھنا۔“

گھر کی جانب دوڑتی ہوئی گنگا کی سماعت سے مندر کے گھنٹے کی آواز گونجی تو اس کی رفتار دھیمی ہو گئی، اس نے درگاما کے مندر کی طرف دیکھا اور ایک لمبے کے لیے رگ کر اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ پھر شبیہ کا ہاتھ پکڑ کر بھاگنے لگی۔ گھر کا آنگن چھلانگ کر وہ دروازے کی چوکھٹ تک آئی۔ ایک ہاتھ چوکھٹ پر ٹیک کر اس نے گھر کے اندر نگاہ ڈالی تو دھڑکنے ہوئے پسینے کو کچھ سکون سامھوس ہوا۔ اس کے بالو کی آنکھیں دروازے پر ہی جمی ہوئی تھیں۔ اس کی سانس ابھی چل رہی تھی۔ ایک دو بار آنکھیں موند کر آنکھوں نے بھگوان کا شکریہ ادا کیا۔ ان کی اکھوتی بیٹی ان کے سامنے آئی تھی۔ پنڈت سنا رام کو سانس لینے میں بے حد دشواری ہو رہی تھی اور اس کی آنکھیں تکلیف سے بار بار بند ہوتی جا رہی تھیں۔ سر ہانے کی

ایک جانب پنڈت کا بھائی دتارام بیٹھا تھا اور دوسری طرف دیں دیال جی بیٹھے ہوئے تھے، دونوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑھ رہے تھے۔ قریب ہی ایک اسکول پر گھی کا دیال رہا تھا۔ پنڈت سنا رام کی بیوی ساواری گنگا کی کاٹھیا بھر کر اپنے شوہر کے قدموں میں بیٹھی ہوئی تھی۔ گنگا کو دیکھ کر پنڈت جی کے ہونٹ پھڑپھڑاتے آگے مہیرا بیٹی...“

گنگا کو ڈر کر اپنے باپ سے ہٹ گئی۔ پنڈت جی کا سینہ دھڑک رہا تھا۔ شاید ان کی روج باہر نکلنے کے لیے اپنے پر تول رہی تھی۔ گنگا کے ذہن میں ایک خدشہ سر اُبھار رہا تھا۔ اس کے باوجود اس نے اپنے آنسوؤں کو روک رکھا۔ پنڈت سنا رام نے اپنا ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی، لیکن شاید اس کے ہاتھوں کی جان نکل چکی تھی۔ ہاتھ تھرتھار کر رہ گئے۔ ”بیٹی! اچھا ہوا آخری وقت میں تم آنکھیں میں درگاما کی کرتی تھیں تم سے سب لوگوں سے رخصت ہو رہا ہوں، یہ کہہ کر اس نے ہر شکل سانس کھینچی۔ اس کی سانس اکھڑنے لگی تھی پھر سبھی بہمت کر کے اس نے ہر وقت تمام کہا۔ گنگا! میں تیری ماں اور تیرے چھوٹے بھائی کی ذمہ داری تیرے کندھے پر ڈال رہا ہوں، بہت سے اپنا فرض نبھانا۔ باپ کے ان الفاظ کے ساتھ ہی گنگا کی ہچکوں میں پچھے ہوئے موتی پھٹنے لگے، مگر وہ منہ سے کچھ نہ بولی۔

”وین دیال جی!“ پنڈت سنا رام نے اپنی داہنی جانب نگاہ گھماتے ہوئے کہا۔ ”آپ کا درگیش ڈاکر بن جائے، شاید اس وقت کا منتر میں نہ دیکھ سکوں گا۔ گنگا کی رخصتی کا فرض میں اپنے ہاتھوں سے ادا نہیں کر سکا، اس کا مجھے افسوس ہے۔ آپ مجھے معاف...“ یہ کہتے کہتے اس کی سانس جڑ پکڑنے لگی۔ گنگا دھیرے دھیرے ان کا سینہ سہلانے لگی تھی۔

”دتارام!“ پنڈت جی اپنے بھائی سے بیٹھی ہوئی آواز میں بولا۔ گنگا کو باپ بن کر رخصت کرنا، میری دعا ہے کہ بھگوان تمہاری زندگی کو سدا رہے۔“ یہ آخری الفاظ اس کے ہونٹوں پر تھرتھارے۔ گنگا سمجھ گئی کہ اب صرف چند گھنٹوں ہی رہ گئی ہیں، پھر سبھی دھیمی آواز میں ہلپ کی بہت بند جانے لگی۔ کسی بات کی فکر نہ کریں بالو! اگر اوپر سے بلاو آہی گیابے تو سکون سے پڑ جائیں۔“

پنڈت سنا رام، گنگا کی بات سن کر اس طرح تڑپنے لگے جیسے ان کا دم تلک تلک اٹک رہا ہو۔ یہ دیکھ کر گنگا نے گنگا جی سے بھرا ہوا لٹا اٹھا لیا اور پنڈت جی کے گھٹے ہوئے منہ میں پانی کے قطرے پکانے لگی۔ اپنے باپ کی آنکھوں میں اسے ایک چمک دکھائی دی، جیسے وہ کہہ

رہے ہوں۔ ”جب تمہیں گنگا پتا نے دوسری زندگی دی تھی اس وقت یہ گنگا جی ہم لے آئے تھے اور آج اسی گنگا جی کو تم اپنے ہاتھوں سے...“

درگاما کے مندر سے آتی ہوئی بھگوان کی آواز تیز ہوتی جا رہی تھی۔ گنگا جی کے قطرے ملنے سے اترتے ہی پنڈت سنا رام کے ہونٹ دھیرے سے گھٹے۔ بھگوان تم سب کی حفاظت کرے گا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی گردن ایک جانب دھک گئی۔ یاد رہی ایک چیخ مار کر اپنے شوہر کی لاش پر گر پڑی۔ یہ دیکھ کر دتارام کو احساس ہوا کہ اسے بھی اپنے بڑے بھائی کی موت پر روناجا بیٹھے اس خیال کے آتے ہی وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر رونے لگا۔

بارہ سالہ شام نے پہلی بار کسی کی موت دیکھی تھی۔ وہ گھٹنوں پر سر دبا کر پچھلے پچھلے کھینچنے لگا۔ وین دیال، پنڈت جی کی موت سر جھکا کر بیٹھا رہا، لیکن گنگا نے تو زہر کا بیلا پی کر زندہ رہنے کا نندہ کیا ہوا تھا۔ باپ کی موت کا صدمہ برداشت کرنے کے لیے اس نے پیٹلے سے تیاری کر رکھی تھی۔ وہ صبر و ضبط کا نمونہ بنی ہوئی تھی۔ لیکن شدید کرب کے آثار اس کے چہرے سے جھلک رہے تھے۔

”ماں!“ وہ ساواری کو اپنے باپ کی لاش سے الگ کرتی ہوئی بولی۔ ”بالو کیا کہتے تھے یاد ہے؟ موت انسان کی ایک نئی زندگی کی ابتداء ہوتی ہے۔ وہ کتنے آرام اور کتنے سکون سے اپنی موت سے ہم آغوش ہوئے ہیں۔ اگر تم اس طرح قائم کریں گے تو ان کی روح کو صدمہ پہنچے گا۔“ یہ کہتے کہتے گنگا کو محسوس ہوا جیسے وہ خود بھی رو پڑے گی۔ اس نے نئے شبیہ کو اپنے سینے سے لگایا اور بھرتی ہوئی آوازیں بولی۔ ”میرے سیرن! اب ہم دونوں کو ہی اس گھر کی دیکھ بھال کرنا ہے۔ تم اگر اس طرح بہت بار دو گے تو سیرن کیا ہوگا؟“

نفاشیو اس کے سینے میں ڈبک کر سکیاں لے کر رو رہا تھا۔ وین دیال، دتارام کو خاموش کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس نے دتارام کا کندھا ہلکا کر کہا۔ ”چلو بھائی، رشتے داروں اور گاؤں والوں کو خبر دے کہ پنڈت جی کی رسوم کی آخری تیاریاں کر رہی ہیں۔“

دتارام اور بھئی اپنے سروں میں روئے لگا۔ اپنی بھانج اور بھائی کے بچوں کو ملتی دینے کی بجائے، وہ خود اپنے لیے تسلی کی اس لگائے بیٹھا تھا۔ آخر گنگا نے ہی اسے سمجھایا کہ باپا بہت تو تمہیں ہم لوگوں کو دینا چاہیے مگر تم تو ہماری بہت ہی توڑ کر رکھ دو گے۔ ہمیں ابھی نہ جانے کتنی کٹھنیاں گزارنا ہیں۔“



و تارام اس کی بات سن کر خاموش تو ہو گیا، مگر وہ لگائی صورت دیکھنے لگا۔  
 لنگا نے ہلکوں پر آئے ہوئے آنسوؤں کو اپنی سادی کے پلو سے پونچھ لیا اور دل مضبوط کر کے کھڑی ہو گئی۔ تھوڑی دیر تک وہ چپ چاپ اپنے باپ کا بے جان چہرہ دیکھتی رہی، پھر اس نے اس کی لاش پر ایک سفید چادر ڈال دی۔ اس وقت اس کے کانوں میں اس کے باپ کے وہ الفاظ گونج رہے تھے جو پندت تیتارام نے اکثر اس سے کہے تھے۔ یہی تعلیم و تربیت تھاری زندگی کو روشن کر دے گی۔

برسوں بعد لنگا پہلی بار اپنے آپ کو تنہا عسوں کر رہی تھی۔ پندت جی کی موت کا غم تو تھائی، ان کی آخری رقم پوری ہوئی تو ان کی مال سادری کو بیوی کا جوڑا پہننے کے لیے اپنے بھائی کے یہاں جانا پڑا۔ لنگا کا ایک ہی مانول تھا جو دونوں آنکھوں سے محروم تھا۔ سادری کا بی نہیں چاہتا تھا کہ وہ جوان بیٹی اور بارہ سالہ شیو کو چار ماہ کے لیے لکھا چھوڑ کر چلی جائے، لیکن بھائی کے ساتھ تو اس کو جانا ہی تھا۔ وہ روتے روتے لنگا سے بولی۔ یہی میسر جی نہیں چاہتا کہ میں دھرم پور جاؤں، لیکن کیا کروں؟ سماج کے رسم و رواج کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ جب اسکول کی چھٹی ہو تو تم شیو کو لے کر ایک بار دھرم پور ضرور آنا۔

اس کے علاوہ سادری کو اس بات کی بھی فکر تھی کہ پندت جی نے لنگا کی شادی کے لیے جو زیورات بنا کر رکھے ہیں، انہیں اس کا دیور و تارام سنبھال کر رکھے گا یا نہیں؟ اسی لیے گھر سے پتلے وقت اس نے یہ بات بھی چھیڑی تھی۔ و تارام بھائی، لنگا کے زیورات اب میں دین دیال جی کو سونپ دینے پائیں۔ میں ان کی امانت ان کے ہی چہرہ کو دینا چاہیے۔ دیو سوبریر زیور انھی کے گھر تو بائیں گے۔

یہ سن کر و تارام کا منہ بکڑ گیا، وہ بولا، کیا آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں ہے بھائی؟ یہ بات درست ہے کہ پہلے مجھ سے کچھ غلطیاں ہوئی ہیں، لیکن بڑے بچپانے اپنی موت سے پہلے مجھے جو نصیحت کی ہے میں اسے اتنی جلدی فراموش نہیں کر سکتا۔ میں اتنا بھی کینا نہیں ہوں کہ اپنی سگی بھتیجی کے زیورات میں خیانت کروں۔ یہ کہہ کر اس نے جان بوجھ کر ایک آہ بھری اور پھر بولا، آپ ہی بتائیں ان پندہ دنوں میں آپ کو مجھ سے کوئی شکایت ہوئی ہے؟ اب تو میں نے سب کچھ چھوڑ کر اس گھر کی اور آپ لوگوں کی ذمہ داری سنبھالنے کا فیصلہ کیا ہے۔

اس کی ان سب باتوں کے باوجود سادری کو اس پر بھروسہ نہیں ہو رہا تھا، اس لیے اس نے اس سلسلے میں دین دیال سے مشورہ کیا۔ دین دیال جی! مجھے اپنے دیور پر بھروسہ نہیں ہے۔ سب خود ہی لنگا کے زیورات اس سے مانگ میں، تاکہ میں اطمینان سے دھرم پور جا سکوں۔

لیکن دین دیال کو دیور بھائی کے معاملات میں دخل اندازی کرنا مناسب نہیں لگا۔ اس نے اُسے سے کہا، میں شادی سے پہلے ان زیورات کو ہاتھ کیسے لگا سکتا ہوں؟ اس طرح و تارام تو پورے گاؤں میں میری بے عزتی کرتا پھرے گا۔ چار چھ بیٹے ہی کی تو بات ہے۔ انہیں و تارام کے پاس ہی رہنے دو، بس لنگا کو ذرا تاکید کر دیں کہ وہ کسی بھی اپنے زیورات پر غلط برائی نہ کرے۔

یہ بات مقبول تھی۔ لنگا کی ماں کو چپ ہو جانا پڑا، لیکن اس کے دل کی بے قراری اپنی جگہ موجود تھی۔ اس سے پہلے کہ دھرم پور جانے والی بڑی درگا پور اسٹیشن سے روانہ ہوئی، زیورات کے ڈبوں میں سے و تارام سونے کی دو چوڑیاں ہضم کر چکا تھا۔ پندہ دنوں سے اس نے جو انہیں کھیلنا تھا اور جو کچھ کے لیے رقم کی ضرورت تو ہوتی ہی ہے۔

دیو جی تھارا خط آیا ہے۔ دروازے میں قدم رکھتے ہی شیو نے ہاتھ میں پکڑا ہوا الفاظ لنگا کو دکھایا۔ لنگا کے لیے یہ پر خوشی کی سہری دھڑکی۔ ایک لے کے لیے اپنا غم بھول کر اس نے ہاتھ بڑھا دیا۔ لاؤ دیکھوں تو کسی کس کا خط ہے؟ یہ خط کس کا تھا؟ یہ بات وہ اچھی طرح جانتی تھی اسی لیے تو اسے بے چینی ہو رہی تھی۔ پچھلے آٹھ دنوں سے وہ درگیش کے خط کا انتظار کر رہی تھی۔

شیو اس کے قریب آکر بیٹھا، لیکن اس نے خط اس کے ہاتھ میں نہیں دیا اور ہنستے ہوئے بولا، دیدی! آج تو میں خود ہی اس خط کو پڑھوں گا۔ دیکھوں تو کسی ڈاکٹر صاحب کیا کہتے ہیں؟ لنگا گھبرا گئی۔ کہیں پچ پچ ہی چھوٹا بھائی وہ خط نہ پڑھ لے۔ خط کا استہدائی جملہ، "جان سے پیاری لنگا، پڑھ کر شیو نے بوجھا۔ دیدی! یہ جان سے پیاری کیا ہوتا ہے؟"

اس نے چھپٹ کر اس کے دہانے سے وہ الفاظ چھین لیا اور بولی، "تھیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ خط ان کا ہے؟ ماں بھی تو اپنے ہنسنے کی

اطلاع دے سکتی ہے؟" دیدی! تم تو مجھے پیاری ہو۔ شیو شرارت بھرے لہجے میں بولا، میں ڈاکٹر صاحب کی تحریر پہچانتا ہوں۔ تم ان کے خط کہاں چھپا کر رکھتی ہو یہ بھی جانتا ہوں۔ دیکھنا ایک بار میں وہ سارے خط پڑھ لوں گا۔

"نہیں نہیں شیو، کسی کے نجی خطوط نہیں پڑھنے پائیں۔" لنگا نے فغان پر نگاہیں جاتے ہوئے کہا، ایسا کرنے سے بھگوان خفا ہوتا ہے۔

"لیکن دیدی ان میں ایسی کیا بات ہوتی ہے جس کو پڑھنے سے بھگوان خفا ہوتا ہے؟ شیو کا جستیں اور بڑھ گیا۔ بند لٹاف بھیجے کی بجائے اگر ڈاکٹر صاحب پوسٹ کارڈ ہی بھیج دیا کریں تو کتنا اچھا ہو۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

شیو کی اس معصومیت پر لنگا کو ہنسی آ گئی۔ اُسے ہنستے دیکھ کر شیو نے پوچھا، ڈاکٹر صاحب نے ایسی کیا بات لکھی ہے کہ تمہیں اتنی ہنسی آ رہی ہے؟

لنگا شیو کو جواب دینے کے نوڈ میں نہیں تھی۔ وہ درگیش کا خط پڑھنے میں مشغول ہو چکی تھی۔ درگیش نے لکھا تھا، اب ہماری بھائی کی گھڑیاں ختم ہونے والی ہیں لنگا۔ پانچ تاریخ سے میرے امتحانات شروع ہونے والے ہیں۔ بھگوان کی کراہ سے مجھے پاس ہونے کا یقین ہے۔ زندگی کی دو فتائیں اب بہت مختصر ہے۔ عرصے میں پوری ہو جائیں گی۔ ایک تو ڈاکٹر نے کی اور دوسری تانتیں چوں ساتھی بنائے گی۔ سیتارام بچا یہ دن دیکھنے کے لیے زندہ نہیں ہیں۔ کاشش وہ بھی اس سے ہوتے۔ ان کی تیار داری کرنے کا مجھے موقع نہیں ملا، اس کا انوس سے میرے باپ نے لکھا تھا کہ سادری چاچی چند ماہ کے لیے اپنے بھائی کے گھر جانے والی ہیں۔ اب تو شاید تم اور شیو ایک ہی رہ گئے ہو گے۔ میں سمجھتا ہوں تم پر گھر کی ذمہ داری کا بوجھ بھی آ پڑا ہے، لیکن اب مختصر ہے، دنوں کی بات ہے، پھر تم سب لوگوں کی ذمہ داری میں سنبھال لوں گا۔ اس کے علاوہ میں تمہیں اسکول کی ملازمت بھی نہیں کرنے دوں گا۔ و تارام چاچا کی پریشانیوں سے، بھگوان نے جانا تو جلد ہی چھٹکارا مل جائے گا۔ اپنے باپ کی کوئی نہ الگ خط لکھا ہے، انہوں نے مجھے لکھا تھا کہ تم ان کا بے حد خیال رکھتی ہو اور انہی سے ان کی ہوسوں کی خدمت کرنے لگی ہو۔ شیو کے لیے میں ایک خوب صورت گھڑی لیتا آؤں گا اور تمہارے

پلے پیار بھرا، مسیہ رادل جو جو میں لکھتے تھاری پیار میں دھڑکتا رہتا ہے۔ لنگا خط پڑھنے میں بہت ہی محو تھی۔ شیو نے اسے چونکایا۔ "دیدی! تم چپ چاپ ہی پڑھتی رہو گی یا مجھے بھی کچھ سناؤ گی؟" "تمہارے ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ کل سے ان کا امتحان شروع ہو رہا ہے۔" لنگا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرے امتحان بھی تو کل سے ہی شروع ہو رہے ہیں، مگر تم اس طرح مسکرا رہی تھیں جیسے کوئی خاص بات ہو۔" شیو نے کہا۔

"ہاں وہ خاص بات یہ ہے کہ اتنے وقت وہ تیرے لیے ایک خوب صورت گھڑی لے کر آئیں گے۔"

"اچھا! شیو خوش ہو گیا۔ اور تمہارے لیے کیا لائیں گے؟" "میرے لیے؟" لنگا کو درگیش کے لکھے ہوئے الفاظ یاد آ گئے۔ "تمہارے لیے پیار بھرا رادل لاؤں گا۔ لیکن شیو سے یہ بات وہ کیسے کہہ سکتی تھی؟ دیکھو شیو، میں کل صبح مندر جانا ہے، ماں جی کے لیے پوجا کرنے۔ اس نے بات مٹاتے ہوئے موضوع بدلا۔

"ڈاکٹر صاحب کے امتحان ہونے والے ہیں اس لیے؟" "شیو کی چالاکی پر وہ اندری اندر ہنسی پڑی، لیکن سناوٹی غصے کا اظہار کرتے ہوئے بولی، تم ہر بات پر بحث کرنے لگے ہو۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر تم بھی مجھے ہر بات میں بے وقوف مت بنایا کرو۔" شیو منہ بنا کر بولا، اب میں چھوٹا نہیں ہوں۔

یہ سن کر لنگا کے دل میں اس کے لیے پیار اُٹھ گیا اور اس نے بے اختیار اسے سینے سے لگاتے ہوئے کہا، میرے بھائی، تو جلدی سے بڑا ہو جا۔ یہ دعا میں روز روز گانا سے کرتی ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے شیو کی پیشانی پر بوم لیا۔

مندرجہ کے پچھو اڑے والے تالاب سے دونوں بہن بھائی نہا کر نکلے تو شیو نے کہا، تم ان جھاڑیوں میں جا کر اپنے کپڑے بدل لو۔ میں اس دوران میں پوجا کے لیے پھول چنی کر آتا ہوں۔ نصیص بہن کر شیو، لنگا کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو لنگا اپنے کپڑے اٹھا کر جھاڑیوں کی طرف چل دی۔ اس وقت وہ سوچ رہی تھی کہ اب اسے کچھ تالاب میں آکر نہانا نہیں چاہیے، کیوں کہ جیسے کپڑوں میں جسم نمایاں نظر آتا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے جھکی ہوئی ساری کو خوب اچھی طرح بدن پر لپیٹ لیا تاکہ کسی

کی نظر اس کے جسم پر نہ پڑنے پائے، لیکن وہ اس بات سے بے خبر تھی کہ ان دیکھی نگاہیں اس کے جسم کا بغور مشاہدہ کر رہی تھیں۔

”ابے اجیت! گاؤں میں اتنا خوب صورت بالور ہے، پھر بھی ہمیں شکار کے لیے ادھر ادھر بھٹکانا پڑتا ہے۔“ درگا پور کا نوجوان ٹھاکر شمشیر سنگھ دور زمین کو اپنی آنکھوں پر سے ہٹاتے ہوئے بولا۔

”ٹھاکر جی! یہ گاؤں کی ماسٹری ہے۔ اس کے لازم اجیت ہے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا: ”بڑھی بھی اور زور آور ہے۔ گاؤں کی لڑکیوں کو تیسرا کان اور لاشی وغیرہ جیسے ہتھیاروں کا استعمال سکھا کر اس نے انہیں بھی ہڈیاں بنا دی ہے۔“

”تب تو اس کا شکار کرنے میں نرا اُسے گا،“ ہونٹوں پر زبان چسیر کر ٹھاکر اپنی مونچھوں کو تانوا دینے لگا، ”میری تجربے کار نگاہوں نے تاننا دیا ہے۔ ماسٹری خاص سونا دکھائی دے رہی ہے۔“

”اس کا نام لنگا ہے جو را“ اجیت نے اپنی معلومات کا پتہ اٹھوا لیا۔

”تب تو لنگا میں ڈکی لگا کر مجھے پاک ہو جانا چاہیے،“ ٹھاکر نے دور زمین ہٹا کر قدم آگے بڑھائے اور دیکھ لیا کہ اجیت سے بولا: ”آواز لگائے بغیر چپ چاپ میرے پیچھے آؤ۔ موقع بھی بہت اچھا ہے۔ وہ جھاڑیوں کے پیچھے کھڑی ہے۔ بس ہاتھ بڑھانے کی دیر ہے، پڑ پڑا ہتھی میں ہوگی۔“

لنگا نے جوں ہی جھک کر زمین پر پڑی ہوئی ساری اٹھائی۔ اچانک جھاڑیوں میں اسے کچھ آہٹ کی محسوس ہوئی، وہ چونک پڑی اور جلدی سے ایک ہاتھ سینے پر رکھ کر دوسرے ہاتھ سے ساری اپنے جسم پر پھینکنے لگی۔ دفعہ آگے خیال آیا کہ خشک ساری میں درگیش کا جو خط اس نے لپیٹ رکھا تھا زمین پر گر کر ہوا کے جھونکے سے ایک قدم آگے ہل گیا ہے۔ جسے تیسے ساری لپیٹ کر وہ اس لفافے کو اٹھانے کے لیے لپٹی، لیکن ہاتھ بڑھا کر وہ جیسے ہی لپٹے جھکی اس نے دیکھا کہ وہ لفافہ مٹی کے سیاہ جوتے سے تھوڑا سا دبا ہوا تھا۔ اس نے نگاہیں اوپر اٹھائیں تو نوجوان ٹھاکر کو سامنے دیکھ کر وہ گھبرا گئی۔

کسی تنوار کے موقع پر رانی ماں کے ساتھ کھلی گتھی میں بیٹھ کر جب نوجوان ٹھاکر گاؤں میں نکلتا تھا، اس وقت بھی گاؤں کی نوجوان لڑکیاں اس کی نگاہوں سے چھپنے کی کوشش کرتی تھیں کیوں کہ ٹھاکر کی نہرت ابھی نہیں تھی۔ کوئی خوب صورت لڑکی اگر اس کی نگاہوں

میں آجاتی تو پھر اس کی شامت اُسے میں دیر نہ لگتی۔ بیٹے کی بدعات سدھارنے کے لیے رانی ماں نے اُسے دوبرس کے لیے لاپت بھی چھوڑا تھا، لیکن وہاں سے وہ اور بھی مجبور کر آیا تھا۔

”سندری! مجھے دیکھ کر ڈر گئیں؟“ ٹھاکر کی آواز سن کر لنگا چونک گئی، سوال پوچھتے وقت ٹھاکر کی لپٹائی ہوئی نظریں اس کے جسم کو ٹٹول رہی تھیں۔

لنگا نے جلدی سے اپنا منہ پھیر لیا اور بولی: ”میرا نا سندری نہیں، لنگا ہے۔“

”لیکن تم تو ہر چیز کا نام اس کی خوبیاں دیکھ کر رکھتے ہیں۔“ ٹھاکر شمشیر سنگھ نے مسکرا کر کہا۔

لنگا نے محسوس کیا کہ اس آدمی سے منہ کن فضول ہے، منہ میں آنے جانے والے لوگوں میں سے اگر کسی نے اُسے ٹھاکر کے سامنے دیکھ لیا تو ایک کی ہزار باتیں گاؤں میں پھیل جائیں گی۔ اگر ٹھاکر کے جوتے کے نیچے دبا ہوا درگیش کا خط لپٹا مقصود نہ ہوتا تو وہ کب کی وہاں سے بھاگ چکی ہوتی۔ وہ ذرا ہمت کر کے بولی: ”بھٹ کر صاحب! کسی کی چسپاز پر اس طرح زبردستی قبضہ کر لینا آپ کو زیب نہیں دیتا۔“

”واہ! ماسٹری واہ! یہ ٹھاکر سنس کو بولا: ”تم تو ہمیں بھی پڑھانے لگی ہو۔“ پھر اپنے لیے کو سخت بناتا ہوا غوراً: ”مجھے معلوم ہے کہ تم ابھی تک مٹی کی چیز نہیں بنی ہو۔“

”ٹھاکر! لنگا غصے سے پلٹ کر بولی: ”نہیں اپنی زبان بانی ماں بہنوں سے اس قسم کا سلوک نہیں کرنا چاہیے۔ مہربانی کر کے اپنا پاؤں ہٹاؤ اور مجھے اپنا خط لے لینے دو۔“

”اور اگر میں اپنا پاؤں نہ ہٹاؤں تو؟“ ٹھاکر اپنے کانڈے پر لٹکی ہوئی ہنس دلی کی نال سلٹا ہوا بولا۔

لنگا کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اکیلے ہونے کی وجہ سے اس کی پیشانی پر سینے کے قطرے چھلکے گئے تھے۔ درگیش کے خط کو اُس کے ناپاک پیسوں میں پھینکے جانے کے تصور سے وہ کانپ اٹھی تھی۔ اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے درگیش کے پیار بھرے دل کو کوئی اپنے پیروں سے تسلیم کر رہا ہے۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ بیٹو واپس آگیا۔ اس نے شاید ٹھاکر کی بات سن لی تھی، اسی لیے پیچھے سے جا کر اس نے ٹھاکر کی پسندلی پروانٹ کاٹنے کی کوشش کرنا چاہی۔ لیکن اس کی یہ حرکت، ایک جانب

جھاڑیوں میں چھپا ہوا ٹھاکر شمشیر سنگھ کا ساتھی اجیت دیکھ چکا تھا۔ شیو کہ گھٹنوں کے بل آگے بڑھتا ہوا دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ یہ ٹھاکر کے پاؤں کے نیچے دبا ہوا خط لے کر بھاگنا چاہتا ہے۔ وہ لپک کر جھاڑیوں سے باہر نکل آیا اور شیو کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اسے گالیاں دیتا ہوا چیخا۔

”حرامی ٹھاکر سے لڑنے آیا ہے؟“ کہہ کر اس نے شیو کے گال پر ایک تھپتھپا دیا۔ تھپتھپا کھاتے ہی شیو زمین پر گر پڑا۔ یہ دیکھ کر لنگا کے منہ سے چیخ نکل گئی اور وہ بھاگ کر شیو کے پاس پہنچی، پھر دانت پیس کر اجیت سے کچھ کہنے ہی دالی تھی کہ ٹھاکر شمشیر سنگھ نے آگے بڑھ کر خود ہی اجیت کو ایک غماچہ رسید کر دیا۔ ”بے وقوف! ایک نیچے پر ہاتھ اٹھاتا ہے؟“ وہ غرا یا۔

اجیت اپنے گال پر ہاتھ رکھ کر بڑی حیرت سے ٹھاکر کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ لیکن ٹھاکر شمشیر سنگھ نے لنگا کی نگاہیں بچا کر اسے آنکھ کے اشارے سمجھا دیا کہ یہ سب کچھ ڈراما تھا۔

لنگا نے ہاتھ پکڑ کر شیو کو اٹھایا اور اس کے کپڑے جھاڑیوں سے لگی پھر وہ شیو کے لائے ہوئے پھولوں کو زمین سے اٹھاتے ہوئے بولی: ”چلو بھیا، ہمیں مندر جانا ہے۔“

ابھی وہ چار قدم ہی آگے بڑھی تھی کہ پیچھے سے ٹھاکر شمشیر سنگھ نے اسے آواز دی: ”اے سندری! اپنا یہ خط تو لیتی جاؤ۔“

لنگا اب پیچھے پلٹ کر دیکھنا نہیں چاہتی تھی، لیکن درگیش کے خط کو دوبارہ پالنے کی خواہش سے مجبور ہو کر اسے رکنا پڑا۔ ٹھاکر نے نیچے جھک کر وہ لفافہ اٹھایا پھر اس پر لگی ہوئی مٹی کو جھاڑتا ہوا بولا: ”سندری آؤ... آگے آکر لے لو۔“

لنگا اپنی نظریں درگیش کے خط پر جم کر اس کی طرف بڑھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ قریب جا کر وہ گھورتے ہوئے ٹھاکر کے منہ پر زور دے تا چار رسید کرے۔ لیکن حالات کے پیش نظر اُسے اپنے غصے کو قابو میں رکھنا تھا۔

”اور نزدیک آؤ سندری!“ ٹھاکر نے لفافے والا

ہاتھ آگے بڑھا کر دانت نکالتے ہوئے کہا: ”اس حسین چہرے کو جی بھر کر دیکھ تو لینے دو۔“

لنگا کے تن بدن میں آگ لگ گئی، دانت پیس کر اس نے زمین پر اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر قی سے ایک پتھر اٹھالیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ ٹھاکر کا سر اس کا نشانہ بنتا، اجیت بلند آواز سے چلا یا: ”ٹھاکر جی! رانی ماں کی سواری آکر ہی ہے۔ شاید وہ مندر میں جا رہی ہیں۔“

رانی ماں کا نام سنتے ہی ٹھاکر کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور لنگا کا ہاتھ بھی اٹھا کا اٹھا رہ گیا۔ ٹھاکر نے ہونٹ پھینچ کر درگیش کا خط اپنی جیب میں ٹھونسا اور بولا: ”لنگا رانی! خط واپس لینے کے لیے، اب تمہیں میری جوتیلی میں آنا پڑے گا۔“

اس سے پہلے کہ رانی ماں کی گتھی مندر کے دروازے پر جا کر کھتی، ٹھاکر شمشیر سنگھ اجیت کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ رانی ماں نے گتھی سے اترتے ہی اسے دیکھ لیا۔

”اے بیٹا شمشیر تم؟ تم شکار سے سیدھے مندر میں؟“ اس کے لہجے سے مانتا کے علاوہ تعجب بھی جھلک رہا تھا۔

”ہاں، ماں جی!“ ٹھاکر شمشیر سنگھ نے ماں کی بات کاٹ کر انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہا: ”بہت دنوں سے میں نے دیوی کے درشن نہیں کیے تھے۔“

”تم نے آج کوئی شکار نہیں کیا؟“ رانی ماں نے پوچھا۔

”شکار تو مل گیا تھا ماں جی! لیکن نشانہ چوک گیا۔“ یہ کہہ کر ٹھاکر نے اپنا سر جھکا لیا اور رانی ماں کے پیچھے پیچھے چلتا ہوا مندر میں داخل ہو گیا۔ جاتے جاتے اس نے ترجمانی نظروں سے لنگا کو دیکھا تھا۔ جو اس کے عقب میں آ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کو دیکھ کر یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کہہ رہا ہو: ”سندری تمہارا جو بن اب میری مٹھی میں آچکا ہے، یہ سمجھ لینا۔“

تین نسلوں سے درگا پور کا ٹھاکر خاندان ایک غدا میں مبتلا تھا۔ اس خاندان کا بڑا بیٹا چھپیس سال کی عمر تک پہنچتے ہی مر جاتا تھا۔ شمشیر سنگھ کا پردادا جگجیت سنگھ جنگل میں شکار کھیل رہا تھا، لیکن جب



بندوق چلانے کا وقت آیا تو نہ جانے کیا ہوا کہ اس سے گولی چلائی نہ جاسکی اور پھر ہوا شیر اس کے سینے پر سوار ہو گیا۔ اس کے ساتھ گئے ہوئے نوکر چاکر اپنی جان بچا کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ لیکن دو تین وفادار نوکر ایسے بھی تھے، جنہوں نے جان پر کھیل کر اس کی جان بچانے کی کوشش کی۔ ان کی گولیوں سے شیر زخمی ہو کر اور بھی خطرناک ہو گیا۔ اس نے اپنا ایک پنجام مار کر جگیت سنگھ کے جسم کو چیر دیا اور وہاں سے بھاگ نکلا۔

اس کے بعد شمشیر سنگھ کا دادا اور دم سنگھ انیس برس کی عمر میں بھاگ کر کی گدڑی پر بیٹھا تین چار سال تک بھاگ کر کی گدڑی سنبھالنے کے بعد وہ دو بچوں کا باپ بھی بنا، لیکن پچیس برس کی عمر تک پہنچتے ہی اسے ایک ناگ نے ڈس لیا جس سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ اور پر تلے ان دو بچوں سے درگا پور میں یہ بات مشہور ہوئی کہ بھاگ کر خاندان کو کسی کی بددعا لگ گئی ہے۔ پندرہ توں اور بچو میںوں کا خیال تھا کہ شیر اور سانپ بن کر کسی کی روح اس خاندان سے اپنا انتقام لے رہی ہے۔ کئی پڑوسی نے پھیلی چھ فسلوں کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ راج پاٹ کے جھگڑے میں اس زمانے میں جن لوگوں کو قتل کیا گیا تھا ان کا نام بھی انھوں نے معلوم کیا، پھر یہی رائے قائم کی گئی کہ یہ منتقام کارروائی کسی روح کی ہو سکتی ہے۔ جو اپنے ساتھ ہونے والے ظلم کا انتقام لے رہی ہے۔ یہ بات جب گاؤں اور گاؤں سے باہر پھیلی تو لوگوں نے یہی سمجھ لیا کہ اب بھاگ کر خاندان میں کوئی مرد چوبیس پچیس سال کی عمر کے بعد زندہ نہیں رہے گا۔ اس پاس کے چھوٹے بڑے جاگیرداروں اور بھاگروں نے درگا پور کے بھاگ کر خاندان میں اپنی لڑکیاں بیابنے سے کترانے لگے۔ بھلا ان حالات میں کون دی ہوش اپنی بیٹی کو جان بوجھ کر بیوہ بناتا؟

شمشیر سنگھ کے باپ جواہر سنگھ کی منگنی تو اس وقت ہو چکی تھی، جب وہ صرف پانچ برس کا تھا۔ لیکن اور دم سنگھ کی موت کے بعد جب خاندان پر کسی بدروح کے انتقام کی بات پھیلی تو لڑکی کے باپ نے جواہر سنگھ سے اپنی

بیٹی کی شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے اپنے خط میں درگا پور کے بھاگ کر خاندان کو لکھا تھا۔ ہم اپنی اکلوتی بیٹی کو جان بوجھ کر بیوہ نہیں بنانا چاہتے۔ لہذا پچپن کی منگنی کو توڑ دیا جائے۔

لڑکی والوں کے اس فیصلے سے درگا پور کے بھاگ کر خاندان میں ایک بھونچال سا آگیا۔ آخر لڑکی والوں نے اتنی ہمت کیسے کر لی؟ درگا پور کے بھاگ کر خاندان میں اپنی لڑکیاں بیابنے کے لیے جاگیرداروں اور چھوٹے بڑے راہاؤں میں بھی دوڑ بھاگ شروع ہو جاتی تھی۔ وہ سب اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کی لڑکیاں درگا پور کی حویلی میں جا کر کبھی دیکھی نہیں رہ سکتیں، لیکن اب حالات مختلف تھے یکا یک سب کچھ بدل گیا تھا۔ جواہر سنگھ کے بارے میں یہ خیال کیا جا رہا تھا کہ اگر اس کی منگنی توڑ دی گئی تو اسے بچے گھر کی کون سی لڑکی درگا پور کے بھاگ کر خاندان کی ہوسٹل کے لیے تیار ہوگی؟ کافی سوچ بچار کے بعد اس پاس کے چند راہاؤں اور بڑے بڑے جاگیرداروں کو جمع کر کے لڑکی کے باپ کو راضی کر لیا تھا کہ ابھی تو جواہر سنگھ بھی کم عمر ہے اور لڑکی بھی نابالغ ہے۔ جب دونوں جوان ہوں گے تو حالات کو دیکھ کر فیصلہ کر لیا جائے گا۔ پھر جب جواہر سنگھ جوان ہو گیا تو اچانک نہ جانے اس کی منگنی بیلادتی کو کیا سوچا کہ وہ ضد کرنے لگی کہ اگر اس کی شادی ہوئی تو وہ صرف اور صرف جواہر سنگھ سے ہی ہوگی۔ باپ اور دوسرے رشتہ داروں نے اسے بہت سمجھایا مگر وہ یہ ضد تھی اس نے اپنے باپ سے کہا "ہم راجپوت ہیں بابا! ایک بار کسی کو زبان دے دیں تو زندگی بھر پیچھے نہیں ہٹتے۔ مجھے بیوہ ہو جانے کے خوف سے آپ میرا گھر بدلنے کا ارادہ ترک کر دیں۔ میرے نصیب میں جو لکھا ہے وہ تو ہو کر ہی رہے گا۔"

اس طرح شمشیر سنگھ کی ماں نے ہمت کر کے درگا پور کی رانی اور جواہر سنگھ کی بیوی بنا قبول کر لیا تھا۔ لیکن جب جواہر سنگھ کی عمر چوبیس برس کی ہو گئی، تو وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ جواہر سنگھ اپنے ہی خاندان کے ایک فرد کے ہاتھوں مارا گیا۔ قاتل نے گولی اس کی

بیوی اور دو بیٹیوں کی موجودگی میں خود اس کی حویلی میں ہی ماری تھی۔ جواہر سنگھ کی موت سے حویلی میں ایک ہنگامہ مچ گیا۔ تیسرا انتقام لیا جا چکا تھا اور اس طرح بیس برس کی بیلادتی اپنے ہاتھ کی چوڑیاں توڑ کر بیوہ بن گئی تھی۔ لیکن اپنے ماں باپ کی طرف سے نہ تو اسے تسلی دی گئی اور نہ ہی اس کے آسور بونچھنے کی کوشش کی گئی۔ بلکہ اس پر طنز کرتے ہوئے کہا گیا "دیکھ لیا تم نے اپنی راجپوتی ضد کا نتیجہ۔ اب زندگی بھر بیوہ بن کر زندگی گزارو۔"

رانی ماں نے دل کو پھٹ کر یہ طنز برداشت کر لیا تھا۔ اسے اس بات کی ڈھارس بندھی ہوئی تھی۔ تقدیر نے اسے بیوہ بنا دیا ہے تو کیا ہوا۔ اس کی کوکھ دو بیٹیوں کو جنم دے چکی تھی۔ ان کے سہارے وہ زندگی کے دن پورے کرے گی۔ اس نے دل ہی دل میں یہ ارادہ بھی کر لیا تھا کہ جب تک اپنے دونوں بیٹیوں کو جوان کر کے وہ بھاگ کر کی گدڑی پر نہیں بیٹھا، اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گی۔ اب وہ ان کے لیے ان کی ماں بھی تھی اور باپ بھی۔

گاؤں والوں اور خاندان کے افراد کا خیال تھا کہ بیلادتی اپنے اس عہد پر زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہ سکے گی۔ وہ بہت جلد اپنی ضد چھوڑ دے گی حویلی پر موت کے جو سائے منڈلا رہے تھے، وہ سائے کسی وقت بھی اس کے دونوں بیٹیوں کو شادی کے بعد یا اس سے پہلے اپنی آغوش میں سمیٹ سکتے تھے۔ اول تو اب کوئی لڑکی بھاگ کر شمشیر سنگھ کی بیوی بن کر اس حویلی میں آنا ہی نہیں چاہے گی لیکن اگر کوئی لڑکی ہمت کر کے آ بھی گئی تو شمشیر سنگھ کی نسل کا بھی وہی حشر ہو گا جو پہلے اس کے باپ داداؤں اور اب خود اس کا ہونے والا ہے۔

رانی ماں کے مضبوط ارادوں نے لوگوں کے سارے اندازے غلط ثابت کر دیے جواہر سنگھ کی موت کے ٹھوڑے عرصے بعد ہی اس نے ریاست کا سارا نظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ بوڑھے دیوان کے انتقال کے

بعد کسی کو نیا دیوان مقرر کرنے کی بجائے سارے حساب کتاب وہ خود ہی دیکھنے لگی۔ زمین جاگیر کے جھگڑے بھی وہ بہ حسن و خوبی نمٹانے لگی۔ اس کی اس دلچسپی سے ریاست میں نئی نئی تبدیلیاں آتی گئیں، اناج کی پیداوار میں اضافہ ہو گیا۔ لوگ خوش حال ہوتے گئے۔ عوام کی شکایات پر توجہ دی جانے لگی۔ بچوں کو تعلیم کے لیے وظیفے مقرر کر دیے گئے۔ بیلادتی کے ان اقدامات سے عوام تہہ دل سے اس کی عزت کرنے لگے اور اسے صرف رانی کی بجائے رانی ماں کہنے لگے۔

درگا پور کی خوش حالی اور ترقی دیکھ کر اس پاس کے چھوٹے چھوٹے جاگیرداروں اور راہاؤں نے بھی اپنے علاقوں پر توجہ دینا شروع کی۔ اس سلسلے میں رانی ماں نے انہیں انتہائی قیمتی اور اہم مشورے دے کر اپنی حالت سدھارنے میں مدد دی۔ بیلادتی رانی ماں اپنے اخلاق اور حسن سلوک سے مقامی لوگوں کے دلوں میں گھر چکی تھی۔ یہ سب شاید وہ اس لیے بھی کر رہی تھی کہ اس کی نیکیوں سے بھاگ کر خاندان پر چھانے والے موت کے بادل چھٹ جائیں۔ اس کا خیال تھا کہ غریبوں محتاجوں اور ضرورت مندوں کی دعائیں لے کر وہ اپنے خاندان پر سے کسی کی بددعاؤں کے اثر کو دور کر سکتی تھی۔ وہ اپنے ان نیک اور اچھے کاموں سے مطمئن تھی۔ لیکن ایک خلش ایسی تھی جو کانٹے کی طرح اس کے دل میں چبھتی رہتی تھی۔ وہ تھی گھر میں بھولانے کی تمنا۔ شمشیر سنگھ اب جوان ہو چکا تھا مگر پھر بھی اس کی شادی کی خواہش کو اسے اپنے دل میں دبا کر رکھنا پڑا تھا۔ اسے اس بات کا خوف تھا کہ ساس بننے کی خوشی میں اگر اس نے کسی لڑکی کی زندگی برباد کر دی، تو کیا وہ کبھی خوش رہ سکے گی؟ وہ اکثر سوچتی تھی کہ جان بوجھ کر کسی لڑکی کو بیوہ کر دینا اچھا فعل نہیں۔ کسی کی بددعا یا کسی کی بے چین روح کے انتقام کو وہ اپنا وہم سمجھ کر بھول سکتی ہے، لیکن شمشیر سنگھ کے باپ جواہر سنگھ کو قتل کرنے والے رام سنگھ کی وہ دھمکی وہ کیسے بھول سکتی تھی، جب اس کی آنکھوں کے سامنے اس نے جواہر سنگھ کو

گوئی مارتے وقت اس سے کہا تھا ”ٹھکرائیں! جواہر سنگھ کی لاش سے میرے انتقام کا حساب پورا نہیں ہوا ہے۔ تمھاری گود میں سوئے ہوئے ٹھاکر خاندان کے ان دونوں بچوں کو بھی میں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ جب یہ جوان ہو کر ٹھاکر کی گدی پر بیٹھیں گے یا شادی کریں گے، تب میں ایک بار پھر اس حویلی میں آؤں گا اور اس کی بیوی کے سامنے اسے بھی ہلاک کر دوں گا... ایک کے بعد اسی طرح دوسرے لڑکے کی باری آئے گی، یاد رکھنا راجپوتی ٹھکرائیں! جب تک میں زندہ ہوں، ٹھاکر خاندان کی نسل کو ہرگز آگے بڑھنے نہیں دوں گا۔ اپنا انتقام لیے بغیر میری روح میرے جسم کا ساتھ نہیں چھوڑے گی۔“

یہ ایک راجپوت کی دھمکی تھی اور یہ وہی ٹھاکر رام سنگھ تھا، جس نے اسی حویلی میں لیلادتی کو شہابی دیتے ہوئے کہا تھا ”شہابی ٹھکرائیں! میں تمھیں اصلی راجپوت سمجھتا ہوں۔ اپنے باپ اور اپنے سارے خاندان کی مخالفت کے باوجود تم نے ٹھاکر خاندان کی دھن بن کر ہمارے جواہر سنگھ کی رانی بننا منظور کر لیا۔“ ایسے الفاظ ادا کرنے والے ٹھاکر خاندان کے ایک فرد نے ہی بعد میں اسے بیوہ بنا دیا تھا۔

رام سنگھ کی دھمکی کو وہ محض ایک وقتی انتقام نہ کارروائی سمجھ کر، کچھ عرصے تک اپنے دل کو سمجھاتی رہی۔ وہ اکثر یہ کہہ کر اپنے آپ کو تسلی دیتی رہتی تھی۔ قاتل رام سنگھ بھلا کب تک پولس کی نظروں سے چھپتا پھرے گا؟ چھ مہینے... سال... دو سال، ایک نہ ایک دن تو اسے گرفتار ہونا ہی ہے، لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا، اس کے سارے اندازے غلط ثابت ہوتے گئے قاتل سے ڈاکو بن جانے والے رام سنگھ کی دہشت روز بہ روز بڑھتی گئی۔ سارا راجستھان اس کا نام سن کر لرزنے لگتا تھا۔ پھر برسوں گزر گئے۔ لیلادتی کے دونوں لڑکے جوان ہو گئے اور وہ خود لیلادتی سے درگا پور کی رانی ماں بن گئی۔ ڈاکو رام سنگھ نے تو جیسے نہ مرنے کی قسم کھا رکھی تھی... وہ اب بھی زندہ تھا اور پہلے کی طرح ہی چیختا چنگھا رانا راجستھان

کی دھمکی کو زندہ بنا پھر رہا تھا۔

اس درمیان رانی ماں کا کوئی دن بھی ایسا نہیں گزرا تھا جب رام سنگھ کی وہ دھمکی اسے یاد نہ آئی ہو۔ اس کا بڑا بیٹا شمشیر سنگھ اب ٹھاکر کی گدی سنبھالنے کے لائق ہو چکا تھا لیکن پھر بھی رانی لیلادتی اس خوشی کے موقع کو ٹالنے کی کوشش کر رہی تھی کیونکہ رام سنگھ نے صاف صاف لفظوں میں اس سے کہا تھا۔ ”تمھارا بڑا بیٹا جب جوان ہوگا، جب وہ گدی نشین ہوگا یا جب وہ شادی کرے گا تو اس وقت میں اس حویلی میں حاضر ہو جاؤں گا۔ یہ بات یاد رکھنا۔“

تو کیا رام سنگھ سترہ برس گزر جانے کے باوجود بھی اپنے انتقام کو اپنے سینے میں دبائے بیٹھا ہوگا؟ درگا پور کی آئندہ نسل کو ختم کر دینے کی دھمکی اسے ابھی تک یاد ہوگی؟ اگر یہ بات ہے تو اس نے درگا پور میں ایک بار بھی ڈاکو کیوں نہیں ڈالا؟ یہاں کے لوگوں کے خون سے اس نے اپنے ہاتھ کیوں نہیں رنگے؟ اتنے سال گزر جانے کے باوجود اس نے ایک بار بھی اس گاؤں میں قدم کیوں نہیں رکھا؟ شاید... اس لیے کہ...

اس سے آگے کے خیال سے کانپ اٹھتی تھی شاید اپنا بدلہ لیے بغیر اس نے درگا پور کی دھمکی پر قدم نہ رکھنے کی قسم کھائی ہو... بس یہی ایک خیال ایسا تھا جو اس کے دل کی دھڑکنوں کو تیز کر دیا کرتا تھا۔ اگر یہ سچ تھا تب تو پھر یہ بات یقینی تھی کہ اپنا بدلہ لینے کے لیے وہ درگا پور کی دھمکی پر ضرور قدم رکھے گا، اس سے پہلے نہیں۔ وہ شاید شمشیر سنگھ کے گدی پر بیٹھنے کا انتظار کر رہا ہو گا یا پھر وہ اس دن کا منتظر ہو گا کہ کب رانی ماں چپکے سے اس کے پھیرے کرائی ہے۔

رانی ماں نے برسوں سے رام سنگھ کی دھمکی کے الفاظ اپنے سینے میں دبا رکھے تھے۔ اس نے کبھی اس دھمکی کا ذکر کسی سے نہیں کیا تھا، یہاں تک کہ اپنے جوان ہونے پر شمشیر سنگھ کو اس معاملے میں ہوا نہیں لگنے دی تھی۔ جب شمشیر سنگھ کی عمر آئیس سال

کی ہوئی تو اس کے خوف میں مزید اضافہ ہو گیا۔ آئیس سال کی عمر تک اس نے شمشیر سنگھ کو درگا پور کی حدود سے باہر جانے نہیں دیا تھا۔ لیکن جوان بیٹے کو وہ کب تک روکے رکھ سکتی تھی؟ جب اس نے اپنے دوسرے بیٹے وکرم سنگھ کو گوالیار کے ملٹری اسکول میں پڑھنے کے لیے بھیجا تھا، تب شمشیر سنگھ نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہا تھا ”ماں تم وکرم کی ہر خواہش پوری کرتی ہو مگر مجھے درگا پور کی چار دیواری کے اندر قید کر رکھا ہے۔“ یہ سن کر رانی ماں کے ذہن میں ایک ترکیب آئی تھی اور اس نے شمشیر سے کہا تھا ”میں، تمھیں وکرم سے بھی زیادہ دیر بھیجا چاہتی ہوں۔ بلوکیا تم انگلستان جاؤ گے؟“

”میں وہاں جا کر کیا کروں گا۔ میں تو میرٹھ پاس بھی نہیں ہوں۔“ شمشیر نے جواب دیا تھا۔

”میں تمھیں پڑھنے نہیں، بلکہ کچھ دیکھنے بھیج رہی ہوں۔“ رانی ماں نے اصل بات دل میں چھپا کر بیٹے سے کہا ”وہاں جا کر تم نئی دنیا دیکھو، مختلف ملکوں کے لوگوں کو پہچانا سیکھو، اس مشاہدے سے تمھیں تجربہ حاصل ہوگا۔ تمھاری سوچ میں تبدیلی آئے گی۔ وہاں تمھیں تنہائی کا احساس نہ ہو، اس لیے میں تمھارے ساتھ اجیت کو بھی بھیج دیتی ہوں۔“

اس طرح شمشیر سنگھ کو ولایت بھیجنے کے بعد اس نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ جب تک شمشیر سنگھ وہاں رہے گا، اس وقت تک اس کی جان کو خطرہ کا امکان نہیں۔ اور جب تک وہ واپس آئے گا اس وقت ممکن ہے رام سنگھ پولس کے ہاتھوں گرفتار ہو جائے یا پھر پولس مقابلے میں ہلاک کر دیا جائے۔ لیکن رانی ماں کی یہ امید بھی پوری نہیں ہوئی سوا دو سال ولایت میں رہ کر شمشیر سنگھ واپس آیا تو رانی ماں کو احساس ہوا کہ دو لاکھ روپے خرچ کر کے وہ خود دیر باد ہو کر واپس آیا ہے ولایت جانے سے پہلے حویلی میں سونے والا شمشیر سنگھ، اب حویلی سے ایک میل دور ایک چھوٹے سے جنگل میں اپنی رانیں بسر کرنے لگا تھا... یہ بنظر برسوں سے بند پڑا تھا۔ جب

شمشیر سنگھ کا باپ جواہر سنگھ زندہ تھا تو وہ بھی کبھی مہالوں کے لیے وہاں ٹھکرے وغیرہ کرایا کرتا تھا، شراب کی محفلیں تو وہاں اکثر جیتی ہی رہتی تھیں۔

پردیس جا کر شمشیر سنگھ شراب اور ناچ گانوں کا شوقین ہو گیا تھا، اس میں تعجب کا کوئی پہلو نہیں تھا۔ اس کا باپ بھی شراب پیتا تھا۔ وہ بھی ٹھکرے کا شوقین تھا۔ راجپوت مردوں کی یہ عادتیں تو راجپوتی شان سمجھی جاتی تھیں لیکن شمشیر سنگھ کے رنگ ڈھنگ رانی ماں کو بے حد بدلے ہوئے لگ رہے تھے۔ اس کے کانوں میں یہ بات پڑ چکی تھی کہ چند روز پہلے جے پور سے ایک رفاصہ کو بلایا گیا تھا۔ شمشیر سنگھ اور اجیت نے پاگلوں کی طرح شراب پی تھی اور نشے کی حالت میں اس رفاصہ کو بری طرح تو جاکھسوتا تھا... اس حرکت کی شکایت رانی ماں تک نہ پہنچے، اس لیے رفاصہ کو اپنا منہ بند رکھنے کے لیے دس ہزار روپے دیے گئے تھے۔

یہ بات رانی ماں کو معلوم ہو چکی تھی مگر سب کچھ جاننے کے باوجود وہ خاموش تھی اور اندر ہی اندر ٹرپ رہی تھی۔ وہ خود کو شمشیر سنگھ کی بری عادتوں کا ذمے دار سمجھتی تھی۔ وہ اکثر خود کلامی کرتی ”غلطی تو میری ہے میں ہی مانتا کی ماری مجبور ہو کر کم اپنا فرض بھول گئی تھی رام سنگھ کی دھمکی سے خوف زدہ ہو کر میں نے شمشیر سنگھ کی زندگی کے لیے غلط راستے کا انتخاب کیا۔ ٹھاکر کے لڑکوں کی نواٹھارہ برس کی عمر میں ہی شادیاں ہو جایا کرتی تھیں میں نے شمشیر سنگھ کو چوبیس سال کی عمر تک کنوارا ہی رکھا ہے۔ حالانکہ اس نے دے لفظوں میں دو ایک بار اس کا اظہار کیا تھا ”ماں اب اپنے لیے گھر میں بہو کب لا رہی ہو؟ کیا تم بھی ہمارے بزرگوں کی طرح بددعا سے خوف زدہ ہو اور اپنے بیٹے کی پچیس سال کے بعد ہی شادی کر دو گی؟“ یہ سن کر وہ اپنے بیٹے سے صاف صاف لفظوں میں یہ نہیں کہہ سکی تھی کہ اسے کسی کی بددعا کا خوف نہیں ہے بلکہ وہ تو رام سنگھ کی اس دھمکی سے خوف زدہ ہے جسے بتانے کی ہمت اس میں نہیں ہے۔ شمشیر کی شادی میں صرف اور صرف رام سنگھ کی دھمکی مانع تھی۔



اب وہ سوچ رہی تھی کہ یوں ڈر ڈر کر زندہ رہنے میں راجپوتی شان غارت ہو کر رہ جائے گی... اُسے اب اس بات کا شدید احساس ہو رہا تھا۔ اس نے محض ایک دھمکی سے ڈر کر سترہ سال تک اپنی زبان کو بند رکھا اور اسے اپنے دل کے اس بوجھ کو اپنے بیٹوں پر ظاہر کر دینا چاہیے تھا۔ وہ ایک راجپوت خاندان کے سپوت ہیں۔ میں ان کو بتا دوں گی کہ اب وقت آگیا ہے کہ وہ اپنے بازوؤں کی طاقت کو آزمائیں... شمشیر سنگھ کی شادی کے موقع پر وہ اپنا عہد نبھانے یہاں ضرور آئے گا، اس وقت دیکھنا ہے کہ وہ کتنے پانی میں ہے یا نہیں ہے۔ اس کی موت ہی اسے یہاں کھینچ لائے... راجستھان کی دھرتی کو پاشمال کرنے والے ڈاکو رام سنگھ کی موت ہو سکتا ہے میرے بیٹے کے ہاتھوں سے بھی ہوئی ہو شاید اسی لیے جھگڑا ان نے اسے اتنے دنوں تک زندہ رکھا ہے۔ بیٹے کی موت سے خوف زدہ ہو کر جینے سے بہتر یہی ہے کہ ایک بار سینہ تان کر اس کا سامنا کر لیا جائے، تاکہ جو فیصلہ ہو وہ آخری فیصلہ ثابت ہو... مختلف النوع خیالات اس کے ذہن میں آنے لگے تو اس نے عہد کیا کہ شمشیر سنگھ کی عمر پچیس سال ہوتے ہی، اس کی شادی کر دے اور اسے ٹھاکر کی لکڑی پر بٹھا کر رام سنگھ کو دعوت دی جائے کہ وہ خود چل کر آجائے... یا تو وہ مہمان بن کر آئے گا یا اپنا انتقام کا جوالا مکھی بن کر۔ دونوں صورتوں میں ہمیشہ کے لیے فیصلہ ہو جائے گا۔

رائی ماں اب مضبوطی سے اس ارادے پر قائم تھی کہ رام سنگھ سے ڈر کر زندہ رہنے کی بجائے ایک بار اس کا سامنا کر لیا جائے۔ وہ آج صبح ہی صبح درگاما تاکہ دشن کر کے آئی تھی، جہاں اتفاق سے شکار پر گئے ہوئے شمشیر سنگھ سے اس کی ملاقات ہو گئی تھی۔ پھر اس نے شمشیر سنگھ کو ساتھ لے کر ہی درگاماتا کی پوجا کی تھی۔ پوجا کے بعد دعا مانگتے ہوئے اس نے درگاماتا سے کہا تھا۔ ”دیوی ماں! آج سے میں شمشیر سنگھ کو تمہارے حوالے کر رہی ہوں... ماں اپنی کرپا سے تم اسے سدا خوش رکھنا“ جب رائی ماں درگاماتا سے شمشیر سنگھ کی زندگی کی دعائیں

مانگ رہی تھی، اس وقت اس کے برابر بیٹھا ہوا شمشیر سنگھ ہر چھی نظروں سے کچھ فاصلے پر بیٹھی ہوئی گنگا کو گھور رہا تھا۔ گنگا کے حسن نے اسے اتنا متاثر کیا تھا کہ درگاماتا کی مورتی بھی اسے گنگا کا ہی چہرہ دکھائی دے رہی تھی۔ جس وقت رائی ماں درگاماتا سے آنکھیں بند کر کے پرامتھا کر رہی تھی، اس وقت شمشیر سنگھ گنگا کے چہرے پر لگا ہوا گڑے دل ہی دل میں کہہ رہا تھا۔ ”سندری! تم ایک بار اپنا خط واپس لینے میری حویلی میں آ جاؤ... بس پھر سارا سبق میں خود ہی پڑھ لوں گا اور تمھیں بھی پڑھا دوں گا۔“



”اجیت! یہ خط دیکھا ہے تم نے؟“ شمشیر سنگھ نے درگیش کا خط اجیت کے سامنے پھینک دیا۔ ”اس میں کیا ایسی بات ہے جس کے لیے گنگا اسے حاصل کرنے کے لیے بے چین تھی؟“ اس کا لہجہ استفہامیہ تھا۔ اجیت، اس کا ہمراز تھا رائی ماں نے اسے اپنی بہن کا بیٹا خیال کرتے ہوئے شمشیر سنگھ کے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ لیکن اس نے شمشیر سنگھ کو غلط راہ پر ڈال رکھا تھا۔ وہ بار بار شمشیر سنگھ کو یاد دلاتے ہوئے کہتا: ”دیکھو ٹھاکر! لکڑی کے مالک تم ہو۔ ریاست کی باگ ڈور سنبھالنا تمہارا کام ہے۔ بڑے بیٹے ہونے کی وجہ سے بھی اپنے باپ کے اصل وارث تم ہو۔ جلد سے جلد سارا کاروبار اپنے ہاتھ میں لے لو، نہیں تو مستقبل میں تمہارا بھائی وکرم سنگھ تمہارا حریف بن کر، تمہارے سامنے کھڑا ہو جائے گا۔ تم کم بڑے لکھے ہو اس لیے اس بات کا ہمان بنا کر وہ ریاست کی دگام اپنے ہاتھ میں لے سکتا ہے۔ اور تم مرنے دیکھتے رہ جاؤ گے۔“

لفافے کے اندر سے درگیش کے خط کو نکالنے میں جب ذرا دیر ہوئی تو شمشیر کی بے چینی بڑھ گئی اور وہ بولا ”یاد تم تو خط کی منہ کو اس طرح آہستہ آہستہ کھول رہے ہو، جیسے گنگا کے منہ پر گرا ہوا نقاب الٹ رہے ہو لیکن یہ بات یاد رکھنا کہ وہ میرا شکار ہے۔“

”اس سے مجھے کب الگ ہے ٹھاکر؟“ اجیت

”سے سے ہنسا“ میں تو تمہارے جھوٹے سے کام چلاؤں۔“ اتنا کہہ کر اس نے خط نکال لیا اور بہ آواز بلند نے لگا۔ ”میری جان سے پیاری گنگا...“

خط کا یہ پہلا جملہ سن کر ہی شمشیر سنگھ چونک کر اس اچھلا جیسے اسے پچھو نے ڈنگ مار دیا ہو، پھر وہ سے آنکھیں نکال کر بولا۔ ”کون ہے وہ بے وقوف! نے میری سندری کو جان سے پیاری کر کے مخاطب کیا ہے؟“ اجیت نے چونک کر شمشیر سنگھ کے سرخ ہوتے ہوئے بے کی طرف دیکھا اور پھر کہنے لگا ”ٹھاکر یہ تو کسی کا بیٹا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے کسی کے ساتھ لپٹا چل رہا ہے۔“ ”تم آگے بڑھو، شمشیر سنگھ غصے سے بولا۔ ”میں اصل ت جانا چاہتا ہوں۔ ہاں شروع ہو جاؤ۔“

جیسے جیسے اجیت خط پڑھتا گیا، شمشیر سنگھ کا غصہ آگیا۔ درگیش کا لکھا ہوا آخری جملہ اس کی سماعت سے آواز ہو کر بری طرح بھٹا گیا۔ ”میں تمہارے لیے اپنا دھڑ لٹا لے کر آؤں گا۔“ شمشیر سنگھ کو اپنے دل پر آمیز چلتی محسوس ہوتی وہ گرج کر بولا ”یہ دل والا گدھا کون ہے میں اس کا دل ہی نکال کر اپنے جوتوں تلے کچل دوں گا۔“ ”فقط تمہارا درگیش۔“ اجیت نے ٹھاکر کو جواب دیے خمری الفاظ بھی پڑھ دیے۔

”یہ بد معاش درگیش کون ہے؟“ شمشیر سنگھ فراتے بولا۔

”مجھے معلوم کرنا پڑے گا۔“ اجیت جلتی پرتیل ڈالتے بولا ”ٹھاکر! مجھے تو لگتا ہے تمہارے شکار پر اس کے مضبوطی سے گڑے ہوئے ہیں۔“

”میں اس کے سارے دانت توڑ دوں گا۔“ شمشیر سنگھ نے جھجھکیوں پر تڑپتا ہوا بولا ”اس کی حیثیت ہی کیسا ہے، ظلمیں آیا ہوا کوئی شکار آج تک میرے ہاتھ سے بچ سکا ہے؟“

”ٹھاکر! ہمیں بڑی ہوشیاری سے کام لینا پڑے گا۔ ماں کو اس کی ہوا تک لگنا نہیں چاہیے۔ وہ ناصحانہ انداز بولا ”تم تو جانتے ہی ہو۔ وہ ہمیشہ یہی کہتی ہیں کہ ہماری

شمشیر سنگھ کے چہرے کا ایک پل کے لیے رائی ماں کا نام سن کر رنگ پھیکا پڑ گیا لیکن اس نے اجیت پر اس کا اظہار نہیں ہونے دیا وہ بڑی ہوشیاری سے اپنے جذبات چھپاتا ہوا بولا ”اس کی تم فکر نہ کرو تمہارا کام ہے شکار کو سامنے لانا اور میرا کام ہے اس پر نشانہ لگانا۔“

اجیت عیارانہ انداز میں خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ اپنی جیب بھرنے کا اسے اچھا موقع مل رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ چٹکی بجاتے ہوئے بولا ”ٹھاکر! میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے۔“

”وہ کیا؟“

”کیوں نہ اس معاملے میں ہم دوتا رام سے مدد لیں۔“ اجیت بولا۔

”دوتا رام؟“ شمشیر سنگھ نے سوالیہ لہجے میں کہا۔ ”یہ کس جانور کا نام ہے؟“

”یہ جانور نہیں ٹھاکر! اس لڑکی کا چاہا ہے۔“ اجیت دبے دہے سے لہجے میں ہاتھ ملتے ہوئے بولا۔ ”اس خط میں یہ لکھا ہے کہ میرے آنے کے بعد دوتا رام کی پریشانیوں سے نجات مل جائے گی۔ ٹھاکر میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ ایک نمبر کا جواری اور شرابی ہے۔ میں ابھی جا کر اسے کھینچ لاتا ہوں۔ تم بنگلے پر پہنچ جاؤ۔“ اتنا کہہ کر اجیت اٹھ کھڑا ہوا۔

جو مٹی وہ جانے کے لیے مڑا، شمشیر سنگھ اسے روکتے ہوئے بولا ”بے وقوف! تم اگر اس کے گھر جاؤ گے تو وہ لڑکی ہوشیار ہو جائے گی، پھر ممکن ہے وہ ہمارے ہاتھ نہ آئے۔“

بات معقول تھی۔ اجیت ایک بار پھر سوچ میں ڈوب گیا، لیکن چند لمحوں بعد اپنی مکارانہ فطرت سے کام لیتے ہوئے بولا ”تم بالکل بے فکر ہو۔ دوتا رام شاذ و نادر ہی اپنے گھر میں ہوتا ہے۔ سارا دن گاؤں کے کنارے، جواریوں کے ساتھ بیٹھا جو اکیلے رہتا ہے اور جس پیتا رہتا ہے۔ میں اس کا ٹھکانہ بخوبی جانتا ہوں ٹھاکر!۔“

”اچھا جانے سے پہلے یہ خط مجھے دیتے جاؤ، شمشیر سنگھ کے دماغ سے وہ خط اب بھی چمٹا ہوا تھا۔ اجیت خط اس کو دے کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

اس کے کمرے سے باہر جانے ہی شمشیر سنگھ کی سماعت سے رانی ماں کی آواز ٹکرائی "تم نے خط پڑھ لیا؟" رانی ماں کا سوال سن کر صوفے پر بیٹھا ہوا شمشیر سنگھ چونک کر اچھل پڑا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ گنگا کے خط کے بارے میں رانی ماں کو کیسے علم ہو گیا؟ اس نے دھیرے سے وہ الفاظ اپنی جیب میں ڈال لیا اور انجان بن کر بولا "کون سا خط ماں جی؟" پھر رانی ماں کے ہاتھ میں ایک دوسرا الفاظ دیکھ کر اس نے اطمینان کی سانس لی کہ وہ خواہ مخواہ ہی ڈنڈ گیا تھا۔

"گوالیار سے وکرم کا خط آیا ہے۔ اس کے امتحانات شروع ہونے والے ہیں۔ اس کے علاوہ تمہارے ماموں کی طبیعت بھی اب ٹھیک نہیں رہتی، انھوں نے مجھے اپنے پاس آنے کے لیے نکھا ہے۔" رانی ماں نے بتایا۔ شمشیر سنگھ نے ماں کے ہاتھ سے خط لے لیا اور پڑھنے لگا۔ جوں جوں وہ خط پڑھ رہا تھا، اسے طمانیت محسوس ہو رہی تھی کہ رانی ماں کو گنگا کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ غصہ بڑی دیر بعد وہ بولا "ماں جی! آپ ضرور گوالیار چلی جائیں۔ ماما کو بھی دیکھ لیں اور وکرم کے امتحان ختم ہو جائیں تو اسے بھی ساتھ لیتی آئیں۔"

"میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔" رانی ماں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا پھر انھوں نے شمشیر سنگھ کو اس کے بچپن کے نام سے پکارتے ہوئے بولیں "رانا! گوالیار جا کر میں ایک اور بھی ضروری کام انجام دے لینا چاہتی ہوں۔" "کون سا کام ماں؟" شمشیر سنگھ نے پوچھا۔

"تمہارے لیے کوئی اچھی سی، سندھری لڑکی؟" رانی ماں نے کہا تو شمشیر سنگھ کے چہرے کا رنگ گہرا ہو گیا۔ ماں کی یہ بات اسے پسند آئی تھی لیکن پھر بھی وہ سعادت مند بیٹے کی طرح سر جھکائے کھڑا رہا۔ رانی ماں نے اس کی اس خاموشی کو سراہتے ہوئے معذرت آمیز لہجے میں کہا "میں جانتی ہوں بیٹے! بھولا نے میں میں نے بہت دیر کر دی ہے۔ ویسے اس کام میں مجھے تم سے زیادہ جلدی تھی، لیکن تم تو جانتے ہی ہو کہ ہمارے خاندان پر پچھلی تین پشتوں سے کسی کی بددعا کے سائے منڈلا رہے ہیں۔ اسی خوف

سے تمہیں پچیس سال کی عمر تک بٹھائے رکھنا پڑا۔" سن میں ان بددعاؤں اور وہاں کو نہیں ٹھیک ہے بیٹے! تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے ہوتا ہے۔ لڑکی والے تو یہ باتیں مانتے ہیں۔ ہم جلدی کی ہوتی تو شاید اچھا خاندان اور اچھی صورت والی لڑکی نہ ملتی۔" اتنا کہہ کر رانی ماں نے ایک لپٹ لیا اور توقف کے بعد بولی "لیکن اب کوئی فکر نہ پندرہ دن بعد تمہیں پچیسواں سال لگ جائے گا۔ گزری کا کالہ دوبارہ تمہیں سوپ دوں گی اور یہ چاہیے ہو کہ؟"

شمشیر سنگھ لپٹائی ہوئی نظروں سے رانی ماں ہاتھ میں دبے ہوئے چاہیوں کے گچھے کو دیکھنے لگا۔ اس کا ہاتھ بے حد تنگ رہنے لگا تھا۔ رانی ماں نے ہاتھ مانگنے سے رقم تو مل جاتی تھی مگر خرچ کچھ ہی بڑھ گیا تھا۔ اس رقم کو دس ہزار دینے کے شمشیر سنگھ نے اپنی پیرے کی انگوٹھی سے پورے خرچ کر دی تھی۔ یہ بات اسے اچانک ہی یاد آگئی، اس نے بایاں ہاتھ جلدی سے اپنی جیب میں چھپا لیا تھا۔ "ٹھیک ہے ماں، جب گھر میں ہوتا آجائے گا تو داری اسے سوپ دینا، لیکن جب تک تم گوالیار نہ ہو گی، اس وقت تک تو یہ ذمے داری مجھے ہی سنبھالنی پڑے گی۔" شمشیر سنگھ مسکین شکل بناتے ہوئے بولا "ہاں جانتے وقت چاہیاں تمہیں دے کر جاؤں گا اور ادھر رانی ماں دل ہی دل میں فیصلہ کر رہی تھی کہ جب بات چل ہی پڑی ہے تو کیوں نہ رام سنگھ کی دلی بات سے بھی اپنے بیٹے کو آگاہ کر دے۔ ایک بات دھیان میں رکھنا۔"

شمشیر سنگھ چونک گیا۔ رانی ماں کے لہجے سے شمشیر سنگھ کو پتا چلتا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ کوئی خاص بات کہنا چاہتی ہے۔ وہ بولا "تم کیا کہنا چاہتی ہو؟" میں سمجھ گیا ہوں ماں! مقصد یہی ہے نا، کہ جب تک میں گوالیار سے واپس تم تجوری کا خزانہ خالی نہ کر بیٹھو؟"

رانی ماں چونک پڑیں بیٹے کے لہجے میں تلخی تھی۔ لیکن اس تلخی کو محسوس کر لینے کے باوجود انھوں اس کا اظہار نہیں ہونے دیا۔

"نہیں شمشیر! مجھے تم سے کچھ اور کہنا ہے۔" انھوں دھیمے لہجے میں کہا "جب تک میں گوالیار میں رہوں، شہزادی سے اپنے ارادہ کا خیال رکھنا۔"

شمشیر سنگھ کا جی چاہا کہ وہ کہہ دے کہ وہ اپنا بہت بڑا بھائی ہے، لیکن وہ اس کے سامنے اپنے خیالات کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ رانی ماں نے کہا "میں درگا پور میں تمہیں تنہا چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ میری غیر حاضری میں تمہارا کوئی قدم نہ اٹھے کہ ہماری عزت اور آن پر حرف آئے۔ میں جانتی ہوں، اب تم بچے نہیں ہو، اور ایسی باتیں سننا ناگوار ہے۔ اس میں ہوتا رہا ہو گا، لیکن ایک ماں کی حیثیت اور پورے رانی ہونے کے ناتے میں، تمہیں سمجھا رہی ہوں کہ اپنی رعایا کا دل اور ان کی محبت جتنی ہونے کے باوجود ماں کے اخلاق محبت اور بھائی چارے سے پیش آؤ۔ ایسی بات نہ کرو کہ انھیں تکلیف ہو۔ یہ بات بھی مت کرنا کہ ان کی بقا سے ہماری بقا اور خوش حالی ہے۔"

شمشیر سنگھ کو رانی ماں کی اس بات سے انکار نہیں تھا۔ لیکن اس کے باوجود اس نے ان باتوں کا کوئی خاص ذکر نہیں کیا۔ اسے تو اس بات کی جلدی تھی کہ کب اس کے گوالیار کے لیے روانہ ہو اور کب وہ اپنی رعایا کو چھوڑ کر دے؟

ادھر شمشیر سنگھ گنگا کے شکار کے بارے میں سوچ رہا تھا اور ادھر رانی ماں دل ہی دل میں فیصلہ کر رہی تھی کہ جب بات چل ہی پڑی ہے تو کیوں نہ رام سنگھ کی دلی بات سے بھی اپنے بیٹے کو آگاہ کر دے۔ ایک بات دھیان میں رکھنا۔ شمشیر سنگھ چونک گیا۔ رانی ماں کے لہجے سے شمشیر سنگھ کو پتا چلتا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ کوئی خاص بات کہنا چاہتی ہے۔ وہ بولا "تم کیا کہنا چاہتی ہو؟" میں سمجھ گیا ہوں ماں! مقصد یہی ہے نا، کہ جب تک میں گوالیار سے واپس تم تجوری کا خزانہ خالی نہ کر بیٹھو؟"

ہے۔ ہوشیار اور سمجھ دار۔" اتنا کہہ کر انھوں نے ایک گہرا سانس لیا تھا اور پھر بولے تھے "نہ جانے ہمارے خاندان میں یہ کیسی ریت پڑ گئی ہے کہ گزری کا وارث اگر ہو گا تو بڑا بیٹا ہی ہو گا، چاہے وہ اس لائق ہو یا نہ ہو۔"

"تم کیا سوچنے لگیں ماں؟" شمشیر سنگھ نے رانی ماں کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا "کیا تمہیں مجھ پر کھوسا نہیں ہے؟ شاید تم یہ سمجھ رہی ہو کہ تمہارے جانے کے بعد میں یہاں کوئی ایسی ویسی حرکت نہ کر بیٹھوں۔ کتنے کو تو اس نے یہ کہہ دیا مگر بعد میں اسے خیال آیا کہ اس نے خود اپنے دل کا راز افشا کرنے کی کوشش کی ہے۔"

"نہیں بیٹے، میں تو وکرم کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اس بارہ اسے درگا پور واپس لا کر پھر کہیں جانے نہیں دوں گی۔ فوجی ٹریننگ بھلا اس کے کس کام کی؟ اس کے لیے بہتر ہے کہ تمہارے ساتھ مل کر جاگیر کا کام سنبھال لے تاکہ تمہیں کچھ آرام مل سکے۔ یوں بھی اتنی بڑی جاگیر کا کام تمہارے اکیلے کے بس کا نہیں ہے۔"

رانی ماں کے الفاظ شمشیر سنگھ کے دل میں تیر کی طرح پیوست ہو گئے۔ وہ سوچنے لگا، اجیت بالکل ٹھیک ہی کہتا تھا۔ رانی ماں وکرم سنگھ کو اس سے زیادہ چاہتی ہیں۔ شاید اسی لیے اس کے آنے سے پہلے وہ اسے گزری پر بٹھانے کے لیے تیار نہیں ہیں، اس خیال کے آتے ہی وہ اندر ہی اندر غصے میں کھولنے لگا مگر چہرے سے کچھ ظاہر نہیں ہونے دیا۔ پھر وہ آہستہ سے بولا "درگا پور کی جاگیر کی دیکھ بھال پچھلے پندرہ سالوں سے تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ تو پھر میں اکیلا یہ ذمے داری کیوں نہ سنبھال سکوں گا؟" یہ کہتے کہتے اسے محسوس ہوا کہ اس کا لہجہ تلخ ہوتا جا رہا ہے اس نے فوراً ہی اپنے لہجے کو دھیمہ کرتے ہوئے کہا "ماں جی! اب راجا اور بھٹا کر تو صرف نام کے ہی رہ گئے ہیں۔ جاگیر داری میں کرنا ہی کیا ہے؟ ہمیں وکرم کی تعلیم میں رکاوٹ نہیں ڈالنا چاہیے؟ میں اس سے بڑا ہوں اس کے مستقبل کے لیے میں یہاں کا کام سنبھال لوں گا۔... فوج میں رہ کر اگر اس کا مستقبل روشن ہوتا ہے تو ہمیں اس کی راہ میں حائل نہیں ہونا چاہیے۔"



شمشیر سنگھ کی گفتگو سن کر رانی ماں سو حیرت ہوئی۔ انھیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ شمشیر سنگھ کدو ہے بہر حال انھیں شک ہونے لگا کہ بیٹھی باتوں کے پیچھے کوئی اور ہی ارادہ چھپا ہوا ہے۔ وہ ایک بار پھر سوچ کی گھرائیوں میں ڈوب گئی۔ اسی وقت شمشیر سنگھ کو خیال آیا کہ گنگا کے چاچا دتارام کی تلاش میں گئے ہوئے اجیت کی واپسی سے پہلے اسے ہنگے پر پہنچ جانا چاہیے۔ اگر رانی ماں کی غیر حاضری سے پورا پورا فائدہ اٹھانا ہے تو اسے اس کام میں جلدی کرنی ہوگی۔ یہ خیال آتے ہی اس نے رانی ماں سے کہا: ”اچھی بات ہے ماں جی! تم دو کرم سنگھ کو لے کر واپس آ جاؤ تو پھر اطمینان سے بیٹھ کر گفتگو کریں گے۔ اجازت ہو تو میں ایک ضروری کام کر آؤں“ یہ کہہ کر وہ سر جھکائے ہوئے باہر چلا گیا۔ رانی ماں چپ چاپ اپنے بیٹے کو تیز قدموں سے چل کر جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

پرانے مندر کے کھنڈر کے پاس، پیل کے درخت کے نیچے دتارام تین جوار یوں کے ساتھ بیٹھا ناش کھیل رہا تھا۔ جوار ی کھیل کے ساتھ ساتھ چرس بھرے سگریٹوں سے بھی شغل کمر رہے تھے۔ دتارام کے قریب نہ مین پر ایک مذہبی کتاب راما عن رکھی ہوئی تھی۔ اس کے اوراق ہوا سے نہ اڑیں اس لیے اس پر ایک پتھر رکھ دیا گیا تھا۔ دتارام کے ستارے آج کچھ گردش میں تھے۔ اپنی جیب کی ساری رقم ہاتھ جانے کے بعد وہ اپنے برابر بیٹھے ہوئے درجن سے کہہ رہا تھا: ”درجن بھیا! بس پچاس روپے دے دے دو، کل واپس کر دوں گا“

درجن نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر ٹھہری حقارت سے اس کی طرف دیکھا اور کہا: ”ادھار لے کر جوا کھیلنے کی کیا ضرورت ہے دتارام؟ تم نے پہلے بھی بیس روپے کی رقم مجھ سے لی تھی۔ وہ ابھی تک واپس نہیں کی۔ رقم مل جائے تو پھر آنا۔ جاؤ گھر جا کر سو جاؤ۔“

”تم اس طرح ناراض مت ہو اگر وہ بھیا درجن!“ وہ خوشامدانہ لہجے میں درجن کے پیروں پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا: ”ہم دونوں کے ستارے گردش سے نکلنے والے ہیں۔ کسی بھی

وقت ہمارے جیت میں بدل سکتی ہے۔ تم دیکھنا تو سہی“ کچھلے دوہتے سے تم ہی کچھ کہہ رہے ہو۔“ درجن نے بتوں میں غلام رانی اور بادشاہ کو دیکھ کر مسکرایا بولا: ”ذرا صبر کرو۔ یہ بازی پوری ہونے دو، جیت تمہیں ادھار دے دوں گا۔“

دتارام دو دونوں کی بڑھی ہوئی دائرہ صحنہ کھانا دل ہی دل میں درجن کی جیت کی دعائیں مانگے۔ بازی ختم ہوئی تو درجن واقعی جیت چکا تھا۔ یہ دتارام خوش ہو گیا اور بولا: ”دیکھ لیا نا درجن! مجھے نیت تھی، اس لیے تم اتنی بڑی بازی جیتے ہو۔“ اس کی باتیں سن کر درجن بھٹکا گیا۔ جیت کا کچھ ایسا ہوتا ہے۔ وہ غور و انداز سے بولا: ”ایک تو بھیک مانگتا ہے اور دوسرے باتیں بناتا ہے کھیلنے کا اتنا ہی شوق ہے تو اپنا گھر گروی رکھ کر رو کر چوٹا کہیں کا۔“

درجن کے ہاتھ میں دیے ہوئے نوٹوں کو لے کر وہی نظروں سے دیکھتے ہوئے دتارام نے بے حجاب لہجے میں کہا: ”گھر تو ہم دو بھائیوں کے نام ہے، بھائی کو مرے ہوئے ابھی ایک ماہ بھی نہیں ہوا ہے اگر گھر کو گروی رکھ دیا تو گاؤں والے مجھے ڈالیں گے۔ دھیرے دھیرے سب بھٹیک ہو جائے یقین کرو، جلد ہی تمہارا سارا ادھار واپس کر دوں گا۔“ ”اچھا اچھا“ درجن بے زاری سے بولا: ”یہ ساری بازی لگانے کی بات کمر رہے ہیں؟ یہاں تو بھین تیس روپے اور پہلے کے بیس ملا کر پچاس روپے ہونے چاہیے ہیں۔“

کھیل ابھی دوبارہ شروع ہوا ہی تھا کہ گھر کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ ”کوئی اس طرف آ رہا ہے؟“ دتارام نے کہا: ”جلدی جلدی تاش کے پتوں کو سمیٹ کر درجے چھپا دیا۔ درجن نے بھی چرس کے سگریٹ چھپا دیے جس طرف سے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز آ رہی تھی۔ اس طرف دیکھنے لگا۔ یوں تو سارا گاؤں ہی دتارام کے کمر توڑوں سے تھا لیکن پھر بھی وہ تاش کے پتوں کے ساتھ کسی کی

”کیا کروں بھاکر؟“ دتارام دونوں ہاتھ جوڑ کر گڑ گڑایا۔ ”لوگ بھجن اور کیرتن سننے کے لیے مجھے نہیں بلاتے۔ آخر کچھ نہ کچھ تو اس ظالم پیٹ کے لیے کرنا ہی پڑتا ہے۔“ اس نے اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔ ”اگر یہ بات ہے دتارام! تو تمہاری قسمت کے بند دردانے کھل گئے۔“ اجیت چھڑی سے اس کا پیٹ مہلاتے ہوئے بولا: ”تمہیں بھاکر شمشیر سنگھ نے یاد کیا ہے؟“

”مجھے؟“ ”ہاں انھیں تم سے بھجن سننے ہیں۔“ اجیت مسکرا کر بولا۔ ”بھجن؟“ دتارام کی آنکھیں پھیل گئیں اور وہ بے یقینی سے اجیت کی طرف دیکھتے ہوئے بولا: ”بھاکر صاحب شکار کھیل سکتے ہیں، شراب پی سکتے ہیں، لیکن وہ بھجن تو کبھی نہیں سن سکتے۔ آپ کیوں مجھ غریب برہمن کا مذاق اڑا رہے ہیں؟“

”اب زیادہ مت بنو دتارام۔“ اجیت نے اس بار چھڑی سے اس کی پسلیوں کو مہلا کر اسے گد گدایا: ”تم برہمن ہو کر جوا کھیلو، شراب اور چرس پیو اور پھر بھی بھجن پڑھو، تو پھر بھاکر شمشیر سنگھ بھجن کیوں نہیں سن سکتے؟“ ”اچھا“ دتارام بے یقینی سے بولا: ”تو بتاؤ بھجن کی محفل کب اور کہاں جمعے گی؟“

”یہی فیصلہ کرنے تو بھاکر نے تمہیں، ابھی اور اسی وقت بلایا ہے۔“

”تو چلیے“ دتارام جلدی جلدی درجے سمیٹا ہوا بولا۔ ”تم گھوڑے پر چلو، پیچھے پیچھے جوہلی پہنچ رہا ہوں۔“ ”جوہلی میں نہیں تمہیں ہنگے پر بلایا ہے۔“ اجیت نے کہا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا: ”خیال رہے، یوں گھنٹے تک اگر تم نہیں پہنچے تو تمہاری خیریت نہیں سمجھے۔“ اتنا کہہ کر اجیت نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

ہنگے میں داخل ہوتے وقت دتارام کو کسی نے بھی نہیں روکا۔ یہ دیکھ کر اس کی حیرت میں اضافہ ہو گیا۔ صرف نام پوچھ کر چوکیدار نے اسے اندر جانے کی اجازت دے دی تھی۔ اس کا دل خدشات سے بری طرح دھڑک رہا

تھا۔ اس نے زندگی میں کوئی اچھا کام تو کیا نہیں تھا۔ اس لیے انعام کی امید رکھنی فتنوں میں لیکن پھر بھی دے پاؤں اور دھڑکنے دل کے ساتھ اس نے ڈانٹ لگا دی۔ میں قدم رکھا۔ کمرے کے اندر بٹھا کر شمشیر سنگھ اور اجیت گاؤں تکیوں کے سہارے بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ دتارام نے بڑے عاجزانہ انداز میں ہاتھ جوڑ کر شمشیر سنگھ کو ڈنڈوت کیا۔

اجیت نے اسے سامنے بیٹھے کا اشارہ کیا۔ دتارام ڈرتے ڈرتے اپنے کانپتے پیروں کو موڑ کر قالین پر بیٹھ گیا اور بولا۔ ”فرمایا ان داتا... اجیت بٹھا کر نے کہا تھا کہ آپ کو بھجن اور کیرتن کی محفل سجانے کا شوق ہوا ہے۔ خادم حاضر ہے حکم دیجیے رامائن سننی ہے یا سستی نرائن؟“ بٹھا کر شمشیر سنگھ دھیرے سے ہنس دیا، پھر شراب کا ایک گھونٹ لے کر اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے لڑکھڑاتے لہجے میں بولا۔ ”رامائن کی داستان کو اب بہت پرانی ہو چکی ہے۔ ہمیں تو گنگا کی کہانی سننی ہے بھگت!“ ”آہا... ہا... ہا پور تر گنگا کی کہانی؟“ دتارام ہاتھ اٹھا کر مسرت آمیز لہجے میں بولا ”ہمالیہ سے نکل کر شیو کے قدموں سے پلٹنے والی گنگا میا کی کہانی تو بڑی عجیب ہے بھاکر۔“

”لیکن ہمیں گنگا ندی کی نہیں، گنگا سند ندی کی کہانی سننی ہے اور وہ بھی تمہاری زبان سے“ بٹھا کر شمشیر سنگھ نے کہا ”تمہاری بھتیجی کا نام بھی تو گنگا ہے نا؟“ دتارام کی گردن ایک جھٹکے سے اس طرح پیچھے ہٹ گئی جیسے کسی نے اس کے سینے پر زبردست لانت ماری ہو۔ اس کا دہراٹھا ہوا ہاتھ کٹی ہوئی شلخ کی طرح اس کی گود میں آگرا۔ بٹھا کر شمشیر سنگھ کی آنکھوں میں سرخی دیکھ کر وہ کچھ سوچنے لگا۔ پھر دائرہ کھینچا کرتے ہوئے اس نے آہستہ سے کہا۔ ”لیکن بھاکر! میری بھتیجی گنگا کی کوئی کہانی نہیں ہے۔“

”دتارام! بھاکر کے ساتھ چالاکی سے کام لو گے تو مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔“ اجیت نے اسے دھمکایا ”تم اپنی بھتیجی کو پریشان کرتے ہو، یہ بات ہم سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔“

”میں؟“ دتارام کے چہرے کا رنگ پھینک کر بھول جاؤ گے۔ یہ دلائلی مال ہے! اجیت صرف ایک ہی سوال اس کے دماغ میں چل رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں سے زبردستی گلاس لگاتے ہوئے کہا۔ ”گنگا نے رانی ماں سے اس کی شکایت تو نہیں کی؟“ لیکن بٹھا کر شمشیر سنگھ اس کی پریشانی سمجھ گیا اس نے جیب سے درگیش کا خط نکالا اور اس کے سامنے پڑھنے لگا۔ ”لو خود ہی پڑھ لو تمہاری بھتیجی کے صاف لفظوں میں لکھا ہے۔ درگا پور واپس آکر شمشیر سنگھ نے دتارام کو چاہا کی پریشانیوں سے نجات دلا دوں گا۔“ دتارام نے اس طرح جھپٹ کر اس خط کو چیل زمین پر پڑی ہوئی چیز پر پھینکتی ہے۔ اس جلدی خط کی تحریر کو پڑھا۔ خط پڑھنے کے بعد ایک دم بچھ گیا اور وہ کافی دیر تک خط پر نظر میں رہا۔

اسے خاموش دیکھ کر اجیت نے چھیڑا۔ ”ادھر سے پڑھ دتارام! اس میں درگیش نے گنگا کو صاف ہے کہ میں واپس آکر تمہاری اور شیو کی دوستی سنجالوں گا... اگر ایسا ہو گیا تو یہ لوگ تمہیں دوپٹے کی طرح نکال باہر کریں گے... ممکن ہے وہ بھجن بھی باہر نکال دیں۔“

”نم ٹھیک کہتے ہو بھاکر۔“ دتارام دھیرے دھیرے بولا۔ ”سب ہی میرے دشمن ہو گئے ہیں۔“ پھر وہ دل میں درگیش کو گالیاں بکتا ہوا سوچنے لگا کہ کیا کرنا چاہیے؟ اجیت اسی لمحے کا منتظر تھا۔ اس نے ایک گلاس میں شراب اٹھالی اور اسے دتارام کے ہاتھ پر بولا۔ ”لو دو چار گھونٹ پی لو پھر ہم تمہیں بتا دیں گے۔“ گلاس ہاتھ سے ٹکراتے ہی جیسے اسے کرکٹ ہو، وہ جھٹکے سے پیچھے ہٹ گیا اور یارسانی جتا بولا۔ ”نہیں نہیں، اگر میں اسے پی لوں گا تو میرا بھر سٹ ہو جائے گا۔“

”زیادہ ترافت مت دکھا دتارام!“ اجیت لہجے میں کہا۔ ”ایک بار اس کو چمکھ لیا تو چرس اور“ ”اس کا یہاں کیا کام ہے؟“ وہ جھومتے ہوئے پہلی بار اسے احساس ہوا تھا کہ معاملہ سنگین ہے۔ ”یہ تو گنگا اس کی بھتیجی تھی اور بٹھا کر شمشیر سنگھ کی طرف سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ ”بھاکر! تمہاری بھتیجی سے دو گھڑی کے لیے ملنا اجیت اسی لمحے کا منتظر تھا۔ اس نے ایک گلاس میں شراب اٹھالی اور اسے دتارام کے ہاتھ پر بولا۔ ”لو دو چار گھونٹ پی لو پھر ہم تمہیں بتا دیں گے۔“

”کس لیے؟“ اس کی آواز میں نفرت تھڑھکتی تھی۔ ”کنواری لڑکی سے بٹھا کر صاحب کو کیا کام آ پڑا ہے؟“ اس سوال سے بٹھا کر شمشیر سنگھ لا جواب ہو گیا، ”اجیت شاید پہلے ہی سے تیاری کر کے بیٹھا تھا، اس کنواری لڑکی کو بٹھا کر صاحب فریب سے چاہتے ہیں۔ پسند آگئی تو وہ حویلی کی بہو بن گئی اور تمہارے نصیب کھل جائیں گے۔“

دتارام اپنے حالت سدھرنے کے بارے میں کبھی نہیں سکتا تھا۔ وہ اجیت کے چہرے پر نظریں

جملے سوچنے لگا۔ وہ کہیں شراب کے نشے میں تو یہ بات نہیں کر رہا ہے۔

گم گم جیت کے الفاظ پر غور کر رہا تھا کہ اجیت کی ”دندسن“ نہ پھر بڑک پڑا ”دتارام! تم گنگا کی باپ کی جگہ... اس کا ہاتھ مانگنے سے پہلے تمہارے کانوں میں تو ڈالنی ہی چاہیے تھی۔“

”آپ لوگ شاید میرا مذاق اڑا رہے ہیں“ دتارام کو اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ شمشیر سنگھ اسے اتنی عزت دینے والا ہے۔ وہ گلاس میں سے گھونٹ بھرتے ہوئے بولا ”بھاکر صاحب! اگر شادی کرنا چاہتے ہیں تو میری بھتیجی ان کے ساتھ شادی سے انکار کر دے گی میں اسے خوب اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ بے حد ضدی ہے۔ درگیش سے صرف اس کی منگنی ہی نہیں ہوئی بلکہ وہ دونوں پریم کے مضبوط بندھن میں بندھے ہوئے ہیں وہ ڈاکٹر بن کر آجائے اسی لمحے کا اسے انتظار ہے۔“

”میرے سامنے اس ڈاکٹر کا نام مت لو۔“ شمشیر کا غصہ جھلک پڑا۔ ”درگا پور میں قدم رکھنے ہی میں اسے بٹھکانے لگوادوں گا۔“

بٹھا کر شمشیر سنگھ کا غصہ دیکھ کر دتارام خوف سے کانپنے لگا۔ بڑکھلا ہٹ کے عالم میں وہ پورا گلاس خالی کر گیا تھا اس پر اجیت کی آواز نے اس کا نشہ اور بھی بڑھا دیا ”دتارام! بٹھا کر کے سرس بننے کا یہ منہری موقع کھو دو گے تو زندگی بھر بچھتاؤ گے۔“

کہاں ہم اور کہاں بٹھا کر کا خاندان۔ دتارام کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے ”رانی ماں ہم غم پریم کی لڑکی کو اپنی بہو کیوں بنائیں گی؟“ اس کے دماغ میں متغیر خیالات گڑبڑ مٹھ رہے تھے۔

”یہ بات تم بٹھا کر پر چھوڑ دو۔“ اجیت نے اسے سمجھایا ”رانی ماں رحم دل عورت ہیں اور بچہ بیچ کی باتوں کو وہ نہیں مانتیں۔ بٹھا کر کی ضد پوری کرنے کے لیے آخر وہ جھک جائیں گی اور تم بڑی حویلی کے چاچا جی بن جاؤ گے۔ اپنے کھٹکے جیسے بھر کو چھوڑ کر تمہیں اس بنگلے میں رہنا پڑے گا۔ پھر شراب ناچ گانے اور

عیش و عشرت تمہارے در کی لوندی ہوگی، عیش ہو گا عیش۔“

اس کی باتیں سن کر دتارام کو لگا جیسے جنت اس کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی ہے۔ آنکھ کھول کر گلاس پر نظر میں جاتے ہوئے اس نے دل ہی دل میں خود کو سمجھایا۔ بے وقوف بالہیب جگانے کا اس سے بہتر موقع نہیں ملے گا۔ گنگا کا غم تو ہوگا، لیکن اس بہانے تیری زندگی سبھر جاتے گی۔

اسے خاموش دیکھ کر حاجیت سمجھ گیا کہ دتارام حال میں آ رہا ہے۔ اس نے فوراً ہی اس کا خالی گلاس، شراب سے بھر دیا اور شمشیر سنگھ کو آنکھ مار کر مسکراتے لگا چند لمحوں بعد وہ شمشیر سنگھ کو مخاطب کر کے بولا ”ٹھا کر اب سمجھ لو تمہارا کام ہو گیا۔ دتارام کی صلا جیتوں پر مجھے پورا بھر دیا ہے۔ گنگا اور اس کے منگیز کے درمیان یہ بڑی گہری کھائی مکھو دے گا اور اپنی بھتیجی کو آپ کے سامنے لے آئے گا۔ ایک بار اسے آجائے دو، گنگا کے حصول کے بعد کسی اور لڑکی کا خیال بھی نہیں آئے گا ٹھا کر۔“

گنگا کو ٹھکرائی بنانے کے تصور سے ہی دتارام جھومنے لگا۔ شراب سے بھرا ہوا گلاس ایک ہی سانس میں حلق سے اتارنے کے بعد وہ جھومنا ہوا بولا۔ ”مجھے کیا بخش ملے گی ٹھا کر؟“

”جو مانگو وہ ملے گا۔“ ٹھا کر شمشیر سنگھ نے کہا ”زندگی بھر کے لیے وظیفہ باندھ دوں گا بھگت!“

”لیکن کب سے؟“ وہ ہچکیاں لینے ہوئے بولا۔

”شادی ہو یا نہ ہو، میری بخشش تو مجھے ملنی ہی چاہیے۔“

اجیت سمجھ گیا کہ گنگا کے چاچا کو نشہ چڑھ چکا ہے اور اب وہ دام سے نکل نہ سکے گا۔ اس نے جلدی سے کہا ”ٹھیک ہے دتارام! فی الحال ایڈوائس کے طور پر سو روپے لے جاؤ۔“

ٹھا کر شمشیر سنگھ کی جیب سے سو کا نوٹ باہر نکالا تو دتارام نے بے صبری سے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ جب نوٹ اس کی ہتھیلی سے ٹکرایا تو اس نے اپنے اندر ایک عجیب سی سنسنی محسوس کی... شاید بہت دنوں بعد اسے سو کے

نوٹ کی گرمی محسوس ہوئی تھی۔ دُورِ جوش میں اس نوٹ کو اپنی مٹھی میں بند کر لیا، لیکن وہ نشے میں ہوئے بھی یہ بات جانتا تھا کہ اس نے اپنی بھتیجی جوانی کو ٹھا کر شمشیر سنگھ کی مٹھی میں بند کرنے کا سودا ہے۔ اس کے باوجود اس نے اپنے ضمیر کو اس قدر سمجھایا۔ ”اس بہانے اگر بھتیجی کی تقدیر جاگتی ہی کیا ہے؟“ وہ خود کلاسی کے انداز میں بڑبڑاتا تھا۔ ”تھیوٹری دیر بعد وہ جھومنا ہوا اٹھا اور لڑکے سے بنگلے کے باہر نکل گیا۔“

دوسروں کے ساتھ دھوکے بازی کرنے سے آدھی کو اپنے آپ سے بھی دھوکا کھنا پڑتا ہے۔ اس دوپہر بے کھیل نے دتارام کو بے حس بنا دیا۔ وہ چھوٹا تھا تب وہ ماں باپ کو دھوکا دیا کرتا تھا تو بھائی اور بھابی کو بے وقوف بنانے لگا اور شاد بعد تو بیوی کی محبت سے بھی ناچائز قائمہ اٹھایا۔ باپ اور بھائی بھادرج نے تو جیسے تیسے اس کی برداشت کر لیں مگر بیوی جھوٹے اور دکھانے پر نہ بچا سکی آخر اس کے قبضے سے نکلنے کے لیے خود کشی کر کے اپنے آپ آزاد کرنا پڑا... مگر ان باپ باوجود دتارام کو ہوش نہیں آیا اور نہ ہی اس کا کھلی۔ اپنی بد نصیبی کا ذمے دار وہ یا تو بھگیان کو تھاپا دنیا والوں کو زندگی کی بازی میں وہ کسی ہار جوازی کی طرح بڑھ چڑھ کر دائر لگاتا رہا۔ لیکن ہی اس کے تشخص کو بر باد کرتی رہیں۔

ٹھا کر شمشیر سنگھ نے جب سو کا نوٹ اسے دیا وہ نشے میں ہونے کے باوجود ہوش میں تھا۔ وہ کہ بھتیجی کی جوانی کا سودا کر کے وہ دلال بن چکا۔ بھائی کی موت کے بعد وہ گنگا کے باپ کی جگہ پر معلوم تھا کہ اس کی بھتیجی کی منگنی ایک پڑھے شریف نوجوان کے ساتھ ہو چکی ہے۔ اور تھوڑے دنوں میں اس کے ہاتھ پیلے کہ اسے رخصت کیا دیاں کرنا پڑیں گی۔ یہ ساری باتیں جانتے

اس نے یہ سو دے بازی کیوں کی؟ اپنے ذہن میں اٹھنے والے ان سوالوں کا جواب دتارام کے پاس نہیں تھا، لیکن اپنے آپ کو دھوکا دینے کے لیے اس نے دلیلیں ڈھونڈ نکالیں۔ ”ٹھا کر کے لیے لڑکیوں کی کمی ہے جو شمشیر سنگھ گنگا کی جوانی کا شکار کرے گا؟ ممکن ہے کہ اسے ہمیں دیکھ کر وہ اس پر عاشق ہو گیا ہو اور واقعی اس سے شادی کرنا چاہتا ہو؟“ لیکن درگا پور کا ٹھا کر ایک غریب لڑکی سے شادی کیوں کرے گا؟ یہ سوال ذہن میں بابا داتھتادہ خود کو اس انداز میں مطمئن کرتا۔ ایسا کیوں نہیں ہو سکتا؟ ٹھا کر خاندان پر پچھلے تین پشتوں سے بد دعاؤں کا اثر ہے۔ ٹھکرائی بن کر حویلی میں آنے والی ہر راجپوت لڑکی دیر پور بیوہ ہو جاتی ہے۔ اس لیے شمشیر سنگھ کو کوئی راجپوت، اپنی لڑکی نہیں دیتا... شاید اسی بنا پر رانی ماں بھی گنگا کو بہو بنانے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اور یہ بالکل سیدھی سادھی اور سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ ”لیکن سگی بھتیجی کو ٹھکرائی بنا کر بیوہ کر دینا بھی تو اچھی بات نہیں ہے۔“ مجھے ایسا کرنا نہیں چاہیے؟“ اس دوسرے سوال کا جواب بھی اس نے خود ہی ڈھونڈ نکالا۔ ”ٹھا کر خاندان پر سے بد دعا کا اثر ہٹانے کے لیے ہی شاید گنگا پیدا ہوئی ہے۔ برہمن لڑکی حویلی میں بہو بن کر جائے تو ممکن ہے، تین پشتوں پر محیط بد دعا کے بادل چھٹ جائیں۔ گنگا خوش قسمت لڑکی ہے۔ اس کی وجہ سے ٹھا کر خاندان کو نئی زندگی ملتی ہے تو ایسا کرنے میں کیا حرج ہے؟ اس نیک کام کے لیے میں کوئی گناہ نہیں کر رہا ہوں۔ مگر گنگا کی منگنی ہو چکی ہے۔ درگیش جیسا بڑھا نکھا اور قابل شوہر اسے مل رہا ہے، تو پھر اس کے نکھی جیون میں آگ لگانے کی کیا ضرورت ہے؟“ اس سوال کے جواب میں اپنے آپ کو دھوکا دینے کے لیے دتارام کو ذرا پریشانی سی ہوئی مگر کافی دیر سوچنے کے بعد اس نے جواز پیدا کر لیا وہ دل ہی دل میں دلیل پیش کرتے ہوئے بولا۔ ”درگیش مجھے پہلے ہی سے ناپسند ہے۔ بڑے بھیا اسے ایک اچھا لڑکا سمجھ بیٹھے تھے، لیکن اندر سے تو وہ بڑا کمینہ نوجوان ہے۔ ڈاکٹر بن جانے کے بعد کسی کو کیا معلوم کہ وہ گنگا سے

شادی کرے گا یا نہیں؟ کچھ عرصے قبل درگا پور کا ایک اور نوجوان بھی باہر پڑھنے گیا تھا، لیکن واپس آ کر اس نے اپنی منگنی توڑ دی تھی؟ اس نے ایک امیر لڑکی سے شادی کر لی تھی۔ اسی طرح درگیش کا بھی کیا بھر دیا۔ اس سے تو بہتر ہے کہ گنگا ٹھکرائی بن کر زندگی راحت آرام سے گزارے۔ آنچھانی بڑے بھیا نے تو کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوگا کہ ان کی بیٹی کے نصیب میں درگا پور کی مہارانی بننا لکھا ہے۔“

طرح طرح کی دلیلوں سے اپنے آپ کو دھوکا دے لینے کے بعد دتارام گنگا کو فریب دینے کی ترکیبیں سوچنے لگا۔ بھتیجی کے ساتھ اکھڑی اکھڑی باتیں کرنے والے دتارام نے اپنا چھوٹا بدل لیا تھا۔ ایک روز اس نے بے حد پیار بھرے لہجے میں پوچھا ”بیٹی گنگا کیا بات ہے؟ آج کل درگیش کا کوئی خط نہیں آتا؟“

خط کا نام سنتے ہی گنگا کے چہرے پر ادا سببوں کے سائے لہرا گئے۔ ایک لمحے کے لیے اس نے سوچا کہ کہیں چاچا کو پتا تو نہیں چل گیا کہ درگیش کا خط مجھ سے ٹھا کر شمشیر سنگھ چھین کر لے گیا ہے؟ مگر فوراً ہی اس نے اپنے دل سے یہ وہم نکال دیا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس کے جوازی اور شرابی چاچا کی پہنچ ٹھا کر تک ہو ہی نہیں سکتی۔ مگر اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ بیٹھ درگیش کے نام سے جلنے والا اس کا چاچا، آج خود اس سے، درگیش کے بارے پوچھ رہا ہے؟ اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ”ان دنوں شاید ان کے امتحان ہو رہے ہوں گے اس لیے خط لکھنے کی فرصت نہ ملتی ہو۔“

دتارام سمجھ گیا کہ اس کی بھتیجی اس سے جھوٹ بول رہی ہے۔ اسے دھوکا دینے میں جو گھبراہٹ داخل تھی، وہ اس کے دل سے دور ہو گئی وہ چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ ”دوسرے شہروں میں جا کر پڑھنے والے لڑکے، اپنی پڑھائی چھوڑ کر دوسرے کاموں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ ممکن ہے ایسی ہی کوئی مصروفیت درگیش کو بھی پیش آگئی ہو۔“

”تم کہہ اکیا چاہتے ہو چاچا؟“ گنگا نے قدرے تلخ



بجے میں کہا۔ ”میں تمہارا مطلب سمجھ رہی ہوں۔ ویسے میرا خیال ہے درگیش اور لڑکوں سے مختلف ہے۔“  
 ”نہ تو بڑی بھولی ہو بیٹی!“ دتارام نرم لہجے میں بولا۔ ”میں بھی درگیش کو ایسا نہیں سمجھتا تھا۔“  
 ”چاہا!“ گنگا کی آواز میں غصہ تھا۔ ”اپنے داماد کے بارے میں ایسے ایسے گندے خیالات نہیں رکھنا چاہیے۔ یہ بات تمہیں زیب نہیں دیتی، چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ دوبارہ بولی ”اس قسم کی باتیں مجھے بالکل پسند نہیں ہے۔ سو سکتے تو آئندہ خیال رکھیں۔“  
 ”لیکن میں کچھ غلط تو نہیں کہہ رہا،“ دتارام گنگا کے برابر چار پائی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ”جو میں نے سنا ہے وہی تو بتا رہا ہوں۔“

”کیا سنا ہے؟“ گنگا نے پوچھا۔  
 ”تمہیں اگر سننا ہی ہے تو پھر سنو!“ یہ کہہ کر وہ گنگا کے چہرے کو دیکھنے لگا اور پھر کہنے لگا۔ ”ہمارے گاؤں کے ایک زمین دار کا لڑکا بھی شہر پڑھنے گیا ہے اس نے اپنے ایک دوست کو خط میں لکھا ہے کہ درگیش تو شہری رنگ میں رنگ گیا ہے۔ شراب پانی کی طرح پیتا ہے اور کالج کی لڑکیوں کے ساتھ سینما دیکھنے بھی جاتا ہے۔“  
 ”چاہا!“ گنگا کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

دتارام پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا وہ اپنی آوازیں مٹھاس پیدا کر کے بولا۔ ”میں تو پہلے ہی کہتا تھا تم یہ سب باتیں سن نہیں سکو گی۔ سچائی ہمیشہ ٹھوڑی ہوتی ہے بیٹی!“  
 ”یہ الزام ہے؟“ گنگا بھاری آواز میں بولی۔ ”درگیش ایسا نہیں ہو سکتا۔“

”تو پھر کچھ اور بتانا بے کار ہی ہے۔ آگے کی بات تو اور بھی کڑی ہے۔“ دتارام اٹھا اور وہاں سے جانے لگا اسے یقین تھا کہ گنگا اب پوری بات سننے بغیر اسے جانے نہیں دے گی۔

”مٹھو چاہا!“ اس نے گنگا کی آواز سنی۔ ”تم نے شروع کیا ہی ہے تو سب کہہ دو، میں سنوں گی ضرور، لیکن ماتوں کی نہیں۔“

دتارام اپنا سر جھکا کر من ہی من میں ہنسا اور دل

ہی دل میں بولا۔ ”آگ لگانے کا فن درگا پور میں صرف ایک شخص جانتا ہے اور وہ ذات میری ہے بیٹی اراقی پھر وہ گنگا سے مخاطب ہوا۔ ”ماننا نہ ماننا تمہاری مرضی گنگا لیکن سیٹھ کے لڑکے نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ جے پور کے ایک دولت مند مارواڑی سیٹھ کے پیسے سے درگیش کی پرورش کیا ہے۔ اس مارواڑی سیٹھ کے پیسے سے درگیش کی پرورش کے لیے جائے گا۔“ یہ کہہ کر اس نے گنگا کے چہرے کے تاثرات دیکھے اور پھر دھیرے سے بولا۔ ”لیکن میرا خیال ہے کہ وہ مارواڑی سیٹھ کی لڑکی سے شادی کر کے ہی ولایت جاسکے گا۔“

ایک لمحے کے لیے گنگا کانپ گئی۔ اس نے اپنے چہرے سے اس کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ وہ ذرا تیز لہجے میں بولی۔ ”جھوٹی بات کر کے تم مجھے بہکانا چاہتے ہو چاہا میری خوشی شاید دیکھ نہیں سکتے۔“ یہ کہہ کر وہ مسکرت ہوئی۔ ”میں پوچھتی ہوں درگیش نے تمہارا کیا لگاؤ ہے بھتیجی کی خوشیوں سے تمہیں اتنا حسد کیوں ہے؟“

اس سے پہلے کہ دتارام کوئی جواب دیتا۔ اس کی نظر دروازے میں داخل ہوتے ہوئے شیو پر پڑی۔ اسے اس ستر پر لڑکے پر بڑا غصہ آتا تھا، کیوں کہ شیو اس کی بری عادتوں کی اطلاعات گھر والوں کو دیا کرتا تھا۔ ایک دو بار اس نے شیو کو دھمکایا بھی تھا، لیکن شیو پر اس کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ اس وقت اس کے آجانے سے دتارام کو اپنی بات ادھوری چھوڑ کر وہاں سے جانا پڑا۔ ”تمہارا پر جا کیا ہوا شیو؟“ گنگا نے اپنے چہرے پر بھائی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ لڑکیوں کے اسکا میں امتحانات کی وجہ سے گنگا دو پہر ہی کو گھر آجاتی اور گھر آکر وہ شیو کو پڑھانے بیٹھ جاتی تھی۔

”دیدری ارات جو سوالات تم نے سمجھائے تھے، آج وہی سوال پوچھے گئے تھے،“ شیو نے بتایا۔

”تو تم نے جواب میں کوئی غلطی تو نہیں کی؟“ چلو بتاؤ تم نے کیا لکھا تھا؟“ گنگا نے اس کے سر پر ہاتھ سے ہاتھ پھیرا۔

شیو نے بہن کی گود میں سر رکھ دیا اور بولا۔ ”تو سوچو“

شکتلا ایک غریب مگر بے حد حسین لڑکی تھی۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ آشرم میں رہتی تھی، ایک دن راجا درشت جنگل میں شکار کھیلنے آیا اور شکتلا کو دیکھ کر اس پر عاشق ہو گیا۔ یہ دیکھ کر شکتلا کے باپ نے ان دونوں کی شادی کر دی۔ راجا نے شکتلا کو اپنی انگوٹھی پہنا دی۔ وہ دونوں جدا ہو گئے لیکن کچھ عرصے بعد جب شکتلا راجا کے محل میں گئی تو راجا اسے بھول چکا تھا۔ اس نے جو انگوٹھی شکتلا کو دی تھی وہ شکتلا سے ندی میں گمر چکی تھی۔ جسے ایک مچھلی نے نگل لیا تھا۔ وہ اپنی شادی کی نشانی بطور ثبوت کے پیش نہ کر سکی، اس لیے اسے محل سے باہر نکال دیا گیا۔

”بس، بس،“ گنگا اس طرح ہاتھ اٹھا کر بولی، ”جیسے وہ بہت بے چینی محسوس کر رہی ہو۔ راجا درشت جیسا آدمی بھی اپنی بیوی کو بھول سکتا ہے تو بھلا درگیش؟“ گنگا نے اس خیال کو درماغ سے نکالنے کے لیے اپنے سر کو کئی بار جھٹکا اور شیو کے سر پر دوبارہ شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ ”تم نے بالکل درست جواب لکھا ہے۔ چلو اب کھانا کھا لو۔“

شیو اور گنگا اٹھ کر دوسرے کمرے میں گئے تو دتارام صحن میں شمل رہا تھا۔ چاہا کو ٹھہرنے دیکھ کر گنگا نے آسٹوٹوں سے بھگی ہوئی آنکھوں کو دھیرے سے پونچھ لیا۔ دتارام نے باہر جانے سے پہلے اسے پکارا۔ ”اسکول میں تم بچوں کو شکتلا کا سبق پڑھاتی ہو، لیکن خود اس کا کوئی اثر نہیں لیتی ہو۔ بہر حال میں اتنا فزور کوں گا کہ درگیش اور درشت کے ستارے ایک جیسے ہیں۔ اس کا مطلب تم بہ خوبی جانتی ہو گی۔ پھر نہ کہنا کہ میں نے تمہیں بتایا نہیں۔“

گنگا کہنا چاہتی تھی کہ رام اور راؤن کے ستارے بھی ایک ہی تھے، لیکن ان دونوں کے کردار میں کتنا فرق تھا۔ یہ بات تو وہ دتارام سے کہہ نہ سکی۔ کچھ بھی ہو وہ اس کا چاہتا تھا۔ اس کے باپ کا سگا بھائی۔

اگلے دن سرشام، دتارام مٹھا کر شمشیر سنگھ کے بنگلے

کی طرف جا رہا تھا۔ مفت میں ولایتی شراب پینے کی طلب اس کی رفتار کو بڑھا رہی تھی۔ شمشیر سنگھ سے ملا ہوا ستر کا لوٹ وہ صبح ہی جا چکا تھا۔ بغیر رقم کے وہ مٹھی جواروں میں بیٹھ نہیں سکتا تھا۔

بالآخر وہ شمشیر سنگھ کی بنگلے نما حویلی میں پہنچ گیا۔ اسے اندر جانے سے کسی نے نہیں روکا تھا۔ ”آؤ دتارام آؤ، مگر تمہارے پاؤں آڑے تر چھ کیوں اٹھ رہے ہیں؟“ دتارام جیسے ہی بیٹھک میں داخل ہوا، اجیت نے کہا۔ ”لگتا ہے ٹھاکر صاحب کا کام نہیں ہوا۔“

”تمہارا اندازہ غلط ہے اجیت سنگھ،“ دتارام سامنے رکھی ہوئی شراب کی بوتل پر نظر میں جماتا ہوا بولا۔ ”میں حال پھینک کر آیا ہوں... لیکن قدموں کے آڑے تر چھ پڑنے کی وجہ تمہاری اس ولایتی چیز کی طلب ہے۔“ اس نے بوتل کی طرف اشارہ کیا۔ ”اب میری سمجھ میں آ رہا ہے کہ ہمارے دیوتا سومرس کیوں پیتے تھے؟“ اتنا کہہ کر اس نے خود ہی بوتل کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔

اجیت نے جھپٹ کر اس کی کلائی پکڑ لی اور بولا۔ ”پہلے تفصیل بتاؤ، پھر شراب پیو۔“

دتارام سٹپٹا گیا۔ اور خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیر کر بڑی حسرت سے مٹھا کر شمشیر سنگھ کو دیکھنے لگا جو دائیں طرف بیٹھا ہوا اونچھوں کی تاؤ دے رہا تھا۔ ”ووکھونٹ پی لینے دو تو کہنے اور سننے کا مزہ آئے گا۔“ وہ مرمل سے لہجے میں بولا۔

”اجیت اس کا ہاتھ چھوڑ دو اور اسے نفوٹری سی پی لینے دو،“ مٹھا کر شمشیر سنگھ اس پر زور کھاتے ہوئے بولا۔ ”جے ہو ٹھاکر کی جے،“ دتارام خوشی سے نعرہ لگاتے ہوئے بوتل پر جھپٹا اور گلاس بھر کر اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔ ”باپ دے، یہ تو بڑی کڑی ہے اندکل سے بھی کچھ زیادہ تیز ہے۔“

”بے وقوف!“ اجیت بوتل اس کے ہاتھ سے چھینے ہوئے بولا۔ ”پانی ملائے بغیر حلق سے نیچے اتارو گے تو کڑوی ہی لگے گی۔ اب بتاؤ تم کیا کر آئے ہو؟“

”بھتیجی کو شکتلا کا سبق پڑھا آیا ہوں،“ اس نے

ہونٹوں پر زبان بھیج کر ساری کھٹا سادی۔ ”گاؤں کے زمین دار کے لڑکے کی خط والی کہانی نے اس پر بہت اثر کیا ہے لیکن ابھی وہ میری بات پر یقین کرنے کے لیے تیار نہیں ہے مگر کب تک، آخر اسے میری بات ماننا ہی پڑے گی۔“

”دتارام! اگر اتنی دھبی رفتار سے کام کر دے تو دوسری بار منگلے میں قدم نہیں رکھ سکو گے۔“ ٹھاکر شمشیر سنگھ اس کی بات سن کر پہلی مرتبہ بولا۔ ”اس سے پہلے کہ رانی ماں واپس آجائیں، گنگا کو میرے حضور حاضر ہو جانا چاہیے۔“ پھر وہ اجیت سے مخاطب ہو کر بولا۔ ”مجھے لگتا ہے کہ تم نے اس بے وقوف پر بہت زیادہ بھروسہ کر لیا ہے۔“ شمشیر سنگھ اور اجیت کے درمیان یہ بات پہلے سے طے پا چکی تھی کہ جب ایک فرد دتارام کو دھمکائے تو دوسرا نرم لہجہ اختیار کرے گا، اسی لیے اجیت شمشیر سنگھ کو سمجھاتے ہوئے دھیرے سے بولا۔ ”ٹھاکر! میں دتارام کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ ایسے کاموں کا تو یہ ماہر ہے۔“ اس کے بعد چٹکی بجا کر اس نے سرگوشی میں کہا۔ ”ایک ترکیب سمجھ میں آئی ہے۔ زمین دار کے لڑکے کا خط، اگر گنگا کو دیکھ لے تو اسے یقین ہو جائے گا کہ درگیش اس سے بے وفائی کر رہا ہے۔“

”گنگا کو وہ خط کہاں سے لاکر دیا جائے؟“ دتارام نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ ”ایسے کسی خط کا تو وجود ہی نہیں ہے۔ میں نے تو یوں ہی بات بنائی تھی۔“

”جس طرح تم نے بات بنائی ہے، اسی طرح میں وہ خط بھی مہیا کر دوں گا۔“ اجیت عیارانہ انداز میں مسکراتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھا اور کونے میں رکھی ہوئی میز پر جا کر بیٹھ گیا۔ پھر قلم کاغذ سنھال کر زمین دار کے لڑکے کی جانب سے جعلی خط لکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے وہ کاغذ ٹھاکر شمشیر سنگھ کو پڑھنے کے لیے دے دیا۔

”خط پڑھتے پڑھتے شمشیر سنگھ اچھل پڑا اور اجیت کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے بولا۔ ”تمھاری چالاکی، مجھے سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ کبھی تم میرے ساتھ ہی ایسی چال نہ چل جاؤ۔“

ٹھاکر شمشیر سنگھ کی بات اجیت کو کھٹکی ضرور لگی۔ شراب کے گھونٹ کے ساتھ وہ اس بات کو گلے سے اتار گیا۔ لیکن دل ہی دل میں اس نے سوچا کہ کبھی وہ ٹھاکر شمشیر سنگھ کو انھی کے الفاظ پر حق ثابت کر دے گا۔

”دتارام کے ہاتھ میں جعلی خط تھماتے ہوئے ٹھاکر شمشیر سنگھ نے بے تابانہ انداز میں کہا۔ ”جاؤ جا کر بھینچی کو یہ خط پڑھوا دو بھگت!“

”نہیں، ٹھاکر نہیں۔“ اجیت جلدی سے بولا۔ ”میں خط پڑھوانے کی اتنی جلدی نہیں کر رہا۔ دتارام کی بھینچی بے حد چالاک ہے۔ اسے شہا ہو جائے گا۔“

اجیت کی بات سن کر دتارام کو خوشی ہوئی وہ کھانا اور چالاک شخص ہے اور اگر وہ دونوں آپس میں جائیں تو ٹھاکر شمشیر سنگھ کو اچھی طرح لوٹ سکتے ہیں سوچتے ہوئے اس نے خوشامندانہ لہجے میں اجیت سے ”واہ اجیت سنگھ واہ، میرے دل کی بات تم نے کہہ دی۔“ ٹھاکر کی جلد بازی کو میں بھی سمجھتا ہوں، لیکن شمشیر سنگھ کا کرنا ہو تو تھوڑا صبر کرنا پڑتا ہے۔“

”تم زیادہ ہوشیار بننے کی کوشش نہ کرو۔“ اجیت نے اس سے خوشامندانہ انداز پر ہنس مچاتے ہوئے کہا۔ ”دیا، گنگا، تمھاری نظروں میں شیرنی ہوگی، لیکن یہاں آنے کے بعد وہ بکری بن جائے گی۔“

”آخر ہے تو برہمن ہی کی لڑکی۔“ دتارام نے اچانک غصے میں دیکھ کر چالاکی سے بات بدل دی۔ ”دیکھ میں شیرنی لیکن شیر کو سامنے دیکھ کر غریب گائے بن جائے۔“ ٹھیک ہے ٹھیک ہے اب تم جاؤ۔“ ٹھاکر شمشیر سنگھ اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ”کل شام کوئی اچھا خبر لے کر آنا۔“

دتارام کی لالچی نگاہیں بوتل پر ہی جمی ہوئی تھیں وہ اپنی مجبوری ظاہر کرنے ہوئے بولا۔ ”ان داتا! ایک بار اور مجھے اس ولایتی بری کاغذ چکھ لینے دیں تاکہ میرے پیروں میں ذرا طاقت آجائے۔“

ٹھاکر شمشیر سنگھ نے آنکھ کے اشارے سے اجازت دے دی تو اجیت نے پانی میں ملا کر دھسکی کا گلاس اس کے سامنے رکھ دیا۔ ”لو پی، لیکن ایک بات یاد رکھنا اب درگیش کا کوئی خط تمھاری بھینچی کے ہاتھ نہیں آجائے۔“ اس کے لیے بالکل بے فکر ہو۔ ”دتارام گلاس کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے بولا۔ ”ڈاکیا بھی میری طرح چری ہے اسے ہاتھ میں لینا کوئی مشکل نہیں۔ گنگا کے ہاتھ میں آئندہ سے کوئی خط نہیں آئے گا۔“

”ٹھیک ہے اب تم جاؤ۔“ اجیت برا سامنہ بنا کر بولا۔ ”زیادہ بیٹھو گے تو پی پی کر لیے ہو جاؤ گے اور ہمیں، تمھارے لیے کماروں کا انتظام کرنا پڑے گا۔“

دتارام نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھا۔ اسے لڑکھاتی چال سے باہر جانے دیکھ کر ٹھاکر شمشیر سنگھ نے ہلکی سی دھمکی کہا۔ ”سالابھن کی بجائے کسی چادری اولاد لگتا ہے۔“

گنگا گھر کے صحن میں بیٹھی اپنے چھوٹے بھائی کی قمیص میں بٹن ٹانگ رہی تھی۔ اسے اسکول سے آنے میں ابھی دیر تھی۔ اس وقت گھر میں چاچا اور بھینچی کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔ موقع غنیمت جان کر دتارام نے بات چھپڑی۔ ”گنگا پرسوں تم میری بات ماننے کے لیے تیار نہیں تھی نا؟“

”کون سی بات؟“ گنگا سمجھ کر بھی انجان بنی رہی۔ وہ اس بات کو سننا نہیں چاہتی تھی، جسے سن کر اسے ذہنی پریشانی سے دوچار ہونا پڑتا۔

”زمین دار کے لڑکے کا لکھا ہوا خط، میں اس کے دوست سے لے آیا ہوں۔“ دتارام نے جیب سے خط نکال کر اس کے آگے رکھ دیا اور بولا۔ ”تم نے مجھے گہرا صدمہ پہنچایا تھا کہ میں تمھاری خوشی نہیں دیکھ سکتا، مگر اب تم خود ہی پڑھ کر اندازہ لگا لو کہ مجھے تمھارے سکھ کی کتنی فکر رہتی ہے۔“

کچھ کھسکے بغیر گنگا نے چپ چاپ وہ خط اٹھالیا مگر دل ہی دل میں اس نے یہ طے کر لیا تھا کہ خط میں چاہے کچھ بھی لکھا ہو، وہ اس کا کوئی اثر قبول نہیں کرے گا۔

گی۔ وہ بے دلی سے کاغذ کھول کر پڑھنے لگی، لیکن جیسے جیسے وہ خط پڑھتی گئی، ویسے ویسے اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی چاچا نے جو کہا تھا اس سے کچھ زیادہ ہی درگیش کے بارے میں لکھا ہوا تھا۔ اب اس میں چاچا کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہیں تھی۔ خط ختم کرنے ہی اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ پھر اچانک وہ مسکایا لے لے کر رونے لگی۔ یہ دیکھ کر دتارام دھیرے سے مسکرایا اور اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر اسے تسلیاں دینے لگا۔

”تم تو بہادر ہو بیٹی! رونے کی بجائے بھگوان کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمھاری آنکھیں کھول دیں۔ ڈاکٹر بن کر اس کی آنکھوں میں چربی اتر آئی ہے۔ لیکن تم اس سے کم نہیں ہو۔ پورے درگا پور میں تم جیسی پڑھی لکھی اور خوبصورت لڑکی کوئی دوسری نہیں ہے۔ میں تمھارے لیے درگیش سے بہتر لڑکا نہ ڈھونڈ لائوں تو مجھے دتارام نہیں گھسیٹا رام کہنا۔“

”چاچا! گنگا نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ ”میں دل سے اسے بٹی مان چکی ہوں۔ کسی اور کا خیال تو اب میرے دل میں آ ہی نہیں سکتا۔ میں زندگی بھر کنواری بیٹی رہوں گی۔ بقیہ زندگی اسکول اور گم لوگوں کی خدمت میں گزار دوں گی۔“

دتارام کو اس کی باتیں پسند نہیں آئیں۔ اندر ہی اندر طرنت پیس کر اس نے پہلے تو گنگا کو کوسا پھر دھبی اور دھبی آواز میں بولا۔ ”بیٹی! دل سے اس بے وفا کا خیال نکال دو اور اپنے ہونٹوں پر اس مطلبی کا نام بھی نہ آنے دو۔“ یہ کہہ کر اس نے دھیرے سے اس کے ہاتھ میں دبا ہوا خط کھینچ لیا اور پھر بولا۔ ”دیکھو بھول کر بھی اس خط کے بارے میں کسی سے کچھ نہ کہنا۔ اس بے جا رے نے مجھ پر بھروسہ کر کے یہ خط مجھے دیا تھا۔ دو آدمیوں کی لڑائی میں تیسرے کا کام تمام ہو جائے، ایسا کام کبھی نہ کرنا۔ یوں ہی تم ایک سمجھ دار لڑکی ہو۔“

”ٹھیک ہے چاچا! اب تم بھی اس موصوع پر مجھ سے بات نہیں کرو گے۔“ گنگا نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔ ”قسمت

میں جو نکھا ہے وہ تو ہموکر ہی رہے گا۔“

”تمہارے نصیب میں راج محل کا سکھ لکھا ہوا ہے بیٹی۔“ دتارام نے بڑی ہوشیاری سے موضوع بدلا۔ ”برہمن ہونے کے باوجود تم میں راجپوتی شان ہے۔“ عین اسی لمحے اس کی نظر دین دیال پر پڑی جو دروازے سے اندر داخل ہو رہا تھا دتارام کو اس وقت اس کی آمد اچھی نہیں لگی۔ اس کے خیال میں وہ بڑے غلط وقت پر آٹھکا تھا۔

گنگا نے اسے آتا دیکھ کر جلدی سے اپنے آنسو پونچھ لیے۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے ہونے والے سسر کو پتا چل جائے کہ وہ روتی رہی ہے۔

”گنگا بیٹا ذرا یہ ٹیلیگرام پڑھ دو۔“ دین دیال نے لفاظی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ”لکنا ہے درگیش کا ہی نام ہے۔“

لفافہ ہاتھ میں لینے سے قبل گنگا نے اپنے ہاتھ میں پکپکا ہٹ سی محسوس کی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کہیں کوئی بری خبر نہ ہو... کہیں درگیش نے یہ تو نہیں لکھا کہ اس نے ولایت جانے کا فیصلہ کر لیا ہے یا پھر اس نے اپنے باپ کو جسے پور بلایا ہو۔ تاکہ مارواڑی سیٹھ کی بڑی سے رشتے کی بات چھیڑی جائے... دل و دماغ میں ابھرتے ہوئے خیالات سے لڑتی کا در دھڑکتے دل سے اس نے ٹیلیگرام پڑھنا شروع کیا۔ ایک لمحے بعد ہی اس کا مریجھایا ہوا چہرہ چمکنے لگا ”ہاں یہ انھی کا نام ہے۔ نکھا ہے کہ آج رات کی طرح سے پہنچ رہا ہوں۔“ گنگا نے خوشی سے سرشار لہجے میں کہا۔

دین دیال کا چہرہ بیٹے کی آمد کا سن کر خوشی سے ممتا اٹھا اور دتارام کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔

”کم محنت باپ کی طرح بیٹا بھی غلط وقت پر ٹپک رہا ہے۔“ دتارام نے دل ہی دل میں کہا۔ گنگا کو خوش دیکھ کر اسے غصہ آیا کہ ابھی تو چار چار آنسو رو رہی تھی اور اب تار پڑھ کر سارے دکھ بھول گئی۔ عین اسی لمحے ننھے شیو نے اسکول سے واپس آکر جلتی پیرتیل کا کام کیا۔ گنگا کا مسکراتا چہرہ دیکھ کر وہ سمجھ گیا اور بولا ”دیدی لکنا ہے ڈاکٹر صاحب کے پاس ہونے کی خبر آئی ہے۔“

”پاس ہونے کی نہیں بلکہ خود اس کے آنے خبر آئی ہے۔“ دین دیال نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”رات کی طرح سے آکر ہا ہے۔“ شیو نے خوشی سے اچھل کمر اپنا بیستر چار چار پھینکا۔ ”درگیش بھیتا آ رہے ہیں تب تو میرا کام ہوا۔“

”تمہارا کیا کام ہوگا بھلا؟“ دتارام نے پوچھا ”تم نے اس سے کچھ منگوایا تو نہیں ہے؟“ ننھے شیو نے ایک بار اپنے چاچا کی طرف دیکھا شروع لہجے میں بولا۔ ”چاچا آپ کو یاد ہے گلی کے کالے کتے نے آپ کو کاٹا تھا، وہ کچھ دنوں سے بیمار گیا ہے۔ اب ڈاکٹر صاحب آجائیں تو اس کا علاج کرالیں گنگا اور دین دیال بے اختیار ہنس پڑے۔ دتارام کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا ”اچھا تو تمہارا بھتیجا جانوروں کا ڈاکٹر بن کر آ رہا ہے۔“ اتنا کہہ کر وہ اور تیز تر چلتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد گنگا شیو اور دین دیال تک ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے... ادھر باہر یہ لوگ باتیں کر رہے تھے اور ادھر اپنے کمرے میں ہوا دتارام، گنگا کے زیورات کی پوٹلی کھولے اس میں سے سونے کا ہار نکال رہا تھا۔

”ڈاکٹر صاحب آگئے... ڈاکٹر صاحب آگئے۔“ اس سے پہلے کہ تانگا گھر کے دروازے پر آکر رکتا، ننھے شیو نے تانگے سے باہر چھلانگ لگا کر سارے محلے کو خبردار کیا۔ ”درگیش اور دین دیال تانگے سے اترنے لگے تو گنگا بھاگ کر گھر کے دروازے تک آگئی تھی۔ دین دیال محض تھکے انداز میں محلے کے ایک اور شخص سے گفتگو کر کے لگے جو تانگے کو دیکھ کر ان سے مخاطب ہوا تھا۔

گنگا کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ دوڑ کر درگیش کی لپٹ جائے۔ وہ سب سے پہلے اس خبر کے بارے میں پوچھنا چاہتی تھی کہ دتارام چاچا جو کچھ بتا گیا ہے دھوٹی ہے یا سچ۔ لہذا جادوشت کی طرح وہ بھی تو

بھول نہیں گیا۔ کسی اور سے غمزدہ پیمانہ تو نہیں کر لیا اس نے۔

درگیش سے نظریں ملیں تو جذبات محبت کے سمندر میں تلاطم برپا ہو گیا اور اس کی لہروں میں سارے سوالات بہہ گئے۔ شرم کے بوجھ سے آنکھوں کی پلکیں جھپک گئیں۔ اسے محسوس ہوا ان چھ مہینوں میں درگیش کافی دبلا ہو گیا ہے شاید امتحانات کی تیاری میں اس کی صحت گر گئی تھی۔

”دیدی! ڈاکٹر صاحب آگئے۔“ اچانک شیو نے قریب آکر اسے چونکا دیا۔

”اس نے پلٹ کر درگیش کی طرف دیکھا تو وہ اس سے کہہ رہا تھا ”یہاں کھڑی کھڑی کیا دیکھ رہی ہو باہر تو آؤ۔“ گنگا نے اسے دیکھتے ہی دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ اس طرح چھپا لیا تھا جیسے وہ چہرے پر کبھی ہونی چاہی کی لہروں کو چھپانے کی کوشش کر رہی ہو۔

”دیدی! درگیش نے ننھے شیو کا کان پکڑ لیا اور بولا ”مجھے ڈاکٹر صاحب ڈاکٹر صاحب کہہ کر تم نے پورے گاؤں میں ڈھنڈا درا پیٹ دیا ہے، لیکن ابھی میں ڈاکٹر کہاں ہوا ہوں؟ امتحانات کا نتیجہ تو نکلنے دو۔“

”نتیجہ تو پکا ہے بھتیجا،“ شیو اس کے ہاتھ سے بیگ نیتا ہوا بولا۔ ”امتحانات کے پہلے دن ہی، دیدی نے درگیش کو ماما کی پوجا کی تھی۔ اب تمہیں کوئی قیل کہی نہیں سکتا۔“ درگیش نے ترجمانی نظروں سے گنگا کی طرف دیکھا اور مسکراتے لگا۔ گنگا کا چہرہ مشرقی شرم و حیا کا نمونہ بنا ہوا تھا۔ اسے شیو پر غصہ آ رہا تھا۔ لیکن اس کے غصے میں جھلاہٹ نہیں بلکہ محبت کی جھلک بھی تھی اس نے ہاتھ بڑھا کر شیو کا کان پکڑ لیا اور بولی ”کتنی دیر سے بڑبڑ کیے جا رہا ہے اب اپنا مٹہ بند کر لے۔“

شیو نے دھیرے سے اپنا کان چھڑایا اور درگیش کا بیگ لے کر اندر چلا گیا۔ دین دیال گاؤں کے کئی لوگوں سے باتیں کرتا ہوا سامنے برگد کے درخت کے نیچے چلا گیا تھا۔

اپنے آپ کو درگیش کے ساتھ تنہا محسوس کرتے

ہوئے گنگا گھبرا سی گئی۔ ادھر ادھر نظر ڈالتے ہوئے اس نے کہا ”تم اندر جا کر بیٹھو میں تمہارے لیے چائے بناتی ہوں۔“ یہ کہتی ہوئی وہ اندر چلی گئی۔

گرم پانی سے نہاتے ہوئے درگیش، گنگا کے خیالوں میں کھویا رہا... وہ اسے پہلے سے کچھ مختلف نظر آ رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی اس کا دل بے چین ہو گیا تھا۔ جب کبھی تنہائی میں وہ ملتی تھی تو وہ بہت باتیں کیا کرتی تھی، لیکن آج تو وہ، اسے بدلی بدلی سی لگ رہی تھی۔

کتے غرے کے بعد اس نے گنگا کو دیکھا تھا۔ گنگا کے چہرے پر چھائی ہوئی عیش کی سرخی میں ایک عجیب سی کشش تھی۔ اب تو باپ سے کہنا پڑے گا کہ جلدی ہماری شادی کر دیں۔ وہ مسکراتے ہوئے کپڑے تبدیل کرنے لگا۔ دفعۃً دتارام کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

”درگیش آگیا کیا؟“ وہ اس کے گھر میں داخل ہو کر بہ آواز بلند بولا۔ آج اسے تھا کہ شمشیر سنگھ کے بیٹے پر پینے کو نہیں ملی تھی۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا یہ اچھا ہی ہوا۔ ورنہ وہ نشے کی حالت میں درگیش کے سامنے نہیں آسکتا تھا۔

”آؤ چاچا آؤ۔“ دتارام کی آمد درگیش کو اچھی نہیں لگی تھی مگر پھر بھی اخلاقاً اس کا استقبال کرنا پڑا۔ ”میرا خیال تھا تم مجھے اسٹیشن پر لینے آؤ گے۔ مگر شاید کہیں بھجن وغیرہ سنانے بیٹھ گئے ہو گے۔ اسی لیے وہاں نہ آئے۔“

دتارام اتنا بے وقوف بھی نہیں تھا، وہ سمجھ گیا کہ درگیش اس پر طنز کر رہا ہے۔ وہ جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔

”کیا بتائیں درگیش! گاؤں کے لوگوں کی نواب عادتیں ہی بدل گئی ہیں۔ سب سارے مفت میں ہی بھجن سنا چاہتے ہیں۔ جیب کی طرف کسی کا ہاتھ ہی نہیں جاتا ہے۔“ یکا یک وہ سنجیدہ لہجے میں بولا۔ ”درگیش بیٹا! میری مائے ناتو اس گاؤں میں ڈاکڑی کرنے کا ارادہ ترک کر دو۔ تم نے اگر یہاں اپنی ڈسپنری کھولی، تو تمہاری حالت



بھی میرے جیسو، ہو جائے گی۔ سارے ہی بھٹکے مریض ملیں گے یہاں۔ گاؤں نے غریب مریض کچھ نہ دے سکیں گے تھیں۔ ”اچھا،“ درگیش بولا ”پھر تو تمھاری بات پر غور کرنا پڑے گا۔ تم اس گاؤں کی بات کر رہے ہو چاہا، جبکہ میرا ارادہ تو اس ملک میں پرنٹس کرنے کا ہی نہیں ہے۔ اب تو باہر جا کر ہی کام کرنے کا ارادہ ہے۔“

عین اسی لمحے گنگا چائے کا کپ لے کر کمرے میں داخل ہوئی۔ درگیش کے آخری الفاظ اس کے کان میں پڑ گئے تھے۔ اس کا ذہن بھٹک گیا، چائے کا کپ اتنے زور سے اس کے ہاتھ میں تھر تھرایا کہ چائے پھلک پڑی۔ اس کی کپکپاہٹ دیکھ کر دتارام خوش ہو گیا۔ اس کا چہرہ اس طرح کھل اٹھا جیسے کہہ رہا ہو ”دیکھ لیا گنگا! میں نہ کہتا تھا کہ درگیش ملک سے باہر ضرور جائے گا۔“

چائے کا کپ درگیش کے سامنے رکھ کر گنگا نے پہلے دتارام کی طرف اور پھر درگیش پر غصے بھری نظر ڈالی اور وہاں سے چلی آئی۔

گنگا صبح کو گھر سے اسکول جانے کے لیے نکلی تو اچانک بوڑھے برگد کے عقب سے درگیش نکل کر اس کے سامنے آ گیا۔ ”کہاں جا رہی ہو؟“ گنگا نے چونک کر درگیش کو دیکھا، لیکن منہ سے کچھ نہ کہا۔ درگیش نے پھر کہا ”اگر ایک دن پڑھانے نہیں جاؤ گی تو کوئی فرق پڑ جائے گا۔ آج کی چھٹی کر لو۔“

”کل سے چھٹیاں ہونے والی ہیں،“ گنگا نے اس سے نظریں چراتے ہوئے کہا ”میرا آج اسکول جانا ہے حد ضروری ہے۔“

”مجھے یہاں آئے ہوئے پورے پندرہ گھنٹے ہو چکے ہیں،“ درگیش جذباتی لہجے میں بولا ”پھر بھی پانچ منٹ کی تنہائی نصیب نہیں ہوتی۔“

”کیا کروں موقع ہی نہیں ملا۔“ گنگا نے سر دلیجے میں کہا ”کچھ دن تو تم یہاں رہو گے ہی، تنہائی ملے یا نہ ملے، کیا فرق پڑتا ہے۔“ اس نے درگیش کو غالباً یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ اگر یردیس جانے کا ارادہ

ہے، تو پھر اکیلے میں ملنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ درگیش اس کے لہجے سے کچھ اور سمجھا۔ اس کا خیال تھا چونکہ اس نے خود گنگا سے تنہائی میں ملنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ شاید اسی لیے وہ ناراض ہے۔ ”میں شام کو ندی کنارے تمھارا انتظار کروں گا اسکا سے سیدھی وہیں آ جانا۔“ اس نے پیار سے کہا۔

گنگا جواب دیے بغیر آگے بڑھ گئی۔ گزشتہ رات سے وہ اندر ہی اندر اپنے آپ سے لڑ رہی تھی۔ درگیش سے تنہائی میں ملنے کی گھڑیوں کو وہ خود کیوں مانتی رہا ہے؟ جب رات کو درگیش کھلے آسمان کے نیچے چارپائی پر سو رہا تھا اور ان دونوں گھروں کے درمیان کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ تب اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ اپنے کمرے سے باہر نکل کر وہ تاروں بھرے آسمان کو دیکھتی رہی تھی

پھر دروازے کی اوٹ میں سے چھپ کر درگیش کو پیار بھرا نظروں سے بھی دیکھا تھا۔ اس کا نیند میں کھویا ہوا وجود بے حس و حرکت تھا۔ پھر اس کا جی چاہا تھا کہ وہ اپنے بھگوان کے چہروں میں جا کر بیٹھ جائے اور اس کے ہر حرکت پر اپنا سر رکھ دے۔ درگیش جو اس کی پہلی اور آخری محبت تھا نہ جانے کتنا وقت وہ اسے دیکھتی رہی تھی۔ اس نے مشکل سے اپنے دل پر جبر کیا تھا ورنہ کسی بھی لمحے وہ اس کے قریب چلی جاتی... درگیش پر پیار کے ساتھ ساتھ اسے اس پر غصہ بھی آ رہا تھا... آخر اسے دتارام چاہا سے یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ میں اس گاؤں میں تو کیا، اس ملک میں ہی رہنا نہیں چاہتا۔ یہ کہہ کر درگیش نے سیٹھ کے لڑکے کے خط کی عبارت کو پرچ ثابت کر دیا تھا۔

صبح کے وقت درگیش کو چائے دیتے ہوئے اس نے ہونٹوں پر مسکراہٹ سی آ کر رات کے دوسو سو کو بھول جانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن نہ جانے کیوں اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ رہی نہ سکی... درگیش کی لائی ہوئی گھڑی جب اپنی کلائی پر باندھ کر شیوا سے دکھانے آیا تھا، تب وہ کوئی خوشی کا اظہار نہیں کر سکی تھی۔ اس کا جی چاہا تھا کہ وہ شیوا سے کہہ دے ”جا کر اپنے ڈاکٹر صاحب

سے پوچھ لو کہ یہ گھڑی بھی یردیس کی ہے۔“ لیکن وہ ایسا کہہ نہ سکی تھی۔

اسکول کے کاموں میں بھی آج اس کا جی نہیں لگ رہا تھا۔ لڑکیوں کو امتحان کا نتیجہ تقسیم کرنے کے بعد وہ فیل ہونے والی لڑکیوں کو دلاسا دیتے ہوئے کہتی رہی۔ ”دل چھوٹا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ محنت کرو گی تو اگلے سال ضرور پاس ہو جاؤ گی۔ بس ذرا دل لگا کر پڑھنے کی ضرورت ہے،“ لیکن وہ خود اپنے آپ کو کوئی تسلی نہیں دے سکتی تھی... زندگی کے امتحان میں فیل ہو کر کیا وہ خود ہمت رکھ سکے گی؟ درگیش کے سوا کسی اور مرد کا تصور ہی اس کے لیے سواں روح تھا۔ دتارام چاہا کے کہے ہوئے الفاظ اس کے کان میں گونجنے لگے ”میں تمھارے لیے درگیش سے بھی اچھا لڑکا ڈھونڈ لاؤں گا۔“ اس خیال کے آتے ہی اس نے دانت پیس کر چاہا پر اپنا غصہ اتارا اور پھر اپنے دل کو یہ کہہ کر بھلانے کی کوشش کی۔ اگر واقعی درگیش کسی امیر باپ کی بیٹی سے محبت کرنے لگا ہے اور اس سے شادی کر کے اس کا مستقبل سنور جاتا ہے تو اسے، اس کی کامیابی کی راہ میں حائل نہیں ہونا چاہیے۔ محبت اگر قربانی چاہتی ہے تو اسے یہ قربانی ضرور دینی چاہیے... اسی لیے درگیش سے تنہائی میں ملنا ضروری تھا تا کہ ایک بار فیصلہ ہو جائے۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا کہ وہ درگیش سے کچھ مانگنا نہیں چاہتی۔ وہ صرف اس سے اتنا کہنا چاہتی ہے کہ وہ اس سے شادی نہیں کر سکتی۔ باپ کی موت کے بعد ماں اور ننھے شیوا کی ذمہ داری اس کے اوپر بوجھ ہے۔ اس لیے تم کوئی دوسری لڑکی پسند کر کے اس سے شادی کر لو۔

من ہی من میں ساری باتیں سوچ لینے کے بعد، جب وہ اسکول سے باہر نکلی تو اس کے پاؤں آپ ہی آپ ندی کی جانب اٹھنے لگے۔ اس نے اپنی رفتار تیز کر دی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ اگر وہاں پہنچنے میں دیر ہو گئی تو درگیش وہاں سے چلا نہ جائے۔ دور سے ندی کنارے ریت پر بیٹھا ہوا درگیش نظر آیا تو اسے کچھ سکون

من ہی من میں ساری باتیں سوچ لینے کے بعد، جب وہ اسکول سے باہر نکلی تو اس کے پاؤں آپ ہی آپ ندی کی جانب اٹھنے لگے۔ اس نے اپنی رفتار تیز کر دی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ اگر وہاں پہنچنے میں دیر ہو گئی تو درگیش وہاں سے چلا نہ جائے۔ دور سے ندی کنارے ریت پر بیٹھا ہوا درگیش نظر آیا تو اسے کچھ سکون

محسوس ہوا۔

اس کا جی چاہا کہ وہ بھاگتی ہوئی چائے اور درگیش سے لپٹ جائے... لیکن اپنی اس خواہش کو رد کر دینا پڑا۔ بغیر پانی کی سوکھی ندی، کسی بیوہ عورت کی مانگ کی طرح اداس دکھائی دے رہی تھی... اچانک گنگا کے قدم سست پڑ گئے۔ ایک خیال تیزی سے اس کے ذہن میں ابھرا۔ کہیں درگیش نے اسے، مارواڑی کی لڑکی کے بارے میں بات کرنے تو یہاں نہیں بلایا ہے؟ ”تم نے بڑا انتظار کرایا۔“ درگیش نے اسے قریب آنے کے بعد کہا۔ ”میرا خیال تھا کہ اب شاید تم نہیں آؤ گی۔“

”ہاں، کچھ دیر ہو گئی۔“ گنگا نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے دیکھ لیا تھا کہ درگیش نے ریت پر کسی لڑکی کا چہرہ بنایا ہوا ہے۔ لیکن یہ چہرہ اس کا اپنا تھا یا کسی اور لڑکی کا، یہ سوچنے کی بجائے اس نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا ”آج اسکول کا آخری دن تھا اور سارا کام ختم کرنا تھا کل سے گرمیوں کی چھٹیاں ہونے والی ہیں۔“

”اب تمھیں ہمیشہ کے لیے چھٹی لینا ہے۔“ درگیش نے نہایت سنجیدہ لہجے میں کہا۔

گنگا چونک پڑی۔ ایک لمحے کے لیے وہ سمجھ نہ سکی کہ اسے ہمیشہ کے لیے چھٹی کیوں لینا ہے۔ اسکول سے یا درگیش کی زندگی سے؟ لیکن یہ بات پوچھنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ پھر بھی وہ آہستہ سے بولی ”پہلے تم ولایت تو ہو آؤ۔“

”پنگلی! وہ تو میں دتارام چاہا کو بنا رہا تھا، اور تم اسے سچ سمجھ بیٹھیں؟“ درگیش کی بات سن کر گنگا نے بڑے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ درگیش کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی طاری تھی۔ ایک پل کے لیے دونوں کی نظریں باہم ملیں۔ گنگا نے فوراً ہی اپنی نظریں جھکا لیں۔ اسے اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ جو بات ابھی اس نے سنی ہے وہ سچ ہو سکتی ہے۔ کافی دیر تک وہ سر جھکائے چپ چاپ بیٹھی رہی۔ تب درگیش کے صبر کا پیمانہ بڑھ گیا۔ اس نے دھیرے سے گنگا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں

لے لیا اور دیکھا اس سے پہلے کہ گنگا سرائٹا کر اس کی طرف دیکھتی، درگیش نے ایک انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنا دی۔ گنگا کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا اس نے ایک جھٹکے سے درگیش کی طرف دیکھا۔ انگوٹھی دیکھ کر اسے دتنا لیم چاہا کی کھس ہوئی ایک بات یاد آگئی تھی ”شکنتلا جیسی بھاری بھی حالت نہ ہو جائے اس کا خیال نہ کھنا۔“ یہ خیال آتے ہی اس کا جی چاہا کہ وہ درگیش کے ہاتھ میں سے اپنا ہاتھ چھڑالے۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ کوئی فیصلہ کر پاتی کہیں قریب ہی سے بندوق چلنے کی آواز سنائی دی۔ دھماکے کی آواز سن کر وہ کانپ گئی۔ درگیش نے بھی چونک کر اس کی جانب دیکھا پھر وہ دونوں اس طرف دیکھنے لگے، جادھر سے بندوق چلنے کی آواز آئی تھی۔

آسمان سے ایک پرندہ گرتا ہوا دیکھ کر درگیش اپنی جگہ سے اٹھا اور اس طرف بھاگا جہاں زخمی پرندہ گرا تھا۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ ہاتھ بڑھا کر زخمی پرندے کو اٹھاتا، کسی کی سخت اور بھاری آواز سن کر اس کا بڑھا ہوا ہاتھ رک گیا ”خبردار یہ میرا شکار ہے۔ اسے ہاتھ مت لگانا۔“ آواز سن کر درگیش نے دھیرے سے اپنا سر اٹھایا اور اپنے سامنے آنے والے گھوڑے پر سوار ٹھا کر شمشیر سنگھ کے چہرے پر اپنی نظریں جمادیں۔ ”اب اسے ہاتھ لگانے کی ضرورت بھی نہیں ہے یہ مر چکا ہے ٹھا کر!“ اس نے تلخ لہجے میں کہا۔

”ٹھا کر شمشیر سنگھ کا نشانہ بھی خالی نہیں جاتا۔“ شمشیر سنگھ گھوڑے پر سے کود پڑا اور زمین پر پڑے ہوئے بے جان پرندے کی جانب حقارت سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”اڑنے پرندوں کو زمین پر گرانے کا مجھے بہت شوق ہے۔“ ”لیکن ان بے زبان اور بے قصور پرندوں کی جان لینے میں تم کو کیا فائدہ آتا ہے ٹھا کر!“ درگیش بد دستور تلخ لہجے میں بولا۔

”مجھے خوشی ہوتی ہے۔ بے حد خوشی۔ جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔“ ٹھا کر شمشیر سنگھ اپنی مونچھوں پر تاد دے کر بولا۔ ”ان کا نظریہ دیکھ کر مزا آتا ہے مجھے۔“ درگیش نے ایک گرا سانس لیا۔ اپنی تفریح اور اپنی

خوشی کے لیے، بعض اوقات آدمی کتنا ظالم بن جاتا ہے۔ یہ بات وہ ٹھا کر شمشیر سنگھ سے کہنا ہی چاہتا تھا، لیکن ٹھیک اسی وقت، اسے گنگا قریب آئی ہوئی دکھائی دی جبکہ دوسری جانب سے اجیت بھی اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا وہاں آپہنچا۔

ٹھا کر شمشیر سنگھ پر نظر پڑتے ہی گنگا بوکھلا گئی۔ اسے خارشہ ہوا کہیں وہ درگیش کے سامنے اس سے پوچھ نہ بیٹھے ”کیوں سدری تم اپنا خط واپس لینے حویلی میں کیوں نہیں آئیں؟“

کوئی سوال کرنے کی بجائے ٹھا کر شمشیر سنگھ، چپ چاپ گنگا کی بے چینی کو دیکھتا رہا۔

قریب آ کر اجیت سنگھ بول اٹھا۔ ”ٹھا کر! یہ تو درگیش ہے۔ بچپن میں یہ ہمارے ساتھ ہی تو پڑھتا تھا۔ اب ڈاکٹری پڑھ کر آیا ہے۔“

”اوہ!“ ٹھا کر شمشیر سنگھ نے اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ لاتے ہوئے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا اور بولا۔ ”ہمارے گاؤں کے لڑکے پڑھ لکھ کر اتنے قابل بن جاتیں، بڑی خوشی کی بات ہے۔“

درگیش کو مجبوراً شمشیر سنگھ سے ہاتھ ملانا پڑا۔ اس رسم کے بعد جب اس نے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا تو اسے محسوس ہوا کہ ٹھا کر شمشیر سنگھ نے کچھ زیادہ ہی مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔

ٹھا کر شمشیر سنگھ نے اس کا ہاتھ دہاتے ہوئے کہا۔ ”تم ڈاکٹر بن گئے ہو، اس خوشی میں تمہیں میری دعوت قبول کرنی پڑے گی۔ حویلی میں تمہیں آنا ہی ہوگا درگیش!“ ”حویلی آنے کے بارے میں تو میں خود بھی سوچ رہا تھا۔“ درگیش نے کہا۔ ”راتی ماں کی خدمت میں حاضر ہو کر انھیں سلام کرنا بھی تو ضروری ہے۔“

”بس تو پھر کل ہی آ جاؤ۔“ ٹھا کر شمشیر سنگھ اس کا ہاتھ چھوڑتا ہوا بولا۔ اس نے درگیش کو نہیں بتایا کہ راتی ماں گوا لیا گئی ہوئی ہے۔

”کل صبح میں تمہارا شدت سے انتظار کروں گا۔“ گنگا نے درگیش کی طرف دیکھا۔ وہ اشارے سے میں

اسے سمجھانا چاہتی تھی کہ تمہیں حویلی میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ آدمی دوستی کے قابل نہیں ہے۔ لیکن درگیش اس کا اشارہ نہیں سمجھ سکا۔

”ٹھیک ہے ٹھا کر! میں کل صبح ضرور آ جاؤں گا۔“ ”اخلاق اسے کہتے ہیں،“ ٹھا کر شمشیر سنگھ نے گنگا کی جانب دیکھتے ہوئے کہا، جیسے وہ اسی کو سنا رہا ہو۔ ”مجھے نوجوانوں کی کمپنی بہت پسند ہے۔“

یہ کہہ کر وہ گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ لیکن اس کی نگاہیں بہ دستور گنگا کی طرف ہی اٹھی ہوئی تھیں، اور پھر وہ گھوڑے دوڑاتے ہوئے کافی دور نکل گئے ”تم نے حویلی میں جانے کی حامی کیوں بھری۔“ ان کے جانے کے بعد گنگا نے درگیش سے کہا۔ ”بس دو بیٹھے بول سن کر ہی پھل گئے؟“ ”لیکن تم اس قدر ناراض کیوں ہو رہی ہو؟“ درگیش نے اس کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی لیکن گنگا نے پھرتی سے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیا۔

”تھوڑی دیر پہلے تم نے یہی ہاتھ اس بے زبان پرندے کی جان لینے والے ایک ظالم شخص سے ملایا ہے۔۔۔ وہ قدرے بہیم لہجے میں بولی۔

”کسی سے ہاتھ نہ ملانا تو اخلاق سے گری ہوئی بات ہے۔“ درگیش اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ ”کسی کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو بلاوجہ جھڑک دینا کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔“

گنگا اور درگیش کو تنہائی ملنے کا یہ پہلا موقع ملا تھا جو اس طرح سے ضائع ہو گیا۔ گنگا اسے یہ نہ سمجھا سکی کہ ٹھا کر شمشیر سنگھ سے اسے اتنی نفرت کیوں ہے؟ اس کا جی تو چاہ رہا تھا کہ وہ درگیش کو بتادے۔ تمہارے لکھے ہوئے خط کو ٹھا کر نے مجھ سے چھین لیا تھا اور اسے واپس دینے کے لیے اس نے اسے اپنی حویلی میں بلایا تھا لیکن نہ جانے کیوں وہ یہ بات اس سے کہہ نہ سکی۔ اس کے بجائے اس نے یہ دلیل پیش کی۔ ”برے آدمی سے دور ہی رہنا چاہیے۔ برے آدمی کا سایہ بھی کبھی اچھے آدمی کو نقصان پہنچا دیتا ہے۔“

”ایک ڈاکٹر کو اچھے برے امیر اور غریب کا فرق

اپنی نگاہوں میں نہیں رکھنا چاہیے۔“ درگیش نے ناصحانہ انداز میں کہا۔ حویلی میں جانے کی ایک اور وجہ بھی تھی جس کی وضاحت کرتے ہوئے اس نے کہا۔ ”تم تو جانتی ہو گنگا! ٹھا کر شمشیر سنگھ کی ماں نے مجھے آگے بڑھنے کے لیے وظیفہ دیا تھا۔ میں راتی ماں کا احسان مند ہوں۔ ایک بار ان سے ملنے اور ان کا شکریہ ادا کرنے کے لیے مجھے ان کے پاس جانا اخلاقی فرض ہے۔ ہر دولت مند آدمی برا نہیں ہوتا۔“

اس کا آخری جملہ گنگا کے ذہن کو براگندہ کر گیا۔ وہ زبان سے تو کچھ نہیں کہہ سکی۔ لیکن اندر ہی اندر وہ کھول اٹھی تھی۔ ”اب تمہیں دولت مند آدمی اچھے لگنے لگے ہیں۔ کیونکہ اب تم ایسے ہی ایک دولت مند مارواڑی کی بیٹی کی طرف کھینچے لگے ہو۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے ایک بار درگیش کی جانب دیکھا اور شکست خوردہ لہجے میں بولی ”ٹھیک ہے جو مرضی آئے وہی کرو۔ میں بھلا تمہیں سمجھانے والی کون ہوتی ہوں؟“ یہ کہہ کر وہ وہاں سے چل پڑی درگیش نے اسے بروکنے کی کوشش کی، لیکن اس نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔

درگیش یہ بات ابھی طرح جانتا تھا کہ گنگا اگر ایک بار کسی ضد پر اڑ جائے تو اسے سمجھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اس نے گنگا کو زبردستی روکنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس کا خیال تھا کہ صبح تک اس کا غصہ اتر جائے گا۔

دوسری طرف گنگا اپنے دل میں یہ سوچتی ہوئی حویلی جا رہی تھی۔ درگیش صبح تک حویلی میں جانے کا ارادہ ضرور بدل دے گا۔ لیکن اس کا یہ ارادہ غلط ثابت ہوا۔

”اوہ، درگیش آؤ۔“ ٹھا کر شمشیر سنگھ نے اپنی حویلی کے شان دار ڈرائنگ روم میں درگیش کا استقبال کیا اور اور اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔ ”یہاں پدھارنے کا شکر یہ ڈاکٹر درگیش!“

”میں ابھی ڈاکٹر نہیں بنا ہوں۔“ درگیش نے مسکرا کر تصدیق کی۔ ”مجھے صرف درگیش ہی کہہ ٹھا کر۔“ ”وہ بھی ہو جاؤ گے۔ آؤ بیٹھو تو سہی۔“ ٹھا کر ہنس کر بولا۔

”رائی ماں کو اطلاع کرا دیجیے۔ میں ان کی خدمت میں سلام کرنے حاضر ہوا ہوں“ درگیش نے صوفے پر بیٹھنے سے پہلے ہی کہا۔ ”صرف پانچ منٹ ہی ان کا وقت لوں گا۔“

”مجھے افسوس ہے درگیش“ ٹھاکر شمشیر سنگھ نے متانت سے کہا اور سامنے والے صوفے میں دھنس گیا۔ ”رائی ماں کو ایک ضروری کام سے اچانک ہی گوالیار جانا پڑ گیا، وہاں میرے ماموں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ویسے یہ اچھا ہی ہوا کہ اس وقت رائی ماں یہاں موجود نہیں ہیں۔“

”وہ کیوں؟“ درگیش چونک پڑا۔

”وہ اس لیے کہ ان کی غیر موجودگی سے ہی تو ہماری محفل میں رنگ جتنا ہے تم تو جانتے ہی ہو وہ ہمارے خیالات کی غوریت ہیں۔“

درگیش کی نظر دیوار پر لگی ہوئی رائی ماں کی ایک بہت بڑی تصویر پر پڑتی تھی۔ تھوڑی دیر تک وہ اس تصویر کو اس طرح دیکھتا رہا۔ پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ بولا ”ٹھاکر! تمہیں شاید یہ علم ضرور ہو گا کہ اسی پرانے خیالات رکھنے والی رائی ماں کی مہربانی سے میں ڈاکٹری پڑھ سکا ہوں۔“ یہ کہتے ہوئے درگیش کی آواز جذباتی ہو گئی۔ ”میرے غریب باپ میں اتنی ہمت کہاں تھی کہ مجھے اعلیٰ تعلیم دلوا سکتے۔“

”اوہ، تم تو جذباتی ہو گئے۔“ ٹھاکر اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے برابر آ کر بیٹھ گیا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر نرم لہجے میں بولا۔ ”تم چاہو تو رائی ماں کی مدد سے مزید تعلیم حاصل کر سکتے ہو۔“

اس سے پہلے کہ درگیش کوئی جواب دیتا، اجیت سنگھ شراب کی ٹڑے اٹھائے کمرے میں داخل ہوا۔ ”چائے پانی کی بجائے ٹھاکر شمشیر سنگھ شراب سے اپنے دن کا آغاز کرتا ہے۔“ وہ آتے ہی بولا۔

درگیش کو بڑی کوفت ہوئی۔ اسے گنگا کی بات سچ لگ رہی تھی۔ کل اس نے کہا تھا ”برے آدمی سے دور رہنا اچھا۔“ اجیت سنگھ کو شیشے کے تین گلاسوں میں شراب انڈیتے دیکھ کر وہ بوکھلا گیا اور جلدی سے

بولے ”میرے گلاس میں صرف سو ڈالنا میں شراب نہیں پیتا ہوں۔“ ٹھاکر شمشیر سنگھ اس طرح بولا جیسے سن کر اسے جھٹکا لگا ہو۔ ”یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ ولایت میں تو ڈاکٹر شراب پینے کی تلقین کرتے ہیں۔ یہ بہترین ٹانک سمجھی جاتی ہے۔“

”ٹھاکر! ولایت کے ڈاکٹروں کو ممکن ہے ایسا مشورہ دینا آتا ہو۔“ درگیش بے حد سنجیدہ لہجے میں بولا۔ ”لیکن میری تعلیم کے مطابق، ہمارے دلش کے باسیوں کے لیے دودھ ہی سب سے بہترین ٹانک ہے۔“

”ارے یا تم تو دودھ پیتے نیچے جیسی باتیں کر رہے ہو۔“ ٹھاکر شمشیر سنگھ نے قہقہہ لگا کر بات کا رخ بدل دیا۔ ”اچھا یہ تو بتاؤ، پاس ہو جانے کے بعد کیا کرنے کا ارادہ ہے؟“

”ڈسپنسری کھولنے کے سوا ایک ڈاکٹر اور کیا کرے گا؟“ اس ملک میں ڈاکٹری کر و گئے؟“ ٹھاکر شمشیر سنگھ نے شراب کا گھونٹ خلق سے نیچے اتار کر برا سامنے بنایا۔ ”تو خیال تھا کہ تم مزید آگے پڑھنے کے لیے ولایت جانے کی سوچ رہے ہو گئے؟“

”نہیں ٹھاکر! ہم تو بے حد غریب آدمی ہیں۔ مجھے پڑھانے کے لیے تو بالیو نے گھر تک گروی رکھا ہوا ہے۔“ درگیش بڑے اداس لہجے میں بولا۔ ”اب اور کہاں تک ان پر بوجھ بنوں گا۔“

”دروپے پیسے کی فکر نہ کرو۔“ ٹھاکر شمشیر سنگھ نے پہلا پانسا پھینک کر رائی ماں سے کہہ کر میں یہ سارا بندوبست کرا دوں گا۔“

”تمہارا بہت بہت شکریہ ٹھاکر!“ درگیش نے شمشیر سنگھ کی پیش کش کو ٹھکراتے ہوئے کہا ”کبھی کبھی کسی کی زیادہ مہربانیاں بوجھ بن جاتی ہیں۔ یوں بھی میرا مقصد تو گاؤں کے لوگوں کی خدمت کرنا ہے۔“

”ہر نوجوان تعلیم حاصل کرتے وقت اپنے ادنیٰ خیالات کا انبار اپنے دماغ میں بھر لیتا ہے۔“ ٹھاکر شمشیر سنگھ نے ہنس کر شراب کا گلاس فالی کر دیا ”لیکن حقائق کا سامنا کرنے کے بعد ہی اسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے۔“

درگیش اس کی بات کا جواب دینے کے لیے کوئی دلیل ڈھونڈ رہا تھا کہ ڈرائنگ روم کے دروازے پر ایک خدمت گار نے حاضر ہو کر تین بار ٹھاکر شمشیر سنگھ کو جھک کر سلام کیا اور پھر سر جھکا کر ادب سے بولا ”حضور گاؤں کے سیٹھ کا آدمی آپ کے لیے کوئی پیغام لے کر حاضر ہوا ہے۔“ شمشیر سنگھ نے پلٹ کر اجیت کی طرف دیکھا تو اجیت نے آنکھ دبا کر اسے سچا اشارہ کیا اور ٹھاکر کی بجائے خود ہی خدمت گار سے بولا۔ ”اسے اندر بھیج دو۔“

خدمت گار سر جھکا کر چلا گیا پھر تھوڑی ہی دیر بعد ایک آدمی بابتیا کا پتلا ٹھاکر شمشیر سنگھ کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا ”سیٹھ صاحب کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے۔ میں آپ کو اطلاع دینے بھاگتا ہوا آیا ہوں۔ مرنے سے پہلے وہ آپ کے درشن کرنا چاہتے ہیں۔“

”ماں باپ!“

”اچھا؟“ ٹھاکر شمشیر سنگھ متفکر لہجے میں بولا ”تم جاؤ ہم ابھی آتے ہیں۔“

”بہتر حضور!“ کہہ کر وہ شخص لٹے پاؤں کمرے سے باہر نکل گیا۔

اس کے جانے ہی درگیش نے ٹھاکر شمشیر سنگھ سے پوچھا ”سیٹھ کو کیا بیماری ہے؟“

”ہارٹ ٹرابل“ شمشیر سنگھ نے اپنے ولایت پلٹ ہونے کا ثبوت دیا۔ اپنی جگہ سے اٹھا اور اجیت سے مخاطب ہوا ”اجیت! تم بھی تیار کرادو۔ میں ابھی کپڑے تبدیل کر کے آتا ہوں۔“ اتنا کہہ کر اس نے اندر جانے کے لیے قدم اٹھائے، لیکن دو ہی قدم چل کر وہ پلٹا اور درگیش سے بولا ”درگیش! تمہیں اگر جلدی نہ ہو تو دو منٹ ٹھہر جانا۔ میں تمہیں راستے میں ڈراپ کر دوں گا۔“ اس نے پھر انگریزی کے ایک لفظ کا سہارا لیا۔

”مجھے ایسی کوئی جلدی نہیں ہے۔“ درگیش خوش اخلاقی سے بولا ”میں تو خود سیٹھ کی خیریت پوچھنے کے لیے جانا چاہتا تھا۔ اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو جاتے جاتے گھر سے میں اپنا ہینڈ بیگ لیتا چلوں۔ ہارٹ کو قابو میں رکھنے کے لیے چند جدید انجکشن میرے پاس ہیں۔“



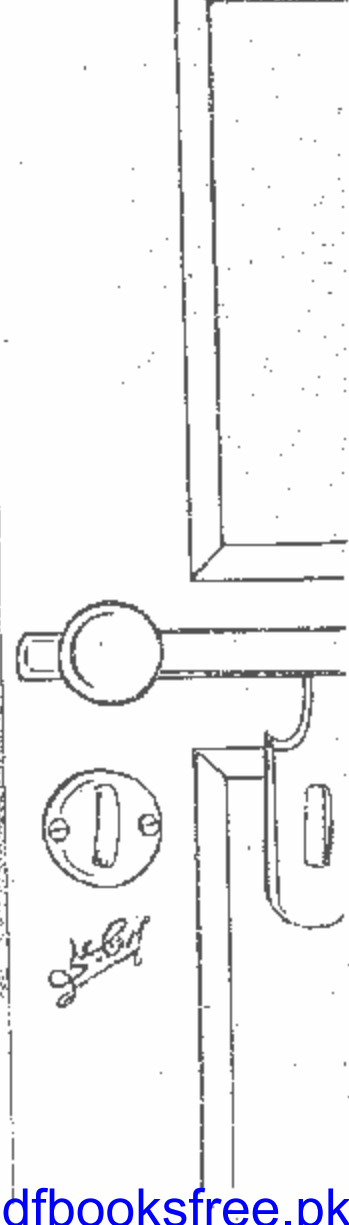
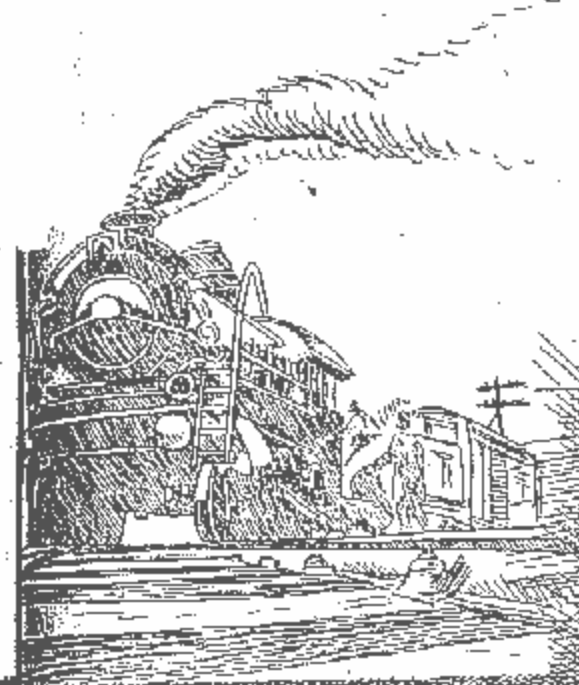


شراب کے دو گھونٹ حلق سے اتارنے کے بعد اس نے مزید کہا۔ ”ہمیں کوئی ایسی حماقت کر کے اپنے پیروں پر کھماڑی نہیں مارنا چاہیے۔ زمانہ بدل گیا ہے۔ ہماری پہلی والی شان نہیں رہی۔ اب پولیس والے ہم پر شک کرنے سے نہیں ڈرتے... نہیں... نہیں ہمیں ایسا خطرہ مول لینے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔“

”تم تو ڈر گئے کھاکر!“ اجیت دھیرے سے ہنس کر بولا ”میری ترکیب سن لو گے تو تم مجھے شاباشی دیے بغیر رہ نہیں سکو گے۔ اس معاملے میں تو میں، تم سے زیادہ ہوشیاری برتنے کا قائل ہوں؟ اتنا کہہ کر اس نے کھاکر شمشیر سنگھ کے کان میں سرگوشی کی تھی۔ کھاکر شمشیر سنگھ جیسے جیسے اس کی باتیں سنتا جا رہا تھا ویسے ویسے اس کی آنکھوں کی چمک بڑھتی جا رہی

یہ غیر، جب اجیت سنگھ تک پہنچی تو اس کے دماغ نے اندر ہی اندر سازش کے جال بننے شروع کر دیے۔ کافی دیر تک اس معاملے پر غور کرنے کے بعد اس نے کھاکر سے کہا۔ ”ٹھاکر اگر تمہیں درگیش کا کاٹا اپنے راستے سے نکالنا ہے تو ایک ترکیب میرے دماغ میں آگئی ہے۔ کل ہی اس کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔“

”کل ہی؟“ کھاکر شمشیر سنگھ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔ اس کا خیال تھا کہ اجیت خون خرابے والی کوئی ترکیب سوچ رہا ہے اور کسی کو لالچ دے کر درگیش کا کام تمام کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔ اس لیے اس نے اجیت کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ”نہیں، نہیں اجیت! درگیش کو قتل کر دیا گیا تو گنگا کو شک ہو جائے گا کہ اس قتل کے پیچھے ہمارا ہاتھ ہی ہو سکتا ہے۔ پھر



تھی۔ آخر میں اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اسے اس بات کا یقین نہیں آتا تھا کہ اجیت اتنا فطین ہو سکتا ہے، اسے اجیت کی اس صلاحیت پر حیرت تو ہوئی تھی لیکن پھر اس نے نوراً ہی خود کو یہ کہہ کر سمجھا لیا کہ جو کچھ بھی ہو یہ جو کام بھی کر رہا ہے، وہ میرے ہی فائدے کے لیے تو ہے۔ خود کو سمجھانے کے بعد وہ بڑے نرم لہجے میں بولا "لیکن یا اجیت! درگیش کو راستے سے ہٹانے کے لیے ہمیں بے چارے مہاجن کی جان کیوں لینا پڑے گی؟"

جواب دینے سے پہلے اجیت کھل کھلا کر منہ پڑا اور شراب کا پورا گلاس چڑھا کر اس نے ایک بچکی لی اور بولا "ٹھاکر! تم بے حد بھولے ہو۔ مہاجن کی زندگی کی اتنی فکر کیوں کر رہے ہو؟ وہ تو یوں بھی دو چار دن کا مہمان ہے، برسوں مرنے کی بجائے اگر وہ کل مر جاتا ہے تو اس میں نقصان کی کون سی بات ہے؟ بلکہ اسے تو ایک دن کی تکلیف سے نجات مل جائے گی۔ یہ ہمارا اس پر احسان ہو گا۔"

اس کی بات سن کر بھی جب ٹھاکر شمشیر سنگھ نے کسی جوش کا اظہار نہیں کیا، تب اجیت نے ایک مثال دیتے ہوئے کہا "کیا وہ بات تم بھول گئے ٹھاکر؟ ابھی پچھلے ہی ماہ تو تم نے اپنے سب سے عزیز گھوڑے کو اپنے ہی ہاتھ سے گولی ماری تھی... بے چارے کا ایک پاؤں بری طرح سے پھیل گیا تھا۔ نہ تو وہ بیٹھ سکتا تھا اور نہ کھڑا رہ سکتا تھا۔ اسے اس تکلیف سے نجات دلانے کے لیے ہی تو ہم نے اس کی جان لی تھی۔ اس کی موت کے بعد تم نے کہا تھا... یہ قتل، قتل نہیں ہے بلکہ اس کے دکھ کا علاج ہے جو ہم نے کیا ہے؟ گھوڑے کی موت کی یہ مثال دے کر اجیت نے ٹھاکر شمشیر سنگھ کو قائل کر لیا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ اس وقت تک بھی میں بیٹھ کر ٹھاکر شمشیر سنگھ اجیت کے ساتھ گاؤں کے مہاجن کی جان لیوا بیماری سے نجات دلانے کے لیے جا رہا تھا۔ درگیش ان دونوں کے خطرناک ارادوں سے بے خبر تھا کہ شمشیر سنگھ کو کسی سوچ میں ڈوبا

دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

"ٹھاکر! میرا خیال ہے اب بات تمھاری سمجھ میں آگئی ہوگی۔ میں نے گاؤں میں ڈاکٹری کرنے کے بارے میں کیوں سوچا ہے؟ مہاجن کی طرح ہزاروں آدمی ایسے ہوں گے جو علاج کی سہولت سے محروم ہیں... زندگی اور موت تو بھگوان کے ہاتھ میں ہے، لیکن مریض کی تکلیف کو کم کرنا تو ڈاکٹر کے اختیار میں ہوتا ہے۔" تم ٹھیک کہتے ہو درگیش، "ٹھاکر شمشیر سنگھ نے عیاری سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لیکن ابھی تم پریکٹس نہیں کر سکتے، اس لیے کہ تمھیں مریضوں کے علاج کے لیے سارٹیفکیٹ نہیں ملے گا۔"

"اس کی فکر نہ کریں،" درگیش پُر جوش لہجے میں بولا۔ "مجھے سارٹیفکیٹ سے زیادہ اپنے آپ پر اور اپنی صلاحیتوں پر بھروسہ ہے۔" پھر جب درگیش کو اپنا گھر نظر آیا تو اس نے بھی رکوادی اور کہا "ٹھاکر! میں اپنا بیگ لے کر ابھی آتا ہوں۔"

ٹھاکر کی بھی دیکھ کر گلی کے لوگ فحش اور حیرانی سے اسے دیکھنے لگے۔ کھلی ہوئی کھڑکی میں سے گنگا نے بھی درگیش کو بھی سے اترتے دیکھ لیا تھا۔ اس کا جی چاہا کہ وہ درگیش سے کہے "واہ، اب تو ٹھاکر کی بھی تمھیں گھرنک پہنچانے بھی آئے گی ہے۔ کیا شان ہے تمھاری؟" لیکن وہ اپنے الفاظ کو کھلی جان نہ پہناسی۔

درگیش اس کی جانب دیکھے بغیر اپنے گھر میں داخل ہو گیا اور پھر چند ہی لمحوں میں بیگ اٹھائے تیزی سے باہر نکل آیا تھا۔ صحن میں آکر اس نے دین دیال سے کہا "بالو میں ذرا گاؤں کے ناگر مہاجن کے یہاں جا رہا ہوں۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" اتنا کہنے کے بعد وہ دین دیال کا جواب سنے بغیر باہر نکل کر بھیگی میں بیٹھ گیا۔ پھر بھی آہستہ آہستہ دور دوری چلی گئی۔

"ویدراج جی اب مہاجن کی طبیعت کیسی ہے؟" ٹھاکر شمشیر سنگھ مہاجن کے کمرے میں داخل ہوتے ہی

بول پڑا۔ "مجھے تو آج ہی ان کی بیماری کا علم ہوا کہ ناگر سنت بیمار ہے اگر پہلے معلوم ہو جاتا تو جے پور سے کسی بڑے ڈاکٹر کو بلوایا جاسکتا تھا۔" اتنا کہہ کر وہ ایک پل کے لیے رکا پھر گھبر آواز میں بولا "درگا پور کے ناگر مہاجن کے علاج میں کسی قسم کی کوئی خامی نہیں رہی چاہیے ویدراج جی!"

"ان داتا علاج میں اگر کوئی خامی رہ گئی تو میری ویدری کس کام کی؟" راج ویدر نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ پھر آگے آکر ٹھاکر شمشیر سنگھ کے کان میں دھیرے سے بولا "اب انھیں دوا کی نہیں، دعا کی ضرورت ہے یہ بات اگر میں سب کے سامنے کہہ دوں تو شاید..."

ٹھیک اسی وقت مہاجن کی بیوی گھونگھٹ گرائے کمرے میں داخل ہوئی۔ اور خاوند کے پلنگ پر سر ہانے بیٹھ کر کہنے لگی "سن رہے ہو! ٹھاکر تشریف لائے ہیں۔ تمھیں دیکھنے کے لیے۔"

پلنگ پر ہلکی سی ہلچل ہوئی۔ گاؤں کا ان داتا ٹھاکر شمشیر سنگھ اس کی خبر پر پوچھنے گھر آیا ہے یہ سن کر مہاجن کے چہرے پر ایک عجیب سی چمک لہر گئی۔ اس کی کھلی ہوئی آنکھوں میں احسان مندی کی جھلک دکھائی دی۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑنے کے لیے کافی زور لگایا پھر کھڑکی آواز میں بولا "تمھارا بہت بہت شکریہ ٹھاکر! اوپر والے کا بلاوا آگیا ہے اور اب مجھے جانا ہی پڑے گا۔ چاروں طرف سے یہ ہی صدائیں آرہی ہیں۔" اتنا کہہ کر ناگر ہانسنے لگا۔

ٹھاکر شمشیر سنگھ کو دھڑکا لگا ہوا تھا کہ مہاجن کی جان پہلے نکل گئی تو ساری محنت پر پانی پھر جائے گا، اسی لیے وہ جلدی سے بولا "تم گھبراؤ نہیں مہاجن میں اپنے ساتھ ایک ڈاکٹر کو لے کر آیا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ جان بوجھ کر چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا تھا۔ ویدراج جی کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات دکھائی دیے تو اس نے بڑی ہوشیاری سے کہنا شروع کیا "یوں تو وہ ابھی پوری طرح ڈاکٹر نہیں بناسے لیکن ہمارے ہی گاؤں کا نوجوان ہے سب سے پورہ جاکر اس نے ڈاکٹری پڑھی ہے... اس

وقت وہ باہر والے کمرے میں بیٹھا ہے۔ میں نے اسے بہت منع کیا کہ ویدراج جی بڑی محنت سے علاج کر رہے ہیں لیکن وہ نہیں مانا۔ اور خود ہی میرے ساتھ دوڑا چلا آیا۔ گاؤں کے لوگوں کی خدمت کرنے کا جذبہ اسے یہاں کھینچ لایا ہے۔" یہ کہہ کر ٹھاکر شمشیر سنگھ نے اپنے ساتھ کھڑے ہوئے اجیت کو کہنی ماری تو وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

چند ہی لمحوں بعد وہ درگیش کو لے کر واپس آگیا۔ بوڑھے ویدراج نے ایک نوجوان لڑکے کو ڈاکٹر کے روپ میں دیکھ کر برا سامنے بنایا۔ شاید وہ دل ہی دل میں کہہ رہا تھا "یہ نوجوان لڑکا اپنی ڈاکٹری کا کمال دکھانے آ تو گیا ہے لیکن اسے ناکام ہی واپس جانا ہو گا۔"

درگیش سیدھا ناگر مہاجن کے پلنگ کے پاس پہنچ گیا اور پلنگ کی پیٹی پر بیٹھ کر اس طرح جلدی جلدی اپنا بیگ کھولنے لگا جیسے ایک منٹ کی تاخیر بھی اسے گوارا نہ ہو۔ اس نے اسٹینٹسکوپ نکال کر اس کی دونوں نالیاں اپنے کانوں میں لگائیں اور بڑی سنجیدگی سے مہاجن کے دل کی دھڑکنیں سننے لگا۔

بوڑھا ویدراج برا سامنے بنا کر اپنی جگہ سے اٹھتا ہوا بولا "یہ سب جو نچلے ہیں۔ ہم کسی آلے کے بغیر صرف تبض پکڑ کر بتا دیتے ہیں کہ مریض کی حالت کیا ہے؟" لیکن درگیش نے ویدراج کے اس طنز پر کوئی توجہ نہیں دی۔ اس نے اپنے بیگ سے انجکشن کا سرینج نکالا اور اپنے سامنے کھڑی ہوئی مہاجن کی بیوی سے بولا "مجھے ذرا گرم پانی لادیں ماسی!"

مہاجن کی بیوی نے اجازت طلب لگا ہوں سے اپنے بیمار شوہر کی طرف دیکھا۔ مہاجن سمجھ گیا کہ بیوی اس کی اجازت کی منتظر ہے، اس لیے اس نے ٹھاکر کی جانب دیکھ کر دھیمی آواز میں دلیل پیش کی "ٹھاکر! اب میں سکون سے مرنا چاہتا ہوں۔" اس کی سانس رک رک کر چل رہی تھی پھر بھی وہ زور لگا کر آگے بولا "بہت علاج کر لیا ویدراج جی، مجھے بڑی کوشش کر کے دیکھ لی۔ اب ہاتھ پاؤں مارنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

”مگر اس طرح ہمت نہیں ہارنا چاہیے ناگرجی!“ ٹھاکر کی بجائے درگیش نے سیٹھ کو تسلی دی ”آج کل ایسی ایسی دوائیں ایجاد ہو گئی ہیں جو مریض کو موت کے منہ میں سے واپس لانے کی طاقت رکھتی ہیں۔ انجکشن لگانے کی ذمہ داری تم خود ہی اپنی تکلیف میں ادا فرمائیے کرو گے۔“

درگیش کی بات سن کر مہاجن کی بیوی گرم پانی لانے کے لیے اس طرح اندر دوڑ گئی جیسے اسے یقین ہو گیا ہو کہ درگیش کا انجکشن اس کے شوہر کو موت کے منہ سے واپس کھینچ لائے گا۔

لوڑھا ویدراج اب غصے سے ابل رہا تھا بالآخر وہ پھٹ پڑا ”لوڑھے اگر تم اپنی قابلیت کا اظہار کرنا چاہتے ہو تو میرا اور بات ہے۔ اس کیس کی ذمہ داری تمہارے سر ہوگی۔ یہ اچھی طرح سوچ لینا۔“ غصے کی وجہ سے لوڑھا ویدراج کانپنے لگا تھا۔ مگر ٹھاکر شمشیر سنگھ کے بیڑوں پر ایک بھیانک مسکراہٹ ناز رہی تھی۔ اسے ویدراج کے روپ میں ایک گواہ مل گیا تھا اور وہ چاہتا بھی یہی تھا۔

درگیش اور ویدراج کو ایک دوسرے سے بحث کرتے ہوئے دیکھ کر اجیت نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی پڑیا نکالی اور اس میں سے سفید رنگ کا سفوف نکال کر مہاجن کے پلنگ کے نیچے پڑے ہوئے لوٹے میں ڈال دیا۔ یہ کام اس نے پلنگ جھپکتے میں کر دیا تھا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی۔ ابھی وہ اس کام سے فارغ ہی ہوا تھا کہ مہاجن کی بیوی اندر داخل ہوئی۔

درگیش سرنج میں دوا بھرنے لگا تو ویدراج اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے اٹھ کر کمرے سے باہر جانے لگا، لیکن ٹھاکر شمشیر سنگھ نے اسے روک لیا۔ اور دھیرے سے بولا ”ذرا صبر سے کام لو ویدرجی!“ اس دوران میں اس نے ترجمانی نظر سے دیکھ لیا تھا کہ درگیش ناگرجی کے بازو میں انجکشن داخل کر چکا ہے اور سرنج پوری طرح خالی ہو چکی ہے تب وہ ذرا اونچی آواز میں بولا ”اگر تم نادانوں سے ہوتے ہو تو میں درگیش کو منع کر دیتا ہوں کہ وہ

انجکشن نہ لگائے... ویدرجی!“

درگیش انجکشن لگا کر سرنج کو بیگ میں رکھ رہا کہ مہاجن پر کھانسی کا دورہ پڑا۔ اور اجیت کے چہرے اطمینان کی جھلک نظر آئی۔ سب کچھ اس کے منصوبے عین مطابق ہو رہا تھا۔ اس نے جھٹ پانی کا لوٹا اٹھا مہاجن کی بیوی کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا ”شاید کا کلا خشک ہو گیا ہے ذرا پانی پلا دو انھیں۔“ یہ کہنے وقت اجیت کی آواز کانپ رہی تھی۔ ٹھاکر شمشیر سنگھ کے چہرے پر بھی خوف کے سائے لہرانے لگے لیکن دونوں نے حتی الامکان اپنے چہروں کو بحال رکھنے کی کوشش کی۔

جو نہی تین چار گھنٹہ پانی مہاجن کے حلق سے نیچے اترا، ویسے ہی اس کی آنکھیں پھٹ سی گئیں۔ ٹھاکر شمشیر سنگھ نے آنکھ کے اشارے سے اجیت کو دیکھ کر جواب میں اجیت نے اپنی مونچھوں پر دھیرے سے ہاتھ پھیرا اور ٹھاکر کی جانب اس طرح دیکھنے لگا جیسے کہ رہا ہو... ”ٹھاکر میں نے یہ سب تمہارے لیے ہی کیا ہے اس بات کو بھول نہ جانا۔ میں بڑے انعام کا حق دار ہوں۔“

”ہے بھگوان! انھیں کیا ہو رہا ہے؟“ مہاجن کی بیوی نے دونوں ہاتھوں سے سر پیٹ لیا۔ سب نے چونک کر مہاجن کی طرف دیکھا۔ لیٹر پر پڑا ہوا ناگرجی اپنے ہاتھ پاؤں بری طرح بٹخ رہا تھا۔ سانس لینے کی کوشش میں کبھی اس کا منہ کھلتا اور کبھی بند ہو جاتا۔ اس کی آنکھیں لمحہ بہ لمحہ بے نور ہوتی جا رہی تھیں اور پتلیاں اوپر کی جانب چڑھ گئی تھیں۔

مہاجن کی بگڑتی ہوئی حالت دیکھ کر درگیش نے پھر اپنے بند بگڑے ہاتھ پر ہاتھ کر کھولنے لگا۔ ویدراج کے چہرے سے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ مہاجن کی آخری گھڑی کا اندازہ لگا چکا ہے۔ وہ بری چھپتی ہوئی نظروں سے درگیش کو گھورنے لگا تھا۔ ٹھاکر شمشیر سنگھ نے ناگرجی کے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا ”ویدرجی! ذرا دیکھو تو ناگرجی کی حالت خیر کیوں ہوتی جا رہی ہے ابھی اس کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ مہاجن

کی گردن ایک جانب ڈھلک گئی اور ایک آخری پھلکی کے ساتھ اس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی کمرے میں ایک چیخ بلند ہوئی اور مہاجن کی بیوی پلنگ کی بیٹی پر اوندھے منہ گر پڑی۔

درگیش جلدی سے اسٹینچسکوپ نکال کر مہاجن کے سینے کا معائنہ کرنے کے لیے آگے بڑھا تو لوڑھے ویدراج نے غصہ بھری نظروں سے اسے گھورتے ہوئے کہا ”بہت ہو گیا اب ایک طرف ہٹ جاؤ۔“

درگیش کو ہٹا کر وہ خود آگے بڑھا۔ پلنگ پر جھپک کر اس نے ناگرجی کی پلکیوں کو اٹھا کر اس کی پھرتی ہوئی آنکھوں میں جھانکا اور پھر کلائی پر ہاتھ رکھ کر نبض ٹٹولنے لگا۔ ٹھاکر ویدراج دیر بعد وہ چیخ کر بولا۔ ”رام! رام! یہ تو نے کیا انجکشن لگا دیا؟ مہاجن کے جسم میں تو نہ ہر پھیل گیا ہے؟“ اتنا کہہ کر وہ گلا پھاڑ کر چیختے ہوئے بولا ”لوڑھے تو نے تو ان کی جان ہی لے لی ہے۔“

”ہے بھگوان! یہ ناگرجی تو گاؤں میں موت بن کر آ گیا ہے۔“

لوڑھے ویدراج کا آخری جملہ سن کر درگیش کی جھلکی ہوئی گردن تن گئی۔ ”ویدراج جی! ذرا زبان سن بھال کر بولیں۔“ اس کی آواز میں غصے کے ساتھ درد بھی جھلک رہا تھا ”مجھ پر الزام لگانے سے پہلے تم کو سوچ لینا چاہیے کہ...“

”ارے جا، جا، بڑا آیا ڈاکٹر بن کر؟“ ویدراج غصے سے پھپکارتے ہوئے اونچی آواز میں بولے ”میں گاؤں کے چوک میں کمنے کے لیے تیار ہوں کہ تمہارا انجکشن نہ پڑا تھا جس کی وجہ سے ناگرجی کی موت واقع ہوئی ہے تم نے تو خود ہی کہا تھا کہ انجکشن لگتے ہی انھیں آرام آجائے گا۔ تم نے سچ ہی کہا تھا اب ناگرجی کو ہمیشہ کے لیے آرام آچکا ہے۔“

اس چیخ بکا سے اجیت فائدہ اٹھا چکا تھا اس نے بڑی ہوشیاری سے پلنگ کے قریب رکھے ہوئے پانی کے لوٹے کو ٹھوکر مار کر الٹ دیا۔ اس کا اندازہ درست تھا۔ اس گرجا گری میں کسی کا دھیان فرش پر بہتے ہوئے پانی پر نہیں گیا تھا۔

ٹھاکر شمشیر سنگھ نے ایک بار پھر آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے، اس کی عقل مندی کی داد دی۔ زمرہ اپنے ثبوت کے ضائع ہو چکا تھا۔ ٹھاکر نے بحث و تکرار میں مشغول ویدراج اور درگیش کی جانب توجہ دی اور انھیں سمجھاتے ہوئے مصلحت کے تحت اونچی آواز میں بولا ”بس کمرہ کسی کی موت کا کچھ تو لحاظ کر دو تم لوگ! مہاجن کی بیوی کا رونے دوتے برا حال ہو رہا ہے۔ اسے تسلی دو مہاجن کے عزیزوں اور رشتہ داروں کو خبر دو۔“ اتنا کہہ کر اس نے اپنی آواز میں نرمی پیدا کرتے ہوئے مہاجن کی بیوی کو تسلی دینے میں خود ہی پہل کی ”ہمت سے کام لو چاچی! ناگرجی کی تو پورے درگا پور میں محسوس کی جائے گی۔ ان کے غم میں بازاں اور دکائیں بند رکھنے کا حکم میں ابھی دیے دیتا ہوں۔ اب آپ حوصلہ کر کے ان کی آخری رسم ادا کرنے کی تیاری کریں۔“

مہاجن کی بیوی کا رونا ذرا کم ہوا تو اجیت نے اپنے ترکش کا دوسرا نیز چھوڑا ”ٹھاکر! اس سے پہلے پولیس کو خبر دینا بھی ضروری ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر آخری رسم ادا کر دینا مناسب نہیں۔“

پولیس کا نام سنتے ہی درگیش کی آنکھیں سکر گئیں اور لوڑھے ویدراج کی کمر سیدھی ہو گئی۔ ٹھاکر شمشیر سنگھ نے اجیت کی بات سن کر درگیش کی جانب دیکھا۔

درگیش نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا ”تم خوشی سے پولیس کو اطلاع دے سکتے ہو۔ مجھے یقین ہے، میرا دیا ہوا انجکشن زہر بلا نہیں تھا۔ پھر بھی اگر پولیس سے تفتیش کرنا مقصود ہے تو کمر لیں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“

یہ سن کر ٹھاکر شمشیر سنگھ نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا اور اس طرح درگیش کو گھورنے لگا جیسے کہ رہا ہو ”ٹھیک ہے بے وقوف، تمہاری یہ خواہش بھی

دنا رام نے پورے غلے میں یہ بات پھیلا دی کہ درگیش نے غلط انجکشن لگا کر ناگرجی کو بیروک کا راستہ دکھا دیا ہے... وہ ڈاکٹر کی پاس کرنے سے پہلے



ہی ڈاکٹر ہونے کا دعویٰ کر بیٹھا تھا۔

جب یہ بات گنگا کے سامنے اس نے کسی تو گنگا اس پر غصے سے پھٹ پڑی "چاچا تم نے مجھے بوجھے بغیر ہی گھر کے آدمی کو بدنام کرنا شروع کر دیا ہے اتنا تو سوچ لیا ہوتا کہ وہ تمہارا ہونے والا داماد ہے۔"

"داماد؟" گنگا رام تلخ لہجے میں بولا "ارے اب تو وہ پولس والوں کا داماد بنے گا دیکھ لینا تم۔"

"تم راکشش ہو چاچا۔" گنگا سے برداشت نہ ہو سکا تو وہ چلا کر بولی۔ "نیکن ابھی اس کے یہ الفاظ فضا میں گونج رہے تھے کہ دتارام نے ایک تھپڑ اس کے گال پر جمادیا۔"

"مجھے شرم نہیں آتی اپنے چاچا کو راکشش کہتے ہوئے۔" وہ چیختے ہوئے بولا۔

گنگا تھپڑ کھا کر کچھ کہنا چاہتی ہی تھی کہ اچانک ایک پتھر دتارام کے ہاتھ پر لگا۔ "ہائے رام مر گیا۔" وہ تکلیف سے اچھل پڑا۔ پھر جب اس کی نظر پتھر مارنے والے شیو پر پڑی تو وہ اپنے سگے بھتیجے کو گالیاں بکتے لگا "حرامی، کیسے! اپنے چچا کو مارتا ہے ذلیل!"

اس دوران میں شیو نے دوسرا پتھر اٹھا لیا تھا اور دوسری سے چلا کر بولا "خیر داد چاچا! تم نے دیدی پر ہاتھ اٹھایا ہے اور مجھے باپ کی گالی دی ہے۔ میں..." وہ دوسرا پتھر مارنے ہی والا تھا کہ گنگا بھاگ کر درمیان میں آگئی اور ہاتھ اٹھا کر شیو کو سمجھانے لگی۔ "شیو! ہمیں ان کی طرح غلط حرکت نہیں کرنا ہے۔" وہ آگے بڑھی اور شیو کے ہاتھ سے پتھر لے کر دور پھینک دیا۔

دتارام اپنے زخمی ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے دبا کر شیو کی عزت بکا لیکن اسے درمیان میں ہی رک جانا پڑا۔ گھر کے کھلے ہوئے دروازے کے باہر پولس کی جیپ کو دیکھ کر وہ تینوں ہی چونک پڑے تھے۔ جیپ میں سے اترنے والے درگیش کی نظر گنگا اور شیو پر سے گزرتی ہوئی دتارام پر مرکب گئی... دتارام کے ہاتھ سے خون نکلتا دیکھ کر اس کی ہمدردی جاگ

اٹھی وہ آگے بڑھ کر بولا "چاچا! یہ خون کیسے نکلا؟" میں پتی باندھ دوں۔" وہ اپنا بیگ لینے کے لیے واپس جیپ کی جانب بڑھا۔

دتارام نے برا سامنے بنا کر کہا "نہیں، نہیں، مجھے تم سے مرہم پتی نہیں کمرانی ہے... رہنے دو۔"

اس کا انکار سن کر بھی جب درگیش نہیں رکا تو دتارام نے طنز یہ لہجے میں ایک اور تیر چھوڑا "ناگرمہا جن کی طرح مجھے بھی پر لوک سدھارنا چاہیے ہو میں باز آیا تمہارے علاج سے مرہم؟"

درگیش کے اٹھتے ہوئے قدم ایک جھٹکے سے رک گئے اور اس نے گردن گھما کر دتارام کی طرف دیکھا پھر گنگا کے چہرے پر نگاہ ڈالی۔ گنگا اپنے کپتے ہونٹوں سے شاید کہنا چاہتی تھی "یہ چاہے کچھ بھی کہے اس کی کوئی بات مت سنو مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے۔"

درگیش کے بالوں میں دین دیال کو کھلے دروازے میں داخل ہوتے دیکھ کر اس کے ہونٹ کا پینے لگے۔

"بیٹا درگیش! اچانک یہ سب کیا ہو گیا؟" یہ کہتے ہوئے دین دیال کی زبان ہی نہیں بلکہ پورا وجود ہلکا ہوا رہا تھا "پورے گاؤں میں یہ بات پھیلی ہوئی ہے کہ تمہارے انجکشن سے..."

درگیش کو محسوس ہوا جیسے اس کا باپ سب لوگوں کے سامنے رو پڑے گا اس نے دین دیال کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انھیں تسلی دینے کی کوشش کی "یہ بھی نقدیر کا ایک تماشا ہے ہمت سے کام لو۔ تمہارا بیٹا بے قصور ثابت ہو کر جلد ہی گھر میں واپس آئے گا۔"

"یعنی..." دین دیال کا کلیجا کٹ گیا "کیا یہ لوگ تمہیں گرفتار کر کے لے جا رہے ہیں؟" اس کی آنکھیں آنسوؤں سے سیگ گئیں وہ پولس انسپٹر کے آگے ہاتھ جوڑ کر گڑ گڑانا چاہتا تھا لیکن درگیش نے اپنے باپ کو ایسا نہیں کرنے دیا۔

"بالو! پولس انسپٹر کے آگے ہاتھ جوڑنے کا کیا فائدہ! انصاف کرنا عدالت کا کام ہے۔ اطمینان رکھو میں بے گناہ ہوں اور جلد ہی واپس آؤں گا۔"

عدالت کا نام سنتے ہی دین دیال کی رہی سہی ہمت بھی لوٹ گئی۔ "تو کیا تم پر خون کا الزام ہے؟" وہ بھڑائی ہوئی آواز میں بولا۔

اپنے بالوں کی بگڑتی ہوئی حالت دیکھ کر درگیش کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ پولس اسٹیشن جانے سے پہلے وہ کسی سے ملنے گھر نہ آتا تو اچھا تھا۔ اور اب زیادہ دیر رکنا تو اور بھی مصیبت تھا۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے گنگا سے کہا "گنگا جانے سے پہلے میں بالو کو تمہارے حوالے کر کے جا رہا ہوں ان کا خیال رکھنا۔"

درگیش کی بات سن کر گنگا اپنا غم بھول گئی وہ جلدی سے دین دیال کے سینے سے لگ کر بولی "تم فکر نہ کرو بالو! جیت آخر سچائی کی ہی ہوتی ہے میرا درگیش بزدل نہیں ہے۔"

درگیش کو اس سے اسی حوصلے کی توقع تھی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک پُر اعتماد مسکراہٹ ناچنے لگی تھی۔ اور اس کے قدم آپ ہی آپ دروازے کی طرف اٹھنے لگے۔

"چلیے انسپٹر صاحب! آپ کو انتظار کی کافی زحمت اٹھانا پڑی۔"

نمٹا شیو پولس کو دیکھ کر ایک جانب دیکھا کھڑا ہوا تھا۔ لیکن درگیش کو جیپ میں بیٹھتا دیکھ کر وہ چیخا۔

"ڈاکٹر بھیا میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا؟" یہ کہتے ہوئے وہ اس کی طرف لپکا۔

گنگا نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور دھیر سے سمجھاتی ہوئی بولی "یہ کیا پاگل پن ہے۔ تمہارے بھیا جلد ہی واپس آجائیں گے۔"

جیپ کو اسٹارٹ ہوتے دیکھ کر وہ اپنی دیدی گنگا سے لپٹ گیا اور دوڑتے ہوئے بولا "دیدی! ڈاکٹر بھیا پولس والے کیا سلوک کریں گے؟"

دروازے پر کھڑے ہوئے لوگوں پر نظر ڈال کر گنگا نے شیو کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور پُر اعتماد لہجے میں بولی "میرے بھائی! ساخ کو کبھی آخ نہیں آتی؟" وہ شیو کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی مگر دین دیال وہاں زیادہ دیر تک کھڑا نہیں رہ سکا۔ اس کی ہمت جواب

دے لٹی تھی وہ آسمان کی طرف دیکھ کر روری آواز میں بولا "ہے بھگوان یہ دن دکھانے کے لیے تم نے مجھے زندہ رکھا تھا؟"

گھر کے صحن میں گنگا، دین دیال اور شیو درگیش کے غم میں ڈوبے ہوئے تھے اور اندر دتارام گنگا کے زلیخات کی پوٹلی ٹٹول رہا تھا۔

اجستھان، بڑے صغیر کا ایسا خطہ ہے جس پر یون ہون کر رہتا ہے مگر اس سرزمین پر شاذ و نادر ہی برسات ہے۔ برسات کے موسم آتے ہیں، پھر بار پڑتی ہے مگر دھرتی کے سینے کو تو وہ خوش نصیب ہی دن ہوتا ہے جب سیرابی نصیب ہوتی ہے، مگر اس بار بارش لوٹ کر برسی تھی اور یہ گاؤں والوں کے لیے ایک حیرت کی بات تھی...

بھگوان کی مہربانی سمجھ کر گاؤں کے باسی ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے۔ جب ناگرمہا جن کی سلگتی چتا پر بارش کا پہلا قطرہ گرا تو کسی نے مرنے والے کی تعریف کرتے ہوئے کہا "اس جیسے نیک آدمی کی موت کی وجہ سے آج موسم ہم پر مہربان ہو گیا ہے۔ اور ہر کھادرت بریں پڑی ہے لیکن شاید لوگوں کو علوم نہیں تھا کہ یہ بارش پورے راجستھان میں ہوئی تھی۔ جب یہ خبر اخبارات میں چھپی تو مرنے والے مراجن کی تعریف کرنے والوں کو اور زیادہ بڑھا چڑھا کر کہنے کا موقع مل گیا... ہر وہ کسی نیک آدمی نے اپنی قربانی دی ہے ورنہ آسمان کبھی ہم پر اتنا مہربان نہ ہوتا۔ ہر طرف خوشی کا سماں تھا۔ باغوں میں جھولے پڑے ہوئے تھے اور گیت گائے جا رہے تھے۔ لیکن درگیش کے باپ دین دیال اور گنگا سے تو جیسے قدرت روٹھ گئی تھی ان کے ہاں تو خزاں کا موسم تھا۔ یہ گنگا کی ہمت تھی جو پوڑھے

دین دیال کی ڈھارس بندھا رکھی تھی ورنہ تو لوڑھا باپ جو ان بیٹے کا صدر پر برداشت نہ کر سکتا، اور ممکن تھا کہ وہ بھی مراجن کی طرح پر لوک سدھار چکا ہوتا۔"

گنگا ہر وقت دین دیال کی ہمت بڑھاتی رہتی تھی حالانکہ درگیش کے جانے کے بعد وہ خود بھی اندر ہی

اندر لٹ لٹ پھوٹ رہی تھی پولس اسٹیشن جانے والے درگیش کو تو اس نے جوش جوش میں کہہ دیا تھا کہ سارے کو کبھی آپ نہ نہیں آتی... لیکن یہ بات اب اس کو محض ایک جھوٹی تسلی کے سوا اور کچھ نہیں لگ رہی تھی عدالت بھی درگیش کو ضمانت پر چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ یوں لگ رہا تھا کہ جج کی نظر میں درگیش ہی قاتل تھا۔ ہاں اگر دس ہزار نقد ہوتے تو بات بن سکتی تھی۔ گنگا نے سوچا تھا، درگیش ضمانت پر رہا ہو کر آجائے تو وہ جی بھر کے اس سے لڑے گی۔ اس سے کہے گی کہ میں نے تمہیں منع کیا تھا، لیکن اس کے باوجود تم بھاگ کر کیسویلی میں پہنچ گئے۔ اگر میری بات مان لی ہوتی تو آج ایسی بات نہ ہوتی ہوتی۔ برے لوگوں کے سامنے بھی خوش و خرم زندگی میں اثر انداز ہوتے ہیں اودان کی خواست خوشیوں کو دیکھ کی طرح چاٹ جاتی ہے۔ کبھی اس کے ذہن میں آتا کہ کہیں یہ بھٹاکر کی سازش تو نہیں ہے؟ لیکن یہ خیال زیادہ دیر تک اس کے دماغ میں نہیں ٹپک پاتا تھا... کیونکہ درگیش نے تو خود ہی ناگرمہا جن کو دیکھنے کی اور اس کا علاج کرنے کی ہنر کی تھی۔ بھٹاکر کا بھلا اس میں کیا دخل تھا؟ پھر وہ سوچتی کہ ممکن ہے کہ درگیش ہی سے کوئی بھول ہو گئی ہو... تب تو... یہ خیال آتے ہی گنگا کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

دفعۃً دین دیال کمرے میں داخل ہوا اور اس کے کاندر سے پر ہاتھ رکھ کر بولا "بیٹی میں نے اپنی ساری کوششیں کر کے دیکھ لیں سا ہو کار کے آگے ہاتھ بھی جوڑے۔ اس کے قدموں پر اپنی پگڑی رکھ کر عاجزی بھی کی۔ لیکن اس نے ضمانت کے لیے روپیہ دینے سے انکار کر دیا، چار دنوں میں ہی بوڑھا باب اتنا لڑنے بھوٹ گیا تھا کہ چند الفاظ بولنے کے بعد ہی اس کی سانس پھول جاتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ گھرے گھرے سانس لے کر بولا "اس گھر کو تو میں درگیش کی بڑھائی کے لیے پہلے ہی گروی رکھ چکا ہوں۔ اب تو میرے پاس وہی کچھ زیور ہیں جو تمہیں شادی میں پہنانے کے لیے

رکھ چھوڑے ہیں۔ ان کو اگر بیچ بھی دوں تو مشکل ہے دو ہزار روپے ہاتھ آئیں گے۔"

گنگا کی آنکھوں میں امید کی ایک کرن سی لہرائی۔ کاش اسے یہ خیال پہلے ہی آجاتا۔ اس نے سوچا اور پھر خوش ہو کر بولی "باپو اچھا ہوا آپ نے مجھے یاد دلادیا۔ پھر اس نے دل ہی دل میں حساب لگاتے ہوئے کہا۔ "میری شادی کے لیے، میرے باپو بھی زیورات رکھ گئے ہیں۔ اس کے بھی دو تین ہزار تو مل ہی جائیں گے۔ باقی کے چھ ہزار میں ہمارا یہ گھر بھی گروی رکھا جاسکتا ہے۔" "کہہ تو اس طرح رہی ہو جیسے یہ گھر اکیلے تمہارے باپ کا ہو؟" دتارام اچانک نکل کر سامنے آ گیا۔ وہ بڑی دیر سے چھپ کر دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔ اسے دیکھ کر گنگا کی آنکھوں میں خون اتر آیا وہ خود کلامی کے سے انداز میں بڑبڑائی۔ "درگیش کو پولس نے بے گناہ پکڑا ہے۔ یہ سارا کیا دھرا ہمارے دوست نما دشمنوں کا ہے۔ میں سب کا نہیں تو کم از کم اس ناپاک چاچا کا خون تو کر سکتی ہوں۔ یہ میری خوشیوں کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ پھر وہ بلند آواز سے بولی "چاچا! چند دنوں سے تم مجھے اور شیو کو گالیاں دینے لگے ہو لیکن مرنے والا ہمارا باپ، تمہارا سگا بھائی تھا یہ رشتہ تم کیوں بھول جاتے ہو؟"

"رشتے کی بات پوچھ رہی ہے تو سن،" دتارام نے دین دیال کو گھورتے ہوئے کہا "جس لڑکے سے تمہاری صرف منگنی ہی ہوئی ہے، اس لڑکے کی خاطر تم اس گھر کو گروی رکھ کر اپنی ماں اور بھائی کو منگروں پر پھینک دینا چاہتی ہو؟"

"گھر گروی رکھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اسے فروخت کر رہے ہیں؟" گنگا پر جوش آواز میں بولی "مقدمہ ختم ہوتے ہی ضمانت کی رقم ہمیں واپس مل جائے گی۔" "لیکن اس سے قبل ہمارا ہونے والا دام بھاگ گیا تو؟"

"چاچا! گنگا! بڑی اور دین دیال نے اس طرح اپنا منہ پھیر لیا جیسے اس کے منہ پر بھرے چمچ میں

سی نے بھر پور تھپڑ مار دیا ہو گنگا کا چہرہ غصے سے لال ہو کر ہو گیا تھا۔ وہ چیختی ہوئی بولی "چاچا تم اپنے منہ پر، اور طنز کے تیر اپنے پاس رکھو۔ میں خط لکھ کر ماں کو بلوا لیتی ہوں، پھر وہی اپنے ہاتھوں سے زیور بیچ کر میرا سہاگ بچائے گی اگر ضرورت پڑی تو درگیش کے لیے یہ گھر بھی گروی رکھ دیا جائے گا۔"

"ہا... ہا... ہا... دتارام نے ایک بلند فحشہ لگایا۔ "نادان لڑکی! یہ گھر قانونی طور پر منتر کر ہے اور میری اجازت کے بغیر تمہاری ماں تو کیا کوئی اور بھی آجائے تو اسے گروی نہیں رکھ سکتا۔"

"ٹھیک ہے، میرے زیوروں کی بیٹی واپس کر دو۔" گنگا نے کہا اور تیزی سے کمرے میں داخل ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ زیوروں کی چھوٹی سی صندوقچی لے کر باہر آگئی۔ دتارام کی پروا کیے بغیر اس نے صندوقچی کو دین دیال کے ہاتھوں میں دے دیا اور بولی "یہ رہے میرے زیور۔ باپو! اسے چاہیں تو گروی رکھ دیں یا چاہیں بیچ دیں۔ یہ زیور درگیش سے بڑھ کر نہیں ہیں، لیکن دین دیال کے کاپٹے ہاتھوں سے صندوقچی نیچے گر پڑی اور گرتے ہی کھل گئی۔ زمین پر گری ہوئی خالی صندوقچی پر نظر پڑتے ہی گنگا کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں، پھر ایک پل بعد ہی اس نے شعلہ باز لنگاہوں سے اپنے چاچا کی طرف دیکھا اور دانت بیس کر بولی "کہاں گئے میرے زیور؟ میرے باپ کی سوچی ہوئی امانت بھی ہضم کر گئے۔" جی بھتیجی کی قسمت بھی جوئے میں بار دی؟"

لوہے کی طرح ٹھوس اور ٹھنڈے الفاظ کوئی اور رفت ہوتا تو دتارام کا دل دھلا سکتے تھے۔ لیکن اس کے عیار دماغ نے پلک جھپکتے میں ایک منصوبہ بنا لیا تھا۔ "ذرا بلند آواز سے اپنے چاچا کو برا بھلا کہہ، وہ ہاتھ ہلا کر بولے "سارے گاؤں میں جان کر کہہ دو کہ تمہارا چاچا جوئے میں زیور ہار آیا ہے۔ میری شہرت ابھی نہیں ہے اس لیے لوگ اس بات کو مان لیں گے۔ اس طرح تمہیں سکون مل جائے گا۔" اتنا کہہ کر وہ سانس لینے کے لیے لکا پھر نرم لہجے میں بولا "تمہارے زیورات میں نے سنبھال

کر رکھے ہیں۔ اس بات کا گواہ بھگوان ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ جذبات میں آ کر تم اپنے زیور دین دیال کے سپرد کر دو گی۔ یہ تو اچھا ہی ہوا کہ بھگوان نے مجھے عقل دے دی۔ اور میں دو روز پہلے ہی انہیں ایک سا ہو کار کو رکھنے کے لیے دے آیا ہوں۔ نہیں تو میرے بڑے بھائی کی امانت تم لٹا چکی ہوتی۔"

گنگا کو اس کی بات کا ذرا بھی یقین نہیں آیا "کس کے پاس رکھے ہیں وہ زیور؟ کون ہے وہ سا ہو کار؟" "نام بتا دوں تاکہ تم جا کر لے آؤ؟" دتارام غصے سے بولا "میری بات غور سے سنو، تمہاری شادی سے پہلے میں کسی قیمت پر وہ زیور تمہارے ہاتھ نہیں لگے دوں گا۔"

چچا بھتیجی کی تلخ و نریش باتیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ دین دیال کو غرضہ تھا کہ یہ باتیں سن کر پورے محلے میں ان کی بدنامی ہو جائے گی۔ اس لیے وہ بات بدلنے کی نیت سے بولا "گنگا! دتارام ٹھیک کہہ رہا ہے۔ شادی سے پہلے مجھے، تمہارے زیور کو ہاتھ بھی نہیں لگانا چاہیے۔" یہ کہہ کر دین دیال نے باہر جانے کے لیے قدم بڑھائے۔

گنگا پتھر کی مورتی کی طرح چپ چاپ کھڑی تھی۔ اسے اس طرح گم سم دیکھ کر دتارام نے سوچا اس گھبر فضا کو بدلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ نہیں تو یہ سنہری موقع اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ بھٹاکر شمشیر نگہ کو خوش خبری سنانے کے لیے کوئی بات تو بن جانا چاہیے تھی۔ یہ خیال آتے ہی وہ بلند آواز سے بولا کہ دین دیال بھی جانے جاتے اس کی بات سن لے "ایک حل ہے کہ کوئی ہمیں ضمانت کی رقم ادھار دے دے اور ایسا شخص میری نظر میں ہے۔"

"کون ہے وہ؟" گنگا نے جلدی سے پوچھا "چاچا ایسے آدمی کے تو میں پیر پڑھاؤں گی۔ بتاؤ تو سہی وہ نیک آدمی کون ہے؟"

"راہی ماں" دتارام نے چالاک سے کہا۔ اگر وہ بھٹاکر کا نام لیتا تو گنگا نفرت سے منہ پھیر لیتی لیکن راہی ماں

کے بارے میں وہ اچھے خیالات رکھتی تھی۔

”تمہیں تو معلوم ہی ہے گنگا! رانی ماں بڑی نیک دل عورت ہے۔ درگیش کے لیے یقیناً ان کے دل میں ہمدردی ہوگی۔ کیونکہ اس کی پڑھائی کے لیے بھی تو انھوں نے ہی مدد دی تھی“ دتارام ہوشیاری سے سمجھاتا تھا رہا تھا اور گنگا کے دماغ میں اس کی بات اتنی جارہی تھی۔ پھر مایوسیوں کے گہرے بادل سے اسے اسید کی ایک کرن پھوٹی دکھائی دی۔ اسے یقین آگیا کہ رانی ماں اس کے آسودہ سر پر پوچھ سکتی ہے۔ وہ اس کے باپ کو بھی بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ شاید رانی ماں اپنے اثر و سورش سے ضمانت کے فیصلے کو ہی بدل دے۔ ابھی وہ خوش آئند خیالات میں مگن تھی کہ اچانک دین دیال کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی جو دتارام کی بات سن کر دروازے پر ہی رک گیا تھا لیکن میں نے تو سنا ہے رانی ماں کہیں باہر گئی ہوئی ہیں“

گنگا نے چونک کر دین دیال کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر پھر مایوسی طاری ہوگئی۔ دتارام، دین دیال کی بات سن کر اندر ہی اندر سلگ اٹھا۔ اسے اس کا درمیان میں بولنا اچھا نہیں لگا تھا۔ مگر وہ اپنے غصے کو قابو میں رکھتے ہوئے بولا ”آج رانی ماں واپس آنے والی ہے۔ ناگرمہا جن کی موت کی خبر سن کر وہ شام تک وہ صرود آجائے گی“

یہ سن کر گنگا کے مرجھائے ہوئے چہرے پر ایک بار پھر تازگی آگئی ”تب تو میں کل صبح ہی حویلی جاؤں گی“ ”مجھے بھی اپنے ساتھ لے کر چلنا“ دین دیال نے کہا۔ ”منہیں باپو، آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں اکیلی ہی جاؤں گی“ گنگا نے کہا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ ایک عورت دوسری عورت سے زیادہ ہمدردی حاصل کر سکتی ہے۔ دین دیال نے کوئی ضد نہیں کی لیکن دتارام چپ نہیں رہ سکا ”گنگا میں بھی تمہارے ساتھ چلنا لیکن تم تو جانتی ہو رانی ماں کے سامنے میں نہیں جاسکتا۔ لوگوں نے مجھے خواہ مخواہ بدنام کر رکھا ہے۔ ہو سکتا ہے میرے جانے سے تمہارا کام بگڑ جائے“

”زندگی میں پہلی بار تم نے عقل مندی کی بات کی ہے چاہا“ گنگا نے کہا اور دتارام اس طنز کو نہ سمجھتے ہوئے اس کا منہ تکتا رہا۔

صبح کا سورج ابھی گہرے بادلوں سے نہیں نکلا تھا۔ رانی ماں سے خاطر خواہ مدد حاصل کرنے کے لیے گنگا من ہی من میں درگاماتا کہ پر نام کر رہی تھی۔ ننھا شیوہند کر کے اس کے ساتھ ہو لیا تھا۔ یہ بات ایک طرح سے گنگا کو اچھی ہی لگی تھی۔ بالکل اکیلی حویلی میں جانے کے لیے نہ جانے کیوں اسے ڈر سا لگ رہا تھا۔ بار بار اسے ٹھا کر شمشیر سنگھ کی لالچی نظروں کا خیال آجاتا تھا اور اس کا دل کانپ کر رہ جاتا تھا۔

”دیدری! میں نے اس موتی کو کیوں ساتھ لیا ہے بتا دوں؟“ شیوہند نے اپنے کتے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ”وہ ٹھاکر کا بچہ اگر اس دن والی حرکت کرے گا تو موتی اس پر ٹوٹ پڑے گا۔ موتی کو میں نے دشمن پر حملہ کرنے کی ٹریننگ دے دی ہے“

گنگا کو شیوہند کی بات پسند آئی تھی، لیکن بدلے ہوئے حالات نے اس کا غصہ ٹھنڈا کر دیا تھا۔ وہ شیوہند کو سمجھاتے ہوئے بولی ”تم جانتے ہو شیوہند ہم رانی ماں کے پاس مدد مانگنے جا رہے ہیں۔ تمہیں اگر کسی قسم کی گڑبڑ کرنا ہے تو موتی کو لے کر یہاں سے ہی واپس چلے جاؤ“ اس کی آواز حالات کی ستم ظریفی کی وجہ سے مڑھم تھی۔ اگر ہم خالی ہاتھ واپس آئے تو ڈاکٹر کو ضمانت پر نہیں چڑھا سکیں گے۔ یہ بات یاد رکھنا۔“

”ٹھیک ہے دیدری، میں کوئی شرارت نہیں کروں گا“ شیوہند نے سر جھکا کر کہا ”میں بھی رانی ماں سے عاجزی کروں گا کہ درگیش بھیا اچھے آدمی ہیں۔ انھیں آپ جیل سے رہائی دلوادیں“

جب وہ حویلی کے قریب پہنچے تو آسمان پر چھائے ہوئے بادل برس پڑے۔ گنگا شیوہند کا ہاتھ پکڑ کر نیڑی سے ایک درخت کے نیچے پہنچ گئی۔ اچانک بارش نے گنگا کو آدھا بھگدیا تھا، لیکن بارش کے پانی کی

ٹھنڈک اسے راحت پہنچا رہی تھی۔ اسے محسوس ہوا جیسے اس کے دل کی گھبراہٹ بہت حد تک کم ہوگئی ہے۔ ”اجیت! وہ آگئی“ حویلی کی کھڑکی سے راستے پر لگا ہیں جاتے بیٹھا ٹھا کر شمشیر سنگھ پر جوش لہجے میں بولا ”ہاذا ایلدری جا کر جو کیدار کو سمجھا دے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بد نعت گنگا کو بتا دے کہ رانی ماں گوالیار سے واپس نہیں لوٹی ہیں“ بھگی ہوئی گنگا کا بدن دیکھ کر اس کے چہرے پر خیاثتوں کا گہرا رنگ چھا گیا تھا ”جلدری جاؤ اجیت کہیں شکار دروازے سے ہی نہ لوٹ جائے“ وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ کسی پوچھ بچھ اور اعتراض کے بغیر جو کیدار نے حویلی کا پھاٹک کھول دیا تو گنگا کو تھوڑی سی حیرت ہوئی۔ لیکن اسے درگاماتا کا خیال آیا کہ وہ اس پر مہربان ہے اور جب قسمت کا دروازہ کھلتا ہے تو راستے کی ساری رکاوٹیں آپ ہی آپ دور ہو جاتی ہیں۔

وہ لان سے گزر کر حویلی کے زینے چڑھنے لگی۔ سامنے کھڑے ہوئے اجیت سنگھ نے اس کا استقبال کرتے ہوئے کہا ”تم خوشی سے اندر جاؤ مگر یہ کتنا درد کا اندر نہیں آسکتا۔ آخر حویلی میں داخل ہونے کے کچھ آداب بھی تو ہیں!“

شیوہند اپنی دیدری کے ساتھ اندر جانا چاہتا تھا لیکن گنگا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سمجھایا ”تم اسی جگہ بیٹھو شیو، میں رانی ماں سے مل کر ابھی واپس آجاتی ہوں“ گنگا کو یقین تھا کہ رانی ماں حویلی میں موجود ہیں، جب ہی تو اجیت سنگھ اس سے نرمی سے پیش آ رہا تھا اسی لیے وہ بے خوف و خطر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ ”آؤ سندری آؤ“ اچانک بھاری مردانہ آواز سن کر گنگا ٹھٹک گئی۔ بھگے ہوئے کپڑوں کو ٹھیک کرتے ہوئے اس کی آنکھیں نیچے جھک گئیں تھیں۔ لیکن ایک لمحے ہی میں اس نے دیکھ لیا کہ صوفے پر بیٹھا ہوا ٹھا کر شمشیر سنگھ اسے جانے ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”مجھے یقین تھا کہ تم اپنا خط واپس لینے ضرور آؤ گی“ ٹھا کر شمشیر سنگھ کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

”میں رانی ماں سے ملنے کے لیے آئی ہوں“ گنگا نے تلخ لہجے میں کہا۔ ”کیا میرے خلاف ان سے کوئی شکایت کرنے آئی ہو؟“ ٹھا کر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ”منہیں، مجھے اس وقت ان کی مدد کی شدید ضرورت ہے“ گنگا نے کہا۔

”اوہ“ ٹھا کر شمشیر سنگھ اسے نیچے سے اوپر تک گھورتا ہوا بولا ”تمہاری مدد تو میں بھی کر سکتا ہوں“ ”رانی ماں کہاں ہیں؟“ گنگا اس کی پیش کش کو نظر انداز کر کے دھیمے لہجے میں بولی ”وہاں ان سے کہہ دیجیے میں ان کا زیادہ وقت برباد نہیں کروں گی۔ بس تھوڑی سی دیر کے لیے مجھے، ان سے ملوادیجیے۔“

اس کی لاچار دی دیکھ کر ٹھا کر شمشیر سنگھ نے خوشی سی محسوس کی اور بولا ”رانی ماں کل شام واپس آنے والی تھیں لیکن...“ اتنا کہنے کے بعد وہ خاموش ہو گیا، پھر چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ دوبارہ بولا ”صبح ہی ان کا خط آیا تھا کہ انھیں واپسی میں کچھ دن اور لگ جائیں گے۔“

”وہ کب تک واپس آجائیں گی؟“ گنگا بھئی بھئی سی آواز میں بولی۔

”کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ چار چھ دن بھی لگ سکتے ہیں“ ٹھا کر شمشیر سنگھ نے سنجیدگی سے جواب دیا تو گنگا ایک گہرا سانس لے کر رہ گئی اسے پڑمردہ دیکھ کر ٹھا کر شمشیر سنگھ نے کہا ”تمہارے نازک دل کو لگنے والی تھیں سے میرا وجود کپکپا گیا ہے سندری! جی چاہتا ہوں کہ میں تمہیں بانہوں میں لے کر تسلی دوں۔“

ایک لمحے میں ہی گنگا کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور وہ بھول گئی کہ وہ حویلی میں تنہا ہے۔ وہ کڑک کر بولی۔ ”ٹھا کر! میں، تم سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ میرا نام گنگا ہے سندری نہیں۔“

”لیکن سندری چیز کو سندری کہنے میں کوئی برائی تو نہیں ہے؟“ ٹھا کر شمشیر سنگھ نے بے حجابانہ انداز میں کہا۔ گنگا واپس جانے کے لیے مڑی تو ٹھا کر نے ہوشیاری

سے بات پلٹ دی ”رانی ماں موجود ہوں یا نہ ہوں“ اس نے کوئی فرق نہیں پڑتا سندری! جاگیر کا سارا کاروبار میری نگرانی میں چلتا ہے۔ پرسوں مجھے پچیسواں برس لگ جائے گا اور میں ٹھاکر کی گدی سنبھال لوں گا تبھی جو کچھ چاہیے مجھ سے مانگو۔ درگیش کو چھڑانے کا مسئلہ نہ ہوتا تو گنگا، ٹھاکر جیسے کینے آدمی کے سامنے ایک پل کے لیے بھی کھڑی نہ ہوتی۔

”تم چپ کیوں ہو گئیں؟“ ٹھاکر کی آواز میں ہمدردی کی جھلک تھی ”میں جانتا ہوں تم اپنے منکبہ کو ضمانت پر چھڑانے کے لیے آئی ہو، لیکن میرے سامنے ٹھاکر سے درگیش نے مہاجن کو انجکشن لگایا تھا، حالانکہ میں نے اسے بہت سمجھایا لیکن وہ تو کسی نپٹے پنچے کی طرح ضد کر رہا تھا اور... اب شاید عدالت میں بھی مجھے صبح واقعات یہ طور گواہی بنانا پڑیں گے۔ پھر کیا ہوگا، یہ تو تم بہ خوبی جانتی ہو۔“

ایک لمحے کو تو گنگا لپکپاسی گئی۔ اسے خیال آیا کہ اگر ٹھاکر دشمنی پر اتر آکر تو درگیش کو زبردست نقصان پہنچ سکتا ہے اسی لیے وہ مصالحہ انداز میں بولی ”تو کیا تم بھی یہ سمجھتے ہو کہ اس نے...“

”ناگرمہاجن کو زبردست دیا تھا؟“ ٹھاکر شمشیر سنگھ نے خود ہی اس کی بات مکمل کرتے ہوئے جواب دیا ”نہیں میں نہیں مانتا سندری!“

”تب تو تمھاری گواہی سے وہ چھوٹ جائے گا“ گنگا کی آنکھوں میں امید کی کرن جگمگائی۔ اس کی حالت دیکھ کر شمشیر سنگھ کا جی چاہا کہ وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے، لیکن اس نے اپنی سنجیدگی بہ دستور برقرار رکھی۔

”مگر میں آنکھوں دیکھی کیسے جھٹلا سکتا ہوں؟“ شمشیر سنگھ مکارانہ لہجے میں بولا ”مہاجن کے معاملے میں ہمیں بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہوگا رانی ماں خود بھی اس کی بیوی کی مدد کریں گی۔“ گنگا کو سوچ میں ڈوبادیکھ کر اس نے اور زیادہ ہمدردانہ لہجے میں کہا ”اس دن صبح میں نے درگیش کو بس غرض سے بلایا تھا، تمھیں معلوم ہے؟“ ”نہیں“ گنگا نے انکار میں سر ہلا دیا۔

”رانی ماں، میرے باپ کے نام پر اس گاؤں ایک اسپتال بنوانا چاہتی ہیں درگیش کو میں نے سمجھا کر درگیش کی تھی کہ گاؤں کے ایک نوجوان ڈاکٹر کی سے، اس معاملے میں تم میرا ہاتھ بٹاؤ، لیکن اس نے کہہ دیا تھا۔“

گنگا اس کی جانب ایسی نظروں سے دیکھنے لگی اسے یقین ہی نہ آ رہا ہو۔ اسے حیرت زدہ دیکھ کر ٹھاکر مزید کہا ”آج کل کے لڑکے پڑھ لکھ کر اپنے گاؤں بھول جاتے ہیں۔ درگیش نے تو یہ بھی کہا تھا کہ وہ وہ جا کر اور بھی پڑھنا چاہتا ہے۔“

”یہ اس نے تم سے بھی کہا تھا ٹھاکر!“ گنگا کی زبان لڑکھڑانے لگی۔ یہی بات اسے ہر جگہ بار بار یاد دے رہی تھی کہ درگیش ولایت جانا چاہتا ہے۔ ولایت جانا چاہتا ہے۔

”ہاں اس نے مجھ سے بھی کہا تھا۔“ ٹھاکر شمشیر سنگھ نے لوہا گرم دیکھ کر چوٹ لگائی ”صرف یہی نہیں بلکہ مجھے تاکید کی تھی کہ اور کسی کو اس کا منصوبہ نہ بتاؤ۔“

”پھر بھی تم نے مجھ سے کہہ دیا؟“ گنگا نے سوالیہ لہجے سے دیکھتے ہوئے کہا۔

ٹھاکر شمشیر سنگھ نے اس کی آنکھوں کے سوال کی ضرورت محسوس نہیں کی اور بولا ”ایک تم ہی ہو جو جیہٹ مناسکتی ہو تمھاری مدد کرنے میں خود میری بھی ایک غرض پوشیدہ ہے، گنگا!“

”وہ کیا؟“

”یہی کہ اگر عدالت درگیش کو بے قصور سمجھ کر دے تو تم اسے ہمدردی جانے نہ دینا اور اسے میرے پاس میں کام کرنے کے لیے زور دینا۔“

یوں تو یہ بات گنگا کی خواہش کے مطابق ہی تھی درگیش گاؤں چھوڑ کر ولایت چلا جائے یہ بات گنگا نہیں چاہتی تھی؟ اسے تو اس کے جانے کے ذکر ہی وحشت ہوتی تھی... لیکن یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ آخر ٹھاکر شمشیر سنگھ کو درگیش سے ہمدردی کیوں ہو گئی ہے؟ یقیناً وہ جھوٹ بول کر اسے

نے کسی کوشش کر رہا ہے... مگر وہ کیوں بے وقوفوں طرح اس کی بکواس سن رہی ہے؟ کیا اس سے یہ بات نہیں ہوتا کہ غرض کو عقل نہیں ہوتی؟ نہیں نہیں! ٹھاکر کے جال میں نہیں پھنسے گی اپنے دل میں فیصلہ کرنے کے بعد وہ واپس جانے کے لیے مڑی۔

”کیوں کیا میری شرط منظر نہیں ہے؟“ اسے اتنے دیکھ کر ٹھاکر نے پوچھا۔

”میں سوچ کر جواب دوں گی۔“ گنگا نے آہستہ سے کہا۔

”کب؟“

”کل“

”ٹھیک ہے، لیکن اگر تمھیں میری نیت پر کوئی شک ہے تو سوچنے کا خیال ہی چھوڑ دو۔“ گنگا کو ہاتھ سے نکلتے دیکھ کر ٹھاکر شمشیر سنگھ نے ایک تیر اور چلایا ”اور میں نے تمھاری مدد کرنے کی حامی بھری ہے یہ بات تم کسی کو بھی مت بتانا۔“

یہ سن کر گنگا نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تو ٹھاکر اس کی آنکھوں میں یہ سوال صاف دکھائی دیا ”اس کی وجہ؟“ ”میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ ناگرمہاجن کو زبردست دیا تھا؟“

”وہ سے ہم درگیش کی کھلی طرف داری نہیں کر سکتے۔“

”ہاری مدد تو مجھے خود کو ظاہر کیے بغیر کرنی ہوگی“ ٹھاکر شمشیر سنگھ نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

پھر جب شام کو وہ درگیش سے ملنے پولس اسٹیشن ٹی تب بھی اس کے کانوں میں ٹھاکر شمشیر سنگھ کے الفاظ گونج رہے تھے ”تمھاری مدد تو مجھے خود کو ظاہر کیے بغیر کرنا ہوگی“

”تم، میری بات سمجھنے کی کوشش کرو درگیش!“ گنگا اس کی غلط فہمی دور کرتے ہوئے کہا ”تمھاری چار

دلوں کی غیر حاضری سے بالوں کی حالت غیر ہو گئی ہے۔ ان کی بے چینی مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ تمھاری ضمانت کے لیے انھوں نے بڑی بھاگ دوڑ کی لیکن...“

”مگر مجھے یہاں کون سا دکھ ہے؟“ درگیش اس کی بات کاٹ کر بولا ”میری وجہ سے تم سب پریشان ہو رہے ہو، یہ میں جانتا ہوں۔ لیکن ہر آدمی کو زندگی کے ایسے امتحانوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اگر اسی طرح ہمت ہارنے سے تو ہم کیسے زندہ رہ سکیں گے؟“

”میری ہمت تو ابھی نہیں ٹوٹی لیکن بالوں...“

”بالوں کو تم ہمت دلاتی رہو۔“ درگیش ایک بار پھر اس کی بات کاٹ کر بولا ”تھوڑے دنوں میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں باعزت گھر واپس آؤں گا اس کا تم یقین رکھنا۔“

”اس کا تو مجھے یقین ہے مگر...“ گنگا کو شمشیر سنگھ کی کہی ہوئی بات یاد آ گئی۔ وہ درگیش کو آگاہ کرتے ہوئے بولی ”ٹھاکر نے کہا تھا کہ وہ تمھارے لیے چھپ چھپا کر کچھ کرنے کے لیے تیار ہے اور اس کے بدلے اسے تم سے کچھ نہیں چاہیے۔“

”پھر تم نے اس شخص کا نام لیا؟“ درگیش اپنے غصے کو نہ دبا سکا ”مجھے وہ آدمی اب ساڈھی محسوس ہونے لگا ہے۔ چار دنوں سے ان سلاخوں کے پیچھے بیٹھ کر میں اسی کے متعلق سوچتا رہا ہوں تمھارے منع کرنے کے باوجود میں اس سے ملنے گیا اور اسی وقت سے یہ مصیبت نازل ہوئی ہے۔ اب میں پچھتا رہا ہوں، اور تم ہو کہ اس مصیبت سے مجھے بچانے کے لیے اسی شخص سے مدد مانگنا چاہتی ہو؟“

گنگا نے اپنا سر جھکا لیا۔ درگیش کی بات اسے سونی صدمہ درست لگ رہی تھی، لیکن پھر بھی اسے درگیش کو حوالات میں دیکھ کر سخت دکھ تھا۔ وہ ایک سرد آہ بھر کر رہ گئی مگر اسے اس طرح افسردہ دیکھ کر درگیش کو احساس ہوا کہ وہ خواہ مخواہ ہی گنگا پر ناراض ہو رہا ہے۔ وہ تو اس کوشش میں ہے کہ کسی طرح اس کی ضمانت ہو جائے۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے گنگا کو سمجھانے کی کوشش کی ”دیکھو گنگا اس وقت



میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ تمہیں تفصیل سے ساری باتیں سمجھا سکوں لیکن انسان ضرور یاد رکھنا کہ ٹھاکر کی مدد لینے سے بہتر ہے کہ ڈاکو رام سنگھ سے مدد مانگی جائے۔ میری نظر میں ٹھاکر کسی ڈاکو سے کم نہیں ہے۔ پولس اسٹیشن سے واپس آتے وقت درگیش کی یہ بات گنگا کے ذہن میں چبھتی رہی۔ چلتے چلتے وہ یہ سوچ رہی تھی کہ درگیش نے یقیناً یہ بات غصے کی حالت میں کہی ہوگی یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے مجھے کوئی خفیہ اشارہ دیا ہو؟ جیسے جیسے وہ آگے سوچتی گئی اس کے دل میں امید کا ایک نیا چمراغ جلتا گیا۔ انسان کا دل بھی کیسی عجیب چیز ہے... صبح سویرے جگاٹا ہوا اچھا ٹک دیکھ کر اسے اپنے نصیب کے دروازے کھلتے دکھائی دیے تھے، اور شام کو کسی ڈاکو کی مدد سے اپنے دکھ دور کرنے کی امید جاگئی تھی... کہیں یہ بھی ایک دھوکا ہی نہ ہو... دل کو خوش رکھنے کا بہانہ نہ ہو؟

”نہیں نہیں“ اس نے اپنے آپ کو سمجھایا، ڈاکو رام سنگھ درحقیقت ایک اچھا آدمی ہے۔ کتنی ہی غریب لڑکیوں کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس نے ان کے گھر آباد کیے ہیں۔ اس سے مدد مانگنے کے لیے جانے والا کوئی شخص بھی خالی ہاتھ واپس نہیں آیا۔ یہ بات اس علاقے میں مشہور بھی کوئی شخص بھی اسے بُرے نظروں سے یاد نہیں کرتا تھا کسی کے ساتھ اگر نا انصافی ہو رہی ہو تو اسے انصاف دلانے کے لیے وہ اپنی جان پر کھیل جاتا تھا۔ اس کی داستان سن کر یقیناً رام سنگھ کا دل پگھل جائے گا... درگیش نے بالکل ٹھیک کہا تھا کہ ٹھاکر سے ڈاکو ہی اچھا ہے۔ اسے رام سنگھ سے ضرور مدد مانگنی چاہیے اور پھر درگا پور کے ٹھاکر خاندان سے تو اس کی پرانی دشمنی چلی آ رہی ہے اس وجہ سے وہ درگیش کی مدد کو ضرور آئے گا... وہ اگر چاہے تو پولس تھانے سے بھی درگیش کو نکال کر لے جاسکتا ہے۔ اسے کون روک سکتا ہے؟ مختلف النوع خیالات اس کے دماغ میں دوڑتے رہے۔ اس کی مایوسی امید میں بدلتی رہی لیکن ایک سوال اس کے لیے پریشانی کا باعث بنا ہوا تھا۔ ڈاکو رام سنگھ سے ملنے کے لیے وہ کہاں جائے؟

بھلا ڈاکوؤں کا کوئی ایک ٹھکانہ تو ہوتا نہیں، ایک کے لیے تو اسے اپنا یہ ارادہ ہی فضول سمجھنا ناممکنات کے ستونوں پر امیدوں کی عمارت کھڑی حماقت کے سوا اور کیا ہے۔ اس نے اس خیال ذہن سے جھٹک دینے کی کوشش کی، لیکن دل سنگھ کا نام گھس کر بیٹھ چکا تھا، جو آسانی سے ہلکا ہوا تھا۔

صبح جب رام پورے سے اس کی ماں کا خط دیکھ کر وہ کچھ دیر کے لیے سوچ میں ڈوب گئی ماں نے اسے میں لکھا تھا... تمہارے اسکول میں چھٹیاں ہوں گی اور درگیش بھی جے پور سے واپس آ گیا ہوگا۔ تم شیو کو ساتھ لے کر کچھ دنوں کے لیے یہاں آ جاؤ۔ رہے گا... رام پورہ... خط پڑھ کر گنگا کے دل میں اچانک روشنی کی کرن سی لہرائی اسے یاد آیا کہ وہ پورہ میں ہی تو ڈاکو رام سنگھ کا گھر ہے جہاں اس کی بیوی رہتی ہے... کیوں نہ ماں کو ملنے کے بہانے رام پورے کا ایک چکر لگا آؤں۔ وہاں جا کر رام سنگھ کی بیوی سے میں ساری کہانی کہہ دوں گی ممکن کسی طرح رام سنگھ کو خبر بھیجوا دے۔ وہ یقیناً اپنے کا ٹھکانہ جانتی ہوگی۔

”دیر ہی اس کا خط پڑھ رہی ہو؟“ شیو نے اسے چوکا دیا۔ وہ ایک بانہ پھر خط پڑھنے لگی پڑھتے اس کی آنکھیں پھر آئیں۔ شیو دیر تک گنگا کی حالت میں چپ چاپ دیکھتا رہا اس نے آج اپنی دیر کی اس طرح روئے نہیں دیکھا تھا۔ وہ پورہ ہاتھ کا کاش وہ جوان ہوتا تو کسی نہ کسی بھیٹا کو ضرور چھڑا لاتا۔

”شیو! میں ایک دن کے لیے رام پورہ گنگا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”نم آگیلی جاؤ گی؟“ شیو نے پوچھا تو گنگا کی بات اسے بتادی۔ ڈاکو رام سنگھ کا ذکر سن کر شیو بڑھ گیا اور وہ بولا ”تب تو میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا“ گنگا نے دھیرے سے اسے سمجھایا

معلوم نہیں ہوتی چاہیے، نہیں تو درگیش بالو پورہ پولس میں اور بھی الزام تھوپ دے گی تم یہیں رہ کر دین دیال پاؤ ڈیال رکھنا، میں برسوں تک تو واپس آ جاؤں گی۔“

”اچھی بات ہے“ شیو نے افسردہ لہجے میں کہا۔ گنگا اس بات کو راز رکھنا چاہتی تھی، لیکن بھائی بہن کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ ان کا چاچا دتارام ان کی ساری باتیں چھپ چھپ کر سن رہا تھا۔ دوسرے دن ٹرین کے میں لکھا تھا... وہ گھٹے قبل ٹھاکر شمشیر سنگھ کے کانوں میں گی اور درگیش بھی جے پور سے واپس آ گیا ہوگا۔

شیو کو بھی تو دور یہاں گھر سے باہر بھیج کر گنگا بھگوان پورہ جاکر نے شیو کی فانی دیر تک وہ سر جھکائے اپنی مایابی کے لیے دعائیں مانگتی رہی۔ جب وہ پورہ سے واپس آئی تو اس کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔ شیو سے اپنے آنسو پونچھنے کے بعد وہ دھیرے سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں واپس آ گئی۔

اسٹیشن جانے کے لیے جب گھر کے دروازے سے نکلنے لگی تو چند لمحوں کے لیے اس کے قدم خود بخود رک گئے... ایک نوجوان لڑکی ایک ڈاکو سے مدد مانگنے کے لیے چپ چاپ گاؤں چھوڑ کر جا رہی تھی... یہ بات اگر اس کے والوں کو معلوم ہو گئی تو اس کے متعلق نہ جانے کیسی باتیں پھیلنے لگیں گی لوگ نہ جانے کیا کیا سوچنے لگیں گے؟ اس کے جی میں آیا کہ وہ درگیش کے بالو پورہ دین دیال سے کچھ بتا دے کہ وہ رام پورہ کیوں جا رہی ہے؟ اس خیال سے اس کی ہمت نہیں ہوئی کہ اگر اس نے ارادہ ظاہر کر دیا تو شاید دین دیال اسے جانے نہیں دے گا۔ اس لیے یہی بہتر تھا کہ وہ دین دیال سے کہہ دے کہ وہ ایک دن کے لیے ماں سے ملنے رام پورہ جا رہی ہے۔ در برسوں تک واپس آ جائے گی، اس طرح وہ کسی کی بات ظاہر کیے بغیر اپنا مقصد حاصل کر سکتی تھی۔ قدرت بھی شاید اس کا امتحان لینے پر تلی ہوئی تھی۔ اسے ہونے والی دھیمی دھیمی بارش اور ٹھنڈی ہوا لوگوں نے اب طوفان کا روپ اختیار کر لیا تھا۔

بارش تھی کہ رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ بادل بار بار گرج رہے تھے اور کبھی کبھی بجلی بھی کڑکنے لگتی تھی۔ بادل اور بجلی کی یہ گرج چمک اس بات کی نشان دہی کر رہے تھے کہ موسم انتہائی خطرناک ہوتا جا رہا ہے۔

ہوا کے تیز جھونکے گھروں کے دروازوں اور کھڑکیوں پر زور زور سے دستک دینے لگے تھے۔ تیز بارش کی وجہ سے ماحول پر دھند سا چھایا ہوا تھا۔ یوں تو بارش راجستھان کے لوگوں کے لیے کسی تہوار سے کم نہیں ہوتی لیکن آج کی طوفانی بارش سے خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ نہ جانے کتنی تباہی پھیل جائے؟ گنگا بغل میں کپڑوں کی چھوٹی سی پوٹلی دبائے اسٹیشن جانے والی سڑک پر آگئی تھی بازار تیزی سے بند ہو رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی واقعہ کار یہ پوچھے کہ کہاں جا رہی ہو؟ اسے اپنے چاچا دتارام کا بھی خوف تھا کہ اگر راستے میں وہ مل گیا تو مصیبت کھڑی ہو سکتی تھی۔ وہ شیو کو سمجھا کر آئی تھی کہ جب تک ٹرین درگا پور سے روانہ نہ ہو جائے اس وقت تک دتارام چاچا کو کچھ مت بتانا۔ ورنہ تو وہ اسٹیشن آ جائے گا اور اسے جانے نہیں دے گا۔

وہ طوفانی بارش میں بھیسکتی ہوئی اسٹیشن کی طرف حتی المقدور رفتار سے بڑھ رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کہیں اس کا اٹھایا ہوا قدم درگیش کو برا تو نہیں محسوس ہوگا؟ جس امید پر اس نے اتنا بڑا قدم اٹھایا تھا، اس میں ناکامی تو نہ ہو جائے گی؟ طوفان میں گھری ہوئی گنگا کو اپنے پیچھے آنے والی بگھی کی آواز نہیں سنائی دی یا پھر ممکن ہے اس نے جان بوجھ کر اسے نظر انداز کر دیا ہو وہ سڑک کے کنارے کنارے چل رہی تھی اس لیے اسے بٹنے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی تھی، مگر پھر بھی اس نے گردن گھما کر پیچھے دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔

پھر اچانک ہی گھوڑوں کے پیروں میں بندھے ہوئے گھٹنگھروں کی آوازیں اس کی سماعت سے گزرائیں لیکن وہ اپنی دھن میں برابر آگے بڑھتی جا رہی تھی ”ٹک ڈاؤ“ بگھی اس کے بالکل نزدیک آگئی تو اس میں سے ایک جانی بچائی

آواز آئی اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ یہ آواز تو  
ٹھاکر شمشیر سنگھ کی تھی اس نے سوچا۔ لیکن آواز پہچان  
لینے کے بعد بھی وہ چپ چاپ اس طرح آگے بڑھتی  
رہی جیسے وہ ٹھاکر سے کوئی غرض رکھنا نہ چاہتی ہو۔  
”سندری کیا اسٹیشن کی طرف جا رہی ہو؟“ گھوڑوں  
کی لگامیں کھینچی تھیں اور گھٹی اس کے قریب آکر رک گئی،  
شمشیر سنگھ نے نرم لہجے میں اسے مخاطب کیا ”آؤ گھٹی میں  
بیٹھ جاؤ۔“ لیکن گنگا انکار میں سر ہلاتے ہوئے آگے  
بڑھتی رہی کوچوان نے باگیں ہلائیں اور گھٹی آہستہ آہستہ  
اس کے ساتھ چلنے لگی۔

”سندری تمہارے نازک پیر دکھ جائیں گے۔ آؤ  
اندر بیٹھ جاؤ۔“ شمشیر سنگھ نے اپنا ہاتھ بڑھایا لیکن گنگا  
نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔  
”ٹھاکر! اس طرح نرمی سے کام نہیں چلے گا۔“ گھٹی  
میں برابر بیٹھے ہوئے اجیت نے اسے اچکایا۔ ”اگر آتے جاتے  
کسی نے دیکھ لیا تو ہم خالی ہاتھ ملنے رہ جائیں گے ہمیں  
مردوں کی طرح کام کرنا پڑے گا۔“

یہ سن کر شمشیر سنگھ کی مردانگی کو جوش آگیا وہ دھیمی  
رفتار سے چلتی ہوئی گھٹی سے کود پڑا اور جھپٹ کر گنگا کی  
کلائی پکڑ لی۔ گنگا نے اس کے منہ پر تھپڑ مارنے کے لیے  
اپنا دوسرا ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ ٹھاکر شمشیر سنگھ نے اس  
کا وہ ہاتھ بھی اپنے قابو میں کر لیا اور اسے گھٹی کی جانب  
کھینچنے لگا۔

”بد معاش!“ کہہ کر گنگا مرد کے لیے شور مچانا ہی  
چاہتی تھی کہ ٹھاکر شمشیر سنگھ نے عین وقت پر اس کے کھلے  
ہوئے منہ پر اپنا پنجہ رکھ دیا اور دانت پیس کر بولا۔  
”دو چھٹانک کی لڑکی ہو کر ہم جیسے مرد سے مقابلہ کرتی  
ہے۔ تجھے تو میں اب بتاؤں گا۔“ ٹھاکر نے ایک جھٹکے سے  
اچانک اسے گود میں اٹھالیا اور پھرتی سے گھٹی میں ڈال  
دیا دو مردوں کے درمیان میں پھنسی ہوئی گنگا نے اپنے  
آپ کو چھڑانے کی بہت کوشش کی اور مجبور ہو کر ٹھاکر شمشیر  
سنگھ کے ہاتھ میں اپنے دانت کاٹ دے۔۔۔ ٹھاکر شمشیر  
سنگھ نے اس کے ساتھ ہی اس نے دوسرے ہاتھ سے

ایک زوردار تھاپا گنگا کے چہرے پر جڑ دیا اور  
ہوئے بولا ”کم محنت تو میری طاقت کا اندازہ لگا  
ہے!“ اور اپنی زخمی کلائی کو سہلاتے ہوئے  
پہنچ کر میں، تجھے اپنی طاقت دکھاؤں گا۔“  
”شامو! اجیت سنگھ نے کوچوان کو مخاطب  
کی طرف نگہی دوڑا دو۔“

گھوڑوں کو اشارہ ملا تو ان کی رفتار تیز ہو گئی  
اس افراتفری اور کھینچا تانی میں گنگا کے پیچھے  
شمیر کسی کی نظر نہیں پڑی تھی جب وہ کھیل  
آیا تھا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کی بہن اسٹیشن  
روانہ ہو چکی ہے۔ اس لیے بہن کو آٹھ گھنٹے تک  
کے لیے اس نے اپنے کتے موٹی۔۔۔  
پھر راستے میں اس نے جب ٹھاکر شمشیر سنگھ  
بھی اسی سڑک پر جاتے دیکھا تو اسے شک ہو گیا  
بد معاش یقیناً اس کی دیدی کو تنگ کرنے کی  
ہی جا رہا ہے۔

”چھوڑ دو میری دیدی کو۔“ گھٹی کے پیچھے  
ٹٹکتے ہوئے شمشیر نے ٹھاکر شمشیر سنگھ کے کوٹ کا  
لیا۔ اس اچانک افتاد سے اجیت تو ایک بل کے  
رہ گیا، لیکن پھر فوراً ہی اس نے پیچھے مڑ کر  
پر کوئی آنے جانے والا تو نہیں ہے۔ اس طرف  
مطمن ہونے کے بعد اس نے باہر نکلتے ہوئے  
جڑے پر ایک زوردار گھونسا مار کر اسے چلتی  
دھکیل دیا۔

چھوٹے بھائی کی یہ گت بنتے دیکھ کر گنگا  
اٹھا دو لوں ہاتھ ٹھاکر کی گرفت میں ہونے کی  
نے ایک زوردار لات اجیت کے سینے پر مار  
پیتے ہوئے بولی۔

”کینے! ایک عورت اور ایک بچے پر اپنی  
رہا ہے۔۔۔ یہی تمہاری بہادری ہے۔“ لیکن  
ٹھاکر شمشیر سنگھ کے سخت پنچے میں دب کر رہ گئی  
رفتاری سے نیلے کی طرف جانے والی سنان سڑک  
☆ ☆

گنگا کو ننگے کے ایک کمرے میں دھکیل کر ٹھاکر شمشیر  
سنگھ دروازہ دھک کر کھڑا ہو گیا اور ہانپتے ہوئے بولا ”کچھ لو  
درود پڑھا کر لو سندری! ورنہ نقصان تمہارا ہی ہو گا۔“  
زخ پر گری ہوئی گنگا ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی  
ہوئی اور چاروں طرف دیکھنے لگی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ  
گر نکل بھاگنے کے لیے کوئی کھڑکی کھلی ہوئی مل گئی تو  
اس میں سے چھلانگ لگانے سے بھی نہیں بچ سکتی تھی۔  
”تمہاری کوئی بھی چال کامیاب نہیں ہو گی سندری!“  
ٹھاکر شمشیر سنگھ اس طرح سنتے ہوئے بولا جیسے اس کے  
رادے کو بھانپ گیا ہو ”کھڑکی سے کوئی نہ نکلے گا ہوا  
اور بھاگو گی تو دو سو خوار ہو کیدار تمہیں پھر اٹھا کر اندر  
آئیں گے اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم چپ چاپ پڑی  
اور میری خواہش کے آگے اپنا سر جھکا دو۔“

آنے والی آفت کے تصور ہی سے گنگا کانپ اٹھی۔  
”بھئی بھئی کے اس نے درگاماتا کو پکارا ”ماں اگر تم  
میری لان نہیں رکھی، تو یہاں سے میری لاش باہر  
لے جاؤ۔۔۔ ماں تم اپنے ایک ہاتھ کی طاقت میرے دونوں  
ڈول میں بھر دو۔“

”اجیت!“ ٹھاکر شمشیر سنگھ نے بڑی بے چینی سے  
”گروے کو پکارا“ سب سے پہلے تم گھٹی کو اسٹیشن  
اس سے پہلے کہ رانی ماں کی ٹرین آجائے گھٹی کو وہاں  
جانا چاہیے۔“

”یہ کتنی کی ضرورت نہیں ہے ٹھاکر!“ اجیت نے  
”گھٹی اسٹیشن جانے کے لیے روانہ ہو چکی ہے“  
”تب تو تم بھی جو ملی پہنچ جاؤ۔“ ٹھاکر شمشیر سنگھ کی  
میں کسی خیال سے لرزش پیدا ہو گئی۔ ”رانی ماں آجائیں  
میں ادھر ادھر کی باتوں میں لگائے رکھنا۔ میرے بارے  
میں تو انھیں کوئی جواب دے کر سمجھا دینا۔ اس  
میں یہاں کا کام پورا کر لوں گا۔“ آخری جملہ ادا کرتے  
اس کی آنکھوں میں ایک ہوس ناک چمک تھی۔

”تم بے فکر ہو ٹھاکر!“ اجیت سنگھ ایک آنکھ دبا  
”میں سو بی جلتا ہوں“ اتنا کہہ کر وہ زینے کی  
بڑھائی تھا کہ ٹھاکر نے اسے پکارا۔

”جاتے جاتے چوکیدار سے کہتے جانا کہ وہ پھاٹک پر  
سے نہ پٹے اندر سے چیخوں کی آواز سن کر بھی ادھر کا  
رخ نہ کرے۔۔۔ شکار کھیلنے ہوئے مجھے دخل اندازی  
بالکل پسند نہیں ہے۔“

”ٹھیک ہے ٹھاکر تم مطمن ہو کر شکار کھیلو۔“ یہ کہہ  
کر اجیت سنگھ تیزی سے باہر نکل گیا۔ جب اس کے گھوڑے  
کی ٹاپوں کی آواز دور ہو گئی تو ٹھاکر نے اطمینان کا سانس  
لیا اور کمرے میں داخل ہو کر اس نے دروازہ اندر سے  
بند کر لیا۔

ہرنی کی طرح تھر تھر کانپتی گنگا کو دیکھ کر ٹھاکر شمشیر  
سنگھ اس طرح ہنس رہا تھا جیسے اسے بے حد مزہ آ رہا  
ہو۔ تھوڑی دیر بعد وہ سنتے ہوئے بولا ”کوئی سندری اب  
کیا حال ہے تمہارا؟“ وہ گنگا کی جانب دھیرے دھیرے  
بڑھنے لگا ”پہلے دن اگر خوشی سے مان گئی ہو تو آج  
یہ نوبت نہ آئی، بلکہ رانی ماں سے کہہ کر تو میں تمہارے  
ساتھ اپنی شادی کی تیاری کر رہا ہوتا۔“

”بس بس“ گنگا پیچھے ہٹتی ہوئی عرضی ”اب ایک  
قدم بھی آگے مت بڑھنا“ اس کی آواز میں ہلاکتی تلخی  
تھی اسے قدموں پیچھے ہٹتی ہوئی وہ دیوار تک پہنچی تھی۔  
”تمہاری موہنی صورت اور مریں بدن کو دیکھ کر  
ہی تو میں دیوانہ ہو گیا ہوں سندری!“ ٹھاکر شمشیر سنگھ  
ایک قدم آگے آکر بولا۔

”میں تمہاری آنکھیں پھوڑ دوں گی۔“ گنگا نے  
اپنے دونوں پنچے پھیلا کر اپنی انگلیاں لہرائیں ”میں کہتی  
ہوں آگے مت بڑھو۔“

ٹھاکر شمشیر سنگھ جان بوجھ کر رک گیا۔ اس کے  
سینے میں بے صبری کی ایک آگ دھک رہی تھی۔ گنگا پر  
چھینٹنے کے لیے وہ بری طرح بے تاب دکھائی دے رہا تھا،  
پھر بھی اسے امید تھی کہ لڑکی خود بخود پگھل جائے گی۔ اور  
آپ ہی آپ ہتھیار ڈال دے گی۔۔۔ گنگا کے چہرے پر  
پھیلی ہوئی ہریشانی دیکھ کر وہ ہنسا اور بولا ”سندری! میں  
تمہارے قریب آنا چاہتا ہوں اور تم ہو کر مجھ سے دور  
بھاگ رہی ہو۔“



ٹھاکر دکر سنگھ بھی آپہنچا ہے اور وہ جلدی سے حویلی پہنچ جائے نہیں تو انھیں شک ہو جائے گا۔۔۔ اجیت کو اس طرح بھاگنا دیکھ کر دتارام چیختے ہوئے اس کے پیچھے دوڑا۔

”اجیت سنگھ ٹھکرو، مجھے بھی ساتھ لیتے چلو۔ مجھے رانی ماں کے سامنے اکیلا کیوں چھوڑے جا رہے ہو؟“

”تم تھوڑی دیر اور دھڑکتے وقت گزارو۔“ اجیت نے گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے جلدی جلدی کہا ”پھر اطمینان سے بیٹھ کر آ جانا“ اتنا کہہ کر اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی تھی۔

اجیت کو نظروں سے اوجھل ہوتے دیکھ کر دتارام بڑبڑایا ”یہ مطلبی لوگ ہیں۔ مطلب کے غلام، مطلب نکل جائے تو کام کرنے والے کو اٹھا کر گھوڑے پر پھینک دیں۔ کیجئے، ذلیل...“ وہ غصے میں بڑبڑاتا، ٹھاکر اور اجیت کو گالیاں دیتا پھیل کے ایک درخت کے نیچے جا کر کھڑا ہو گیا۔ نشے کی طلب نے اس پر دیوانگی سی طاری کر دی تھی۔ ولایتی شراب کی لت لگ جانے کے بعد وہ، ایسی منشیات کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا تھا کیونکہ ٹھاکر اس کے پیسے کا روزانہ انتظام کر دیتا تھا۔

اچانک اسے سڑک پر سے کچھ لوگوں کی ایک ٹولی آتی ہوئی دکھائی دی۔ درخت کے پیچھے ہو کر اس نے دیکھا تو ان لوگوں میں اسے ننھا شیوا اور درگیش کا باپ دین دیال بھی نظر آیا۔ اس ٹولی میں گاؤں کے دس بارہ آدمیوں کے ساتھ دو چار غنڈے قسم کے نوجوان بھی تھے دتارام ان لوگوں کو دیکھ کر چونک پڑا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ آخر یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟ کیا گنگا ٹھاکر کے ہاتھ سے نکل کر گھر پہنچ گئی؟ کیا اس نے ان لوگوں کو ٹھاکر شمشیر سنگھ کے بارے میں بتا دیا۔ اور یقیناً گاؤں والے اپنی مزید لے کر حویلی جا رہے ہیں... دو چار آدمیوں کے ہاتھوں میں تو لاٹھیاں بھی تھیں۔

دتارام کے پاؤں کا نینے لگے۔ اس نے سوچا کہ اگر وہ ان لوگوں کی نگاہوں میں آ گیا تو سب سے پہلے اس کا سر کاٹ لیا جائے گا۔ اس کا ہنسنے لگا۔ اگر ٹھاکر شمشیر

سنگھ نے گنگا کے سامنے اس کا نام لے لیا ہو گا تب تو گنگا مجھے جیل بھجوائے بغیر نہیں رہے گی... اس نم موسم میں بھی اس کا چہرہ پسینے سے تر ہو گیا۔ دفعۃً اس کی گردن پر جیسے آگ کا کوئی انگارہ آ کر چپک گیا۔ اس نے ڈر کر اپنی گردن پر اپنا ہاتھ مارا۔ ہاتھ لگتے ہی شہر کی مکھی اس کی گردن میں اپنا ڈنک چھوڑ کر اڑ گئی، لیکن شہر پر تکلیف کے باوجود وہ چیخ نہیں سکا کیونکہ ٹھیک اسی وقت گاؤں والوں کی ٹولی اس درخت کے سامنے سے گزر رہی تھی۔ اس نے شدید تکلیف کے باوجود اپنے ہونٹوں کو دانتوں میں دبایا تھا۔ شہر کی مکھی کے نہر پلے ڈنک کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا تھا۔

”گاؤں کی بہن بیٹیوں کی عزت، اگر گاؤں کا مالک ہی لوٹنے لگے تو ہم یہاں کس طرح رہ سکتے ہیں؟“ ٹولی میں سے ایک دیہاتی چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ ”رانی ماں کے سامنے تم سب چپ نہ ہو جانا اپنی آواز میں ایسا ہی جوش رکھنا“ اس نے اپنے بقیہ ساتھیوں کو مخاطب کیا۔

تھوڑی دیر بعد ہی یہ پھری ہوئی ٹولی حویلی کے دروازے پر پہنچ گئی۔ شیوا نے اندر جانے کے لیے دوڑ لگا دی، لیکن بھاگ پر کھڑے ہوئے چونکہ اس کی گردن پر پتھر لے روک لیا اور بولا ”اے بھڑکے! بغیر اجازت اندر کہاں جا رہا ہے؟“

”مجھے رانی ماں سے ملنا ہے تمہارا ٹھاکر میری جیڑی کو زبردستی اٹھا کر لے گیا ہے۔“ شیوا کی آواز میں غصے کے ساتھ لا چاری بھی تھی۔

”رانی ماں سے کہہ دو کہ گاؤں کے لوگ فریاد کرنے آئے ہیں“ ٹولی میں سے دو تین آدمیوں نے کہا چونکہ ان لوگوں کا جوش و خروش دیکھ کر گھبرا گیا۔ وہ بھاگ بند کرنے ہی والا تھا کہ اچانک اس نے حویلی کی بانٹونی سے ٹھاکر دکر سنگھ کی آواز سنی ”بھولے ان لوگوں کو اندر آنے دو۔“

”ارے یہ تو چھوٹے ٹھاکر کی آواز ہے“ ٹولی میں سے ایک شخص نے دکر سنگھ کو پہچان لیا ”تب تو ضرور انصاف ملے گا سچو“

لوگ کھلے ہوئے پھاٹک سے اندر داخل ہو گئے۔ یہ دیکھ کر دتارام بھی درخت کے پیچھے سے نکل آیا اور پھر وہ بھی ان لوگوں کے پیچھے پیچھے پھاٹک کے اندر داخل ہو گیا۔ اندھیرا ہونے کی وجہ سے کوئی بھی اسے دیکھ نہیں سکا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں سوچ رکھا تھا کہ چپ چاپ تماشا دیکھ کر وہ سب سے پہلے حویلی سے سرک جائے گا۔ بادش اب ختم ہو چکی تھی۔ لوگوں کا شور سن کر رانی ماں بھی بالکونی میں آ گئیں اور نیچے کھڑے ہوئے لوگوں سے پوچھا ”یہ شور کیوں ہو رہا ہے؟ کیا بات ہے؟“ ان کے لہجے میں حیرت کے ساتھ ساتھ پریشانی بھی تھی۔

اس سے پہلے کہ دکر سنگھ کچھ کہتا، گاؤں والوں میں سے ایک آدمی نے کہا ”غضب ہو گیا ہے رانی ماں! ٹھاکر شمشیر سنگھ نے پنڈت سینتارام کی بیٹی کو اٹھا کر حویلی میں قید کر لیا ہے۔“

”کیا بکتے ہو؟“ رانی ماں غصے میں چیخی ”خبردار، جو ٹھاکر کے بارے میں کوئی ایسی ویسی بات کی... کس نے انہیں پھیلانی ہے یہ؟“

”یہ انہوں نے نہیں ہے رانی ماں!“ اس بار دین دیال بڑکھڑاتے ہوئے آگے بڑھا اور پانچ جوڑ کر بولا ”ہمارے شیوا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ٹھاکر شمشیر سنگھ نے اسٹیشن کی سڑک پر سے گنگا کو زبردستی اٹھا کر اپنی بگھی میں ڈال لیا تھا۔“

”ہاں ہاں رانی ماں یہ بالکل سچ ہے“ شیوا گڑ گڑا کر بولا ”میری دیدی کو بچا لیجیے رانی ماں! میں آپ کے ہاتھ جوڑتا ہوں۔“

رانی ماں کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا انھیں اندازہ تو ہو ہی چکا تھا کہ ٹھاکر شمشیر سنگھ کے خلاف شکایت غلط نہیں ہو سکتی، لیکن ظاہری طور پر تو خاندان کی عزت کا خیال بھی رکھنا تھا، اس لیے ضروری تھا کہ بیٹے کے کمر توڑوں پر پردہ ڈالا جائے۔ یہ سوچ کر وہ ذرا سخت اور زعب دار آواز میں بولی ”چھوٹے سے بچے کی بات سن کر تم لوگ لاٹھیاں اٹھائے یہاں دوڑے آگے؟ ٹھاکروں کے خاندان میں ایسی ہتھیانہ نہیں کی جاتی ہے۔ تمہیں ضرور کوئی

مغالطہ ہوا ہے۔“

”لیکن رانی ماں، دکر سنگھ ٹھکرو ہوتے ہوئے لہجے میں بولا ”پہلے بڑے بھائی کو بلا کر آپ پوچھ لیں، سچ اور جھوٹ کا پول خود ہی کھل جائے گا۔“

ٹھکراش کی انجھن بڑھ گئی۔ دکر نے اسے صحیح مشورہ دیا تھا، لیکن وہ گاؤں والوں کے سامنے شمشیر سنگھ کو بلا کر اس سے کچھ پوچھنا نہیں چاہتی تھی۔ دماں کو خاموش دیکھ کر دکر سنگھ نے چونکہ رانی کو آواز دی ”بھولے! ٹھاکر صاحب کہاں گئے ہیں۔ تم جانتے ہو؟“

بھولا سچی بات بتانا نہیں چاہتا تھا لیکن اسے ڈر تھا کہ اگر اس نے جھوٹ بولا تو اس کی کھال کھینچ لی جائے گی، اسی خوف سے اس نے سچی بات اگل دی ”وہ بیٹلے میں ہیں۔“

”تو چلو، ہم لوگ بھی بیٹلے چلتے ہیں“ گاؤں والوں میں سے کسی نے کہا ”وہاں جا کر ہم خود ہی اپنا اطمینان کر لیتے ہیں۔ گاؤں کی بہن بیٹیوں کی عزت لٹ رہی ہو تو ہم یہاں کیسے کھڑے رہ سکتے ہیں؟“

جمع کا غصہ دیکھ کر رانی ماں کا لہجہ بھی نرم پڑ گیا۔ شاید اسے یقین ہونے لگا تھا کہ ان کی غیر حاضری میں شمشیر سنگھ کوئی الٹی سیدھی حرکت کر بیٹھا ہے... اسے ہر قیمت پر اس بگڑے ہوئے معاملے کو سنہالانا تھا ”ٹھکرو“ حویلی سے باہر نکلتے ہوئے لوگوں کو اس نے روکا۔ ”سچ اور جھوٹ کی تستی کے لیے میں اور دکر سنگھ بھی تم لوگوں کے ساتھ چلتے ہیں“ یہ کہہ کر رانی ماں ننگے پاؤں ہی نیچے اتر آئی۔ دکر سنگھ بھی ان کے پیچھے تھا۔ نیچے آتے ہی رانی ماں نے نہایت سخت الفاظ میں گاؤں والوں سے کہا ”تم سب میری ایک بات یاد رکھنا۔ کسی ثبوت کے بغیر تم میں سے کسی نے اگر کوئی ایسی ویسی بات کہی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا اور اگر میرے بیٹے نے جرم کیا ہو گا تو میں اسے اس پاپ کی ایسی سخت سزا دوں گی کہ آئندہ کوئی ٹھاکر ایسی حرکت کرنے کی جرأت نہ کر سکے گاؤں کی عزت میری عزت ہے۔“

”ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔“ لوگوں نے ہاتھ اٹھا



اٹھا کر کہا۔

رانی ماں اور وکرم سنگھ سب لوگوں کے آگے آگے چل رہے تھے۔ دتارام واحد آدمی تھا جو ان سب لوگوں کے پیچھے پیچھے چپ چاپ چل رہا تھا۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ گاؤں والوں کو اپنی موجودگی کا احساس دلا سکتا۔ اسے اس بات کا خوف بھی تھا کہ اگر کرایع بات ظاہر ہوئی تو اس کی غیر ماضی اسے محرم ٹھہرانے میں مردگاہ ثابت ہو جائے گی... اسی لیے وہ مجبوراً ان لوگوں کے پیچھے پیچھے کھینچا جا رہا تھا۔

✽

رانی ماں کی گوالیار سے واپسی کی اطلاع ٹھاکر شمشیر سنگھ کو دینے کے لیے جب اجیت سنگھ بنگلے کی طرف روانہ ہوا تھا، تو راستے میں اس نے کئی باتیں اپنے ذہن میں سوچ رکھی تھیں۔ اس کا خیال تھا کہ گنگا ٹھاکر شمشیر سنگھ کا شکار ہو چکی ہوگی۔ اور وہ اس کے سامنے جھکنے کے لیے تیار ہو جائے گی... اس نے دل ہی دل میں یہ سوچا تھا کہ وہ گنگا سے کہے گا کہ اس راز کو اگر راز ہی رکھنا ہے تو اسے ایک بار اور اس بنگلے میں آنا پڑے گا... لیکن پھر فوراً ہی اس نے اپنے اس خیال کی نفی کرتے ہوئے خود کو سمجھایا... بھلا گنگا کو دوبارہ بنگلے میں بلانے کی کیا ضرورت ہے؟ اس وقت شمشیر سنگھ کو رانی ماں سے ملنے کے لیے حویلی بھیج دیا جائے اور گنگا کو بنگلے میں ہی روک لیا جائے تو یہ معاملہ اسی وقت حل ہو سکتا ہے... ایسے ہی حسین خیالوں میں ڈوبا ہوا اجیت سنگھ بنگلے پر پہنچ گیا۔ دروازے پر آکر اس نے چوکیدار سے پوچھا ”ٹھاکر صاحب اندر ہی ہیں نا؟“ چوکیدار نے اشارے سے ”ہاں“ میں جواب دیا تو اجیت سنگھ نے مسکرا کر اس سے پوچھا ”اور وہ لڑکی؟“ چوکیدار نے ہنس کر اپنا سر جھکا لیا،

اجیت سنگھ گھوڑے سے اتر گیا اور پھر تیزی سے بنگلے کے زینے چڑھنے لگا ڈرائنگ روم کا ادھر کھلا دروازہ دیکھ کر اسے حیرت ہوئی تھی، لیکن اسے اس بات کا اطمینان

نہیں ڈالنا پڑے گا بلکہ اب تو اسے جلد سے جلد حویلی روانہ کیا جاسکتا ہے۔ دروازے کو دھیرے سے دھکیل کر جیسے ہی اس نے کمرے میں قدم رکھا، تو اس پر سکتے کی سی کیفیت طاری ہو گئی اس کا ایک پاؤں تھوڑی دیر تک اٹھا ہی رہ گیا۔ اس کی دونوں آنکھیں حیرت و خوف سے کھلی رہ گئیں تھیں۔ ٹھاکر شمشیر سنگھ کی لاش سامنے قالین پر گر وٹ کے بل پڑی ہوئی تھی۔ اس کے پیٹ میں خنجر گھسا ہوا تھا۔ قالین پر جگہ جگہ خون پھیل کر جم چکا تھا۔ لاش کا منہ کھلا ہوا تھا۔ یہ خوفناک منظر دیکھ کر وہ کپکپا کر رہ گیا اس کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں نمودار ہو گئی تھیں۔ اس نے خوف و دہشت سے چیخا جا ہوا مگر اس کا گلہ خشک ہو چکا تھا۔ اسے خیال آیا کہ ٹھاکر شمشیر سنگھ کو قتل کرنے والی گنگا ابھی اس پاس ہی کہیں چھپی ہوئی ہوگی... اگر وہ کہیں سے نکل کر اس کے سامنے آگئی تو وہ تھوڑی دیر پہلے جس گنگا کی جوانی کے حسین تصور میں اس کا پورا وجود جموم رہا تھا۔ اسی گنگا سے اب اسے خوف آ رہا تھا۔

خوف سے کانپتا ہوا وہ دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ دروازے کھول کر بھاگ نکلنے کی خواہش ایک دم اس کے دل پر اٹھی لیکن اچانک اس کی نظر ٹھاکر شمشیر سنگھ کی پتلون جیب سے جھانکتی ہوئی چابی پر پڑی تو وہ جانتے جانتے رک گیا۔ اس کی آنکھوں میں ایک ہوس لہرانے لگی پھر اس کی نظر چابی پر سے ہٹ کر کونے میں پڑی ہوئی لوہے کی خجوری پر پہنچی اور اس کی زبان آپ ہی آپ اس کے ہونٹوں پر پھرنے لگی۔

بھگوان نے اس کے لیے کتنا بہترین موقع فراہم کر دیا ہے... تھوڑی سی ہمت اور تھوڑی سی جالا کی ضرورت تھی۔ ٹھاکر شمشیر سنگھ کی موت کے بعد اب کون سا کہہ سکتا ہے کہ وہ خود کتنے دنوں تک حویلی میں رہا گا؟ وکرم سنگھ کے ساتھ اس کی بن نہیں سکتی۔ وہ کتنی دیر بھی اسے دھکے دے کر حویلی سے نکال سکتا تھا۔ یہی موقع ہے کہ اسے اپنے مستقبل کے لیے اس خجوری خالی کر دینا چاہیے...

اس نے قدم آگے بڑھائے دروازے پر رک کر اس نے دھیرے سے اندر جھانکنا دروازے کے پیچھے بھی نظر ڈال لی پھر کمرے کے چاروں کونوں پر سرسری سی نظر ڈالنے کے بعد اسے اطمینان ہو گیا کہ کمرے میں سولے ٹھاکر شمشیر سنگھ کی لاش کے اور کوئی غ نہیں ہے... اسے حیرت ہو رہی تھی کہ جب کمرے میں چھپنے کی کوئی جگہ موجود نہیں ہے تو کیا گنگا چوکیداروں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر فرار ہو چکی تھی۔

گنگا کے بھاگ جانے کے خیال سے اجیت سنگھ اندر ہی اندر خوش ہوا اچھا ہوا وہ بھاگ گئی۔ ”دل ہی دل میں کہہ کر وہ ٹھاکر شمشیر سنگھ کی لاش پر جھکا پھر ہاتھ بڑھا کر اس نے دھیرے سے اس کی جیب سے چابیوں کا گچھا نکال لیا... وقت کم تھا اور اسے ڈر تھا کہ اگر تجوری کھولتے ہوئے وہ پکڑا گیا تو اسے ہی ٹھاکر شمشیر سنگھ کا قاتل سمجھ لیا جائے گا۔ اسی خوف کے سبب اس نے جلدی جلدی کام ختم کرنے کا فیصلہ کیا تھا... ہاتھ میں رومال لپیٹ کر اس نے دھیرے سے تجوری کا ہینڈل گھمایا پھر ہاتھ ڈال کر اندر سے سارے زیورات اور نقدی نکال کر ایک کپڑے میں باندھ لیے جب وہ تجوری بند کرنے جا رہا تھا تب ہی اسے خیال آیا کہ اگر یہ کھلی ہی رہے تو بہتر ہے... یہ سوچ کر اس نے چابیوں کا گچھا بھی تجوری کے دروازے پر لٹکا ہوا چھوڑ دیا... اور لوٹلی اٹھا کر کمرے سے باہر نکل آیا۔

کمرے سے نکل کر جب وہ زینے سے اترنے لگا تو اچانک اس کی نظر زینوں پر پڑے ہوئے خون کے دھبوں پر پڑی۔ نیچے آکر کچھ مٹی میں خون کے وہ دھبے غائب ہو گئے تھے لیکن کسی کے پیروں کے نشانات صاف دکھائی دے رہے تھے کچھ مٹی پر عورت کے پیروں کی چھاپ کہیں کہیں بالکل واضح نظر آ رہی تھی۔

اجیت نے چوری کے مال کی پوٹلی پھولوں کی کبادیوں میں چھپادی، پھر اس نے چوکیداروں کو پکارا اور برسنے لگا ”نگ حراہوں تم وہاں کھڑے کھڑے سو رہے ہو اور یہاں ٹھاکر صاحب کا خون ہو چکا ہے... وہ لڑکی کہاں بھاگ گئی؟ اب رانی ماں کو کیا جواب دو گے؟“

ایک چوکیدار دوڑتا ہوا اس کے فریب آیا تو اجیت سنگھ نے بیک کر ایک گھونسا اس کے جھڑے پر مار دیا اور چیخ کر بولا ”نگ حرام! سچ سچ بتا، میرے یہاں سے جانے کے بعد یہاں کون آیا تھا؟“

اجیت سنگھ کے زوردار گھونسنے نے چوکیدار کو کھلا دیا تھا۔ ٹھیک اسی وقت دوسرا چوکیدار بھی بھاگتا ہوا آیا۔ اجیت کی لات اس کے پیٹ پر پڑی۔ وہ اچانک حملے سے پیٹ پکڑ کر دہرا ہو گیا ”کہاں غائب ہو گئے تھے تم دونوں؟ وہ لڑکی کیسے بھاگ گئی؟“ اجیت پوری قوت سے چلایا۔

”اجیت ٹھاکر!“ پہلا چوکیدار اپنا جھڑا سہلاتا ہوا بولا ”بارش بہت زور سے ہونے لگی تھی۔ اس لیے ہم تجوری دہرے کے لیے اپنی کوٹھری میں چلے گئے تھے۔“

”لیکن بھاگ تو ہماری نگاہوں میں رہا تھا؟“ دوسرا چوکیدار منہ بسورتے ہوئے بولا ”ہم نے کسی کو بھی یہاں سے جاتے نہیں دیکھا تھا۔“

”تو وہ تمہاری ماں، کیا ہوا میں غائب ہو گئی؟“ اجیت سنگھ غصے سے چیخا۔ اس کا عیار ذہن اس وقت بھی ایک منصوبے کے تانے بانے بن رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ چوکیداروں کو اپنے تابع میں رکھنے کے لیے یہ موقع بڑا غنیمت ہے اور اسے اس موقع سے فائدہ اٹھانا ہے۔ اس خیال کے آنے ہی اس نے اپنا لہجہ ذرا نرم کر لیا ”ٹھاکر صاحب کا خون ہو چکا ہے۔ وہ لڑکی ان کے پیٹ میں خنجر بھونک کر فرار ہو چکی ہے۔ جاتے جاتے وہ تجوری بھی خالی کر بی گئی ہے... اب جیسا میں کہوں ویسا ہی رانی ماں کو جواب دینا۔ تم ان سے کہنا کہ جب بارش تیز ہو گئی تو ٹھاکر صاحب نے پھاٹک بند کر کے ہمیں اپنے کمرے میں بیٹھ جانے کا حکم دیا تھا۔ تم لوگوں نے پھاٹک اس وقت کھولا جب میں واپس آیا تھا... میں بنگلے کے اندر ہو کر فوراً واپس آ گیا۔ تب ہی تم لوگوں کو پتا چلا کہ ٹھاکر صاحب کا خون ہو چکا ہے اور وہ لڑکی غائب ہے... یہی بیان دینا ہے تم لوگوں کو سمجھ گئے؟“ اجیت نے انھیں تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔ ”بہت اچھا سرکار!“ دونوں چوکیداروں نے ایک

ساتھ کہا ”آپ جیسا کہیں گے ہم ویسا ہی کریں گے۔“  
 ”بے وقوف! اب بھی کچھ کہنے کے لیے گنجائش ہے؟“  
 یہ کہہ کر اس نے ایک بار پھر انہیں سبق یاد کرایا۔ کچھ اور ضروری ہدایات دے کر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور بولا ”میں حویلی پہنچ کر رانی ماں کو خبر کرتا ہوں۔ جب تک وہ نہ آجائے اس وقت تک تم دونوں بھاٹک پر ہی موجود رہنا۔ اگر یہاں سے غائب ہوئے تو زیادہ رکھنا میں تم دونوں کی کھال کھینچ لوں گا۔“ اجیت سنگھ نے گھوڑے کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ ابھی اس کا گھوڑا ہنگلے کے بھاٹک تک پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ اس نے رانی ماں اور وکرم سنگھ کے پیچھے گاؤں والوں کا ایک جم غفیر ہنگلے کی طرف آتے دیکھا۔ رانی ماں کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس پر کیکڑا ہٹ سی طاری ہو گئی اور خوف سے دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ کیا اسے دیر ہو چکی تھی؟ کیا اس کی سوچی ہوئی بازی الٹ جائے گی؟ انہیں سوالوں میں الجھا ہوا وہ گھوڑے سے کود پڑا۔ رانی ماں کو ننگے پاؤں ہنگلے کے بھاٹک میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ کر اس کے ہوش گم ہو چکے تھے۔ ان کے عقب میں وکرم سنگھ بھی تھا۔ گاؤں والوں کے تہو پہنچے اسے اچھے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ یہ دیکھ کر اس نے اپنے آپ کو تسلی دی کہ اگر اس وقت میں نے اپنے آپ کو نہ سنبھالا تو مارا جاتا گا۔ دل مضبوط کر کے جھوٹ بول دینا چاہیے اور ہار میں بدلتی ہوئی بازی کو جیت میں بدل ڈالو۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد اس نے گھوڑے کی لگام چوکیدار کے ہاتھ میں دے دی اور خود سر جھکا کر بھاٹک کے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ جیسے جیسے رانی ماں اور وکرم سنگھ اس کے نزدیک آتے جا رہے تھے ویسے ویسے اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔

”دروازے میں کیسے کھڑے ہو اجیت!“ رانی ماں قریب آ کر پوچھا ”کھا کر کہاں ہے؟“

اجیت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بہ دستور سر جھکا کر کھڑا تھا۔ اسے خاموش دیکھ کر وکرم سنگھ نے کہا ”یہ کیا جواب دے گا ماں ایسے ہی لوگوں نے تو بھیا کر برباد کیا ہے۔“

”رانی ماں، رانی ماں! بگھی میں میری دیدی کو اٹھا کر لے جانے والوں میں یہ بھی تھا۔“ شیو نے چلا کر کہا۔ ”چپ رہو۔“ رانی ماں نے اسے ڈانٹا ”کسی کو درمیان میں لپٹنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ اسے غم کی طرح سر جھکا کر کھڑے اجیت پر غصہ آ رہا تھا۔ دو قدم آگے بڑھ کر اس نے اجیت کے گال پر ایک تھپا تھپا رسید کر دیا ”میں پوچھ رہی ہوں اس کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ کھا کر اندر ہے یا نہیں اور اگر اندر ہے تو اس کے ساتھ کون ہے؟“

بالآخر وہ بھڑائی ہوئی آواز میں بولا ”کھا کر صاحب اندر ہیں لیکن...“ اس کی آواز گھٹ کر رہ گئی۔

کھا کر وکرم سنگھ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اس نے اجیت کو غصے سے دھکا دے کر ایک طرف ہٹایا اور اندر جانے کے لیے آگے بڑھا۔ عین اسی لمحے اس نے اپنے پیچھے اجیت کی آواز سنی ”ٹھہر جائے چھوٹے کھا کر! کھا کر شمشیر سنگھ پر لوک سدھار چکے ہیں۔“

اس کے الفاظ پھرے ہوئے مجمع پر ہم کی طرح گرے۔ رانی ماں کا ہاتھ بڑی تیزی سے اپنے دھڑکتے ہوئے سینے پر آ کر ٹھہر گیا۔ وکرم سنگھ کے بڑھتے ہوئے قدم بھی جیسے زمین میں گڑ گئے۔ ایک لمحے بعد اجیت سنگھ کی آواز سنائی دی ”ان سے مدد مانگنے کے لیے آنے والی برہمن لڑکی نے کھا کر شمشیر سنگھ کے پیٹ میں خنجر گھونپ دیا ہے۔ اور جاتے جاتے وہ خجوری بھی خالی کر گئی ہے۔“

تھوڑی دیر پہلے رانی ماں کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا لیکن اب وہ بالکل ہی سفید پڑ چکا تھا۔ اس کے دماغ میں بے شمار سوالات چکرانے لگے... شمشیر سنگھ کا قتل؟ کل ہی تو اسے پچیسواں سال لگنے والا تھا اور کل ہی وہ اسے کھا کر کی گدڑی پر بٹھانے والی تھی۔ وکرم سنگھ کو وہ گوالیار سے اسی لیے تو اپنے ساتھ لے کر آئی تھی... شاید کھا کر خاندان پر بڑی ہوئی بددعا کا اثر ابھی تک زائل نہیں ہوا تھا۔ یہ بات بالکل سچ ہے چاہے وہ کسی بھی طرح سے کیوں نہ ہو... ڈاکو رام سنگھ نہیں آیا تو ایک برہمن لڑکی کے ہاتھوں کھا کر کا خاتمہ ہو گیا۔

ایک ماں کا جوان بیٹا یوں مارا جائے تو ماں کی

حالت بگڑنا تو فطری بات ہے وہ ایک دم چکرانی تو وکرم نے پھرتی سے اس کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کر دلاسا دیا۔ ”پہلے ہم اندر جا کر دیکھیں گے۔ مجھے تو ابھی تک اجیت کی بات پر یقین نہیں ہے۔ آخر گاؤں کی کوئی لڑکی بڑے بھیا کا خون کیوں کرے گی؟“

وکرم سنگھ اماں کو سہارا دے کر ہنگلے کے اندر لے گیا۔ رانی ماں کے ہر قدم کے باعث لڑکھڑاہے تھے۔ وہ بہ دقت تمام اندر کی سمت گھسٹ رہی تھی۔

گاؤں والوں کو بھی جیسے اس بات سے صدمہ پہنچا تھا وہ بھی افسردگی کے عالم میں ایک طرف کھڑے ہو گئے تھے۔ دین دیال کے لیے تو اب کھڑا رہنا بھی دو بھر ہو رہا تھا۔ اسے تو اس بات ہی سے سخت تکلیف پہنچی تھی کہ گنگا پر کھا کر شمشیر سنگھ کے قتل کا الزام عائد کیا جا رہا تھا۔ درگیش کی ضمانت ابھی تک نہیں ہوئی تھی اور پھر یہ گنگا کا معاملہ۔ ان خدمات نے اس کی رہی سہی طاقت بھی چھین لی تھی۔ وہ اپنا سر پکڑ کر وہیں بیٹھ گیا۔ شیو بھی اور لوگوں کی طرح چپ چاپ کھڑا تھا۔ اس کی دیدی کسی کا خون کر سکتی ہے۔ اس بات پر اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا، لیکن شمشیر سنگھ جیسے شیطان شخص کی موت پر اسے افسوس نہیں تھا۔ اسے تو اپنی بہن کی فکر تھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنی دیدی کو کہاں تلاش کرے؟ پھر اسے خیال آیا کہ اس کی دیدی شاید گھر پہنچ گئی ہو۔ اسے بھی وہاں فوراً پہنچ جانا چاہیے... لیکن دین دیال کی حالت دیکھ کر اس کی ہمت نہیں بڑھتی تھی کہ وہاں سے بھاگ جائے اور دین دیال کو ساتھ لے جانے میں وہ جلدی گھر نہیں پہنچ سکتا تھا۔ متضاد خیالات تھے جو اس کے ننھے سے دماغ میں چکر رہے تھے۔ درگیش بھیا کی طرح کیا گنگا دیدی بھی جیل چلی جائے گی؟ نہیں نہیں میں اسے سمجھاؤں گا کہ وہ یہاں سے بھاگ جائے... ورنہ یہ لوگ اسے پھانسی کے تختے پر چڑھا دیں گے۔

یہ سوچتے ہوئے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں! چانک اس کی نظر سب سے پیچھے کھڑے ہوئے اپنے چاچا ناتھام پر پڑی وہ یہاں کب آیا؟ کیسے آیا؟ یہ سب کچھ پوچھے

بغیر اس نے دین دیال کی ذمے داری اس پر ڈال دی۔ ”چاچا! انہیں سنبھال کر آرام سے گھر لے جانا میں جا رہا ہوں۔“

دنا رام کے کچھ کہنے سے پہلے ہی شیو وہاں سے بھاگ لیا۔ دنا رام دیر تک اسے دیکھتا رہا۔

رانی ماں وکرم سنگھ کے سہارے چلتی ہوئی بڑی مشکل سے ہنگلے کا زینہ چڑھ سکی۔ قدم قدم پر وہ درگاما تا کو یاد کرتی جا رہی تھی۔ اور دعا مانگ رہی تھی۔ ”جو کچھ میں نے سنا ہے اسے جھوٹا ثابت کر دینا ماں جی! میرے شمشیر کو میری عمر دے دو۔ میں اسے زندہ، ہنستا کھیلتا دیکھنا چاہتی ہوں۔“

جوان بیٹے کی لاش دیکھ کر وہ کمرے کے دروازے پر ہی گر پڑی۔ ان کی دہشت ناک چیخیں ہنگلے کی دیواروں سے ٹکر کر پورے ماحول کو لرز رہی تھیں۔ اپنے خاندان پر پھیلے ہوئے نحوست کے سائے کو ہٹانے کے لیے رانی ماں نے ہر سوں عبادت کی تھی ورنہ اس نے مردہ بیٹے کا منہ جو منے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو وکرم سنگھ نے اس کا بازو تھام لیا۔

”رانی ماں! پولیس کے آنے سے پہلے ہمیں لاش کو ہاتھ نہیں لگانا چاہیے... بہت رکھو ماں...“ کہتے کہتے وکرم سنگھ کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔ کچھ بھی ہو شمشیر سنگھ آخر اس کا بڑا بھائی تھا۔ بے شک وہ اچھا آدمی نہیں تھا لیکن دونوں خونی رشتے میں منسلک تھے اور ایک ہی ماں کی کوکھ سے جنم لے کر اس دنیا میں آئے تھے۔

”کھا کر! وہ دیکھو تجوری...!“ اجیت سنگھ نے حالات کی سنگینی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اشارہ کیا۔ ”کھا کر شمشیر سنگھ کو ہرا کہنے والوں کو دکھا دیں جو گاؤں کی بہو بیٹیوں کی طرف داری میں دوڑے چلے آئے ہیں۔ وہ اپنی آنکھوں سے اپنی بہن بیٹیوں کی کارستانی دیکھ لیں۔“

رانی ماں اور وکرم سنگھ نے اس کی جانب توجہ نہیں دی تو اجیت نے کھا کر کی لاش کے قریب پڑے ہوئے ایک خط کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ”اور یہ لفافہ جس پر گنگا کا پتا لکھا ہوا ہے اور وہ کونے میں پڑی ہوئی کپڑوں کی پوٹلی بھی اسی کی ہے۔ یہ کس طرف اشارہ کر رہی ہے؟“

دکرم سنگھ کی نظر پہلے لفافے پر پڑی ہوئی پوٹلی پر اور آخر میں اجیت سنگھ کے چہرے پر آکر جم گئی۔ اس کی تیز نگاہیں بڑے غور سے اجیت سنگھ کو گھور رہی تھیں تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ”سبح سچ بتاؤ اجیت سنگھ وہ لڑکی یہاں کس طرح آئی تھی؟ اور کھاکر کو قتل کرنے کی اسے کیا ضرورت پیش آئی؟“

”دو دن قبل وہ رانی ماں سے ملنے کے لیے حویلی میں آئی تھی۔“ اجیت سنگھ نظریں جراتا ہوا بولا ”اس کا نام گنگا ہے اور اس کی شادی درگیش نام کے ایک لڑکے سے ہونے والی ہے۔ درگیش ڈاکٹری کا امتحان دے کر کام کر رہا ہے۔“

”پھر آج جب میں اور بھائی بھائی اور رانی ماں کو لینے کے لیے گئے تھے پراسٹیشن کی طرف جا رہے تھے تو ہمیں وہی لڑکی راستے پر بے ہوش پڑی دکھائی دی۔ شدید بارش اور تیز ہواؤں کی وجہ سے ممکن ہے وہ پھسل کر گر پڑی ہو۔ اس خیال سے ہم اس کی مدد کے لیے گئے۔ ہمیں اس پاس کوئی شخص دکھائی نہیں دیا۔ اس لیے ہم اسے گتھی میں ڈال کر یہاں لے آئے۔“

”یہاں کس لیے؟“ دکرم سنگھ نے پوچھا۔ ”کیونکہ حویلی تو وہاں سے اور بھی دور تھی اور یہاں جنگل میں تھوڑی بہت دوائیں موجود تھیں طبی مدد یہاں آسانی سے دی جاسکتی تھی۔ اسے یہاں لاکر ہم نے کچھ دواؤں سے کما کما کر وہ فوراً گتھی کو اسٹیشن لے جائے ٹرین کے آنے کا وقت ہو چکا تھا جبکہ کھاکر کا ارادہ تھا کہ وہ گھوڑے

پر اسٹیشن پہنچ جائیں گے۔“

”اچھا پھر؟“

”مجھے کھاکر صاحب نے گاؤں میں بھیج دیا تاکہ اس لڑکی کے گھر والوں کو خبر کر دوں۔ مجھے اس لڑکی کے گھر کا علم نہیں تھا۔ میں نے حویلی میں جا کر گنگا کے چاہا کو بتلے میں بلانے کے لیے ایک آدمی بھیج دیا۔ اس کام سے فائدہ ہو کر میں جنگل میں واپس آ گیا۔ پھر اور ایک لڑکی میں نے کھاکر کی لاش دیکھی۔“ اجیت نے دنیا بھر کا علم اپنے چہرے پر طاری کرتے ہوئے کہا۔

”مجھے ابھی بھی یقین نہیں آتا کہ کوئی لڑکی ایسا کر سکتی ہے، بے ہوشی کا ڈھونگ کر کے یہاں تک آئے پھر تنہائی کا فائدہ اٹھا کر کھاکر کا ہی خیر نکال کر اس کے پیٹ میں گھونپ دے اور پھر خود ہی صاف کر دے۔“

”نکتہ کہتے دکرم سنگھ سوچ میں ڈوب گیا۔ چند لمحوں کے بعد وہ دوبارہ بولا ”وہ لڑکی کہاں گئی؟ اس کی تلاش کرو۔ اور پولیس کو اطلاع کراؤ۔“ اجیت سنگھ تم اپنے آدمیوں کو دوڑاؤ ان سے کہہ دو وہ لڑکی انھیں جہاں بھی ملے اسے پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیں، اور تم خود کھانے جا کر پولیس کو بلالو اور دیکھو راستے میں پولیس سے اس واقعے کے بارے میں کچھ بھی مت کہنا۔“

اجیت اور دکرم سنگھ کے درمیان جب یہ باتیں ہو رہی تھیں اس وقت رانی ماں پر نیم بے ہوشی کی سی کیفیت طاری تھی۔ اس کا خیال دکرم سنگھ کو اس وقت آیا جب اجیت وہاں سے جا چکا تھا۔

جنگل پر ہونے والے حادثے نے گنگا کو بری طرح بدحواس کر دیا تھا۔ وہ گھبرا کر وہاں سے بھاگ نکلی تھی۔ انجانے میں اس کے ہاتھوں کھاکر شمشیر سنگھ کا قتل ہو چکا تھا۔ اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی سلب ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ جنگل کے چوکیداروں کی نظر بچا کر وہاں سے صاف نکل آئی تھی لیکن راستے میں اسے خیال آیا کہ آخر وہ جائے گی کہاں؟ اپنے گھر سے تو وہ رام پور جانے کے لیے نکلی تھی۔ اس سے پہلے کہ پولیس اسے پکڑے اسے رام پور سے پہنچ

جانا چاہیے۔ اور اب تو ڈاکو رام سنگھ سے اس کا حملتا بہت ضروری ہو گیا تھا۔ اس کی مدد کے بغیر وہ اس جنگل سے نہیں نکل سکتی تھی۔

اس نے اسٹیشن جانے کے لیے گلیوں کا مختصر راستہ اپنایا۔ کھیتوں کے اندر سے ہوتی ہوئی اور کھیتوں سے بھری پگڑیوں کو پھلانگتی ہوئی وہ بھاگتی رہی۔ اور پھر ٹرین کے انجن کی دسل اس کی سماعت سے ٹکرانی ہوئی تو وہ چونک پڑی پھر اندھیرے کو چیرتی ہوئی انجن کی تیز لائن دکھائی دی۔ اس روشنی میں لڑکے کی پٹری دکھائی دے رہی تھی۔ وہ ہانپتی کانپتی کھڑکی کی کھڑکی رہ گئی۔ اسے دیر ہو چکی تھی ٹرین روانہ ہو گئی تھی۔ اور پھر اس کا آخری ڈبہ بھی اس کے سامنے سے گزر گیا۔ وہ اس طرح زمین پر بے جان ہو کر گر پڑی جیسے کوئی سوکھی ہوئی شاخ خود بہ خود درخت سے ٹوٹ کر گر پڑی ہو۔ سارے راستے بند ہو چکے تھے۔ وہ اپنی بے چارگی پر رو پڑی۔ اس کے دل و دماغ پر ایک خوف سا طاری تھا۔ اپنے ہاتھوں پر ہونے والے قتل کا منظر بار بار اس کی آنکھوں میں گھوم رہا تھا۔ روتے روتے وہ پلٹ کر پیچھے کی جانب دیکھ لیتی تھی۔ اندھیرے میں اسے کھاکر شمشیر سنگھ کا جنگل دکھائی نہیں دے رہا تھا لیکن پھر بھی اسے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ وہاں شور و غل ضرور مچا ہو گا۔ اس کی سماعت سے اس وقت ایک آواز اور بھی ٹکر رہی تھی۔ ریل کی پٹری کی دوسری جانب نشیب میں بہتی ہوئی ندی کا شور۔

”ہاں میرے لیے اب یہی ایک راستہ ہے۔“ اپناٹک وہ بڑبڑائی ”میں اپنے گھر واپس نہیں جاسکتی اور نہ ہی رام پور جاسکتی ہوں۔ ایسی حالت میں زندہ رہ کر کیا کروں گی؟ قتل کا الزام زندگی بھر میرا پیچھا نہیں چھوڑے گا میری وجہ سے میرے گھر والوں کو بھی دکھ اٹھانے پڑیں گے۔ سارے خاندان کی بدنامی کا سوال ہے۔ درگیش پر تو خون کا جھوٹا الزام عائد کیا گیا تھا۔ لیکن میں تو سچ پر ہی خون کر کے آئی ہوں۔ یہ جان کر درگیش کو کتنا صدمہ ہو گا اسے میں کیا منہ دکھاؤں گی؟“ مختلف النوع خیالات اس کے ذہن میں آ رہے تھے۔

”تم نے کوئی گناہ تمہیں کیا ہے؟“ یکایک اس کے اندر سے کوئی بولا ”تم ایک درندے سے اپنی جان بچانے کی جدوجہد کر رہی تھیں اور اسی کوشش میں تمہارے ہاتھوں اس کی جان چلی گئی۔ تم نے جان بوجھ کر اسے قتل نہیں کیا ہے۔ دنیا کا کوئی باضمیر قانون تمہیں قاتل نہیں کہہ سکتا۔ لیکن اگر تم نے ندی میں کود کر اپنی جان دے دی تو ہر کوئی یہی سمجھے گا کہ تم نے کھاکر کا خون کیا تھا۔ تمہیں خود کشی کرنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ بھلا گنگا جیسی باہمت لڑکی زمانے اور حالات کا سامنا کرنے سے ڈر جائے تو لوگ کیا کہیں گے؟“

اپنے دل کی آواز سن کر اس کے قدم ڈمکنے لگے دھیرے دھیرے اس کے خیالات بدلتے جا رہے تھے۔ ایک پل کے لیے اس کا جی چاہا کہ وہ گھڑی جانب لوٹ جائے لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے کچھ لوگوں کی آوازیں سنیں۔ پیچھے پیچھے ہی اس نے گردن گھما کر دیکھا تو اسے کچھ فاصلے پر ٹارچ کی روشنی دکھائی دی۔ اس نے کان لگا کر اندازہ لگانے کی کوشش کی۔ کچھ لوگ زور زور سے ہاتھیں کرتے ہوئے اسی طرف آ رہے تھے۔ یکایک اس کی سماعت سے کسی کی تیز اور بھاری آواز مگرانی۔ ”وہ حرام زادی اگر ہاتھ میں آگئی تو اسی جگہ اس کا گلا دبا دو، پھر اس کی لاش درگاہ ندی میں بہا دینا۔“

اس آواز نے گنگا کو چونکا کر دیا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی لیکن اس سے پہلے کہ وہ بھاگنے کے لیے قدم اٹھاتی پیچھے سے اس کی ساری کا آنچل پھینچ لیا گیا اس کا دم جیسے نکل گیا ہو۔ کیا اس کے پیچھے کوئی چھپا ہوا بیٹھا تھا؟ کیا کسی نے اسے پکڑ لیا ہے؟ خوف کی ایک لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی مگر دوسرے ہی لمحے اس نے پلٹ کر دیکھا تو اس کی جان میں جان آگئی ایک خادہ درجھاڑی نے اس کا دامن تھام رکھا تھا مگر پیچھے آنے والے لوگوں کے خوف نے اسے اس قدر بدحواس کر دیا تھا کہ وہ کانٹے سے دامن چھڑانا ہی بھول گئی ایک جھٹکے سے اس نے دامن کھینچا اور پیچھے مڑ کر دیکھ بغیر اس نے آنکھیں موند کر دوڑ لگا دی۔ ریل

کی پٹری پا کر کے وہ کب لگنائی ہوئی درگاندی کے کنارے پہنچی تھی، اسے اس کا خیال ہی نہیں تھا۔ ندی کی بھرپور اور شور مچاتے بہاؤ کو دیکھ کر پہلے تو اسے ڈر لگا لیکن اب واپس جانے کا راستہ اس کے لیے بند ہو چکا تھا۔ اس کی تلاش میں نکلے ہوئے۔۔۔

لوگ لمحہ بہ لمحہ اس کے قریب آتے جا رہے تھے۔۔۔ یہ آخری موقع بھی اگر اس کے ہاتھ سے نکل گیا تو اس کی زندگی خراب بن کر رہ جائے گی۔۔۔ یکایک آنکھیں بند کر کے اس نے خود کو ندی کی شور مچاتی لہروں کے سپرد کر دیا۔

✱

”داؤ جی! لگتا ہے آج درگاندی اپنا شباب دکھا رہی ہے۔ لہروں کا بہاؤ تیز سے تیز تر ہوتا جا رہا ہے۔“ نوجوان بہاری کے الفاظ سن کر بوڑھے رام سنگھ کی بڑی بڑی آنکھیں اسے گھورنے لگیں، پھر حقے کے دو چار کش لگانے کے بعد وہ درگاندی کے بہاؤ کو دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنی بہاری اور بے حد گرج والے آواز میں بولا ”بہاری! درگاندی کا شباب اس بات کا اشارہ ہے کہ ہمارے دشمن کا دل دھڑک رہا ہے اور آسمان پر کڑکتی ہوئی بجلی ہمیں ایک نوجوان کی موت کا پیغام سن رہی ہے ہمارے لیے یہ دونوں چیزیں اچھے شگون کی علامت ہیں۔“

”لیکن داؤ! ندی کے اس طوفان کو تھمنے میں چار چھ گھنٹے تو لگ ہی جائیں گے اور ہمیں آدھی رات تک اپنا کام ختم کر کے واپس آنا ہے۔“ بہاری نے کہا۔

رام سنگھ کی آواز کچھ اور جوشیلی ہو گئی ”چار چھ گھنٹے تو کیا اگر دس بارہ گھنٹے بھی دیر ہو گئی، تب بھی ہم اپنا کام پورا کیے بغیر واپس نہیں آئیں گے۔۔۔ گزشتہ بیس برسوں میں پہلی بار ہم درگاندی کی زمین پر قدم رکھنے والے ہیں۔۔۔ ہم طویل عرصے سے انتقام کی آگ میں جل رہے ہیں۔“ اس کے لہجے میں طوفانوں کی سی گھن گرج تھی۔ پھر وہ برسوں پہرانی یادوں میں کھو گیا۔ بہاری نے اب کچھ کہنے سے کاراردہ ترک کر دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ داؤ جی، جب جب درگاندی کی پرانی دشمنی کی یادیں تازہ کرنے بیٹھ جاتا تھا تو اسے بیچ میں کسی کا بولنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ ایسے وقت میں رام سنگھ کے

چہرے پر بکھری ہوئی لکیریں ایک بھیانک شکل اختیار کر گئیں۔ جس میں درد اور کرب کی پرجھٹیاں بھی صاف صاف سے محسوس کی جاسکتی تھیں۔

دو گھنٹے قبل رام سنگھ کے گروہ نے درگاندی کی ندی کے سامنے والے کنارے پر پڑاؤ ڈالا تھا۔ اس وقت باڈا گرج رہے تھے اور آسمان بھی سیاہی مائل ہو رہا تھا لیکن ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ درگاندی میں آگ شہید طغیانی آجائے گی۔ اس کے کنارے چھلک پڑیں۔ پھر ادھر سے موسلا دھار بارش جو رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ راجستھان میں مدتوں بعد کبھی ایسی بارش اور ندی میں اتنی زبردست طغیانی نظر آئی تھی۔

شام کا اندھیرا پھیلنے کے انتظار میں رام سنگھ کے گروہ نے دوسرے کنارے پر پڑاؤ ڈالا ہوا تھا۔ اچانک ہلکا ہوا جانے کی وجہ سے انھیں گھنے درختوں کے نیچے پناہ کی غرض سے جنگل کی طرف کنارے سے ذرا نیچے اتر جایا پڑا تھا۔۔۔ رام سنگھ کے ساتھیوں نے اس کے لیے پیل کے ایک بیڑے کے نیچے جیسے جیسی ترمپال لگا دی تھی، جہاں تو کچھ بیاں جمع کر کے اس میں آگ لگا دی گئی تھی اور رام سنگھ کا حقہ بھی گرم کر دیا گیا تھا۔ گروہ کے دو آدمی ترقی گاؤں میں جا کر دودھ کی ایک بالٹی بھر لائے تھے۔ رام سنگھ نے آج صبح سے کچھ بھی کھایا پیا نہیں تھا۔ انتظار کے بیس سال آج پورے ہو چکے تھے اور بیس سال سے انتظار کی آگ میں جلتے ہوئے رام سنگھ کے سینے کی آگ کو سرد ہونے میں اب صرف چند ہی گھنٹوں کی دیر تھی۔ اسی لیے آج اس نے من برت کر کھا ہوا تھا۔ اپنے اڈے سے نکلے وقت اس نے درگاندی کی چھوٹی سی موڑی کے آگے سر جھکا کر عہد کرتے ہوئے کہا تھا ”ماں میں اپنا بدلہ لینے جا رہا ہوں۔ کل صبح تک اگر میں اپنے دشمن کی جان نہ لے سکا تو مجھے تیری قسم ہے میں زندہ واپس نہیں آؤں گا۔“ اپنے سردار کی عادت سے اس کے ساتھی خوب اچھی طرح واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ رام سنگھ ایک بار جو کما دیتا ہے اسے ضرور پورا کرتا ہے۔ اپنے عہد اور اپنی قسم سے بھر جانا اس کی فطرت کے خلاف تھا۔ درگاندی کی طغیانی

نے جب رام سنگھ کو صبح تک بھی دوسرے کنارے تک نہ پہنچنے دیا تو کیا ہو گا؟ وہ کافی دیر سے چپ چاپ ندی کی ابھرتی بیٹھتی لہروں پر نظریں جمائے اسی سوال کا جواب ڈھونڈ رہا تھا، لیکن جواب اس کے سامنے ہی تھا ندی کے بہاؤ میں پل پل اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

”داؤ! یکایک وہ ندی کی طرف دیکھتے دیکھتے جیخ پڑا۔ کوئی آدمی بہاؤ میں بہتا چلا آ رہا ہے۔“

رام سنگھ نے اس طرح اپنی آنکھیں کھولیں جیسے وہ گرمی نیند سے جاگ پڑا ہو۔ جب وہ خیمے سے باہر نکلا تو اس نے بہاری کو ندی کی طرف بھاگتے ہوئے دیکھا۔ اس کا ایک ہاتھ اٹھا شاید وہ آواز دے کر بہاری سے کہنا چاہتا تھا کہ ندی کے اس تیز بہاؤ میں ہرگز ہرگز موت کو دنا، ورنہ تم واپس نہیں آ سکو گے۔۔۔ لیکن اس کا ہاتھ اٹھے کا اٹھا رہ گیا وہ اپنی زبان سے ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا۔ کسی کی جان بچانے کے لیے اپنی جان کو خطرے میں ڈال دینے کا سبق تو اسی نے اپنے ساتھیوں کو سکھایا تھا۔ پھر بھلا ندی کی طغیانی سے ڈر کر، وہ بہاری کو کیسے واپس بلا سکتا تھا؟ ”تھر جاؤ بہاری! میں خود ندی میں اترتا ہوں۔ شاید کوئی عورت بہتی چلی آ رہی ہے۔“ اس سے پہلے کہ اس کی آواز بہاری تک پہنچتی رام سنگھ کا وہ نوجوان ساتھی کنارے پر سے چھلانگ لگا کر بہتی ندی میں کود چکا تھا۔

رام سنگھ بڑی بے چینی سے نوجوان بہاری کو پھری ہوئی موجوں سے لڑتے دیکھ رہا تھا۔ وہ پانی کے بہاؤ کو تیرتا ہوا سامنے سے بہہ کر آتی ہوئی عورت کو پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ رام سنگھ محسوس کر رہا تھا کہ تیز بہاؤ کی وجہ سے بہاری عورت کا بوجھ سنبھال کر تیر نہیں سکے گا اس نے اپنے خیمے کی طرف مڑ کر اپنے ساتھیوں کو مخاطب کیا ”کہاں ہو تم لوگ؟ جلدی سے کوئی رستی لے آؤ۔“

رام سنگھ کی آواز سنتے ہی اس کے ساتھی دوڑتے ہوئے وہاں آ گئے۔ رام سنگھ کا ایک اور نوجوان ساتھی کشن، رام سنگھ کی آواز سن کر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اسے بھاگاتا ہوا تیزی سے اس کی طرف پدکا۔

اس دوران میں بہاری نے ندی میں بہتی ہوئی عورت

کو پکڑ لیا تھا۔ ایک ہاتھ سے اس نے عورت کا بازو ختم کر دوسرے ہاتھ سے طوفانی لہروں کو کاٹنا شروع کر دیا لیکن اس کوشش میں اسے کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ پھری ہوئی موجیں انھیں ادھر سے ادھر اچھال رہی تھیں۔ بہاری کی ہمت جواب دہتی جا رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا وہ ان جوشیلی موجوں کا زیادہ دیر تک مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ ندی کے کنارے کھڑے ہوئے کئی تناور درختوں کو بھی شباب پر پڑی ہوئی ندی نے جڑ سے اکھاڑ پھینکا تھا۔ اور وہ ندی میں دوڑ رہی تھی۔

رام سنگھ کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار گہرے ہو گئے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ بہاری اگر ذرا بھی سست پڑ گیا تو درگاندی اسے ہمیشہ کے لیے نکل لے گی۔۔۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے اپنے برابر کھڑے ہوئے کشن کے ہاتھ سے گھوڑے کی لگام چھین لی اور اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو گیا، پھر بڑے پر جوش لہجے میں کشن سے بولا ”میں نیچے کی طرف جا رہا ہوں۔ تم اپنا گھوڑا لے کر وہاں پہنچو۔ فوراً!“ اتنا کہہ کر اس نے اپنے گھوڑے کی لگام ڈھیلی کر دی۔ ندی کے کنارے کچھٹر میں رام سنگھ کا گھوڑا تیزی سے دوڑنے لگا چند ہی ساعتوں میں گھوڑے نے نفریاد پڑھ دو فرلانگ کا فاصلہ طے کر لیا۔ اور پھر ایک جگہ وہ گھوڑے کی لگام کھینچ کر نیچے اتر آیا اور گھوڑے کی پیٹھ پر زمین سے بندھے ہوئے رستی کے پھندے کا ایک سرا پکڑ کر اس نے پانی میں بہتے ہوئے بہاری کو مخاطب کیا۔ ”ادھر دیکھو بہاری! ادھر میری طرف۔“

پھر اسے فوراً ہی لگا کہ پھری ہوئی موجوں کے شور میں اس کی آواز بہاری کے کانوں تک نہیں پہنچی اس لیے وہ بلند آواز سے چلایا ”بہاری! میں کچھنا پھینک رہا ہوں، اسے پکڑ لو۔“ اتنا کہہ کر اس نے رستی کا پھندا ہوا میں گھمایا پھر اس کے ہاتھ کی فن کاری اور بہاری کی پھرتی نے زندگی کو موت کے منہ سے کھینچ لیا۔ پانی میں بہتے ہوئی بہاری نے ہمت کر کے اپنا ہاتھ اٹھایا۔ رستی کا پھندا اس کے ہاتھ سے ٹکرا گیا اور اس نے پھرتی سے اسے پکڑ لیا۔ جھٹکا لگتے ہی رام سنگھ کا گھوڑا اٹھنایا اور وہ بھی ایک



قدم آگے کھسک گیا۔ یہ دیکھ کر رام سنگھ کو خطرہ محسوس ہوا کہ پانی کا تیز بہاؤ بہاری کے ساتھ ساتھ اس کے گھوڑے کو بھی کھینچ رہا ہے۔ اس نے جلدی سے رستی کو مضبوطی سے پکڑ لیا... اتنی دیر میں کشن اور اس کے دوسرے ساتھ وہاں پہنچ چکے تھے۔

جلدی آؤ سب مل کر اس رستی کو کھینچو، رام سنگھ رستی کو پکڑے ہوئے ہائیتی ہوئی آواز میں بولا "کشن تم گھوڑے کو پیچھے ہٹاؤ۔"

بہاری کا بایاں ہاتھ اس عورت کی کمر کے گرد مضبوطی سے پٹا ہوا تھا اور داپنے ہاتھ سے اس نے رستی کا پھندا مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ اب وہ پوری طاقت سے بھری ہوئی موجوں کے سامنے خود کو جمانے کی کوشش کر رہا تھا۔ رام سنگھ نے کنارے پر کھڑے ہوئے اس کی ہمت بندھائی۔ "بہاری ہمت مت ہارنا... عورت کو مضبوطی سے پکڑے رکھنا۔ ہم، تمہیں ابھی پانی سے نکال لیتے ہیں۔"

پھری ہوئی موجوں کو چیر کر بہاری نے کئی بار اپنا سر اٹھائے رکھنے کی کوشش کی لیکن اس کی گردن بار بار پانی کے دباؤ سے ڈوب جاتی تھی۔ منہ کو سختی سے بند رکھنے کے باوجود کئی گھونٹ پانی اس کے پیٹ میں اتر چکا تھا۔ یکایک اسے لگا جیسے پانی کے بہاؤ اور رستی کے کھینچاؤ کی جنگ میں اس کا داپنا بازو کندھے سے اکھڑ جائے گا۔ اسے اپنی انگلیاں ٹوٹتی محسوس ہو رہی تھی۔ اچانک اس کے جی میں آیا کہ آنے والے خطرے کو کم کرنے کے لیے عورت کو چھوڑ کر دونوں ہاتھوں سے رستی کو تھام لینا چاہیے...

لیکن وہ اس پر عمل نہیں کر سکا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے اس عورت کو چھوڑ دیا تو اپنے سردار رام سنگھ کی نظروں سے ہمیشہ کے لیے گر جائے گا اور ساتھیوں کے طعنے بھی اسے سننے پڑیں گے... اب چاہے یہ عورت امر ہی کیوں نہ چکی ہو اسے کنارے تک لائے بغیر چارہ ہی نہیں تھا۔

بہاری نے ہمت نہیں ہاری تھی وہ موت سے لڑتا ہوا اسی کے سہارے کنارے پر آگیا۔ تھکن سے اس کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ اس کا کھلا ہوا منہ دیکھ کر لوں نگ رہا تھا جیسے ابھی اس کی سانس کی آمد و رفت ختم ہو جائے

گی۔ رام سنگھ اور کشن نے مل کر عورت کو اس کے ہاتھوں کی گرفت سے لے کر اپنے ہاتھوں پر اٹھالیا تھا۔ بہاری کا بایاں ہاتھ جس میں وہ عورت کو پکڑے ہوئے تھا سنبھل کر بے جان ہو گیا تھا۔

"یہ تو زندہ ہے۔" رام سنگھ نے گنگا کی ناک پر ہاتھ رکھ کر سرور لہجے میں کہا "صرف بے ہوش ہے جلدی کر دو میرے جیسے کے پاس تھوڑی آگ اور روشن کر دو۔" اتنا کہہ کر اسے خیال آیا کہ لڑکی کے جسم پر لپٹی ہوئی گیلی مارا جگہ جگہ سے پھٹ کر تقریباً آدھی ہو چکی ہے لڑکی کا نیم پان بدن اس میں سے جھلک رہا تھا۔ جلدی سے نظر ہٹا کر رام سنگھ نے اپنے بدن پر لپٹی ہوئی چادر اتار لی اور اسے گنگا کے جسم پر ڈال دیا۔ غیر عورت کے جسم کو ہاتھ لگانا بھی جس کے نزدیک گناہ ہو دہی بوڑھا ڈاکو رام سنگھ گنگا کے اکڑے ہوئے پیروں کو اپنے ہاتھوں سے سیدھا کمر ہاتھا۔ "کشن! پہلے ہمیں لڑکی کو زندہ کرنا اس کے پیٹ سے پانی نکالنا چاہیے۔" رام سنگھ کے لہجے میں ایک عجیب سی آنکھیں تھیں۔ اس وقت اگر کوئی عورت یہاں موجود ہوتی تو وہ یقیناً نوجوان گنگا کے بے ہوش جسم کو اس کے حوالے کر دیتا۔ لیکن اس کے گرد وہ مول لینا نہیں نہیں تھا۔ ویسے بھی وہ لڑکی کو اپنی بیٹی سمجھتا تھا اسی لیے گنگا کے جسم کو ہاتھ لگانے میں اس نے کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی لیکن اپنے نوجوان ساتھیوں کو اس نے وہاں سے ضرور دور ہٹا دیا تھا۔

جلتی ہوئی آگ کے قریب گنگا کو لٹا کر رام سنگھ اور اس کے ساتھی اس کے ہوش میں آنے کے منتظر تھے بہاری اب کچھ نارمل ہو گیا تھا۔ آگ کی گرمی نے اس کے جسم میں لگی ہوئی ٹھنڈک کو کافی حد تک کم کر دیا تھا اور اس کا چہرہ پھر پہلے کی طرح تھمتانے لگا تھا۔ کافی دیر سے وہ گنگا کے خوب صورت چہرے پر نظر میں جمائے کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ دل ہی دل میں وہ سوچ رہا تھا کہ اس لڑکی کا حسین اور نازک جسم کافی دیر تک اس

کے ایک ہاتھ کی گرفت میں سمٹا رہا تھا۔ لیکن زندگی اور موت کی کشمکش میں اسے اتنا ہوش ہی کہاں تھا کہ وہ لڑکی کے حسن پر توجہ دیتا... اس وقت تو اس کے دل میں اس لڑکی کی جان بچانے کا جذبہ چل رہا تھا... مگر اب اب تو اس لڑکی حسن اس کے دل کے اندر ایک نئے رنگ بھرتا جا رہا تھا۔ کئی سوالات تھے جو اس کے دماغ میں گھوم رہے تھے... کون ہے یہ لڑکی؟ کنواری ہے یا شادی شدہ؟ خود کشی کرنے کے لیے ندی میں کودی تھی یا ندی کی طغیانی میں بہہ گئی تھی؟

بہاری جلد سے جلد ان سارے سوالوں کے جواب جاننے کے لیے بے چین دکھائی دے رہا تھا مگر اس کا دل اندر ہی اندر ایک عجیب سی مسرت محسوس کر رہا تھا۔ بار بار اسے لگ رہا تھا جیسے آج کا یہ ہولناک مگر خوبصورت واقعہ یقیناً اس کی زندگی میں کوئی انوکھا رنگ ضرور بھر دے گا۔ وہ انھی حسین رنگوں کے تصور میں کھویا ہوا چپ چاپ بیٹھا تھا کہ اچانک رام سنگھ کی آواز سن کر وہ چونک پڑا "لڑکی کسی اچھے گھرانے کی دکھائی دے رہی ہے۔" اتنا کہہ کر رام سنگھ نے گردن گھما کر بہاری کی طرف دیکھا اور اسے شاباشی دیتے ہوئے بولا "میں تمہاری ہمت کی داد دیتا ہوں بہاری! تمہاری وجہ سے اس کی جان بچ گئی ہے۔" رام سنگھ کے منہ سے اپنی تعریف سن کر بھی بہاری نے گنگا کے چہرے پر سے اپنی نظریں نہیں ہٹائی تھیں۔ یکایک وہ گنگا کے پہوٹوں میں حرکت دیکھ کر چونک اٹھا "داؤ! لگتا ہے یہ ہوش میں آ رہی ہے۔" وہ سرسرا تے ہوئے لہجے میں بولا۔

"جاؤ اس کے لیے گرم دودھ لے آؤ۔" رام سنگھ اپنے کھلے ہوئے سینے پر ہاتھ پھیرتا ہوا دوسرے ساتھی سے بولا "اور دیکھو میرے تھیلے میں سے میری قمیض بھی لیتے آنا۔" گنگا کو ہوش میں آنا دیکھ کر اسے یاد آگیا تھا کہ اپنی چادر سے تو اس نے گنگا کا جسم ڈھانپ دیا تھا۔ اور اب صرف وہ ایک خاکی پتلون میں ملبوس تھا۔ تھوڑی دیر بعد اپنے ایک ہاتھ میں دودھ سے بھرا ہوا گلاس نکھائے اور دوسرے ہاتھ سے اپنی قمیض کے بٹن

لگانا ہوا رام سنگھ ہوش میں آتی ہوئی گنگا کے تہرے کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔ "نہیں، نہیں،" گنگا کے ہونٹوں سے ٹوٹے پھوٹے الفاظ نکلے۔

رام سنگھ نے دھیرے سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کی پیشانی سے ہلکے لگا تو گنگا کی آنکھیں دھیرے دھیرے کھلنے لگیں... کانپتی پلکیوں کو کھول کر جب اس نے اپنے آس پاس کھڑے ہوئے اتنے سارے مردوں کے چہرے دیکھے، تو اس کی آنکھوں میں خوف کے سائے لہانے لگے۔ اس نے چند لمحوں کے لیے دوبارہ اپنی آنکھیں موند لیں، پھر اس کے کانپتے ہونٹوں سے آپ ہی آپ یہ الفاظ نکل پڑے۔ "ہاں... ہاں میں نے خون کیا ہے... میں گناہ گار ہوں قاتل ہوں۔" پھر جیسے اسے ایک زبردست جھٹکا لگا وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ پہلے تو وہ رام سنگھ کے چہرے کو اور پھر اس کے خاکی کپڑوں کو دیکھتی رہی پھر یکایک اس کی جانب دیکھ کر بولی "تم لوگ پولیس والے ہونا؟ تو پہنا دو مجھے ہتھکڑی۔" اتنا کہہ کر اس نے اپنے دونوں ہاتھ رام سنگھ کی طرف بڑھا دیے۔

"بیٹی! ہم پولیس والے نہیں ہیں۔" رام سنگھ نے سنجیدگی سے کہا۔ گنگا کو اس کی بات پر یقین نہیں آیا۔ سر کے پھرے ہوئے بال اور جسم پر لپٹی ہوئی بے ترتیب ساری کو کھٹیک کرتے ہوئے اس کی نظر اپنے اوپر پڑی ہوئی خاکی رنگ کی چادر پر پڑی تو اس کے ہونٹوں پر ایک درد بھری مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس نے ایک ایک کمر کے وہاں موجود ہر مرد کی طرف دیکھا... ہر شخص کا لباس خاکی تھا ان میں سے دو تین آدمیوں کے کندھوں سے بندوقیں لگی ہوئی تھیں۔ گنگا ان کی دردیوں سے اندازہ لگا رہی تھی کہ یہ لوگ خود کو چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں پولیس والے ہوتے ہوئے بھی کمر ہے ہیں کہ وہ پولیس والے نہیں ہیں... آخر کیوں؟ سوچتے سوچتے اس کی نگاہیں جھک گئیں لیکن تھوڑی دیر بعد اس نے نگاہیں اٹھا کر رام سنگھ کی طرف دیکھا اور بولی "آپ لوگ مجھے کیوں بنا رہے ہیں؟ آخر اس

سے آپ لوگوں کو کیا فائدہ ہے؟“

”بیٹی میں درگاما ناکی قسم کھا کر کہتا ہوں، رام سنگھ نے قسم کھا کر گنگا کو یقین دلانے کی کوشش کی، ہم پولیس والے نہیں ہیں۔ البتہ پولیس والوں کے دشمن ضرور ہیں۔“

گنگا کے چہرے سے ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے رام سنگھ کی اس قسم پر بھی یقین نہیں آیا۔ رام سنگھ نے دودھ کا گلاس اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا ”لو اب جلدی سے یہ دودھ پی لو اور پھر بتاؤ کہ تم کون ہو؟“

”میں نے کہا نا کہ میں ایک قاتل ہوں؟ میری آبرو لوٹنے والے شخص کا، میرے ہاتھوں قتل ہوا ہے، گنگا نہایت پر جوش لہجے میں بول رہی تھی۔ ”اب تو تم لوگ مجھے گرفتار کر لو... مجھے گاؤں سے نکال کر عدالت میں لے جاؤ اور جلد سے جلد پھانسی چڑھا دو۔“

رام سنگھ سمجھ گیا کہ لڑکی کو ضرور کوئی گہرا صدمہ پہنچا ہے۔ اور وہ زندگی سے بیزار ہو چکی ہے۔ اس نے سکرانی نظروں سے گنگا کی جانب دیکھا اور بولا ”شاباش بیٹی شاباش“

پھر اس کے سر پر پیادے سے ہاتھ پھیرتا ہوا بولا ”جو عورت اپنی عزت اور آبرو کی حفاظت کر سکتی ہے وہ پھانسی پر نہیں چڑھ سکتی... میں ایسی عورت کو خوشی نہیں بلکہ بہادری سمجھتا ہوں۔ پانی کو ختم کر دینے میں کوئی پاپ نہیں ہے۔ جیسے معنوں میں پاپ تو خود کشی کرنے میں ہے جو تم ندی میں کود کر کرنا چاہتی تھیں... اپنی زندگی کو اپنے ہاتھوں ختم کرنا سب سے بڑا پاپ ہے بیٹی۔“

گنگا کا دل بھر آیا اسے لگا کہ ابھی دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جو سچائی پر یقین رکھتے ہیں اور اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس کی پلکوں پر آنسو کے قطرے چکنے لگے اور وہ دیر تک رام سنگھ کو دیکھتی رہی۔

بہاری ابھی تک گنگا کو تک رہا تھا رام سنگھ سے اس کی یہ حرکت چھپی نہیں رہی۔ اس لیے اس نے گنگا کے ہاتھ میں دودھ کا گلاس تھماتے ہوئے کہا ”سچ پوچھو تو تمہاری جان ہمارے اس بہادر بہاری نے بچائی ہے۔ اگر اس کی نظر تم پر نہ پڑتی تو نہ جانے اب تک تمہارا کیا حال ہو چکا ہوتا۔“

گنگا نے دودھ کا گلاس ہونٹوں سے لگایا اور بہاری کو دیکھنے لگی۔ وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں اس شکر یہ ادا کر رہی تھی۔ دودھ کا آدھا گلاس ختم کرنے کے بعد اس نے رام سنگھ سے کہا۔ ”اے اچانک ہی کچھ یاد آگیا تھا“ تم نے تو ابھی تک اپنا تعارف نہیں کرایا۔“ اس نے بہاری کا ہاتھ چا ہا کر وہ اس لڑکی کو بتا دے کہ تمہارے سامنے جو شخص بیٹھا ہے وہ رام سنگھ ڈاکو ہے جو ایک طوفان بن کر راجستھان پر چھایا ہوا ہے۔ جس کا نام سن کر دھرتی پر زلزلہ آجاتا ہے... لیکن رام سنگھ نے اسے زبان کھولنے کا موقع ہی نہیں دیا شاید وہ بہاری کی جوشیلی طبیعت سے واقف تھا مگر وہ خود ہوشیاری اور سمجھ داری سے کام لینے کا عادی تھا وہ بہاری کو ہاتھ کے اشارے سے روک کر خود ہی گنگا سے بولا ”پہلے تم اپنے بارے میں بتاؤ اور ہمیں اپنی آپ بیتی سناؤ۔“

گنگا نے کہہ کر وہ تھوڑی دیر کے لیے رکا پھر اپنے سارے ساتھیوں پر نظریں گھمانے کے بعد بے حد دھیمی اور بیٹھی آواز میں بولا ”ہم سب بڑی دیر سے تمہارے بارے میں جاننے کے لیے بے قرار بیٹھے ہیں... بیٹی جو کچھ بھی تمہارے دل میں ہے بے دھڑک بتا دو۔“ جواب میں گنگا نے کچھ بھی نہیں کہا دودھ کا بقیہ گلاس ختم کرنے کے بعد وہ کچھ دیر تک لگا ہی جھکائے بیٹھی رہی پھر رک رک کر اس نے اپنی کہانی انھیں سنانا شروع کی۔ سب لوگ حیرت سے اس کی داستان سن رہے تھے۔

”پھر! میں نے ایک عجیب و غریب فیصلہ کیا... میرا وہ فیصلہ سن کر شاید آپ سب چونک پڑیں گے میں دوسرے کسی کو کبھی یہ بات نہ بتاتی لیکن آپ لوگوں نے میری جان بچا کر مجھ پر احسان کیا ہے میں کسی کو قتل کر کے آئی ہوں یہ بات جان کر بھی آپ لوگوں نے مجھ سے نفرت نہیں کی ہے۔ مجھ پر اپنا غلوص بچھا کر کیا ہے اس لیے میں آپ سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گی... میں نے دیریش کی رہائی کے لیے ڈاکو رام سنگھ سے مدد لینے کا فیصلہ کیا تھا۔“ اس کی یہ بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ رام سنگھ چونک پڑا تھا مگر اس نے اپنے چہرے سے اس کا

اظہار نہیں ہونے دیا... گنگا نے ایک بار اس کی طرف دیکھنے کے بعد آگے کہنا شروع کیا۔ ”انٹوس میری خواہش پوری نہ ہو سکی۔“

”نہیں بیٹی بھگوان کا شکر کرو جس نے تمہاری خواہش پوری کر دی ہے،“ رام سنگھ کی آواز میں غلوص اور ہمدردی کی جھلک تھی ”تم جس سے ملنے کے لیے اپنے گھر سے نکلی تھیں اس سے تمہاری ملاقات رام پور سے کی بجائے درگاندی کے کنارے ہو گئی۔“

یہ سن کر گنگا بری طرح چونک گئی۔ اس کی بڑی بڑی پلکیں کانپنے لگیں۔ اب اس کی سمجھ میں آیا کہ اس اجنبی بوڑھے میں اسے انوکھا پن کیوں نظر آ رہا تھا؟ اس کے ہتھ پڑتے ہوئے ہونٹوں پر دھیرے دھیرے یہ الفاظ چلے ”تو کیا... تو کیا آپ ہی ڈاکو رام سنگھ...“

”ہاں بیٹی، میں ہی رام سنگھ ہوں۔“ رام سنگھ دھیرے سے مسکرایا ”لیکن ڈاکو رام سنگھ نہیں بلکہ باغی رام سنگھ اور یہ سب میرے ساتھی ہیں۔“

گنگا کو اس عجیب و غریب اتفاق پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ ڈاکو رام سنگھ تک پہنچ چکی ہے خوشی تو اس کے چہرے سے چپک رہی تھی قدرت کے کھیل بھی کیسے نیارے ہوتے ہیں؟ اسے اخبار میں پڑھی ہوئی ایک خبر یاد آگئی... رام سنگھ ڈاکو اور اس کے ساتھی انٹوپولس کی دردی پس کر ڈاکا ڈالتے ہیں۔

”لڑکی! مگر تم نے ایک بات تو ابھی تک چھپائے رکھی ہے،“ رام سنگھ نے نرم لہجے میں کہا ”درگاما تانے جس شخص کا تمہارے ہاتھوں قتل کرایا اس بد معاش کا نام تو تم نے بتایا نہیں۔ کون تھا وہ کینہ؟“

قتل کے خیال نے ایک بار پھر گنگا کا پورا وجود ہتھ پڑا دیا وہ بھرکتی ہوئی آگ کے سامنے بیٹھی ہوئی تھکے تھکے لہجے میں بولی ”وہ آدمی تھا کہ شمشیر سنگھ تھا... رانی ماں کا بیٹا درگا پور کی گڈی کا وارث...“

لیکن تھا کہ شمشیر سنگھ کا نام سنتے ہی رام سنگھ کے ریش رو عین میں آگ لگ گئی تھی وہ بہت زور سے چلایا ”کیا کہہ رہی ہو تم؟“ بوڑھے رام سنگھ کی آنکھوں میں

انکارے دھک رہے تھے۔ چہرہ۔

شکلیں غصے سے کانپ رہی تھیں اس نے گنگا سے پوچھا جیسے وہ اپنے اندر کے طوفان کو دبا لے کی کوشش کر رہا ہو ”لڑکی تو کیا تم نے تھا کہ شمشیر سنگھ کو قتل کر دیا؟ یعنی رانی ماں کے بڑے بیٹے کو؟“

”اں...“ وہ اپنے منہ پر ہاتھ مار کر بولا ”میرے کام تمہارے ہاتھوں کیسے ہو گیا؟“ اس کے منہ سے نکلے ہوئے یہ الفاظ اس کے دانتوں تلے کچل کچل کر نکل رہے تھے۔

گنگا اندر ہی اندر اس طرح کانپنے لگی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ تھوڑی دیر قبل جو شخص اسے اس قتل کرنے پر شاباشی دے رہا تھا... اپنی آبرو کی حفاظت کے لیے اس کی بہادری کی تعریف کر رہا تھا۔ وہ تھا کہ شمشیر سنگھ کا نام سن کر اس قدر بددل کیوں گیا؟ درگا پور کے ہتھاکر سے تو ابھی تک رام سنگھ کی دشمنی ہے پھر اس کے قتل پر خوش ہونے کی بجائے؟

گنگا نے دیکھا رام سنگھ کی طرح اس کے ساتھیوں کے چہرے بھی بدل چکے تھے وہ سب بھی بڑی عجیب نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے ان بدلی ہوئی نگاہوں کو دیکھ کر وہ کانپ گئی۔ چادر کے اندر اس کے سینے سے لپٹے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ بری طرح کچکپا رہے تھے سامنے کی دہکتی ہوئی آگ بھی اس کے اندر سرایت کرتی ہوئی سردی لہر کر رہی تھی میں ناکام رہی تھی کیا اسے نئی زندگی دینے والے یہ لوگ اب اپنے ہاتھوں سے ہی اس کی زندگی چھین لیں گے؟ کیا شمشیر سنگھ کے قتل کے پاداش میں یہ لوگ اس کی بوٹی بوٹی اڑا دیں گے؟ کہیں وہ پھانسی کے پھندے سے زیادہ خطرناک موت کے شکنجے میں تو نہیں پھنس گئی؟

وہ سر جھکائے کسی مجرم کی طرح چپ چاپ بیٹھی کانپ رہی تھی۔ ماحول پر ایک وحشتناک سناٹا چھایا ہوا تھا... جیسے موت کا سناٹا... اس کا بدن پسینے پسینے ہو رہا تھا اور وہ رام سنگھ کی چنگھاڑتی ہوئی آواز کی منتظر تھی... اس کی زندگی اور موت کا فیصلہ اب رام سنگھ کے ہاتھ میں تھا...



کھا کر شمشیر سنگھ کا تمھارے ہاتھوں قتل ہوا ہے اس وقت  
اس کی عمر جی پانچ سال کی تھی۔ اس کا باپ جو ہر سنگھ درگا  
کاٹھا کرتھا اور میں رام پور کاٹھا کرتھا انھی دنوں دھرم پور کے  
نے اپنی لڑکی کے لیے میرے سوریج کا رشتہ مانگا۔ ہم راجپوتوں  
میں رواج ہے کہ ہم بچپن ہی میں اپنے بچوں کی شادیاں کر دیتے  
ہیں۔ دھرم پور کے ٹھا کر کی لڑکی کا رشتہ آنا ہمارے لیے  
عزت کی بات تھی، لیکن جب درگا پور کے ٹھا کر کو اس بات کا پتا  
چلا تو اس کے پیٹ میں درد ہونے لگا۔ اس کے اندر لالچ نے  
اٹھایا کہ اگر دھرم پور کے ٹھا کر کی لڑکی سے اس کے بیٹے کا  
کارشتہ ہو جائے تو اس کی عزت میں چار چاند لگ جائیں گے  
یہ سوچ کر اس نے دھرم پور کے ٹھا کر کی دونوں لڑکیوں کو اپنے  
دونوں بیٹوں کے لیے مانگا۔ تب دھرم پور کے ٹھا کر کو ذرا  
الجھن سی ہوئی۔ سب کو یہ بات معلوم تھی کہ درگا پور کے ٹھا کر  
خاندان پر کسی بدروح کا سایا ہے۔ اس خاندان میں  
بیاہ کر جانے والی ہر لڑکی بیوہ ہو جاتی ہے اس لیے دھرم پور  
کاٹھا کر جان بوجھ کر اس خاندان میں اپنی لڑکیاں کس طرح  
بیاہتا ہے اس لیے اس رشتے سے انکار کرنے کے لیے اسے کوئی  
ترکیب ڈھونڈنا تھی اس وجہ سے وہ کچھ دنوں کے لیے اس  
مانگ کو ٹال گیا۔ ویسے اسے ہمارے جواب کا انتظار تھا لیکن  
اسی دوران درگا پور کے جوہر سنگھ نے ایک بے حد خراب حرکت  
کر ڈالی۔ ہمارے آپس کے برسوں پرانے تعلقات کو بھول کر  
اس نے ایک بڑا ہی بھیاٹک کھیل کھیل دیا۔ اس نے میرے اکلوتے  
بیٹے سورج کی جان لینے کا منصوبہ بنایا۔ ایک دن گاؤں کے  
میلے سے کوئی سوریج کو اٹھا کر لے گیا۔ ہم نے اسے بہت تلاش  
کیا لیکن اس کا کوئی پتا نہیں چلا۔ سورج کی ماں اپنے اکلوتے  
بیٹے کی گمشدگی کا شن کر پاگلی ہو گئی۔ وہ جیسے دیکھ دیکھ کر  
صرف ایک ہی ہڈ لگاتی تھی ”ٹھا کر! میرے دل کے ٹکڑے  
کو واپس لے آؤ۔ آسمان زمین ایک کر کے تم میری گود  
میں کھیلنے والے کو واپس لا دو۔“ ایک لمحہ توقف کے بعد  
وہ دوبارہ بولا ”چار دن گزر جانے کے بعد بھی میرے  
سورج کا کوئی پتا نہیں چلا۔ تجھے اپنے دل کی دھڑکن بند  
ہوتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ سورج اگر بچھڑ کر راستہ  
بھول گیا تھا تو بھی اب تک اسے واپس آ جانا چاہیے تھا۔“

سے آپ لوگوں کو کیا فائدہ۔ اسے اپنے سینے میں انتقام کی آگ  
بھڑک رہی تھی۔ تم نے میرے سینے میں جلتی  
ہوئی اس آگ کو بجھا دیا ہے لڑکی!“ بولتے بولتے رام سنگھ  
کی آواز لرزرتے لگی۔ گنگا نے ڈرتے ڈرتے اپنا سر اٹھایا اور دیکھا  
رام سنگھ اپنی پاٹ دار آواز میں کہہ رہا تھا ”اس سے پہلے کہ  
میں جو بلی جلنے کے لیے نکل کر درگا پور کی دھرتی پر قدم رکھتا  
درگا مانا نے میرا کام تمھارے ہاتھوں سے کر دیا۔ بیٹی تم نے  
کوئی قتل نہیں کیا ہے۔ کوئی گناہ تم سے سرزد نہیں ہوا ہے۔  
لیکن اس بوڑھے رام سنگھ کے جذبات کو ضرور ٹھیکس پہنچی ہے۔  
قدرت کے سارے ہی کھیل ترلے ہوتے ہیں۔ جس کام کو میرے  
ہاتھوں ہونا چاہیے تھا وہ تم نے پورا کر دیا اور کچھ نہیں بچا  
کی ذمہ داری اس نے مجھے سونپ دی۔ ندی میں اگر طغیانی  
آئی ہوئی، تو تم سے پہلے میں طوفان بن کر ٹھا کر شمشیر سنگھ کے  
سینے پر چڑھ بیٹھا۔ برسوں کی پیاسی بندوق سے اسے خاک و خون  
میں لٹا چکا ہوتا۔“

گنگا کم مسمی بیٹھی ہوئی رام سنگھ کے چہرے کا اتار چڑھاؤ  
دیکھ رہی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے، رام سنگھ  
کے ایک ساتھی نے جلتی ہوئی آگ میں دو چار سوکھی لکڑیاں  
ڈال کر لاؤ کو اور تیز کر دیا تھا۔ بھڑکتے ہوئے شعلوں کی لال  
بیلی روشنی میں رام سنگھ کا چہرہ ہمتا رہا تھا۔ گنگا سمیت ہر  
کوئی اس وقت رام سنگھ کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے  
تھا۔ اس کے چہرے پر درد و کرب کی بے شمار لکیریں بکھری ہوئی  
تھیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے اندر کسی طوفان کو  
دبانے کی کوشش کر رہا ہے۔ پھر اچانک اس کی آواز نے اس  
پراسرار ستائے کو توڑا۔ ”انجانے میں تم نے میرا انتقام ٹھا کر  
خاندان سے لے لیا ہے گنگا۔ اب تم اس انتقامی جذبے کی  
روداد بھی سن لو۔“ وہ ایک پل کے لیے اس طرح رکھا جیسے ماضی  
کے گہرے کنوئیں میں کچھ ڈھونڈ رہا ہو۔ یکایک اس کی  
آنکھیں چمکنے لگیں شاید ماضی کا کوئی منظر اس کی آنکھوں کو  
یاد آ گیا تھا ”بیس سال پہلے یات ہے، تب میرا بیٹا سورج  
صرف پانچ برس کا تھا۔ جو بڑی منتوں کے بعد پیدا ہوا تھا وہ  
میرا اکلوتا بیٹا تھا اور درگا پور کے ٹھا کر خاندان کے ساتھ  
ہمارے باپ دادا کے زمانے سے اچھے تعلقات تھے۔ آج جس

سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اسے آسمان کھا گیا یا زمین نکل گئی؟ کافی سوچ بچار کے بعد ایک شک نے میرے اندر سر اُبھارا۔ اس معاملے میں کہیں درگا پور کے ٹکڑا کر جوا ہر سنگھ کا ہاتھ تو نہیں ہے؟ لیکن وہ بھی میری طرح راجپوت تھا اور کوئی بھی راجپوت اس حد تک نیچے نہیں گر سکتا تھا تاہم پھر بھی میں نے اپنے شک کو دور کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اس کے لیے مجھے درگا پور کا سفر کرنا ضروری تھا چنانچہ میں اپنے اس سفر پر روانہ ہو گیا۔ اپنے ارادے سے کسی کو آگاہ کیے بغیر اور اپنے شک کے بارے میں کسی کو کچھ بتائے بغیر میں نہایت خاموشی سے درگا پور کی حویلی میں پہنچ گیا۔

وہ ایسی ہی ایک طوفانی رات تھی۔ درگاندی اس وقت اتنے غصے میں نہیں تھی جتنی آج ہے۔ آسمان پر کالے کالے بادل گھرے ہوئے تھے۔ چاروں طرف اندھیری رات کی چادر پھیلی ہوئی تھی۔ اس اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر میں ٹھٹھا کر جوا ہر سنگھ کی حویلی میں داخل ہو گیا۔ اپنے کندھے پر لٹکی ہوئی بندوق میں نے اپنے ہاتھ میں تھام لی۔ اس وقت میرا ارادہ تو یہی تھا کہ اپنی بندوق اس کے سینے پر تان کر اس سے پوچھوں۔ ”سچ بتاؤ ٹھٹھا کر! میرے بیٹے کی گمشدگی میں کس کا ہاتھ ہے؟“ ٹھٹھا کر جوا ہر سنگھ کے کمرے میں سے کسی اور شخص کے بونے کی آواز سن کر میں دروازے کے باہر ہی ٹھٹھا کر ٹھٹھا کر ہو گیا۔ پھر جب شیشے کے گلاس ٹکرائے تو ان کی آواز سن کر میں سمجھ گیا کہ ٹھٹھا کر جوا ہر سنگھ ناؤ نوش میں مصروف ہے۔ اس دوران میں نے دروازے کی جھری میں اپنی آنکھ لگا دی کہ کامنظر واضح ہو گیا۔ اندر بیٹھا ہوا ٹھٹھا کر جوا ہر سنگھ اپنے سامنے کھڑے ہوئے ایک شخص سے کہہ رہا تھا، ”بھیم ناٹھ اپار دونوں سے تم کہاں غائب تھے؟“

”میں چھپتا پھر رہا تھا ٹھٹھا کر!“ بھیم ناٹھ نے بڑی دھیمی آواز میں جواب دیا، ”رام پور کے ٹھٹھا کر کا خوف دامن گیر تھا۔“ ”بھیم ناٹھ کی زبان سے اپنا نام سن کر میں چونک کر اُٹھ بیٹھا۔ اپنے کان کھڑے کر کے میں ان کی گفتگو سننے لگا۔ جوا ہر سنگھ اس نے پوچھ رہا تھا، ”مگر تم کام ختم کر کے ہی آئے ہو اس کا کیا ثبوت ہے؟“ ٹھٹھا کر پاس؟ لڑکے کی کوئی نشانی ہے تمہارے پاس؟“ یس کر میرا پورا وجود کانپ گیا۔ اندر کیا ہو رہا ہے؟ یہ

دیکھ بغیر میں اب رہ نہیں سکتا تھا۔ اس لیے کھڑا سا سر کر کے میں آگے بڑھا۔ دروازے کی جھری سے جھانک کر میں نے کمرے کے اندر دیکھا تو ایک شخص فرش پر بیٹھا کپڑوں کی بوٹلی کھولتا ہوا دکھائی دیا۔ چونکہ میری جانب اس کی پیٹھ تھی اس لیے پہلے تو میں صاف نہیں دیکھ سکا کہ وہ بوٹلی سے کیا نکال رہا ہے؟ لیکن تھوڑی دیر بعد اس نے کھڑے ہو کر جب کچھ خون آلود کپڑے ٹھٹھا کر جوا ہر سنگھ کی طرف بڑھائے تو میرا دل دھک سے رہ گیا۔ کپڑے میرے بیٹے سورج کے کتے سیبی کپڑے پہن کر وہ گاؤں کے میلے میں گیا تھا۔ بندوق کے دستے پر میرے ہاتھ کی گرفت سخت ہو گئی۔ غصے سے میرے جسم کی ایک ایک رگ تن گئی تھی۔ پھر میں نے ٹھٹھا کر جوا ہر سنگھ کی آواز سنی، ”اس کی لاش کو تم نے کس طرح ٹھکانے لگایا؟“

”پہلے تو اسے پتھر سے کچل کر اس کا چہرہ مسخ کر دیا پھر اس کی لاش ندی میں بہا دی ٹھٹھا کر!“ بھیم سنگھ دھیمے لہجے میں بولا لیکن اس دوران میں میرا سارا جسم غصے اور انتقام کی جھلی سلگ اٹھا تھا۔ میری انگلی خود بخود بندوق کی لیلی پر آچکی تھی۔ ”اب تم انعام کے حق دار ہو۔“ یہ کہہ کر اپنی جگہ سے کھڑا ہوتا دکھائی دیا۔ میں گولی چلائے چلائے رک گیا۔ کمرے کے ایک طرف جا کر ٹھٹھا کر نے تجوری کھولی اور نوٹوں کی ایک گڈی نکالنے لگا۔ میں اگر چاہتا تو اس کا نشانہ لے کر ڈھیر کر سکتا تھا لیکن میں اسے پیچھے سے مارنا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے اس کا سینہ چھلنی کرنا تھا۔ اسے اس طرح ختم کرنا چاہتا تھا کہ وہ مرنے مرنے میرا چہرہ دیکھ سکے۔ میں دلی میں بھڑکتی ہوئی آگ لیے موقع کا منتظر وہیں کھڑا رہا۔ ٹھٹھا کر جوا ہر سنگھ تجوری سے نوٹوں کی گڈی اور شراب کا ایک خالی گلاس لے کر اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گیا۔ پھر نوٹوں کی گڈی پر اپنا جام رکھ کر وہ بھیم ناٹھ سے بولا، ”بھیم ناٹھ آج تم نے مجھے خوش کر دیا ہے۔ اپنا انعام لینے سے پہلے وہ اپنی سوم رس کا ایک گلاس میری طرف سے پی لو۔ آج تمہیں اپنے ٹھٹھا کر کے سامنے پینے کی اجازت ہے۔“

بھیم ناٹھ نے ہچکچاتے ہوئے شراب کا وہ گلاس اٹھالیا پھر آنکھیں میچی کر کے اس نے اس طرح گلاس اپنے ہونٹوں سے لگایا جیسے اسے ٹھٹھا کر جوا ہر سنگھ کے سامنے

پینے سے شرم آ رہی ہو۔ لیکن اس نے ایک ہی سانس میں پورا گلاس خالی کر دیا تھا۔ اس نے جیسے ہی گلاس خالی کر کے تباہی پر رکھا تو جوا ہر سنگھ نے مسکرا کر کہا، ”بھیم ناٹھ! اب تم میرے سب سے وفادار اور رازدار ساتھی بن گئے ہو۔ دھر پور کے ٹھٹھا کر کی لڑکی سے میرے شمشیر سنگھ کی شادی طے ہو جائے تو پھر میں تمہیں خوش کر دوں گا۔“

”تمہاری کمرپاسے ٹھٹھا کر!“ بھیم ناٹھ نے نوٹوں کی گڈی کی جانب ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اس کے قدم لڑکھڑا گئے اس نے ایک ہاتھ اپنے گلے پر اس طرح رکھا جیسے اس دم گھٹ رہا ہو۔ اس کی آنکھوں حلقوں سے باہر ابل پڑیں۔ اس کا منہ اس طرح کھلا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہو لیکن اس سے پہلے ہی ٹھٹھا کر جوا ہر سنگھ نے ایک خونناک قہقہہ لگایا اور بولا، ”وہ وقت! اب تم بھی بول نہیں سکو گے میں نے ہمیشہ کے لیے تمہاری زبان بند کر دی ہے۔ رام سنگھ کے بیٹے کو میں نے مروا دیا ہے۔ اس بات کو جاننے والا میرے سوا اور کوئی زندہ نہیں ہے۔ میں نے تمہارے گلاس میں زہر ڈال دیا تھا۔“

جوا ہر سنگھ ابھی اتنا ہی کہہ رہا تھا کہ بھیم ناٹھ ڈمک گاتا ہوا زمین پر گر گیا۔ ٹھٹھا کر جوا ہر سنگھ اپنی جگہ سے اٹھا اور بھیم ناٹھ کی لاش کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحوں تک وہ بھیم ناٹھ کی لاش کو دیکھتا رہا، پھر اسے لات مارتا ہوا بولا، ”تمہیں تمہاری وفاداری کا انعام مل گیا ہے۔“ پھر اس سے پہلے کہ وہ بھیم ناٹھ کی لاش کو وہاں سے ہٹانے کے لیے تائی بجا کر کسی کو بلا لے کر کوشش کرتا میرا انتقامی جذبہ عروج پر پہنچ گیا تھا۔ میں ایک جھٹکے سے دروازے کو کھولتا ہوا اس کے سامنے پہنچ گیا۔

”ذلیل کتے!“ میرے اس طرح اچانک کمرے میں داخل ہونے سے وہ سکتے میں رہ گیا۔ تم نے میرے بے گناہ بیٹے کو ماریا ہے ٹھٹھا کر!“ میں دانت پیس کر چیخا اور اس کا نشانہ لیتے ہوئے بولا، ”اب تمہارا انجام بھی اگیا ہے ذلیل انسان۔“

”نہیں۔“ میرے چہرے کے تاثرات دیکھ کر اس نے بھاگنے کی کوشش کی، لیکن اس وقت تک تو میری بندوق اس کو ابیدی تیند سلانے کے لیے گولی اگل چکی تھی، میری چلائی ہوئی گولی اس کی گردن کے پار ہو چکی تھی۔ دھماکے کی آواز سے حویلی گونج اٹھی، ٹھٹھا کر جوا ہر سنگھ کی گردن سے لہو کا فوارہ چھوٹا اور اس

کے منہ سے بھیا نک چیخ نکلی، اگلے ہی لمحے وہ زمین پر گر کر ہمیشہ کے لیے ساکت ہو گیا۔

دھماکا سن کر حویلی میں کھرام مچ گیا، لیکن میں نے ادھر آنے سے پہلے دروازہ اندر سے بند کر دیا تھا۔ حویلی کا چوکیدار اندر نہیں آ سکتا تھا۔ میں ابھی اپنے فرار کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ ٹھٹھا کر جیتنی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ ”کیا ہوا؟ کس نے گولی چلائی ہے؟“ ٹھٹھا کر جیتنی ہوئی ٹھٹھا کر کی لاش کے قریب آگئی پھر اس کی نگاہ کنارگی میری طرف اٹھی اور وہ پتھر کی مورت کی طرح بے حس و حرکت سی ہو گئی۔ اس کی کچھ پیٹھی آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں۔ یہ ایک اس کے ساکت جسم میں کیسا پامٹ سی ہوئی اور وہ سر پر ہاتھ رکھ کر وہیں بیٹھ گئی۔ اس نگاہیں اب بھی مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔

میں اس کی نگاہوں کا سوال سمجھ کر بولا، ”ٹھٹھا کر میرے بیٹے سورج کو بے گناہ قتل کر دیا ہے میں اسی بے گناہ کا بدلہ لینے یہاں آیا تھا۔“

ٹھٹھا کر اسی وقت دوسرے کمرے سے بچوں کے رونے کی آوازیں ابھریں۔ پھر پانچ برس کا شمشیر سنگھ آنکھیں ملتا ہوا اس کمرے میں آگیا اور روتے روتے اپنی ماں سے لپٹ گیا۔ تب میری نظریں اس لڑکے پر جا کر ٹھٹھا کر گئیں۔ میں نے اپنی بندوق اٹھائی تو ٹھٹھا کر نے فوراً ہی اپنے بچے کو چھاتی میں سمیٹ لیا۔ اس کے گلے سے کوئی آواز نہیں نکلی تھی لیکن آنکھوں سے غریزی ٹپک رہی تھی وہ ایک ہاتھ اٹھا کر مجھ سے اپنے بیٹے کی زندگی کی بھیک مانگتے لگی۔ میرا کھوتا ہوا ایک غوریت کی بے بسی دیکھ کر ٹھٹھا کر ہو گیا۔ مجھے یاد آیا کہ عورت یا بچے کو قتل کرنے کا گناہ دھرم کے نزدیک سب سے بڑا پاپ ہے۔ اس خیال کے آتے ہی میری بندوق خود بخود نیچے جھک گئی۔ میں نے ٹھٹھا کر سے کہا، ”آج کو میں جا رہا ہوں ٹھٹھا کر! لیکن آنا یا درکھنا کہ تمہارے خاندان کو ختم کیے بغیر مجھے جین نہیں آئے گا۔ باپ کی طرح اس کے دونوں بیٹوں کو بھی اپنے ہاتھوں نہ مارا تو میرا نام رام سنگھ نہیں۔“ اتنا کہہ کر میں نے اپنے بیٹے کے خون آلود کپڑے اٹھائے اور کھڑکی کو دھکیلی سے باہر نکل آیا۔

رام سنگھ اپنی کمائی سنا رہا تھا۔ ہر طرف سننے کا عالم طاری تھا۔ درگاندی کے کمانے کا ماحول پوری طرح سناٹا نہیں تھا ہوا تھا۔



رام سنگھ کا سرخ دمکتا ہوا سرخ چہرہ دیکھ کر یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ابھی ابھی جواہر سنگھ کو قتل کر کے آیا ہو۔ غصے اور جوش کی حالت میں وہ بڑی دیر تک یوں تار پاتا تھا لیکن اس کے باوجود اس کے چہرے سے ٹھنک کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھی ایک ٹک سے دیکھ رہے تھے اور گنگا بھی گم سم بیٹھی اُسی کو تنگ رہی تھی۔

ایک گھر سانس لے کر اس نے کہا: "اسی دن سے میں رام سنگھ سے ڈاکو رام سنگھ اور ڈاکو رام سنگھ سے ایک بھیا نک طوفان بن گیا ہوں۔" کئی بار تھکے یہ خیال آیا کہ اپنا بدلہ چکا دوں لیکن ہر بار درگاما کی مورتی میری آنکھوں کے سامنے آ جاتی اور کوئی انتخابی آواز مجھے ایسا قہقہہ اٹھانے سے روکتی اور تنبیہ کرتی: "نہیں رام سنگھ۔ بچوں اور عورتوں کو مارنے سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یہ پاپ ایک دن تمہارے سر پر چڑھ کر بولے گا اور تم چین کی نیند نہ سو سکو گے۔ پس اسی ایک احساس سے میں نے پس برس گزار دیے۔ شمشیر اب بچ نہیں تھا کل اسے پچیسواں سال لگنے والا تھا اور اس سے پہلے میں اسے ختم کرنے کے لیے نکل رہا تھا لیکن یہ کام تمہارے ہاتھوں سے ہو گیا اب شمشیر سنگھ کے چھوٹے بھائی کو رام سنگھ کی جان لینے کے لیے مجھے مزید تین سال انتظار کرنا پڑے گا۔" رام سنگھ نے اپنا سر پٹے دونوں گھٹنوں میں اس طرح چھپا لیا جیسے وہ نہیں چاہتا ہو کہ کوئی اس کی بھینگی ہوئی آنکھیں دیکھے۔ کافی دیر تک وہ اسی طرح اپنے انتقام کے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لیے چپ چاپ آنسو بہاتا رہا۔

اس دوران بہاری گنگا کو محبت پاش لگا ہوں سے دیکھ رہا تھا۔ جب کہ گنگا ابھی تک رام سنگھ کی کہانی کے اثر سے باہر نہیں نکلی تھی پھر بھی اس نے بہاری کی نظروں کا جواب ایک دبی مسکراہٹ سے دیا۔ اسے یہ احساس تھا کہ وہ اتنے سارے ڈاکوؤں کے درمیان ایک اکیلی لڑکی ہے لیکن اس کے باوجود اسے ان لوگوں سے کوئی خوف نہیں لگ رہا تھا۔ بہاری آنکھوں ہی آنکھوں میں اس سے اپنے دل کی بات کہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ خواہش جو گنگا کو ندی سے نکالتے کے بعد اس کے سینے میں جاگ اٹھی تھی۔ اس کا اظہار اب کھل کر اس کی آنکھوں سے ہو رہا تھا یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی آنکھیں گنگا سے پوچھ رہی ہوں: "میں نے تمہاری جان بچائی ہے میں انعام کا حق دار ہوں اور انعام

مجھے ایسا سوا انمول ہو۔

گنگا بہاری کے دل میں موجزن جذبات سے بے خبر درگیش کے خیالوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ بہاری کا خاموش بیٹھا اس کے دل تک نہیں پہنچ سکا تھا۔ "ارے، ندی کے اس کنارے دیکھو۔ کچھ لوگ ہاتھ میں جلتی مشعلیں اٹھائے کھڑے ہیں۔" گنگا نے سب کی توجہ اس جانب مبذول کرائی۔ رام سنگھ نے بھی چونک کر اپنا سر اٹھایا اب ندی کی لہروں جوش و خروش قدر سے کم ہو گیا تھا۔ بہاؤ میں بڑی حد تک چھاپا آ گیا تھا۔ دوسرے کنارے پر کچھ لوگ ہاتھ میں مشعلیں لیے ادھر سے ادھر بھاگتے دوڑتے نظر آ رہے تھے۔ رام سنگھ تھوڑی دیر تک بغور اس طرف دیکھا رہا اور پھر گنگا سے مخاطب ہوا: "لگتا ہے یہ لوگ تمہاری تلاش میں نکلے ہیں۔ شاید کسی نے تمہیں ندی میں چھلانگ لگاتے ہوئے دیکھ لیا ہو۔"

"ہاں یہ ممکن ہے۔" گنگا نے جواب دیا۔ "جب میں بھاگی تھی تو تین آدمی میرے پیچھے آ رہے تھے۔ ان کے ہاتھ میں مشعلیں تھیں۔ پس انھیں کے خوف سے میں ندی میں کود پڑی تھی۔"

"ایک طرح سے یہ تمہارے حق میں اچھا ہی ہوا، اب ان لوگوں کو یقین ہو جائے گا کہ تم ندی کے طوفان میں بہ گئی ہو۔ تمہاری تلاش کی تلاش کرنے کے بعد وہ یہ تسلیم کر لیں گے کہ تم مر چکی ہو۔ پولیس والے بھی اسی معاملے میں مبتلا ہو جائیں گے اور یہی بہتر بھی ہے۔ اب ہمیں بھی یہاں سے چل دینا چاہیے۔" بوڑھا رام سنگھ ٹھہر ٹھہر کر بولا پھر اس نے اپنے ساتھیوں کو سامان سمیٹنے کا حکم دیا اور گنگا کے سر پر ہاتھ رکھ کر بڑی شفقت سے بولا: "آؤ بیٹی تم میرے ساتھ میرے گھوڑے پر بیٹھ جاؤ۔"

"لیکن آپ کے ساتھ میں کہاں جاؤں گی داؤ؟" گنگا کی آواز میں بے چارگی کی جھلک تھی۔ "میں جہاں بھی جاؤں گی، گناہ کا لانا میرے ساتھ ساتھ رہے گا۔"

"تم اپنے آپ کو اب بھی گناہ کا رکھتی ہو؟" رام سنگھ محبت سے پوچھ رہے تھے۔ "میری طرف دیکھو۔ پولیس والے برسوں سے میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ مجھے زندہ یا مردہ گرفتار کرنے کے لیے انھوں نے انعام مقرر کر رکھا ہے۔ لیکن میں خود کو مجرم نہیں سمجھتا۔ آدمی کو پس اپنے پیدا کرنے والے کی نظر میں پانی یا حجر نہیں ہونا چاہیے۔ تم نے تو ایک برعکاس

لا بوجھ دھرتی پر سے ہلکا کیا ہے۔ چلو آؤ، جلدی سے گھوڑے پر بیٹھ جاؤ۔"

گنگا گھڑی تو ہو گئی لیکن پھر بھی اس کی آنکھوں میں یہ سوال چلتا ہی رہا۔ "لیکن میں جاؤں گی کہاں؟ کہاں مجھے آسرا ملے گا؟ کون میرا سہارا ہوگا؟"

"کچھ دنوں تک میں تمہیں کسی محفوظ جگہ پر چھپا کر رکھوں گا پھر تمہارے منگیت کو چھڑا کر اس سے تمہارا ملاپ کرادوں گا اور پھر تم دونوں مل کر فیصلہ کر لینا کہ تمہیں کیا کرنا چاہیے۔"

رام سنگھ نے اس کی آنکھوں کی اداسی کو محسوس کرتے ہوئے کہا: "گنگا کا چہرہ اچانک مسرت سے چمکنے لگا مگر اس کی آنکھوں میں امید اور ناامیدی کی ایک عجیب سی کیفیت چھائی ہوئی تھی۔

"کیا؟" اس نے چونک کر پوچھا۔ "کیا واقعی آپ اسے چھڑا لائیں گے؟"

"کیوں؟ کیا تمہیں اب بھی کچھ شک ہے؟" رام سنگھ کے ہونٹوں پر ایک پراسرار سی مسکراہٹ تھی، لیکن اس کی آواز میں گھروار نہیں تھی۔ "تم میرے انتقام میں جتنے دار بنی ہو تو کیا میں تمہارا ذرا سا کام بھی نہیں کروں گا؟ تم نے تو میرے سر سے ایک بڑا بوجھ ہلکا کر دیا ہے۔"

گنگا کی پلکیں شکر گزاری کے احساس سے جھپک گئیں۔ وہ سر جھکا کر بولی: "تب تو داؤ میں زندگی بھر آپ کا احسان نہیں بھولوں گی۔ مجھے آپ پس رام پورہ تک پہنچا دیں اس سے پہلے کہ میری ماں تک میرے بارے میں خبر پہنچے، میں وہاں پہنچ جانا چاہتی ہوں تاکہ انھیں صدمہ نہ پہنچے۔"

"بھیک ہے۔" رام سنگھ اچھل کر اپنے گھوڑے کی بلٹ پر سوار ہو گیا اور گنگا کو اپنے پیچھے بیٹھ جانے کے لیے کہا۔ جب گنگا بھی بیٹھ گئی تو وہ گھوڑے کی رکام کھینچتے ہوئے بولا: "ایک بات یاد رکھنا بیٹی! تم زندہ ہو یہ بات انھی کسی کو معلوم نہیں ہونی چاہیے۔ اپنے گاؤں میں تمہیں چھپ کر رہنا ہوگا۔"

میں اس بات کا ماں کے سوا کسی کو علم نہیں ہونے دوں گی۔ گاؤں میں میرا تو صرف ایک ماموں ہی ہے اور وہ بھی دونوں آنکھوں سے معذور رہے۔" گنگا نے رام سنگھ کو بتایا۔

"پھر بھی تمہارے ساتھ میرا ایک آدمی ہر وقت موجود رہے گا وہ گونگا ہے۔ لیکن سب کچھ سن سکتا ہے تمہیں اثر نہ دے گا۔"

خطرہ محسوس ہوا تو اسے اشارہ کر دیا وہ دو گھنٹے کے اندر اندر مجھے اطلاع کر دے گا اور میں تمہیں وہاں سے فوراً ہی نکال لاؤں گا۔" رام سنگھ نے کہا اور گھوڑے کی رکام ڈھیلی چھوڑ دی۔ رام سنگھ کے پیچھے بیٹھی گنگا سوچ رہی تھی وہ کسی انسان کے نہیں بلکہ کسی دیوتا کے سامنے میں آ گئی ہے۔ اس نے گردن گھما کر درگاندی کی جانب آخری بار نگاہ ڈالی۔ اس کی نگاہوں میں ایک عجیب سی حسرت تھی شاید وہ سوچ رہی تھی کہ آج کے بعد وہ آئندہ کبھی بھی درگاندی کو نہیں دیکھ سکے گی۔

گنگا نے کانپتے ہاتھ سے اپنے ماموں کے گھر کے دروازے پر دستک دی رات بہت اندھیری تھی اور رام پورہ گاؤں نیند کی چادر میں لپٹا سو رہا تھا۔ گنگا کو دو تین بار دروازے پر دستک دینا پڑی تب کہیں جا کر اس نے اندر سے آواز سنی۔

"کون۔۔ کون ہے؟"

گنگا اپنی ماں کی آواز پہچان گئی تھی وہ جوش اور خوشی سے چیخ کر جواب دیتے ہی والی تھی کہ اس کے قریب کھڑے ہوئے رام سنگھ نے ناک پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ گنگا نے ایک بار مٹہ سے کچھ کمٹنے کی بجائے کچھ دروازے پر دستک دی۔

"کھول رہی ہوں۔" ماں کی آواز آئی اور پھر اس کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ گنگا کے جسم میں کپکپاہٹ پیدا ہو گئی وہ ماں سے لپٹ کر کھپوٹ کھپوٹ کر رونے لگی تھی مگر اس نے ضبط کیا ہوا تھا۔ اس کے چہرے سے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اپنی پوری طاقت سے دل میں اٹھتے ہوئے طوفان کو روکنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس نے یہ کہہ کر اپنے آپ کو کھجایا کہ اگر وہ اس طرح رونے روئے تو ماں سے لپٹ گئی تو ماں کو ضرور شک ہوگا کہ کوئی ایسی ویسی بات ہو گئی ہے، پھر اس کے ہونٹوں سے نکلی ہوئی بات سارے گاؤں میں پھیل جائے گی۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے سختی سے اپنے ہونٹ بھینچ لیے اور اپنے چہرے کے تناثرات چھپانے کے لیے سر پر پٹا ہوا آٹھل نیچے پھینچ لیا۔

تب ہی اچانک دروازہ کھل گیا اور "کون ہے؟" کہہ کر ماں تری نے لائٹیں اونچی کی جو اس کے ایک ہاتھ میں تھی خوشی اور حیرت سے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "ارے بیٹی گنگا تم؟"

اس وقت؟ "سادتری کے ہاتھ میں جھوٹی ہوئی لٹلین کاپٹے لگی۔ مگر بیٹی اس وقت تو کوئی گڑی رام پورہ نہیں آتی؟" اس کے لیے میں تشویش اُبھرائی۔ لیکن جب گنگا کے برابر کھڑے ہوئے کسی اجنبی مرد پر اس کی نظر پڑی تو وہ انجانے خوف سے ہٹ کر گئی۔ "یہ کون ہے؟"

جواب دینے کے بجائے گنگا نے اپنا ہاتھ ماں کے منہ پر رکھ دیا اور دھیرے سے بولی: "میں ساری بات تمھیں بتا دوں گی ماں! مگر پہلے تم اس مہمان کو اندر آنے دے تو کہو۔"

اس سے پہلے کہ سادتری کچھ کہتی رام سنگھ دھیمی آواز میں بول پڑا: "نہیں بیٹی، صبح کا اجالا پھیلنے سے قبل ہی مجھے اپنے کھانے پر واپس جانا ہے۔ میں نے تم سے جو کہا ہے اسے یاد رکھنا۔ گوشت کو میں تمھاری حفاظت کے لیے چھوڑے جا رہا ہوں۔ وہ گوشت ضرور رہے لیکن سب کچھ سن سکتا ہے خطرے کا احساس ہوتے ہی تم اسے صرف اشارہ کر دینا پھر وہ سب سنبھال لے گا۔" اتنا کہہ کر رام سنگھ مڑا اور اپنے پیچھے کھڑے ہوئے گونگے کو تاکید کرتا ہوا بولا: "موبہن! یہ گھوڑا میں تمھارے لیے چھوڑے جا رہا ہوں تم گنگا کی سگی بہن کی طرح حفاظت کرنا۔" پھر دیکھتے ہی دیکھتے رام سنگھ اندھیرے میں غائب ہو گیا اور گنگا تشکر آمیز نظروں سے تار سخی کو گھورتی رہی۔ دفعۃً اس کی ماں نے اس کا کندھا ہلکا کر کے چونکا دیا: "مجھے بتاؤ سہی کہ یہ سب کیا ہے؟ میرا تو بچہ ہلکا ہو رہا ہے۔"

گنگا چونکی تو اسے خیال آیا کہ اس طرح دروازے پر دیر تک کھڑے رہنا مناسب نہیں ہے اس نے جلدی سے گونگے کو گھونٹے سمیت اندر آنے کا اشارہ کیا۔ گونگا اپنا گھوڑا لے کر اندر آ گیا، تو گنگا نے دروازہ فوراً ہی بند کر دیا۔ پھر جلدی سے گونگے کے لیے آنگن میں چار پائی بچھانے لگی۔ چار پائی ڈال دینے کے بعد وہ اندر گئی اور پائی کا ایک ٹوٹا بھر لائی مگر اتنی دیر میں تو گونگا جیسے گری نیند سوچکا تھا۔ یہ دیکھ کر گنگا کو بڑی حیرت ہوئی۔ وہ سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ آخر اس دیہاتی کو رام سنگھ نے اس کی حفاظت پر کیوں مقرر کیا ہے؟ لیکن پھر فوراً ہی اس کے دل نے اس سوال کا جواب دے دیا: "رام سنگھ کا کوئی کام کچا نہیں ہوتا۔ تم سے زیادہ گونگے کو جانتا ہے۔ شاید

اس نے ہی سوچ کر اسے یہاں چھوڑا ہو گا کہ اتنے سیدھے سادھے دیہاتی آدمی کو دیکھ کر کسی کوئی شک نہ ہو۔" گنگا: "ماں نے پھر اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی۔ اب اندر آ جا مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔ انجانے لوگوں کے ساتھ تمھارا اس طرح اچانک آنا کوئی دیکھ نہ لے۔ آواز میں باتیں کرنا اور اس آدمی کا یہاں رک جانا، آخر کیا ہے؟ سب خیریت تو ہے نا؟ مگر تم اکیلی ہی کیوں آئی؟ شیو کو اپنے ساتھ کیوں نہیں لائیں؟"

ماں کی بے چینی کو محسوس کر کے گنگا نے اس کی کلائی تھام لی اور کہا: "اندر چلو، میں سب سمجھا دوں گی۔" سادتری نے اپنے اندھے بھائی کے کمرے میں جھانکا اور پلٹ کر گنگا سے کہنے لگی: "بیٹی میرا کلیجہ کاٹ رہا ہے اب جلدی سے بتا دو بات کیا ہے؟" لیکن گنگا کچھ کہنے سے قبل ہی سسک سسک کر رو پڑی یہ دیکھ کر سادتری کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا وہ گنگا کو خاموش رہنے کی تلقین کرتے ہوئے بولی: "اب جلدی سے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر دے۔ بتا دے بیٹی کچھ کیا ہوا ہے؟"

گنگا نے اپنی سسکیاں روکیں اور دھیمی آواز میں اپنی آپ بیتی سنادی۔ گنگا کرشمہ شیر سنگھ کے قتل کے حالات سن کر سادتری کا دل جیسے اچھل کر اس کے حلق میں آ گیا۔ بیٹی کی آنکھیں سوکھ گئیں تو اب اس کی آنکھوں میں پانی بھر گیا تھا: "بہ رام! یہ کیا ہو گیا؟ تم کتنے دنوں تک چھپ چھپا کر رہ سکو گی؟" یہ کہہ کر اس نے گنگا کو اپنے سینے سے لپٹا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی: "ماں! آہستہ بولو کیسے ماما جاگ جائیں۔ ان کی آنکھیں نہیں ہیں" اس لیے کچھ عرصے تک جھوٹ بھجوا جائے گا۔ گنگا نے بھڑائی ہوئی آواز میں کہا۔

تھیک اُسی لمحے اندھے مراری کی آواز آئی: "یہ کون آیا ہے سادتری؟"

اپنے اندھے بھائی کو دروازے کی چوکت پر کھڑا دیکھ کر اس کی ہچکیاں بند ہو گئیں اور آنسو رگ گئے۔ گنگا بھی کچھ کھل گئی۔ سادتری نے ہمت کی اور اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی: "بھیا! میرے گاؤں کے پڑوسی آئے ہیں۔"

اب گاؤں بہت دیر سے پہنچی ہے۔ چلتے وقت گنگا نے ان سے کہا تھا کہ رام پورہ جا رہے ہو تو میرے ماما کے گھر ایک رات ٹھہر جانا۔ اس لیے دونوں کھائی بہن یہاں آ گئے ہیں۔ میں ان سے گھر کی خیریت پوچھ رہی تھی۔ سادتری نے بڑی ہوشیاری سے جھوٹ بول کر اپنے اندھے بھائی کو ٹالتے کی کوشش کی۔

اندھا مراری لال دو چار بار ہوا میں ہاتھ گھماتا ہوا دو قدم آگے بڑھا اور پھر رک کر بولا: "جھوٹ کیوں بول رہی ہو بہن؟ اندھا ضرور ہوں لیکن بہن نہیں ہوں۔ گنگا کی آواز سینکڑوں میں پہچان سکتا ہوں۔"

یہ سن کر دونوں ماں بیٹی نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے ہوئے اندھے ماما کے پر سے جب زمین پر گھسی ہوئی لٹلین ٹکرائی تو گنگا نے لپک کر اپنے ماما کا بازو تھام لیا۔ اندھا مراری لال کھو کر کھاکر سنبھل گیا لیکن اس کے ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ بول لگ رہا تھا جیسے اپنی انگلیوں کے لمس سے وہ گنگا کو پہچان چکا ہے۔ پھر لپکا ایک اس کا ہاتھ گنگا کے سر پر اتر گیا۔ "میری بھانجی کے سوا اور کون ایسا ہے جو اس طرح دوڑ کر مجھے تھام لیتا؟" اندھا مراری لال بڑی حجت سے مسکراتا ہوا بولا: "بیٹی میں نے تیری ساری باتیں سنی ہیں، اپنی ابرویں حفاظت کے لیے اگر تیرے ہاتھوں سے کسی کا خون ہوا ہے تو میں اسے گناہ یا جرم نہیں سمجھتا۔"

"ما... ماما..." اندھے ماما کا خلوص اور محبت دیکھ کر گنگا کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا وہ تقریباً روہانسی آواز میں بولی: "میری وجہ سے آپ کو، ماں کو اور شیو سب کو پریشان ہونا پڑے گا۔ مجھے تو چاہیے تھا کہ میں آپ دونوں سے مل کر رام سنگھ داؤ کے ساتھ یہاں سے چلی جاتی۔"

"بھگوان پر سب کچھ چھوڑ دے بیٹی!" ماما نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے تسلی دی: "ہزار ہاتھ سے سارے جہان کی حفاظت کرنے والا اور پیٹھا ہے۔ جو کچھ بھی ہو گا اسی کی مرضی سے ہو گا۔ جا، جا کر آرام سے سو جا۔" اتنا کہہ کر وہ واپس پلٹے پلٹے رکا اور سادتری سے بولا: "سادتری بہن مجھے والے اگر صبح پوچھیں تو کہہ دینا ہم نے نئے کرائے دار رکھے ہیں اور گنگا

تم بھی ہوشیار رہنا گاؤں والوں کی نگاہوں سے خود کو بچائے رکھنا۔" "یہ سب کتنے دنوں تک چلے گا ماما؟" گنگا کا یقین دہانے لگا تھا۔ "تھوڑے دنوں بعد پولیس مجھے تلاش کرتی ہوئی یہاں بھی پہنچ جائے گی تب؟"

مراری لال تھوڑی دیر تک چپ چاپ کھڑا رہا۔ گنگا کی بات میں معقولیت تھی وہ جانتا تھا کہ قانون کے ہاتھ بہت لمبے ہوتے ہیں۔ جن کی گرفت سے بچنا اتنا آسان نہیں ہوتا جتنا لوگ سمجھ لیتے ہیں۔

کمرے میں گہرا سناٹا طاری تھا وہ تینوں ہی اپنی اپنی جگہ گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ چند ساعتوں تک خاموش رہنے کے بعد مراری لال کی آواز گنگا اور سادتری کی سماعت سے ٹکرائی۔ وہ بہت دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا: "اگر ایسی بات ہے بیٹی! تو ہم یہ گھر بیچ کر کہیں اور چلے جائیں گے اور تمھاری ماں کو درگا پور واپس بھیج دیں گے۔ تاکہ کسی کو کوئی شک نہ ہو سکے۔" مگر پھر شیو کا کیا ہو گا؟ گنگا نے پوچھا۔

"اس کا بھی کچھ نہ کچھ انتظام ہو ہی جائے گا۔" مراری لال کے پاس اس سوال کا کوئی ٹھوس جواب نہیں تھا۔ اسی لیے بات کو سمجھانے کی ضرورت پیش آ گئی تھی۔ کتنی ہی الجھنیں اُسی ہوتی ہیں جن کا سدباب آپ ہی آپ ہو جاتا ہے کوئی نہ کوئی راستہ نکل ہی آتا ہے۔ اتنا کہہ کر اندھا مراری لال ٹٹوٹا ہوا اپنے کمرے کے اندر چلا گیا۔

گھر میں تنہا رہ جانے والا شیو ساری رات نہیں سو سکا تھا۔ جس طرح کوئی بلی کبوتر کو بکڑ کر اس کے پر نوچ دیتی ہے بالکل اُسی طرح شیو کی زندگی کے ننھے ننھے چرچھے وقت کے ظالم ہاتھوں نے نوچ ڈالے تھے۔ وہ اپنی دیدی کو یاد کر کے روتا رہا اپنی مجبوری اور لاچارگی پر آنسو بہاتا رہا۔ وہ سوچتا رہا کہ اگر آج وہ جوان ہوتا تو نہ جانے اب تک کیا کچھ کر چکا ہوتا۔ دیدی کو ندی کا طوفان بہا کر لے گیا ہے، یہ بات اس نے سنا سنا قبول نہیں کر رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ درگا ماما ضرور کوئی کرشمہ دکھائے گی اور اس کی بہن کو بچائے گی۔ وہ خود کو سمجھاتا رہا تھا لیکن کچھ بھی آنکھیں خشک نہیں ہو سکتیں۔

درگیش کے بتا دین دیال کی حالت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ جوان بیٹا خون کے جھوٹے مقدمے میں پھنس کر پوئیس چوکی میں بند پڑا تھا اور ہونے والی ہو بھی قتل کے جرم میں پھنس کر بہتی ندی میں کود پڑی تھی۔ بھگوان اُسے نہ جانے کس جرم کی سزا دے رہا تھا۔ ماضی کا ایک ایک منظر بار بار اس کی آنکھوں میں گھومتے لگتا اس منظر کے یاد آتے ہی اس کے اندر ایک پھٹا واسا جاگ جاتا۔۔۔ ہے بھگوان میری ایک بھول کی تم مجھے اتنی بڑی سزا دے رہے ہو؟ کیا تمہارے دربار میں بھی ایسی ہی نا انصافی ہوتی ہے؟

شیو کو اُس نے رات اپنے ہی پاس سلایا تھا اس پتے کا رونا اس سے دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ رات کسی طرح گزر گئی تو صبح کو اس نے شیو کو تسلی دی۔ کئی بڑے بڑے لوگوں کے قحے اس نے سنا۔ جن پر اس سے بھی بڑی بڑی مصیبتیں نازل ہوئی تھیں مگر انھوں نے بہادری سے ان آفتوں کا مقابلہ کیا تھا اس نے شیو کو سمجھایا تھا، جو ہمت سے کام لیتا ہے تو اس کی مدد بھگوان ضرور کرتا ہے۔

ایچانک محوس دتارام ایک خبر سے کر حاضر ہو گیا۔ وہ آتے ہی بولا۔ ”آج سچ سویرے ہی پوئیس کو ندی کنارے سے گنگا کی ساری ملی ہے۔“

یہ سن کر دین دیال اور ننھے شیو کی آنکھیں پھیل گئیں۔ لیکن دتارام تو ان کا کلیجا پھلنی کرنے آیا تھا۔ وہ جلتی پرتلی چھڑکتے ہوئے بولا۔ ”پوئیس اب گنگا کی لاش تلاش کر رہی ہے گو کہ اس کی زندگی کی اب کوئی امید نہیں ہے مگر پھر بھی رانی ماں نے اس کو زندہ یا مردہ گرفتار کرانے والے کو پانچ ہزار روپے انعام دینے کا اعلان کیا ہے۔“

شیو کی رہی سہی ہمت بہن کی موت کا سن کر ٹوٹ گئی اور وہ ہلک کر رونے لگا۔ دین دیال کی آنکھوں میں بھی پانی پھر آیا تھا یہ دیکھ کر دتارام نے بوڑھے دین دیال کو جھجھکاتے ہوئے کہا۔ اب ان مگر مجھے اُس سوؤں سے کیا ہو گا؟ بھگوان نے بیٹے کی وجہ سے ہی تو میری بھتیجی کو یہ پاپ بھوگنا پڑا ہے۔ ہماری سات پشتوں کو بدنام کر کے وہ خود تو ڈوب گئی لیکن ساتھ ساتھ ہمارے خاندان کی عزت کو بھی ڈبا گئی۔“

دتارام کے منہ سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ دین دیال کے سینے

میں تیر کی طرح بیوست ہو رہا تھا مگر وہ چپ چاپ سر جھکا کر اس کا ہر شتر برداشت کرتا رہا۔ اسے خاموش دیکھ کر دتارام بھی چپ ہو جانا پڑا گنگا کی موت پر اسے کوئی دکھ نہیں تھا۔ وہ دل ہی دل میں اس کی موت پر خوش ہو رہا تھا۔ وہ جانتا تھا اگر گنگا زندہ رہتی تو ضرور پکڑی جاتی اور پکڑی جاتی تو اس کا نام بتائے بغیر نہ رہتی۔ پھر شاید وہ بھی اس کیس میں پھنس جاتا۔ پوئیس اسے بھی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیتی۔ وہ پوئیس سے بہت ڈرتا تھا۔

”چلو شیو! آج رات کی گاڑی سے تمہیں رام پورہ چھوڑنا ہے۔ ساد تری بھائی کو یہ خبر دیتے وقت میری زبان میرا ساتھ نہیں دے گی۔ مگر کیا کیا جائے۔۔۔ فرض ادا کیے بغیر کوئی چارہ بھی تو نہیں ہے۔ بے چارے پر تو آفت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں ایسے وقت میں اور کون ہے جو اس کی دیکھ بھال کرے گا؟“ یہ کہتے ہوئے دتارام نے جذباتی ہونے کی کوشش کا لیکن اس کی اندرونی خوشی نے اس کی آواز کا ساتھ نہیں دیا۔ اسے اپنے آپ پر غصہ آگیا اور وہ پیر پٹختا ہوا باہر چلا گیا مگر جاتے جاتے وہ شیو سے کہ گیا۔ ”اپنے کپڑوں کی تھیلی تیار کر لینا ہم شام ہی کو رام پورہ کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔“

دم توڑتی ہوئی شام کو بوڑھا دین دیال اپنے گھر میں گھم رہا تھا۔ دفعۃً اس کی سماعت سے ایک آواز ٹکرائی۔ ”میں آگیا ہوں بالو۔“ سوچ میں ڈوبا ہوا دین دیال آواز سن کر چونک پڑا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ شاید بے درپے حد مہات کی وجہ سے اس کا ذہن مآوٹ ہو گیا تھا۔ جب درگیش نے جھک کر اسے سلام کیا، تب بھی اسے یقین نہیں آیا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے وہ دن میں خواب دیکھ رہا ہے۔

”بالو تم کچھ بولتے کیوں نہیں؟ کیا مجھ سے ناراض...؟“ درگیش نے دین دیال کا کندھا ہلایا تو بیٹے کے ہاتھ کے لمس سے وہ چونک پڑا تھوڑی دیر تک اس کی گردن ہلتی رہی اور بالکیں جھپکائے بغیر وہ ایک ٹک اسے دیکھتا رہا۔ بیٹا... بیٹا... تم... ”تم حراست سے چھوٹ کر آ گئے؟“ دین دیال کی آواز خیرت اور خوشی سے لرزے لگی۔ ”لیکن تمہیں آنے میں دیر ہو گئی۔“

دین دیال یہ کہہ کر ہلک پڑا۔

”بالو! میں رہا ہوں کہ نہیں ضمانت پر آیا ہوں۔“

”ضمانت پر...؟ دس ہزار روپے کی ضمانت کس نے دی؟“ دین دیال نے حیرت سے کہا۔ وہ دھیرے سے بولا۔ ”کیوں بالو بھول گئے؟ ارے تم نے ہی تو گاؤں کے ساہوکار کو میری ضمانت کے لیے بھیجا تھا وہ آدمی میرے لیے انجان تھا۔“

”میں نے؟“ بوڑھے دین دیال کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ ارے بیٹا تیری ضمانت کے لیے میں نے تونہ جانے کتنے ساہوکاروں کے پیروں میں پکڑی رکھی تھی۔ اگر یہ ضمانت پہلے ہو جاتی تو ہم پر ایسی مصیبت کبھی نہ آتی۔ گنگا بے چاری کو یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔“

درگیش پریشان لہجے میں بولا۔ ”تو پھر مجھے ضمانت پر رہائی دلائے والا کون تھا؟ میں نے اس کا نام دیتا بھی نہیں پوچھا تھا۔ اپنے ساتھ اسے گھر آنے کے لیے کہا تو اس نے انکار کر دیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میرے لیے دس ہزار کی نقد ضمانت دینے والا آخر کون ہے؟“

”بیٹا مجھے تو اس میں کوئی گمراہ رنگ رہا ہے۔“ دین دیال نے خند شظا ہر کیا اور سر جھٹک کر کچھ سوچتے لگا۔ ماضی کا گزرا ہوا واقعہ اسے یاد آنے لگا اور اپنے دل کا بوجھ بڑھتا ہوا محسوس ہوا۔ ”نہیں نہیں، یہ ممکن نہیں ہے۔“ اس نے دل ہی دل میں اپنے آپ کو سمجھایا۔ اس راز کی میرے سوا کسی اور کو خبر ہی نہیں ہے میں بے کاری وہم کا شکار ہو رہا ہوں۔ مجھے تو ایسی باتیں نہیں سوچنی چاہئیں۔“

”درگیش بھیا! درگیش بھیا!“ اچانک شیو چلا آ ہوا باہر سے آیا۔ پاس آتے ہی وہ درگیش سے لپٹ گیا۔ ”آپ آگئے بھیا! اب ہم لوگ ویدی کو ضرور ڈھونڈ نکالیں گے۔“

درگیش ابھی تک جس ہمت کے سہارے کھڑا تھا وہ ہمت شیو کے ان الفاظ کو سن کر ٹوٹ پھوٹ سی گئی گنگا کے بارے میں وہ باہر سے بہت کچھ سن کر آیا تھا پھر بھی دل مضبوط رکھ کر وہ اندر آ گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ وقت بحث کرنے کا نہیں ہے۔ اس نے دل ہی دل میں یہ سوچ رکھا تھا کہ وہ پل بھر کے لیے بھی گنگا کے بارے میں غلط نہیں سوچے گا۔ اس کی محبت اگر سچی ہے تو گنگا کو کوئی آپس نہیں آئے گی۔ لوگ چاہے کچھ بھی کہیں اور پوئیس جو چاہے سمجھے، لیکن گنگا کے خلاف وہ کوئی ایسی

وہی بات اپنے دل میں آنے ہی نہیں دے گا۔ شیو کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے درگیش نے اپنے آپ سے کہے ہوئے اس عہد کو دل ہی دل میں دہرایا اور پھر اسے تسلی دیتے ہوئے بولا۔ ”نکرنہ کرو شیو، ہم تمہاری ویدی کو ضرور ڈھونڈ نکالیں گے۔ عزت بچانے کے لیے اگر اس کے ہاتھوں سے ٹکھا کر کا خون ہوا بھی ہے تب بھی وہ بے قصور ثابت ہو گی اور تجوری لوٹنے کا الزام بھی جھوٹا ثابت ہو گا۔ میں، تمہاری ویدی کے بارے میں ایسی غلط بات سوچ نہیں سکتا۔“

اس کے ہمت افزا جواب سے شیو کی آنکھوں میں امید کی چمک سی لہر گئی۔ وہ درگیش کی جانب دیکھ کر بولا۔ ”ڈاکٹر بھیا! آپ میرے ساتھ آج ہی رام پورہ چلیں۔ آپ کے سوا میری ماں کو اور کوئی نہیں سمجھا سکے گا وہ بے چاری...“ کہتے کہتے شیو کا لہجہ اداس ہو گیا۔

درگیش نے اس کی بیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”ہم لو جانے کی تو خواہش میرے دل میں بھی ہے۔ میں جانتا ہوں ساو تری چاچی کا دل کتنا بے چین ہو رہا ہو گا، مگر شیو ابھی مجھے پوری طرح رہائی نہیں ملی ہے۔ میں ضمانت پر چھوٹ کر آیا ہوں۔ کل سے مجھ پر بدلت میں مقدمہ شروع ہونے والا ہے اور جب تک مقدمہ ختم نہیں ہو جاتا میں اس گاؤں سے باہر نہیں جاسکتا۔ اگر اس کی خلاف ورزی ہوئی تو میری ضمانت دینے والے پر مصیبت آجائے گی اور اس پر دھوکا دہی کا الزام لگ جائے گا۔“

”تمہاری ضمانت دینے والا...؟ اچانک دتارام چخچھا ہوا اندر داخل ہوا اور درگیش کو گھورتے ہوئے غمزایا۔ ”وہ کون ہے جس نے تمہاری ضمانت دی؟“

درگیش کو دتارام کا یہ انداز قطعی پسند نہیں آیا۔ وہ اس کے خلاف اپنے من میں اُبلتے ہوئے غصے کو نہ روک سکا اس لیے تلخ لہجے میں بولا۔ ”اس سے تمہارا کیا کام ہے؟ دنیا میں ہر انسان سکارا و فریبی نہیں ہے۔ ہم ویدی کا جذبہ بھی اکثر دلوں میں ہوتا ہے۔ ہر شخص تمہاری طرح مطلبی نہیں ہوتا دتارام چاچا۔“

درگیش کی بات معقول تھی لہذا دتارام خاموش ہو گیا۔ اس کی ذہنیت انتہائی شاطر تھی۔ آخر کار وہ سوچتے ہوئے بولا۔

”تو پھر اس سہا پش آدمی کا نام بتاتے میں تمہیں کیا عذر ہے؟“  
 ”میں خود بھی اس شخص کا نام نہیں جانتا۔ اور اگر جانتا  
 بھی ہوتا تب بھی تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں محسوس کرتا۔“  
 درگیش کے لہجے میں یہ دستور تلخی تھی۔

”مجھے کچھ جانتے کی ضرورت بھی نہیں ہے یہ تو اتنی سیدھی  
 سی بات ہے کہ ایک کم سن بچہ بھی آسانی سے اسے سمجھ سکتا ہے۔“  
 دتارام نے ہوشیاری سے وار کیا۔ ”تمہیں ضمانت پر چھڑاتے کے  
 لیے کل شام گنگا کھٹا کر کی تجوری سے نقدی اور زیورات چرا کر  
 لے گئی تھی۔ یہ بات تو گاؤں کا ہر شخص جانتا ہے اور آج تم  
 بھی ضمانت پر رہا ہو کر آگئے ہو۔ اس کا مطلب اس کے سوا  
 اور کیا ہو گا کہ کھٹا کر کی تجوری تمہاری ضمانت کے لیے ہی صاف  
 کی گئی تھی۔“

”کیا مطلب؟“  
 ”مطلب یہ کہ تم چوری کے پیسے سے ہی رہا ہوئے ہو۔“  
 دتارام بولا۔

”چاچا! درگیش چیختا چاہتا تھا لیکن اس کی آواز نے  
 اس کا ساتھ نہیں دیا۔ دین دیال کو بھی دتارام کی اس بات  
 نے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ کیا واقعی گنگا نے درگیش کی ضمانت  
 کے لیے کھٹا کر شمشیر سنگھ کی تجوری لٹی تھی؟“

”میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتے درگیش؟“ دتارام  
 طنز یہ لہجے میں بولا۔ ”تم لوگوں کو تو خوش ہونا چاہیے، اس بات  
 سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ گنگا زندہ ہے جب نندی کنارے سے اس  
 کی چھٹی ہوئی ساری ملی تھی تب ہی میں سمجھ گیا تھا کہ یہ شخص پولیس  
 کو دھوکا دینے کی ایک چال ہے۔“

”بھگوان کرے گنگا زندہ ہو۔“ درگیش ایک لمبا سانس  
 لے کر بولا۔ ”اور جہاں بھی ہو خیریت سے ہو۔ پولس اس کا کچھ بھی  
 نہیں بگاڑ سکتی اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کے لیے اگر کسی عورت  
 کے ہاتھوں قتل ہو جائے تو بھی تانوں اسے جرم نہیں گردانے  
 گا۔ گنگا بے قصور ہے اور میں اسے عدالت میں بھی بے قصور  
 ثابت کر لوں گا۔“

دتارام نے ایک قہقہہ لگایا اور بولا۔ ”پہلے تو تم اپنے آپ  
 کو بے قصور ثابت کر کے دکھاؤ پھر گنگا کی نکر کرنا۔“ یہ کہہ دتارام  
 نے شیو کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے کھینچ کر لے جاتے ہوئے بولا۔ ”چل“

گاڑی کا وقت ہو گیا ہے۔“

شیو کچھ بول کھلا سا گیا تھا اس لیے وہ کچھ کہے بغیر اپنے  
 چاچا کے ساتھ چل تو پڑا لیکن جاتے جاتے وہ درگیش سے کہتا  
 گیا۔ ”درگیش بھیا آپ رام پور ضرور آئیے گا۔“

دروازے پر جب بھی دستک ہوئی، ساوتری کا دل  
 اچھل کر اس کے حلق میں آ جاتا تھا۔ ہر بار اسے یہی لگتا جیسے گنگا  
 کو تلاش کرتی ہوئی پولیس باہر آ پہنچی ہے۔ گنگا کو یہاں رکھنے  
 میں کتنا خطرہ تھا اس کا دہائی دن میں اندازہ ہو گیا تھا۔ دوسرا  
 کوئی راستہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اس بار بھی کسی نے  
 دروازہ کھٹکھٹایا تو وہ ڈر گئی اور دھیمی آواز میں گنگا سے بولی۔  
 ”میں جا کر دروازہ کھولتی ہوں تم اندر جا کر کہیں چھپ جاؤ۔“  
 اتنا کہہ کر وہ بوجھل قدموں سے چلتی ہوئی دروازے کی طرف  
 بڑھتے لگی، لیکن جب دروازہ کھلا تو اس کا دل خوشی سے اچھل  
 پڑا۔ اسے یسا تم ہے کہ اس نے جھٹ شیو کا ہاتھ پکڑ کر  
 اندر کھینچ لیا۔

”ماں دروازہ بند نہ کرنا دتارام چاچا بھی آ رہے ہیں  
 شیو نے ماں کو دروازہ بند کرتے دیکھ کر جلدی سے کہا۔  
 دتارام کا نام سن کر ساوتری کا چہرہ زرد پڑ گیا، اسے ڈر تھا  
 اگر دتارام کو گنگا کی موجودگی کا احساس ہو گیا تو وہ پورے  
 گاؤں میں یہ بات پھیلا دے گا۔

”کیا وہ تجھے چھوڑنے آئے ہیں؟“ ساوتری نے دھیرے  
 سے پوچھا۔

”ہاں، کہتے تھے کہ رات کی گاڑی سے واپس درگا پور چلا  
 جاؤں گا۔“ عین اسی وقت دتارام ادھر کھلے دروازے میں سے  
 جھانکتا ہوا بولا۔ ”کیا حال ہے بھابی؟“

”اُسے دیکھتے ہی دونوں ماں بیٹے چپ ہو گئے۔ ساوتری  
 اپنے سر پر آنچل ڈالتی ہوئی جلدی سے بولی۔ ”آؤ دتارام بھیا آؤ۔“  
 ساوتری نے تو ادبیری دل سے کہا۔

دتارام بھی شاید سمجھ گیا تھا اسی لیے بولا۔ ”بھابی! میں اندر  
 بیٹھنے کے لیے نہیں آیا ہوں۔ میں تو شیو کو چھوڑنے کے لیے آ گیا  
 تھا۔“ کہتے ہوئے وہ دروازے کے اندر داخل ہو گیا۔ ساوتری  
 نے مٹہ لگا کر دروازہ بند کر دیا۔ اور پھر رو ہانسی آوازیں بولی۔

”اندرا آجاؤ مجھے سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔ بھگوان ہماری عزت  
 کی لاج رکھنا۔“ وہ ہاتھ اٹھا کر بھڑائی ہوئی آواز میں بولی۔  
 ”گھر کی عزت تمہاری بیٹی نے نیلا کر دی ہے۔ گنگا نے پورے  
 فاندان کی عزت پر بٹ لگا دیا ہے۔“ پیچھے پیچھے اندر کی طرف  
 آتے ہوئے دتارام کی آواز جیسے افسردہ ہو گئی تھی۔

ساوتری نے سیر پھیاں چڑھتے ہوئے پلٹ کر اس کی  
 طرف دیکھا اور کہا۔ ”ذرا آہستہ بولو بھابی! پورے گاؤں کو سنائے  
 کی ضرورت نہیں ہے۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔“  
 ”لیکن بھابی، اب تو گاؤں میں کیا؟ ساری دنیا کو اس  
 بات کی خبر ہو گئی ہے۔“ دتارام دھیمی آواز میں بولتا ہوا  
 ساوتری کے پیچھے کمرے میں داخل ہو گیا۔ ”تمہاری بیٹی نے  
 ناک کٹوا دی ہے ناک!“

دتارام کی آواز سن کر پردے کے پیچھے کھڑی ہوئی  
 گنگا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ شیو کے آنے کی جو خوشی ایک پل کے  
 لیے اس کے دل میں ابھری تھی، وہ ایک عجیب سے خوف  
 کے نیچے دبی چلی جا رہی تھی۔ دتارام کی آواز اس کے کانوں  
 میں بڑی تو وہ دانت پیسن کر رہ گئی تھی۔ وہ سوچ رہی  
 تھی کہ اس کی ماں اور اندھا ماما تو چپ چاپ رہ کر دتارام  
 کا طنز برداشت کر لیں گے لیکن وہ یہ سب کچھ کیسے برداشت  
 کرے گی؟ اس وقت رام سنگھ کا گونگا سا تھی اپنے گھوڑے کو  
 لے کر باہر گیا ہوا تھا لیکن جب وہ واپس آئے گا تو دتارام  
 کے کمرے سے اس کے خلاف اس قسم کی باتیں سن کر اس سے الجھ  
 پڑے گا۔ بہت اچھا ہوا جو اس وقت گونگا گھر میں موجود نہیں  
 ہے۔ شاید اسے دیکھ کر دتارام کچھ اور بکواس بھی کرتا۔

”تمہارے لیے نہانے کا پانی غسل خانے میں رکھوا دوں؟“  
 ساوتری نے اپنے دیور سے کہا۔

”میں پہلے ہی بتا چکا ہوں بھابی! اب اس کی ضرورت ہی  
 کیا ہے؟“ دتارام نے لہجے میں بولا۔

اس کی باتیں سن کر گنگا سے ضبط نہیں ہو سکا، وہ پانی کا  
 ٹوٹے کر کمرے میں داخل ہوئی لیکن اپنے چہرے سے لمبا گھٹکھٹ  
 نہیں ہٹایا تھا۔ دتارام کی نظر خود بخود اس کی طرف اٹھ گئی۔ اس  
 نے آہستہ سے کہا۔ ”بھابی! یہ عورت کون ہے؟ کہیں تمہارے  
 اندر سے بھائی نے دوسری شادی تو نہیں کر لی؟“

ساوتری غصے سے کانپ اٹھی۔ ”یہ تم کیا المی سیدھی باتیں  
 کرنے لگے ہو؟ یہ تو ہمارے کرائے دار کی بہن درگا ہے۔“

”اوہ“ دتارام ہنستے ہوئے بولا۔ ”تو پھر اسے بتا دو کہ میں  
 تمہارا بھائی ہوں۔ مجھ سے پردا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟“  
 دتارام نگاہ کا اچھا نہیں تھا، وہ غیر عورتوں کو دیکھ کر  
 اپنا دل خوش کر لیا کرتا تھا۔ لیکن اس بار اسے موقع نہیں ملا،  
 کیونکہ چہرے پر گھونگھٹ ڈالے جو عورت دروازے پر کھڑی تھی  
 وہ اس کے قریب نہیں آئی۔ اس نے دروازے پر کھڑے ہوئے  
 شیو کے ہاتھ میں لوٹا تھا دیا اور خود دیوار کی طرف مٹہ کر کے  
 کھڑی ہو گئی۔ ٹھیک اسی وقت اندھا ماما بھی پوچھا پاٹ سے  
 فارغ ہو کر ٹوٹتا ہوا وہاں آ پہنچا۔ اس کے آتے ہی کمرے میں  
 تھوڑی دیر کے لیے سناٹا چھا گیا۔

گنگا کو کھٹا کر کا خون کر کے اس کی تجوری لٹنے کی کیا ضرورت  
 تھی؟“ دتارام طنز یہ لہجے میں بولا۔

یہ سن کر گنگا کے رونگھٹے کھڑے ہو گئے۔ ساوتری اور  
 اندھا ماما بھی اس نئی بات کو سن کر بول کھلا گئے تھے۔ دتارام  
 ان کی بول کھلاہٹ سے دل ہی دل میں خوش ہوتا ہوا بولا۔ ”تمہیں  
 علم نہیں ہے بھابی۔ اخباروں میں ساری کمانی آپ کی ہے۔“  
 لیکن تمہیں بھلا اخبار پڑھنے کی عادت کماں ہے اور آپ کے  
 یہ مرامی لال بھائی تو بے چارے۔۔۔“

”دتارام تمہیں جو کہتا ہے وہ جلدی سے کہہ ڈالو۔“ اندھا  
 ماما لال پتلی بار غصے سے بولا۔ ”بات کو توڑ مروڑ کر پیش مت  
 کرو میری بھانجی کے خلاف کوئی ایسی ویسی بات کرنے سے پہلے  
 اچھی طرح سوچ لو کہ اس کا ماما ابھی زندہ ہے۔“

”میں کوئی ایسی ویسی بات نہیں کرتا۔ یہ بات تو سارا درگا پور  
 کہہ رہا ہے۔“ دتارام ادبھی آواز میں بولا۔ ”کھٹا کر شمشیر سنگھ کی  
 ٹوٹی ہوئی تجوری میں نے اپنی آنکھ سے دیکھی ہے اگر تمہیں  
 بھی یقین نہ ہو تو پوچھ لو اپنے بیٹے سے۔“ اس نے شیو کی طرف  
 اشارہ کیا۔

”لیکن گنگا ایسا کبھی نہیں کر سکتی۔“ ساوتری جلدی سے  
 بولی۔

”نہ کرنے والا ہر کام وہ کر چکی ہے بھابی!“ دتارام نے  
 ایک اور ضرب لگائی۔



”وہ درگیش کی خاطر یہ ذلیل کام کر چکی ہے۔ پھر وہ ڈر کے مارے بھاگ کھڑی ہوئی اور بعد میں ندی میں کود پڑی پولیس اس کی لاش تلاش کر رہی ہے۔ اس کی لاش مل گئی تو شناخت کے لیے کسی وقت بھی درگا پور آنا پڑے گا۔“ دتارام کے خاموش ہوتے ہی کمرے میں بھڑکی دیر تک سناٹا چھا گیا۔

گنگا جیتی جاگتی گھر میں موجود تھی اس کا اگر یقین نہ ہوتا تو گنگا کی ماں اور اندھا ماما دونوں ہی اس خبر سے پریشان ہو جاتے۔ سادو تری کسی بھی طرح سے دتارام کا منہ بند کر کے اسے جلد سے جلد درگا پور کے لیے روانہ کر دینا چاہتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ جب تک دتارام گھر میں موجود رہے گا اس وقت تک وہ کسی کو چین سے بیٹھنے نہیں دے گا اسی لیے اسے بناوٹی غصے اور انسوؤں کا سہارا لے کر کنا پڑا۔

”دتارام بھائی اب تو میں اس لڑکی کا مرا ہوا منہ بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔“

اپنی ماں کی زبان سے یہ سن کر ننھا شیو چونک پڑا۔ اس سے برداشت نہیں ہوا تو وہ ماں سے بولا: ”میں ماں! دیدی بالکل بے تصور ہے۔ چاہا آپ کو جھوٹی سچی کہہ کر بھڑکار رہے ہیں۔ دیدی تو تمہارے پاس آنے کے لیے گھر سے نکلی تھی، لیکن حرام خور ٹھاکر اسے راستے سے اٹھائے گیا۔“

”ارے اب تو تو چپ بیٹھ۔“ دتارام غصے سے بولا: ”گنگا ہے تو بھی بڑا جھوٹا غنڈہ ہی بنے گا۔“

اس سے پہلے کہ سادو تری مداخلت کرتی شیو نے غصے میں آکر اپنے چاچا کو گھری گھری سنا دی۔ ”چاچا میں جو کچھ بھی بنوں لیکن تمہاری طرح جرسی اور جوارہ ہرگز نہیں بنوں گا کچھ تم؟“ ”بد معاشی دکھاتا ہے۔“ دتارام نے مارنے کے لیے اپنا ہاتھ اٹھایا لیکن دروازے سے اندر داخل ہوتی ہوئی گھونٹ والی عورت کو دیکھ کر اس کا ہاتھ اٹھا ہی رہ گیا، وہ اپنا غصہ اس پر اتارنا چھوڑا۔ یہ پرانی عورت ہمارے گھر کی باتیں سننے کے لیے بار بار کیوں سامنے آ جاتی ہے؟“

”یہ پرانی نہیں ہے۔“ اندھا ماما ری لال بولا: ”درگا تو اس گھر کی فرد ہے دیے بھی تم اتنا کھلا بھاڑ بھاڑ کر بول رہے ہو کہ دو گھروں سے دور رہنے والے بھی وہیں بیٹھے بیٹھے تمہاری باتیں سن رہے ہوں گے۔“

”اب اس سے کہہ دو یہاں سے چلی جائے۔“ دتارام نے بات سن کر گنگا کی پیچھے ہٹ گئی۔

سادو تری نے دتارام کی توجہ دوسری جانب مبذول کرانے کی غرض سے کہا: ”بھائی تم نے وہ زیورات تو سنبھال کر رکھے ہیں زندگی کے کچھ دن تو میں انھیں زیورات کے سہارے گزار سکتی ہوں۔“

سادو تری کی بات سننے ہی دتارام کا چہرہ سیاہ پڑ گیا وہ جانتا تھا کہ زیورات کے بارے میں سادو تری ضرور معلوم کرے گی کیوں کہ گنگا کو ختم ہو چکی تھی۔ وہ تیار کیا گیا آیا تھا۔ بھائی کی بات سن کر پہلے تو اس نے ایک گہرا سانس لیا پھر اپنی پھیلی میں ہاتھ ڈال کر اس نے زیورات کی صندوق نکالی اور اسے سادو تری کے آگے رکھتا ہوا بولا: ”اپنے ہاتھوں سے کھول کر خود ہی دیکھ لو۔“

سادو تری نے اپنے کانٹے ہاتھوں سے صندوق کو کھولا اس پر نظر پڑنے ہی اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ”زیورات تو تمہاری لاڈلی بیٹی نے بیچ کھائے ہیں۔“

”بے دھڑک جھوٹ بولا۔“ درگیش کی ضمانت کے لیے سادو تری نے بے بدھ بھی جب رقم پوری نہیں ہوئی تو اپنی عزت بچانے کے لیے بھاگ کر کے بیچنے پر مجبور ہو گئی۔ آوارہ بد چلن کہیں کی دتارام کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ گنگا کی سماعت تک نہ گئے تو اس کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ سادو تری نے دو لوں کانوں پر ہاتھ رکھ کر دتارام کو چپ کرانے کے کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ اچانک گنگا کمرے میں گھس آئی۔

کی ناپاک زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ نے اس کا چھلنی کر دیا تھا۔ وہ غصے میں اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی کمرے میں آکر اس نے اپنا گھونٹ اٹھایا اور چیختی ہوئی ”چاچا! میں تمہاری زبان کھینچ لوں گی۔ اپنی بیکو اس بند کر دو یا نہیں۔“

”گنگا... تم...“ دتارام بری طرح چونک پڑا۔ آنکھوں میں اندھا چھا گیا۔ سادو تری اور ماما کی بھی گنگا سے بری طرح بوکھلا گئے تھے۔ گنگا نے خود ہی اپنے آپ بے نقاب کر دیا تھا مگر شیو اپنی دیدی کو اپنے سامنے زندہ

دیکھ کر خوشی سے کودتا ہوا اس کی طرف دوڑا اور پاگلوں کی طرح ہنسنے لگا۔ ”دیدی! تم زندہ ہو۔“

گنگا کے چہرے کے خدو خال اب بدلے بدلے سے نظر آ رہے تھے۔ اس کی دونوں آنکھیں غصے کی شدت سے باہر نکلی ہوئی تھیں۔ اس نے صرف ایک بار شیو کی طرف دیکھا پھر اس کی آنکھیں دتارام پر کسی شکاری کی طرح جم گئیں۔ ”میں ندی میں ڈوب کر مری نہیں تھی چاچا! تمہاری ناپاک زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک جھوٹ کو ننگا کرنے کے لیے درگامانے مجھے زندہ رکھا ہے۔ تم اس طرح آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھ رہے ہو دتارام انسان!“

دتارام خوف سے گنگا ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کے کان میں بھی نہیں تھا کہ حالات اس تیزی سے بدلتے جا رہے تھے۔ وہ اس وقت اپنے پسینے ہو رہا تھا جیسے کسی آسیب نے اسے دبوچ لیا ہو۔ اسے لگ رہا تھا جیسے گنگا کا غصہ اسے ابھی اور اسی وقت چلا کر لاکھ کر دے گا۔ وہ خوف سے تھر تھرا کانپ رہا تھا۔ گنگا نے اسے گھورتے ہوئے سخت لہجے میں کہا: ”تم مجھے بدنام کرنے آئے ہو۔ اس لیے کہ میں نے اپنی عزت و اکبر کی حفاظت کی ہے؟“ ”یکہ کہ گنگا اس کی طرف بڑھی۔ دتارام اچانک خوف سے پیچھے کھسک گیا۔ ”تم نے مجھے جو بھی کہہ دیا، تمہا کر کی تجوری کس نے صاف کی ہے یہ تو کھانا ہی جاتا ہے، لیکن میرے زیورات تم نے چرا لئے ہیں۔ تم پھر انسان ہو چاچا! جس نے جو کھیلنے کے لیے بھتیجی کی شادی کے زیور بھی داؤ پر لگا دیئے۔ تھوہے تمہاری شکل پر۔“ گنگا نے ہر جتنے۔

دتارام گھبرا کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے قد سے گنگا اس کا ٹیٹو یاد دے گی۔

”پھر جب اس سے بھی تمہارا جی نہ بھرا تو تم نے مجھے آوارہ اور بد چلن کہہ دیا۔ گنگا آنکھیں نکالے مسلسل چیخ رہی تھی۔ اب مال کے سامنے اس کی بیٹی کو آوارہ اور بد چلن کہتے تھیں ذرا بھی شرم نہیں آئی؟ تم انسان نہیں جانتے ہو۔ دولت کی بھوک اور شراب کی طلب میں تم اپنے سگے بھائی کی بیٹی کے جسم کا سودا ایک ظالم ٹھاکر سے کرنا چاہتے تھے۔“

دتارام کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں مگر اس نے اپنے آپ کو فوراً ہی سنبھال لیا اور دھیمے لہجے میں بولا: ”خوب الما پور

کو تو ال کو ڈرنے؟ میں ابھی جا کر پولیس کو خبر کرتا ہوں پھر دیکھتا ہوں تمہاری زبان کیسے چلتی ہے۔“

عین اسی لمحے رام سنگھ کا ساتھی موہن گونگا گھر میں داخل ہوا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی مگر دتارام کے آخری الفاظ سن کر وہ دیوار پھانڈ کر چپکے سے باہر کود گیا اور دروازے کی کٹلی باہر سے بند کر کے پھرتی سے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اسے اڑھ لگا دی۔

دتارام منہ پھلا کر اس طرح کمرے سے باہر نکلا جیسے اپنی دھکی کو وہ عملی جامہ پہنا کر ہی دم لے گا۔ یہ دیکھ کر سادو تری اس کے پیچھے بھاگی۔ ”بھائی!“ اس نے پیچھے سے دتا کو آواز دی اور کہا: ”تم چاچا ہو کر دسے پولیس کے حوالے کر دو گے؟“ اور پھر اس کے پیروں پر بیٹھ گئی اور گڑ گڑاتے ہوئے بولی: ”میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں بھائی! کچھ پر رحم کرو۔“

اس کی آہ و زاری دیکھ کر دتارام اپنے اصل روپ میں آ گیا۔ اس نے سادو تری کو زور سے دھکا دیا اور بیٹھتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ سادو تری پھر اس کے پیروں کو پکڑنا چاہتی تھی کہ گنگا بہت زور سے چلائی۔ ”ماں! اجاتے دوا سے۔ ورنہ میرے ہاتھوں دو مسل قتل ہو جائے گا۔“

یہ سن کر دتارام نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا اور بڑی حقارت سے بولا: ”بار بار تم کیسے دھمکا رہے ہو؟ کون ڈرتا ہے تم سے؟ تمہیں تو جب پھانسی کے تختے پر دیکھوں گا تب ہی میرے دل کی آگ ٹھنڈی ہوگی۔“

”نہیں چاچا نہیں!“ شیو نے بھی اپنے چاچا کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

گنگا نے آگے بڑھ کر شیو کو اپنے سے ہٹا لیا اور بولی: ”تم فکر نہ کرو میرے بھائی! جب تک یہ پولیس کو لے کر آئے گا اس وقت تک تو میں یہاں سے جا چکی ہوں گی۔“

دتارام نے باہر نکلنے کے لیے جھٹکے سے دروازہ کھینچا لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ یہ دیکھ کر غصے سے بولا: ”دروازہ بند کر کے تم مجھے باہر نکلنے سے روک نہیں سکتے پاپیوں۔“ چند لمحے دروازے پر زور آزمائی کرنے کے بعد وہ بولا: ”میں دیوار پھانڈ کر باہر جاؤں گا۔“ دس فٹ اونچی دیوار پر چڑھنے کے لیے اس نے ایک جگہ دیوار میں تپے ہوئے دو سوراخ ڈھونڈ

لکائے پھر ایک کے بعد دوسرے سو راج پر پیر رکھ کر اوپر اٹھا اس کا ہاتھ دیوار کے اوپر جھکے تک پہنچ گیا۔ شیو خود کو گنگا کی گرفت سے چھڑا کر تیزی سے دیوار کی جانب بھاگا پھر جس طرح شکاری کتا اپنے دشمن پر چھلانگ لگاتا ہے، بالکل اسی طرح شیو نے اچھل کر دتارام کی گھر پکڑ لی۔ اس اچانک حملے سے دتارام بولکھٹا گیا مگر اس کے دونوں ہاتھ پوری طاقت سے دیوار کے سرے پر چبھے ہوئے تھے۔ ”کیسے حرام خور!“ وہ چیخا اور پھر اس نے شیو کو نیچے گرنے کے لیے اپنی کمر کو ہلایا لیکن ایسا کرتے وقت وہ خود بھی شیو کے ساتھ زمین پر آگرا۔ شیو نے گرتے گرتے تیزی پھرتی سے دتارام کے بازو میں دانت کاڑ دیے۔ دتارام بلبل کر چیخ پڑا۔ پھر اس نے لیٹے لیٹے ہی شیو کی گردن پکڑ لی۔ اس سے پہلے کہ کوئی شیو کی مدد کے لیے آتا وہ ننھے شیو کے سینے پر سوار ہو گیا اور غرغر کر بولا: ”آج اگر میں تیرے پران نہ نکال لوں۔ میرا نام دتارام نہیں۔“

”چاچا!“ گنگا چلا کر اس طرف دوڑی اور شیو کو دتارام کی گرفت سے نکالتے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن دتارام کی لات اس کے پیٹ پر پڑی وہ تلابازی کھا کر زمین پر لٹھک گئی۔ دتارام پوری طاقت سے چلایا: ”خبردار اگر کوئی درمیان میں آیا۔ میں آج اس جھوٹے کا گلا گھونٹ دوں گا۔“

ساوتری چیخنا چاہتی تھی لیکن اس کے گلے سے آواز نہیں نکال سکی۔ اندھا ماری تیزی سے سیڑھیاں اترنے کی کوشش میں لٹھک کر زمین پر آگرا اور دتارام دانت بیستا ہوا دونوں ہاتھوں سے شیو کا گلا دبانے لگا۔

”اسے چھوڑ دے چاچا!“ گنگا اچھل کر اٹھی اور قریب بڑے ہوئے لوہے کے پائپ کا ایک ٹکڑا اٹھا کر اس کے قریب آگئی۔ میں کتنی ہوں ہاتھ ہٹائے، ورنہ تیری کھوپڑی توڑ دوں گی۔“ لوہے کے پائپ کو دونوں ہاتھوں سے کھٹھے وہ دتارام کے سر پر جا پہنچی تھی۔ اس کے باوجود دتارام نے اپنی گرفت ڈھیلی نہیں کی۔ اس کے دماغ پر شیطان سوار ہو چکا تھا۔ شیو کی بھٹی بھٹی آنکھوں میں موت کی پرچھائیاں دیکھ کر گنگا نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور دتارام کے سر پر پوری قوت سے لوہے کا پائپ دے مارا۔ ایک ہی وار میں دتارام کی کھوپڑی اس طرح پھٹ گئی جیسے کوئی ناریل بہت اونچائی سے پٹی نہ زمین پر گر کر

پھٹ جاتا ہو۔ خون کا فوارہ چھوٹا اور دتارام شیو کے سینے سے اچھل کر زمین پر لٹھک گیا، پلک جھپکتے ہی نہ ہونے والی بات ہو گئی تھی۔ ساوتری کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔ اندھے مراری لال جسمانہ انداز میں پوچھ رہا تھا: ”کیا ہوا بیٹی؟“

گنگا نے منہ سے تو کچھ نہ کہا البتہ لوہے کا پائپ پھینک کر فوراً ہی اپنے بے ہوش بھائی کو دتارام کے پہلو سے دوڑ کھینچ لیا۔ پھر وہ بھاگ کر گھر میں پانی کا لٹرا بھری لائی۔ شیو کی آنکھوں اور منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے کے بعد وہ بھگی ہوئی آنکھوں سے اپنے چھوٹے بھائی کا چہرہ دیکھنے لگی۔ ”شیو... میرا بھیا!“ اس کے ہونٹ تھر تھرتھرتے لگے۔ اس سے پہلے کہ شیو آنکھیں کھولتا باہر گلی میں اچھلے ہو جانے والے لوگوں میں سے کسی نے کڑی ہٹاری اور دروازہ کھل گیا۔

آنگن میں دتارام کو خون میں لت پت پڑا دیکھ کر ایک ساتھ کئی ایک چیخیں نکلیں: ”خون... خون...“ دوڑو جلدی کرو پولیس۔ پولیس۔“

سرف آدھے گھنٹے کے اندر اندر رام پور سے کے گھر گھر میں یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ درگا پور والی گنگا نے اپنے اندھے ماما کے گھر میں اپنے سگے چاچا کو جان سے مار دیا ہے۔ اس خبر کے پھیلنے ہی مراری لال کے محلے میں لوگوں کی بھیڑ اٹھتی ہوئی۔ گاؤں کی عورتوں، مردوں اور بچوں سب کی زبان پر ایک ہی بات تھی۔ ”عجیب لڑکی ہے گنگا۔ صرف چار ہی دن میں دو قتل کر ڈالے؟ کیا کوئی عورت اتنی ظالم ہو سکتی ہے؟ اس نے تو مردوں کو بھی ظلم میں پیچھے چھوڑ دیا۔“

جلاد۔ ظالم اور خطرناک گنگا کو دیکھنے کے لیے پورا رام پورہ اُٹھ آیا تھا۔ لوگوں کی اتنی بڑی تعداد رام پورہ میں آج تک کسی ایک جگہ اکٹھی نہیں ہوئی تھی۔ گنگا کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے لوگ ایک دوسرے کو کھینچتے ہوئے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لوگوں کے اس طوفان پر قابو پانے کے لیے پورے رام پورہ کی پولیس دہان پہنچ چکی تھی۔ پولیس افسروں کو بھی لوگوں کی بھیڑ میں سے راستہ بنا کر مراری کے گھر تک پہنچنے میں پورے پندرہ منٹ لگ گئے۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود حیرت کی بات یہ تھی کہ گنگا کے چہرے پر کھیراٹ

بے کوئی آثار نہیں تھے۔ پولیس کے آنے سے پہلے اس کی ماں اور دامانے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تھا: ”گنگا تم یہاں سے بھاگ جاؤ۔ پولیس کو آنے میں دیر لگے گی۔ اتنی دیر میں تم پھپھلی دیوار کو دھک بھاگ سکتی ہو۔“

لیکن گنگا اپنی ضد پر اڑی ہوئی تھی۔ ”نہیں ماں! اب بھاگنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بٹھا کر کو ختم کرنے کے بعد بھاگنے کی بجائے اگر میں نے خود کو پولیس کے حوالے کر دیا ہوتا تو اچھا ہوتا۔ میرے ہاتھوں میں اپنے ظالم چاچا کا خون تھا۔ شاید ہی بے میں تندی میں ڈوبنے سے بچ گئی تھی۔ اور رام سنگھ مجھے شاید اسی قتل کے لیے مجھے یہاں چھوڑ گیا تھا۔ اب میں دو قتل کا الزام اپنے سر پر اٹھائے ہنستے ہنستے بھاگنے کی تھکتے پر چڑھ جاؤں گی۔“

یہ سن کر ساوتری رونے لگی اور چیخ چیخ کر بولی: ”ہے بھگوان ہم نے ایسا کون سا گناہ کیا تھا جس کی تو نے ہمیں یہ سزا دی ہے؟“

پولیس کی بڑی نفری دہان آپہنچی تھی۔ لیکن گنگا کا غصہ اور جوش ذرا بھی کم نہیں ہوا تھا۔ دتارام کی لاش دیکھ کر بھانیدار کا چہرہ سخت ہو گیا۔ اس نے چیخ کر پوچھا: ”یہ قتل کس نے کیا ہے؟“ اس سے پہلے کہ گنگا کو کوئی جواب دیتی۔ روتی اور ملکتی ہوئی ساوتری بھانیدار کے قدموں پر گر پڑی۔ ”صاحب! یہ قتل میں نے کیا ہے، میں نے اپنے دیور کی جان لی ہے۔“

گنگا نے ماں کو کندھے سے پکڑ کر اٹھایا اور بھانیدار سے بولی: ”بیٹی کو بچانے کے لیے ماں جھوٹ بول رہی ہے۔ بھانیدار صاحب! چاچا کا قتل میرے ہاتھوں ہوا ہے۔ دیکھیے لوہے کے اس پائپ سے میں نے اس کا سر پھاڑ ڈالا ہے۔ میرے چھوٹے بھائی کا گلا دبا کر میرا چاچا اس کی جان لینا چاہتا تھا۔ میں نے مجبوراً اسے ختم کر دیا۔“ گنگا کے اقرار نے بھانیدار کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔

”بھانیدار!“ گنگا نے بڑی بے چینی سے آگے بڑھتے ہوئے کہا: ”میرا نام گنگا ہے۔ تین روز قبل درگا پور کے جس گھارے کا قتل ہوا تھا۔ اس سلسلے میں پولیس کو میری ہی تلاش ہے۔ میں درگا پور سے بھاگ کر یہاں اپنے ماما کے گھر آگئی تھی۔“ بھانیدار کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ اس نے اپنے

ایک سپاہی کو آواز دی: ”ماندھو جلدی سے جا کر وارنٹس سے درگا پور کے تھانے میں اطلاع دے دو۔ ہم نے گنگا کو گرفتار کر لیا ہے۔ جاؤ جلدی کرو اور پینچ نامہ بنوا کر گاؤں کے چار پانچ معزز لوگوں کو بھی ساتھ لے آؤ۔“

پینچ نامے کی کارروائی پوری ہوتے ہوئے سورج بھی سر پر آگیا مگر کچھ بھی مکان سے گاؤں کے لوگوں کی بھیڑ کم نہیں ہوئی۔ دتارام کی موت پر افسوس کرنے کی بجائے ہر کوئی گنگا کو ایک نظر دیکھنے کے لیے بے قرار تھا اور گنگا بھانیدار سے بار بار کہہ رہی تھی: ”مجھے یہاں سے لے چلیے جناب! مجھ سے اپنی ماں اور ماما کی یہ حالت نہیں دیکھی جاتی۔“

شیو کے ہوش میں آنے کے بعد اس کی حالت کچھ اور بگڑ گئی تھی۔ آنگن میں پڑی ہوئی دتارام چاچا کی لاش اور پولیس والوں کو دیکھ کر تو وہ بری طرح گھبرا گیا تھا۔ بے ہوش طبی ماں کی خاموشی اور اندھے ماما کے چہرے پر اڑتے ہوئے غم کے بادل دیکھ کر وہ سب کچھ سمجھ چکا تھا۔ لیٹے ہی لیٹے چاروں طرف کا جائزہ لینے کے بعد وہ اٹھا اور بھاگ کر گنگا سے لپٹ گیا۔ ”نہیں دیدی میں تمہیں ہرگز نہیں جانے دوں گا۔ یہ لوگ تمہیں جیل میں بند کر دیں گے۔“

”مجھے کچھ نہیں ہو گا!“ گنگا نے اسے حوصلہ دیا اور سمجھانے کی کوشش کی: ”میری طرف دیکھو کیا میں، تمہیں خوفزدہ نظر آ رہی ہو؟“ سناچ کو کوئی آپہنچ نہیں ہوتی بھیا!“

ٹھیک اسی وقت درگا پور ایس پی پولیس کی جیب دروازے پر آکر رکی۔ آخر تو قانون کے شکنجے میں پھنس ہی گئی؟“ درگا پور کا ایس پی بڑے رعب سے گنگا کے قریب آکر بولا: ”ہمیں بتا تھا کہ تو بھاگ کر ادھر ہی آئے گی۔ ماما کے سوا تجھے پناہ دینے والا اور ہے ہی کون؟“ اما کہہ کر اس نے دتارام کی لاش کو دیکھا اور پھر پلٹ کر گنگا سے بولا: ”مجھ میں نہیں آتا تو کسی بہن کی لڑکی ہے یا کسی تھائی کی؟“

”ایس پی صاحب!“ گنگا نے آہستہ سے کہا: ”آپ صرف اپنا فرض ادا کریں۔ مجھ پر طنز کرنے کی بجائے صبح سے پڑی ہوئی لاش کو اٹھانے کا انتظام کریں۔“

”واہ، بہت خوب!“ ایس پی طنز پر ہنسی ہنسا: ”ایک تو تو نے اپنے سگے چاچا کی جان لی اور دوسرے اس کی لاش کا

بھی غم ہے۔

ایس پی کی بات سن کر رام پورہ کا تھا نیدار بھی خاموش درہ سکا اور بولا: "جناب! اس کے منہ لگنے سے فائدہ ہی کیا ہے؟ چار گھنٹے سے میں اس کے سامنے بیٹھا ہوں لیکن چاچا کی لاش دیکھ کر میں نے ایک بار بھی اس کی آنکھوں کو کھلا ہوتے نہیں دیکھا ہے۔ سفاک قاتل! اتنے نرم دل نہیں ہوتے۔"

تھوڑی دیر بعد درگا پور کا ایس پی اور رام پور سے کا تھا نیدار ایک طرف ہٹ کر آپس میں کچھ کھسکے کھسکے لگے۔ گنگا کی گرفتاری پر اعلان کردہ انعام کے سلسلے میں وہ یا ہم مشورے کر رہے تھے۔ درگا پور کے ایس پی کا خیال تھا کہ اس انعام میں اسے بھی برابر کا حصہ ملنا چاہیے اس لیے اس نے تھا نیدار سے کہا: "یہ تو ہم نے صرف افواہ ہی پھیلائی تھی کہ گنگا کو ندی کا طوفان نکل گیا ہے اور وہ ندی میں ڈوب کر مر چکی ہے۔ اس کی تلاش کے لیے قنارم کو میں نے ہی یہاں بھیجا تھا۔"

"اس فرض کو ادا کرنے کے لیے اس بے چارے کو اپنی جان کی قیمت ادا کرنی پڑی؟" تھا نیدار افسوس ناک لہجے میں بولا۔ "مگر اب اس کی موت پر افسوس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اگر وہ زندہ رہتا تو رانی ماں کی طرف سے دیے جانے والے انعام کا بھی حصہ دار بن جاتا۔" ایس پی نے کہا۔

"افسوس...! ہم پولیس کے کارکنوں کے لیے وہ انعام نہیں ہے۔" تھا نیدار کے لہجے میں مایوسی کی جھلک تھی۔

"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔" ایس پی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "درگا پور کی رانی ماں سے میرے اچھے تعلقات ہیں۔ اس لیے وہ انعام ہم حفیہ طور پر لے لیں گے۔"

دونوں نے آپس میں معاملہ طے کر لیا۔ اس کے بعد انھوں نے قنارم کی لاش وہاں سے اٹھوا دی اور گنگا کی گرفتاری کی کلائی مکمل کرنے لگے۔ جب گنگا کو جھکڑیاں پہنائی جانے لگیں تو شیو روتا ہوا پولیس انسپکٹر کے سامنے آگیا اور بولا: "میری دیدی کو چھوڑ دیجیے صاحب! وہ بے گناہ ہے۔"

اس سے پہلے کہ ایس پی اسے کوئی جواب دیتا تھا تیار کا اشارہ پا کر دوسرا ہی اسے کیچ کر وہاں سے دور لے گئے۔ یہ دیکھ کر گنگا نے جن آنسوؤں کو بڑی دیر سے اپنی پلکوں پر روک رکھا تھا، وہ بہہ نکلے۔ ساوتری بھی ہوش میں آکر سسک

سسک کر رونے لگی تھی۔ ماں کی یہ حالت دیکھ کر گنگا ترپاٹا ہوئی وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولی: "ماں تم اگر اس طرح بہت ہارتاؤ تو زندہ کیسے رہوں گی؟"

اب جینے کی خواہش نہیں رہی بیٹی! "ہجکیوں کے درمیان ساوتری نے گنگا کو سینے سے لگا لیا۔ "تمھاری بجائے کامش کھلو ان میری جان لے لے۔ مجھ سے تو اب زندہ نہیں رہا جانا۔" "ایسا تم کو ماں! تمہیں تو ابھی شیو کو بڑا کرنا ہے۔ اسے پڑھا لکھا کر ایک قابل آدمی بنانے کی ذمہ داری اب تم پر ہے۔ گنگا رتی ہوئی بولی اس کی آواز اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ پولیس کی جیب میں بیٹھنے سے قبل اس نے چاروں طرف کھڑکیوں کی لوگوں کی جھپٹ کی طرف دیکھا۔ ان لوگوں کی آنکھوں میں اس کے لیے نفرت تھی یا محبت کا جذبہ۔ یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی۔ پھر جب جیب چلنے لگی تو شیو ترپاٹ کر اپنی ماں کی گرفت سے نکلا اور پولیس جیب کے پیچھے دوڑنے لگا۔ کچھ دور جا کر اسے ٹھوکر لگی اور وہ گر پڑا۔ اسے وہاں سے اٹھانے اور سمجھداری کے دیول بولنے کی کسی نے ضرورت محسوس نہیں کی۔ لوگ اس کے قریب سے گزرتے چلے گئے تھے۔



"رانی ماں! اب یہاں سے میل جی اچاٹ ہو گیا ہے۔" وکرم سنگھ نے آہستہ سے کہا۔ میں جانتا ہوں کہ اس وقت مجھے آپ کے ساتھ رہنے کی ضرورت ہے اور مجھے بڑے بھائی کے غم میں آپ کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے لیکن اس حویلی میں میرا دم گھٹتا ہے۔" رانی ماں نے اداس نظروں سے اپنے چھوٹے بیٹے وکرم سنگھ کی طرف دیکھا۔ "اس کا مطلب ہے تو شیو سنگھ کی موت کے غم کی مدت پوری کیے بغیر ہی یہاں سے جانا چاہتا ہے؟" رانی ماں نے پوچھا۔

"نہیں، جب بھتیجے کے غم کا آخری کھانا ہو گا تو میں دودھ کے لیے گوالیار سے واپس آ جاؤں گا۔" وکرم نے جواب دیا۔

اس جواب پر رانی ماں نے ایک گہرا سانس لیا اور کہا: "میں نے تو یہی سمجھا ہوا تھا کہ شاید اب تو گوالیار جانے کا ارادہ ہی ترک کر دے گا اور فوجی ٹریننگ کے بجائے حویلی اور جاگیر کے کاروبار کی ذمہ داری نبھائے گا۔ جوان بیٹے کی موت نے مجھے بڑھال کر دیا ہے بیٹے۔"

ماں کا غمگین چہرہ دیکھ کر اس نے بڑے لمبے لمبے سانس لے لیے۔ یہ حویلی اور گنگا کی یہ گڈی۔ جھوٹی آن اور شان کی باتیں۔ ماں اب ان ساری باتوں کا کوئی مطلب نہیں ہے۔ راج کرنے کے دن گزر گئے مگر اس کے باوجود ہمارے دلوں میں راج پاٹ کا خیال جاگزیں ہے؟ گاؤں کے لوگ ہمیں سلام کریں ہمارے سامنے جھکتے رہیں ہماری عزت کریں اور ہماری بالادستی کو تسلیم کرتے رہیں یہ سب بے کار باتیں ہیں وہ برسوں سے ہمارے خاندان کا احترام کرتے آرہے ہیں اس لیے ان کی عادت پڑ گئی ہے اور وہ اب بھی ایسا کر رہے ہیں لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان کی عادت بدل جائے گی اور اس سے پہلے کہ ان کی عادت تبدیل ہو جائے کیوں نہ ہم خود ہی اس جھوٹی شان و شوکت کے حال سے باہر نکل آئیں۔"

وکرم سنگھ کے خیالات سن کر رانی کا چہرہ سوچ میں ڈوب گیا۔ "تم کتنا کیا چاہتے ہو وکرم؟ صاف کہہ ڈالو۔" ایک لمحے کے بعد اس نے کہا۔

"ہم درگا پور چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں۔" وکرم سنگھ نے بہت کر کے کہنا شروع کیا۔ "اتنی بڑی حویلی کی صفائی وغیرہ کرانے کے لیے چھ ملازم رکھنے پڑتے ہیں اس لیے کیوں نہ ہم اسے بیچ دیں اور کسی بڑے شہر میں رہائش اختیار کر لیں؟" رانی ماں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں لیکن وکرم سنگھ نے اپنی بات جاری رکھی: "گوالیار یا بے پور میں کوئی چھوٹا سا بنگلہ لے کر ہم وہاں سکون سے رہ سکتے ہیں۔ میری فوجی ٹریننگ مکمل ہو گئی ہے نہ جانے مجھے کہاں رہنا پڑے گا؟ آپ یہاں لگا رہیں گی اس سے تو بہتر یہ ہے کہ ہم دونوں ساتھ..."

"بس کرو وکرم! دیکھا رانی ماں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ تم جو کہنا چاہتے ہو وہ میں سمجھ گئی ہوں۔ تم نے بڑی آسانی سے کہہ دیا کہ سات پشنتوں کی یہ حویلی بیچ دوں۔ درگا پور چھوڑ دینے کا خیال بھی تمہیں آگیا اور اپنے ساتھ مجھے بھی لے جانا چاہتے ہو...؟" رانی ماں کا لہجہ حد درجہ جذباتی ہو گیا تھا۔ "وکرم! تمھاری کچھ بوجھ پر مجھے ہمیشہ ناز رہا ہے۔ میں یہ تو نہیں کہوں گی کہ تم نے یہ ساری باتیں سوچے سمجھے بغیر کہی ہیں۔ لیکن کھٹا کر خاندان کی بہو بن کر آنے کے لیے مجھے کتنی بہت کرنی پڑی تھی، اسے خطرات کا مجھے سامنا کرنا پڑا تھا، یہ بات تم سے پوشیدہ

نہیں ہے۔ تین پشنتوں سے اس خاندان پر موت کے سائے منڈلا رہے تھے۔ اس کی پروا کیے بغیر میں نے اس حویلی میں قدم رکھا تھا۔ میں نے یہاں آنے کی بڑی بھاری قیمت ادا کی ہے بیٹا! پہلے تو میں نے تمھارے باپ کو کھو دیا، پھر جوان بیٹا بھی جدا ہو گیا۔ اس کے باوجود میں نے اس حویلی کو چھوڑ دینا گنگے کے متعلق بھی نہیں سوچا۔ اور تم ہو کہ ماں کو بہت اور تسلی دینے کے بجائے اس سے کہہ رہے ہو کہ ہم حویلی چھوڑ کر چلے جائیں؟ نہیں وکرم یہ کبھی نہیں ہو گا۔ اگر کوئی چیز چھوڑنے کی ضرورت ہی ہے تو تم اپنی فوجی ٹریننگ چھوڑ دو۔"

مسلل بولنے کی وجہ سے رانی ماں کی سانس پھول گئی تھی۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر بھی وکرم سنگھ اپنی بات پر ڈٹا رہا اور پھر سکون لہجے میں بولا: "ماں! تم ہی تو کہنا کرتی تھیں کہ میرے پیارے بھائی ایک بڑا فوجی افسر بنانا چاہتے تھے۔"

"ہاں! یہ بات سچ ہے۔" رانی ماں نے ایک آہ بھر کر کہا۔ "ان کی اس خواہش کو پورا کرنے کے لیے ہی تو میں نے تمہیں فوجی تعلیم دلوائی ہے۔ انسان کی ساری امیدیں پوری تو نہیں ہوتیں کبھی اسے اپنی خواہشوں سے سمجھوتہ بھی کر لینا پڑتا ہے۔" "اگر تمھارا حکم ہے تو بے شک میں اپنی فوجی ٹریننگ چھوڑ دوں گا۔" وکرم سنگھ اداس لہجے میں سر جھکا کر بولا۔ "وہیے میں تو وطن کی حفاظت کے لیے میدان جنگ میں لڑنے کا سپنا دیکھ رہا تھا۔ اگر درگا پور کی دھول میں میل سپنا دم توڑ گیا تو اس کا مجھے زندگی بھر افسوس رہے گا۔"

اپنے بیٹے کے منہ سے وطن کی حفاظت کی بات سن کر رانی ماں کا جی چاہا کہ وہ اپنے بیٹے سے کہے کہ اس وقت تیری ماں کو تیری زیادہ ضرورت ہے۔ سوچوں پر جا کر لڑنے کی بجائے گھر کے آنگن میں کھڑے ہوئے دشمنوں کو بھگانے کی زیادہ ضرورت ہے لیکن رانی ماں نے یہ سب وکرم سے نہیں کہا۔ البتہ ایک بات ہونٹوں سے نکل ہی گئی تھی: "کم سے کم تمہیں اس وقت تک یہاں رکھنے کے بارے میں سوچنا چاہیے تھا جب تک تمھارے بڑے بھائی کے قتل کی تفتیش مکمل نہیں ہو جاتی۔"

وکرم نے ماں کے چہرے پر سے اپنی نظریں ہٹا کر ایک

گہری سانس لی۔ مزید بحث کر کے وہ ماں کا دل دکھانا نہیں چاہتا تھا۔ شمشیر سنگھ کے قتل کو پورے چار دن گزر چکے تھے۔ اس نے ان چار دنوں میں اس قتل کا کوئی تذکرہ نہیں چھیڑا تھا۔ اظہارِ افسوس کے لیے آنے والے جب رانی ماں کو خوش کرنے کے لیے گنگا کی برائیاں کرتے تب بھی وہ خاموش ہی رہتا۔ اس کے بڑے بھائی کو قتل کرنے کے بعد گنگا درگاندی میں کود گئی تھی۔ لیکن اس لڑکی کے خلاف خود اس نے آج تک کوئی ایسی بات نہیں کہی تھی۔ رانی ماں کو اس کی خاموشی اور طرزِ عمل پر حیرت بھی ہوتی تھی اور اس نے کہا تھا: ”سنگے بھائی کے قتل کا بدلہ لینے کی راجپوتی شان تو ایک طرف رہی۔ لیکن وہ قاتل لڑکی زندہ یا مردہ گرفتار ہو جائے، اس میں بھی تم کوئی دلچسپی نہیں لے رہے ہو وکر م؟“

”میں اب تک اس بھتی کو سلجھا نہیں سکا ہوں کہ اس لڑکی نے بے وجہ آخر بڑے بھائی کو کیوں قتل کیا؟ وکر م نے آہستہ سے کہا تھا: ”

”سنگے کی خالی تجوری دیکھ کر بھی تمہاری سمجھ میں قتل کی وجہ نہیں آئی؟“ رانی ماں نے حیرت سے پوچھا تھا۔

”یہی بات ہے“ وکر م سنگھ نے اپنی دلیل جاری رکھی۔ ”جس خنجر سے بڑے بھائی کا قتل ہوا تھا وہ ان کا ہی خنجر تھا اور اس کے دستے پر قاتل کی انگلیوں کے نشانات موجود ہیں جبکہ

تجوری پر سے پولیس کو کسی قسم کے نشانات نہیں ملے ہیں۔ اس کا مطلب صاف ہے کہ اس لڑکی نے تجوری کی دولت نہیں لوٹی۔ وہ دولت کے لیے وہاں نہیں آئی تھی۔“

”ممکن ہے اس لڑکی نے تجوری پر سے اپنی انگلیوں کے نشانات مٹا دیے ہوں؟“ رانی ماں نے کہا تھا۔

”تو پھر وہ خنجر کے دستے پر سے اپنی انگلیوں کے نشانات مٹا لیں گی بھول گئی ماں؟ چوری کے جرم سے بڑا جرم قتل ہے جس کی سزا بھی بڑی ہوتی ہے۔“

”تو پھر شمشیر سنگھ کو اس لڑکی نے کیوں قتل کیا؟“ غالباً اپنی عزت بچانے لیے۔

”وکر م!“ رانی ماں چیخ پڑی۔ ”مجھے حیرت ہے جس لڑکی کو تم جانتے پہچانتے بھی نہیں۔ اس لڑکی کو بچانے کے

تم اپنے سنگے بھائی کو بدنام کر رہے ہو؟“

وکر م نے پرسکون لہجے میں کہا تھا: ”ماں! اگر سچا ہو تو رشتوں کے بندھن کو فراموش کر دو۔ ان تین چار دن میں گنگا کے بارے میں جو کچھ مجھے معلوم ہوا ہے، اس بات کھل کر سامنے آئی ہے۔ گنگا ایک خوبصورت اور اسی وجہ سے بڑے بھائی شاید اسے زبردستی اپنے ہنگامے میں لے گئے ہوں۔“

”بس بس!“ رانی ماں سے برداشت نہیں ہوا۔ ”ماں! چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ دونوں ہاتھ کی مٹھیاں کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور دانت پیس کر بولی: ”جب تک زندہ تھا تب بھی تم اس کے خلاف بولتے تھے لیکن اس کے بعد تو اس کی برائی کرنے کی عادت چھوڑ دو۔“

”ٹھیک ہے ماں، اگر میری باتیں بری لگتی ہیں تو پھر گرتے کوئی ایسی بات نہیں کروں گا۔“ وکر م سنگھ دھیمی آواز میں بولا۔

جیسے ہی وہ باہر جانے کے لیے دروازے کی جانب بڑھا، دروازے سے اندر داخل ہوتا اجیت سنگھ اس کے ٹکراتے ٹکراتے پچا مگر وکر م سنگھ کو دیکھ کر وہ بولا: ”اے شرما آئے ہیں انھیں کوئی ضروری کام ہے۔“

”ٹھیک ہے انھیں اندر بھیج دو۔“ رانی ماں نے اجیت سے کہا۔

اجیت کے باہر جانے کے بعد وکر م سنگھ بھی رانی ماں کے بل پر صوفے پر بیٹھ گیا اور ایس پی کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ گھنٹوں کی دیر تک سکوت چھایا رہا پھر ایس پی کے بھاری جوتوں اور سنائی دی۔ ”رانی ماں!“ اندر داخل ہوتے ہی ایس پی پر جوش لہجے میں کہا: ”گنگا کا پتا چل گیا ہے۔“

”اچھا!“ رانی ماں اور وکر م سنگھ دونوں ہی چونک پڑے۔ ”کہاں ہے وہ؟“

”رام پور سے میں۔“ درگاندی میں ڈوبنے سے کس طرح گئی؟ تو بھگوان ہی جانے؟ لیکن اس نے رام پور سے اس ماما کے گھر میں پناہ لے رکھی تھی اور اس کا چاچا دتا رام یہاں اس کی ماں کو ملنے گیا تھا لیکن اس لڑکی نے اس بے چارے کو بھی لے لی۔

یہ سن کر رانی ماں صوفے پر سے اٹھ کھڑی ہوئی اور

”ادہ یہ تم کیا کہہ رہے؟“ میں سچ کہہ رہا ہوں رانی ماں! ابھی تھوڑی دیر پہلے مجھے رام پور سے یہ ذریعے وائس ایس اطلاع ملی ہے کہ گنگا نے دوسرا قتل بھی کر دیا ہے اور وہ گرفتار کی جا چکی ہے۔ میں اسے لینے کے لیے جا رہا ہوں۔ راستے میں آپ کی حویلی دیکھ کر میں نے سوچا آپ کو بھی خبر دیتا چلوں۔ ابھی تک ایس اور کو اس کی گرفتاری کی خبر نہیں ہے۔“ اتنا کہہ کر ایس پی خاموش ہو گیا تھا۔ انعام کی رقم کی بات اس کے ہونٹوں تک نہ آئی تھی لیکن وکر م کی موجودگی میں کچھ کہنے کی ہمت نہیں کر سکا۔ ”شام تک میں گنگا کو آپ کے سامنے حاضر کر دوں گا۔“ اتنا کہہ کر اس نے رانی ماں کو سلام کیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی رانی ماں نے وکر م کی طرف دیکھا جو دیر سے خاموش بیٹھا تھا۔

”تم کو سانپ کیوں سونگھ گیا؟ اب کہتے کیوں نہیں کہ اس لڑکی کی خوبصورتی پر اس کا چاچا بھی فدا ہو گیا تھا۔ اپنی ابرو کی حفاظت کے لیے اسے اپنے سنگے چاچا کو بھی قتل کر دینا پڑا۔“ رانی ماں وکر م پر برس پڑی۔

”ماں کے اس طنز کا وکر م کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ بدستور سر جھکا کر خاموش بیٹھا رہا تھا۔

ایس پی شرمہ صاحب رام پور سے درگا پور واپس آنے کے لیے روانہ ہوا تو سورج آسمان پر مغرب کی طرف جھکنے لگا تھا۔ اس کے خیال میں بھی نہیں تھا کہ گنگا کو ساتھ لے کر رام پور سے اپنے گھر میں آتی دیر ہو جائے گی۔ وہ جانتا تھا کہ شام ہونے سے پہلے ہی وہ درگا پور گاؤں پہنچ جائے اور لوگ تعریفی نظروں سے اسے دیکھیں لیکن یہ موقع اس کے ہاتھ سے نکلنا جارا تھا۔

اس کا اسے افسوس تھا۔ جب اس کی جیب گنگا کو لے کر درگا پور داخل ہوئی تو اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔

گنگا جیب میں بیٹھی سوچ رہی تھی کہ چاچا کے قتل کی خبر اگر گیش کو مل گئی تو وہ یقیناً اس سے نفرت کرنے لگے گا لیکن اب اسے کتنی نفرت اور محبت کی پروا نہیں تھی۔ صرف سینے دو سینے ہی زندگی کا انجام ہو جاتا تھا۔ پچاسی پر چڑھتے ہی سارے

شے تلے ٹوٹ جائیں گے درگیش بھی میری محبت سے آزاد

ہو جائے گا۔ ہمدردی اور محبت کے سارے بندھن ٹوٹ جائیں گے۔ اور یہ اچھا بھی ہے اب ان تمام بندھنوں کو ٹوٹ ہی جانا چاہیے میری بجائے درگیش کوئی اور ہم سفر ڈھونڈ لے ہی اس کے لیے بہتر تھا۔

”لڑکی اتنا گھناؤنا جرم کرنے سے پہلے سوچ تولیا ہونا کہ اس کا انجام کیا ہو گا؟“ گنگا کو خاموش دیکھ کر ایس پی شرمہ نے کہا: ”تم جیسی بڑھی لکھی اچھے خاندان کی خوبصورت لڑکی کو خونی کی حیثیت سے بیٹھے دیکھ کر ہمیں افسوس ہوتا ہے۔

”لیکن مجھے افسوس نہیں ہو گا میں نے جو کچھ کیا ہے، وہ اپنی عزت بچانے کے لیے کیا تھا۔“ گنگا نے بڑے پُر اعتماد لہجے میں کہا: ”اور میں آپ سے یا آپ کے تانوں سے رحم کی بھیک نہیں مانگوں گی۔“ اتنا کہہ کر اس نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

اس کے لہجے کی سختی نے شرمہ کو مبہوت کر دیا تھا لیکن اس نے خود کو مستحالا اور اپنی پیشہ ورانہ فطرت کے مطابق کمرخت لہجے میں کہا: ”لڑکی جیب بھانسی کا پھندا تمہاری گردن میں پڑے گا تو یہی ہوتی گردن خود بخود ڈھلک جائے گی ہر حال تم نے اپنی ذات کو اپنے ہاتھوں سے تباہ کر ڈالا ہے۔“ چند لمحوں کے

توقف کے بعد وہ دوبارہ بولا: ”مگر گنگا یہ بات ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی کہ تم درگاندی کی موجودگی سے نکل کر رام پور کس طرح پہنچ گئیں؟“

گنگا کو رام سنگھ یاد آگیا۔ دتا رام کے قتل کے بعد سے اب تک وہ تقریباً رام سنگھ کو بھول ہی چکی تھی۔ رام سنگھ کی یاد آتے ہی اسے گونگے موہن کا بھی خیال آگیا۔ آخر وہ آج سارا دن نظر کیوں نہیں آیا؟ وہ گونگے اور رام سنگھ کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ شرمہ نے اپنا سوال پھر سے دہرایا تو وہ چونک پڑی۔

اس کے ہونٹوں پر ایک ایسی مسکراہٹ تھی کہ جیسے وہ پولیس کی چالاک کو سمجھ گئی ہو۔ شاید اسپیکٹر یہ جانتا چاہتا تھا کہ اسے ندی میں سے کس نے نکالا تھا؟

”صاحب! وہ کہاوت تو آپ کو یاد ہی ہوگی؟“ گنگا نے بڑے سکون سے مسکراتے ہوئے جواب دیا: ”جسے رام رکھے اسے کون چکھے؟“ یہ بات کہنے کو تو وہ کہہ گئی تھی لیکن دل ہی دل میں وہ سوچ رہی تھی کہ رام کا مطلب کہیں رام سنگھ نہ سمجھ لیا جائے۔ اس لیے وہ شرمہ کے غلط فہمی میں پڑنے سے پہلے

”صاحب! وہ کہاوت تو آپ کو یاد ہی ہوگی؟“ گنگا نے بڑے سکون سے مسکراتے ہوئے جواب دیا: ”جسے رام رکھے اسے کون چکھے؟“ یہ بات کہنے کو تو وہ کہہ گئی تھی لیکن دل ہی دل میں وہ سوچ رہی تھی کہ رام کا مطلب کہیں رام سنگھ نہ سمجھ لیا جائے۔ اس لیے وہ شرمہ کے غلط فہمی میں پڑنے سے پہلے

”صاحب! وہ کہاوت تو آپ کو یاد ہی ہوگی؟“ گنگا نے بڑے سکون سے مسکراتے ہوئے جواب دیا: ”جسے رام رکھے اسے کون چکھے؟“ یہ بات کہنے کو تو وہ کہہ گئی تھی لیکن دل ہی دل میں وہ سوچ رہی تھی کہ رام کا مطلب کہیں رام سنگھ نہ سمجھ لیا جائے۔ اس لیے وہ شرمہ کے غلط فہمی میں پڑنے سے پہلے

”صاحب! وہ کہاوت تو آپ کو یاد ہی ہوگی؟“ گنگا نے بڑے سکون سے مسکراتے ہوئے جواب دیا: ”جسے رام رکھے اسے کون چکھے؟“ یہ بات کہنے کو تو وہ کہہ گئی تھی لیکن دل ہی دل میں وہ سوچ رہی تھی کہ رام کا مطلب کہیں رام سنگھ نہ سمجھ لیا جائے۔ اس لیے وہ شرمہ کے غلط فہمی میں پڑنے سے پہلے

”صاحب! وہ کہاوت تو آپ کو یاد ہی ہوگی؟“ گنگا نے بڑے سکون سے مسکراتے ہوئے جواب دیا: ”جسے رام رکھے اسے کون چکھے؟“ یہ بات کہنے کو تو وہ کہہ گئی تھی لیکن دل ہی دل میں وہ سوچ رہی تھی کہ رام کا مطلب کہیں رام سنگھ نہ سمجھ لیا جائے۔ اس لیے وہ شرمہ کے غلط فہمی میں پڑنے سے پہلے

”صاحب! وہ کہاوت تو آپ کو یاد ہی ہوگی؟“ گنگا نے بڑے سکون سے مسکراتے ہوئے جواب دیا: ”جسے رام رکھے اسے کون چکھے؟“ یہ بات کہنے کو تو وہ کہہ گئی تھی لیکن دل ہی دل میں وہ سوچ رہی تھی کہ رام کا مطلب کہیں رام سنگھ نہ سمجھ لیا جائے۔ اس لیے وہ شرمہ کے غلط فہمی میں پڑنے سے پہلے

”صاحب! وہ کہاوت تو آپ کو یاد ہی ہوگی؟“ گنگا نے بڑے سکون سے مسکراتے ہوئے جواب دیا: ”جسے رام رکھے اسے کون چکھے؟“ یہ بات کہنے کو تو وہ کہہ گئی تھی لیکن دل ہی دل میں وہ سوچ رہی تھی کہ رام کا مطلب کہیں رام سنگھ نہ سمجھ لیا جائے۔ اس لیے وہ شرمہ کے غلط فہمی میں پڑنے سے پہلے

”صاحب! وہ کہاوت تو آپ کو یاد ہی ہوگی؟“ گنگا نے بڑے سکون سے مسکراتے ہوئے جواب دیا: ”جسے رام رکھے اسے کون چکھے؟“ یہ بات کہنے کو تو وہ کہہ گئی تھی لیکن دل ہی دل میں وہ سوچ رہی تھی کہ رام کا مطلب کہیں رام سنگھ نہ سمجھ لیا جائے۔ اس لیے وہ شرمہ کے غلط فہمی میں پڑنے سے پہلے



ہی بول پڑی یہ درگاماتانے مجھے اس طوفان سے نکال لیا  
شاید اس لیے کہ میری گرفتاری آپ کے ہاتھوں لکھی ہوئی تھی  
گنگا کی زبان سے یہ الفاظ سن کر ایس پی شرما اپنی ہونٹوں  
پر تاؤ دیتے ہی والا تھا کہ اچانک بندوق کا دھماکا سنا  
دیا، اور سن سن کرتی ہوئی دو گولیاں جیب کے دونوں  
جانب ہٹ سے ٹکرائیں۔ پولیس ڈسٹریکٹور اس اچانک افتاد  
سے بوکھلا گیا تھا۔ جیب اس کے قابو سے باہر ہو گئی اور تیزی  
سے دائیں جانب ڈھلوان میں اتر گئی۔ مگر جیب پلٹنے سے  
محفوظ رہی تھی۔

شرما خطرے کو بھانپ گیا تھا۔ اس نے پھرتی سے اپنا  
پستول نکالا اور نیچے کود پڑا اور اس کے بعد اس نے اپنے  
سپاہیوں کو فائر کا آرڈر دے دیا۔ جیب سے کودتے ہوئے  
سپاہی کسی اثر کی تلاش میں ہی تھے کہ راستے کی دونوں جانب  
پھیلی ہوئی گھٹی جھاڑیاں گولیاں اگلنے لگیں۔ تاہم توڑ فائر  
سے گنگا بوکھلا گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اچانک  
یہ سب کیا ہو گیا ہے؟ تھوڑی دیر قبل ہی تو وہ ہنس ہنس کر  
پھانسی کے تختے پر چڑھنے کی بات کر رہی تھی، لیکن اب  
فائرنگ کی آواز نے اس کے جسم میں کیکیا ہٹ پیدا کر دی  
تھی؟ وہ جیب کے اندر ہی دبک کر بیٹھی رہی۔ اسے ڈر تھا  
کہ کہیں وہ کسی گولی کا نشانہ نہ بن جائے۔ پہلی بار اتنے قریب  
سے بندوق کے دھماکے سن کر اس کے پسینے جھوٹ گئے  
تھے۔ اسے لگا کہ کہیں ان دھماکوں سے اس کے کان کے  
پردے نہ پھٹ جائیں اس لیے اس نے اپنے ہاتھوں سے  
اپنے دونوں کان بند کر لیے تھے۔ پھر وہ دل ہی دل میں اس  
طرح اپنی ماں، اماں، شیوا اور دیگر گمش کو یاد کرنے لگی جیسے  
زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہی ہو۔ درگاماتانم ان سب  
کی حفاظت کرتا۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ درگامانا  
کو یاد کرتی رہی تھی۔

سپاہی درختوں اور جھاڑیوں کی اوٹ سے ہوتے  
ولے اس اچانک حملے سے بوکھلا گئے تھے اور اپنی جانی  
بچانے کی کوشش میں گرتے پڑتے پیچھے ہٹ رہے تھے۔  
یہ دیکھ کر شرمانے انھیں بلند آواز میں ڈانٹا۔ "پوزیشن  
لے کر فائر کرو۔ یہ چند ڈاکو ہیں بچ کر جانے نہ پائیں۔"

ابھی ایس پی شرما کی بات پوری ہی ہوئی تھی کہ اچانک  
جھاڑیوں میں سے ہونے والا فائر ایک دم بند ہو گیا تو  
ایک منٹ تک مکمل سنا جھایا رہا۔ شرما کے ہونٹوں پر  
طنز یہ مسکراہٹ ابھری اور وہ دل ہی دل میں بولا۔ "اس  
بھاگ گئے ڈر کر۔"

یہ اس کی خوش قسمی تھی کیونکہ دوسرے ہی بل جھاڑیوں  
کی جانب سے گولی چلنے کا دھماکا ہوا اور اس کے فوراً بعد  
کسی کی گرجا آواز گونجی۔ "ایس پی شرما اگر زندہ گھر رہا  
جانا چاہتے ہو تو اس لڑکی کو چھوڑ دو۔ ورنہ رام سنگھ  
کی بندوق سے آج تک کوئی بچ نہیں سکا ہے۔"

رام سنگھ ڈاکو کا نام سنتے ہی شرما کا پورا وجود ہلکا  
تھوڑی دیر پہلے تک گنگا کی گرفتاری کی جو خوشی اس کے  
دل میں تاج رہی تھی اب اس کی جگہ اس کے دل میں  
موت کا خوف در آیا تھا۔ اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی  
تھی کہ گنگا کو بچانے کے لیے ڈاکو رام سنگھ اچانک موت کا  
طوفان بن کر کیوں نازل ہو گیا؟

ایک ایک سنسناتی ہوئی گولی اس کے کان کے بالکل  
قریب سے گزر گئی اور اس کے ساتھ ہی اس کی سماعت سے  
رام سنگھ کی کرخت آواز ٹکرائی۔ "شرما! اس گولی کو اسی کا جانا  
تم یہ نہ سمجھ لینا کہ تھوڑی کا نشانہ نہیں لگا سکتا۔ یہ گولی  
تمہیں آخری وارننگ کے طور پر چلائی گئی تھی لہذا میری بات  
غور سے سنو۔"

رام سنگھ کے آخری الفاظ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ  
شرما کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا مارے خوف سے اس  
کی آنکھیں پھٹ گئیں اور پستول اس کے ہاتھ سے جھوٹا  
زمین پر گر گیا۔

یہ تو بھگوان کی کرپا تھی کہ رام سنگھ جیسے خطرناک ڈاکو  
اسے وارننگ دی تھی نہیں تو ایک دایر میں سرور کو تن  
جدا کر دینے والا کسی پولس والے کو کبھی وارننگ نہیں  
تھا۔ اس خیال کے آتے ہی شرمانے فوراً ہی اپنے دونوں  
اٹھائے اور پھر خوف زدہ نظروں سے جھاڑیوں کی طرف  
"جاؤ، گنگا سے معافی مانگو،" رام سنگھ کی آواز دوبارہ  
وہ ہاتھ اوپر اٹھائے جیب کی جانب بڑھنے لگا جب

اس سے بیس قدم کے فاصلے پر کھڑی تھی۔ شرما کو یوں محسوس  
ہو رہا تھا جیسے وہ جیب سے میلوں دور کھڑا ہو۔ وہ مرے  
قدموں سے چلتا ہوا جیب کے قریب پہنچا اور بولا۔ "گنگا!  
مجھے معاف کر دے اور جلدی سے نیچے اتر آ۔" اتنا کہہ کر وہ  
اس طرح ہانپنے لگا جیسے دوڑتا ہوا آیا ہو، پھر وہ دونوں  
ہاتھ جوڑ کر گنگا کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

گنگا، رام سنگھ کی آواز سن کر جوش میں آگئی تھی اس  
نے پولیس انسپکٹر کو کسی ہانپتے بھینسے کی طرح اپنی طرف آتے  
دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر ایک طنز یہ مسکراہٹ تاجنے لگی وہ  
تلخ لہجے میں بولی۔ "کیوں صاحب؟ مجھے پھانسی پر چڑھانے کا  
ارادہ ملتوی کر دیا گیا؟"

شرما بے چارگی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ کبھی کبھی  
وہ خوف سے کانپتی گردن گھما کر جھاڑیوں کی طرف بھی دیکھ  
لیتا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ نہ جانے کس گھڑی رام سنگھ کی بندوق  
گرج اٹھے۔ اس کی حالت دیکھ کر گنگا کو ہنسی آگئی۔ "صاحب!  
اگر آپ مجھے جیب میں سے اتارنا ہی چاہتے ہیں تو اپنے ہاتھوں  
سے میری جھکٹیاں بھی کھول دیجیے۔"

تھوڑی کھولتے وقت شرما کے دونوں ہاتھ اس طرح  
کانپ رہے تھے جیسے اسے بخارا گیا ہو۔ پورا درگام پور اس کی  
سخت گیر طبیعت سے واقف تھا۔ اس کے رعب اور دیدلے  
کے آگے بڑے سے بڑا زمیندار بھی اپنا سر نہیں اٹھاتا تھا۔ اس  
شخص کو اس طرح تھر تھرا تا دیکھ کر گنگا کو یقین ہی نہیں آ رہا  
تھا کہ یہ اس علاقے کا ایس پی ہے۔

ایس پی کی حالت دیکھ کر سارے سپاہی بھی اپنی بندوقیں  
نیچے کیے ہوئے جیب کی جانب آہستہ آہستہ رہنکے لگے پھر  
جیسے ہی گنگا نیچے اتری وہ سارے سپاہی اندھا دھند جیب  
میں سوار ہونے لگے۔ کب وہ لوگ اندر بیٹھے اور کب جیب  
کا بجن اسٹارٹ ہوا اس کا کسی کو ہوش ہی نہیں تھا چیم زون  
میں جیب روانہ ہو گئی۔ گنگا وہیں کھڑی انھیں حیرت سے  
دیکھ رہی تھی وہ تو اس وقت چونکی جب کسی کا بھاری ہاتھ  
اس نے اپنے کندھے پر محسوس کیا۔ "تمہارے داؤ کی دہشت کا  
نظارہ کر دیا بیٹی؟" رام سنگھ نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

گنگا پلٹ کر رام سنگھ کا چہرہ دیکھنے لگی پھر اس سے

پہلے کہ اس کی آنکھیں چھلک پڑیں وہ تیزی سے رام سنگھ کے  
پیروں میں گر پڑی۔ "داؤ... تم نے دوسری بار... مجھے بچایا  
ہے۔" اور پھر وہ جذبات سے مغلوب ہو کر سسک پڑی۔

رام سنگھ نے گنگا کو پولیس کے شکنجے سے چھڑا تو لیا تھا  
لیکن اب اسے رکھا کہاں جائے؟ یہ سوال رام سنگھ کے لیے  
پریشانی کا باعث بنا ہوا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ گنگا کو  
دوبارہ گرفتار کرنے کے لیے پولیس آسمان زمین ایک کر دے  
گی۔ رام پورہ میں گنگا کے ماما کے گھر کے ارد گرد پولیس پیرا  
لگ چکا ہو گا اور درگام پور تو اب گنگا کے لیے بند ہی ہو چکا تھا۔  
دھارم کے قتل کے الزام سے گنگا کسی بھی طرح بچ نہیں سکتی  
تھی۔ قانون اسے سزا دیے بغیر جین سے بیٹھ نہیں سکتا  
تھا اور سماج کی بات تو اور بھی سخت تھی۔ وہ اسے کبھی معاشرے  
میں قبول نہیں کرتا۔ یہ ساری باتیں رام سنگھ کو انھیں میں ڈالے  
ہوئے تھیں۔ بہت دیر تک سوچنے کے بعد وہ بولا۔ "چلو  
بیٹی، میں تمہیں اپنا گھر دکھاؤں۔ تمہیں سورج کی ماں سے ملاؤں  
گا۔"

گنگا نے کوئی جواب نہیں دیا اور چپ رہی۔ تھوڑی دیر  
قبل اس نے دھارم کو قتل کرنے کا جو واقعہ رام سنگھ کو سنایا تھا  
اس سے اس کا دل بھر آیا تھا اپنے چھوٹے بھائی کی جان بچانے  
کے لیے اس کے ہاتھوں اپنے چاچا کا خون ہو گیا تھا۔ اس کا  
اسے پچھتاوا تو نہیں تھا لیکن اسے افسوس ضرور ہو رہا تھا۔ اس  
عرصے میں وہ بار بار خود سے یہی سوال کرتی رہی تھی کہ کیا وہ واقعی  
اتنی ظالم ہو گئی ہے؟ باپ نے اسے انسانیت کا جو سبق پڑھایا  
اس سبق کو وہ اتنی جلدی کیسے بھول گئی؟ اس کی تعلیم و تربیت  
کارنگ کیا اتنا ہی کچا تھا؟ یا پھر اتفاقات نے اسے سنگدل اور  
قاتل بنا دیا ہے؟

"کیا سوچ رہی ہو بیٹی؟" اچانک رام سنگھ نے اسے چوکا  
دیا۔ وہ خیالوں کی دنیا سے لوٹ آئی اور رام سنگھ کی طرف  
دیکھتے ہوئے اس نے ایک گہرا سانس لیا پھر بولی۔

"داؤ! اب مجھے اپنا وجود ایک بوجھ سا لگتا ہے۔ تھوڑی  
دیر پہلے تک تو میں خوش تھی کہ آپ نے مجھے پولیس کے قبضے سے  
چھڑا لیا ہے اور مجھے پھانسی پر چڑھنے سے بچا لیا۔ مگر اپنے کیسے

انجام سے کوئی بچ نہیں سکتا میرے ہاتھوں سے دو خون ہو چکے ہیں جس کا احساس میری روح کو کچل رہا ہے۔ زندہ رہنے کی خوشی اب کرب بن گئی ہے۔ ایک ایسی آہ جس سے چھٹکارا پانے کے لیے میرے سامنے خود کشی کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ یہ کہتے ہوئے گنگا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔

رام سنگھ کو اس کے آنسوؤں میں پھتاوے کی آگ بھڑکتی دکھائی دے رہی تھی۔ گنگا کی باتوں میں سچائی کی جھلک تھی وہ خود بیس برس سے جو ذاتیں جھیل رہا تھا اس کا درد اسے گنگا کے الفاظ میں سنائی دے رہا تھا۔ اس نے اپنے اکلوتے بیٹے سورج کی موت کا انتقام لینے کے لیے ٹھاٹھ کر کے موت سے اپنے ہاتھ رنگے۔ پھر بدلے کی آگ سے ایک نیا بدلہ پیدا ہوتا چلا گیا۔ اس طرح جرم کی دلدل سے نکلنے کی بجائے وہ اس میں اور دھنسا چلا گیا۔ گنگا کی کئی ہوئی بات سن کر تو اسے بھی اپنی ذات سے نفرت ہونے لگی تھی۔ ایک لمحے کے لیے تو اس کے دل میں یہ تمنا بھی جاگی کہ کاش اس کی زندگی کا بھی کوئی انجام ہو جائے تو اچھا ہے۔

”اب تم کیا سوچنے لگے داؤ؟“ گنگا نے آہستہ سے کہا تو رام سنگھ کے ہونٹوں پر ایک اور اس مسکراہٹ دوڑ گئی اور وہ بولا ”تمہاری بات سن کر میں اپنے کرموں کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔“ اتنا کہ وہ ایک بل کے لیے رکھا پھر اپنے لیجے سے محرومی کی چادر اتار کر رُپا اعتماد آواز میں کہا ”زیادہ سوچنے سے بھی آدمی الجھ جاتا ہے۔ میرا خیال ہے بھگوان جو کام اس سے لینا چاہتا ہے وہ اسے کرتے رہنا چاہیے۔ انجام کی پروا کئے بغیر۔ چلو اٹھو سورج کی ماں سے ملنے کے لیے جی بڑا بے قرار ہو رہا ہے۔ بہت دنوں سے میں اس سے ملا نہیں ہوں۔“

گنگا خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ رام سنگھ کی بات اس کے دل کو لگی تھی کہ زیادہ سوچنے سے آدمی زیادہ ہی الجھ جاتا ہے۔

اپنے ساتھیوں کو گاؤں کے باہر چھوڑ کر رام سنگھ گنگا اور بہاری کے ساتھ گاؤں میں داخل ہوا۔ اونچے اونچے درختوں کے درمیان بیٹے ہوئے گاؤں میں رات کا اندھیرا اپنی چادر پھیلایا تھا۔ مگر کہیں کہیں کسی مکان سے دیکھی

عشماقی روشنی باہر جھانک رہی تھی۔ ایک ایک گنگا کو درمیان کے فاصلے پر ایک انسانی سایہ دکھائی دیا تو خوف سے اس کے قدم ٹک گئے۔ لیکن وہ انسانی سایہ ان کے قریب کی بجائے دوڑ کر پیچھے بھاگا تو وہ رام سنگھ سے کہے بغیر سکی۔ ”لوگ تو تم کو اندھیرے میں بھی پہچان لیتے ہیں داؤ اور پھر خوف سے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔“

جواب میں رام سنگھ اس کی طرف دیکھ کر ہنسنا لگا۔ ”اندھیرے میں اس کے چمکتے ہوئے دانت دکھائی دے رہے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ آدمی کو اس بات پر بھی کتنی خوش ہوتی ہے کہ لوگ اس سے ڈرتے ہیں۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد اسے اپنے اس خیال پر انسوس ہونے لگا کیونکہ نیند ڈوبا ہو گاؤں پل بھر میں ہی رام سنگھ کی آمد سے جاگ رہا تھا۔ چاروں طرف سے ”رام سنگھ داؤ آگے، رام سنگھ آگے“ کے نعرے سنائی دینے لگے تھے۔ بوڑھے جھے پتھار جوان سمجھی خوشی سے چیخ رہے تھے۔ گنگا سمجھ گئی کہ جو سب سے پہلے انھیں دیکھ کر بھاگا تھا وہ دراصل گاؤں والا مورام سنگھ کی آمد کی خبر دینے گیا تھا۔ ڈاکو سے ڈر کر بھاگنے والے لوگ تو ہر جگہ دکھائی دیتے ہیں مگر ایک ڈاکو سے جھب کرنے والے لوگوں کو دیکھ کر گنگا کو حیرت بھی ہوئی اور اس کی کچھ راحت بھی محسوس کی۔

”اب ہم سب سے پہلے گاؤں کے مکھیا کے گھر چلیں گے۔“ رام سنگھ نے کہا۔ پھر وہ تینوں چنڈم ہی چلے گئے کہ ایک آسمان سے بوندیں گرنے لگیں۔ بارش پل بھر میں تیز ہوئی اور اس چانک بارش سے پورا گاؤں نہا گیا لیکن اس کے باوجود گاؤں کے چھوٹے بڑے اپنے اپنے گھروں سے نکل کر بارش میں بھیگتے ہوئے خوشی سے چلا رہے تھے۔ ”ٹھا کر آئے بارش لائے“

ایک ڈاکو کو گاؤں والے دیوتا سمجھتے ہیں۔ یہ جان کر گنگا کو اور بھی حیرت ہونے لگی، لیکن اس سے زیادہ حیرت تو اسے اس بات پر ہو رہی تھی کہ پولیس کی پروا کیے بغیر رام سنگھ نے اطمینان سے گاؤں میں گھوم رہا تھا۔ بے دھڑک گاؤں کا گلیوں اور مکانوں کے پاس سے گزرتا تھا۔

رام سنگھ کا استقبال کیا مگر اس کے ساتھ ایک خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر ہر ایک کی آنکھوں میں تجسس کی چمک اُبھر رہی تھی۔ یہ نہیں اتنی بہت نہیں تھی کہ وہ رام سنگھ سے یہ سوال کر سکے کہ یہ لڑکی کون ہے؟

”بیٹی تمہارے کپڑے تو بھیگ گئے ہیں۔“ رام سنگھ نے لگا سے کہا تو گاؤں کے مکھیا نے اپنی بیوی کو آواز دیتے ہوئے کہا۔ ”بھین کی ماں دیکھو اس لڑکی کو اندر لے جاؤ اور بو کا ایک جوڑا نکال دو۔“

لاٹین کی پیلی روشنی میں بہاری بھگی ہوئی گنگا کو بیار بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا لیکن رام سنگھ کی آواز سن کر اس نے اپنی نظریں گنگا پر سے ہٹالیں۔

رام سنگھ مکھیا سے بولا ”نہیں مکھیا، اسے تمہاری بہنو کے کپڑے نہیں چلیں گے اس کے لیے تو تم اپنے بیٹے کے کپڑے نکال دو آج سے میں اسے اپنا بیٹا بنا رہا ہوں۔“

گنگا نے حیرت سے رام سنگھ کی طرف سے دیکھا۔ مرد کا لباس پہننے میں اسے جھکیا ہٹ ہو رہی تھی اس نے مرد کے کپڑے پہننے کا کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ اتنے سارے لوگوں کی موجودگی میں رام سنگھ سے بحث کرنا اسے مناسب نہیں لگ رہا تھا اس لیے وہ صرف ترچھی نظر سے ایک بار رام سنگھ کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔ رام سنگھ اس کی جانب دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ وہ کچھ کہے بغیر چپ چاپ کپڑے تبدیل کرنے اندر چلی گئی۔

تھوڑی ہی دیر میں گاؤں کے لوگ ایک ایک کر کے ٹھا کر رام سنگھ کو سلام کرنے کے لیے آئے۔ رام سنگھ ہر ایک کی خیریت پوچھتا رہا۔ کسی سے اس کے کھیتوں کے بارے میں پوچھتا تو کسی سے اس کے بچوں کی خیریت پوچھتا اور کسی سے اس کے لڑکے کی ملازمت وغیرہ کے بارے میں معلومات حاصل کرتا۔

مکھیا کے گھر کے اندر کپڑے تبدیل کرتی ہوئی گنگا باہر ہونے والی بلند گفتگو سن رہی تھی۔ ایک بوڑھی عورت ایک بڑے سالہ بچے کو رام سنگھ کے پیروں پر رکھ کر کہہ رہی تھی۔ ”ٹھا کر میرے پوتے کو آشیر باد دو اور اس کا نام تجویز کر دو۔“ ”گنگا سند بچہ ہے۔“ بچے کو گود میں لے کر رام سنگھ نے ہنستے ہوئے کہا اور اس سے کھیلنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بولا۔

”مگر اس کا نام ابھی تک کیوں نہیں رکھا ہے؟“ ”میری نیت تھی کہ اس کا نام ٹھا کر رام سنگھ سے رکھواؤں گی۔ اب تم آئے ہو تو کوئی اچھا سا نام رکھ دو۔“ مکھیا بولی۔

”ٹھیک ہے تو پھر آج سے یہ سورج ہے۔“ بچے کو گود میں اچھالتے اچھالتے اچانک ہی رام سنگھ کے منہ سے نکلا مگر ان تین لفظوں کے منہ سے نکلتے ہی اس کے دل میں اپنے بیٹے کی تصویر اُبھر آئی تھی۔

آس پاس کھڑے ہوئے لوگ رام سنگھ کا چہرہ دیکھ کر سمجھ گئے کہ اس بچے کو دیکھ کر رام سنگھ کو اپنے بچے کا خیال آگیا ہے۔ ٹھیک اسی وقت لباس تبدیل کر کے گنگا گھر سے باہر گئی۔ اس پر نظر پڑتے ہی رام سنگھ کو لگا جیسے اس کا سورج، جیتا جاگتا واپس آگیا ہو۔ اس کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں اور وہ دو مقام آگے آکر بولا۔ ”ارے تم تو بالکل ہی بدلی ہوئی لگتی ہو جیسے میرا جوان سورج۔۔۔“ اتنا کہ وہ پل بھر کے لیے رکھا پھر بات پلٹتے ہوئے بولا۔ ”لیکن یہ تمہارے بڑے بڑے بال سارا راز کھول دیں گے۔“ پھر وہ مکھیا سے مخاطب ہوا ”مکھیا ایک اچھا سا صاف منگاؤ تاکہ میں اپنے ہاتھوں سے اس کے سر پر بانڈھ دوں۔“

مکھیا کے گھر سے فوراً ہی سرخ رنگ کا صاف آگیا، پھر گنگا کے سر پر صاف بانڈھنے کی کارروائی وہاں موجود سارے ہی لوگ دیکھنے لگے۔ بہاری من ہی من میں یہ سوچ رہا تھا کہ کاش رام سنگھ نے یہ کام اس کے سپرد کیا ہوتا تو ایک بار پھر اسے گنگا کو چھوٹے کا موقع مل جاتا۔

”مکھیا! اب اندر سے آئینہ بھی منگو الوہ! صاف بانڈھنے کے بعد رام سنگھ گنگا کو گھورتا ہوا مکھیا سے بولا۔ ”یہ خود اپنے آپ کو نہیں پہچان سکے گی۔ دیکھو کتنی بدل گئی ہے؟“

گنگا کی نگاہیں تو مارے شرم کے نیچے جھکی ہوئی تھیں۔ وہ بار بار سر پر بندھے ہوئے صاف پر اس طرح انگلیاں پھیر رہی تھی جیسے اس کے سر میں بری طرح کھجلی ہو رہی ہو۔ پھر وہ رام سنگھ کے ہاتھ میں کپڑے ہوئے آئینے کی طرف بڑھی اور اس پر نظر ڈالی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس وقت وہ کسی لڑکی کی بجائے کوئی بغیر مونچھوں والے نوجوان کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ اپنا یہ حلیہ دیکھ کر اس کا جی

چاہا کہ وہ کھل کھلا کر ہنس پڑے۔

”کیوں گنگا رام! اب کیا خیال ہے تمہارا؟“ رام سنگھ نے ہنستے ہوئے کہا تو گنگا نے شرما کر دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا اور وہاں موجود تمام لوگ بے اختیار ہنس پڑے۔

بالکل اسی طرح گنگا کو دیکھ کر رام سنگھ کی بیوی بھی ہنسی تھی۔ لیکن اس کی ہنسی میں خوشی کی لہر نہیں تھی بلکہ اس میں غم جھلک رہا تھا۔ بہاری کو مکھیا کے پاس چھوڑ کر رام سنگھ نے گنگا کے ساتھ اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت کہا تھا کہ گنگا سورج کی ماں تھیں دیکھ کر بہکتے لگے گی۔ گھر کی دیلیز پار کرتے وقت گنگا نے اپنے اندر ایک عجیب سی تبدیلی محسوس کی تھی۔ مرد کے لباس میں ہونے کے باوجود وہ سسرال آئی ہوئی نئی نو بلی دہن کی طرح شرمارہی تھی۔

اپنے شوہر کے پیچھے ایک نوجوان کو اندر آیا دیکھ کر رام سنگھ کی بیوی یا گلوں کی طرح چیختی: ”لے آئے میرے بیٹے کو؟“ پھر وہ بھاگ کر گنگا کو سینے سے لگانا ہی چاہتی تھی کہ اچانک کچھ سوچ کر رک گئی۔ اس کی آنکھیں اپنی پلکیں چھیر پکائے بغیر گنگا کو گھور رہی تھیں۔ اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر یوں لگ رہا تھا جیسے گنگا کو اپنے سامنے دیکھ کر اسے سخت صدمہ پہنچا ہو۔ پھر یکایک اس نے اتنے زور کا قہقہہ لگایا کہ گنگا کو گھر کی دیوار میں بھی تھر تھراتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ اس کے تھکنے کی گونج ابھی رکنے بھی نہ پائی تھی کہ گنگا نے اس کی بھاری اور دھمکی آمیز آواز سنی، وہ رام سنگھ سے کہہ رہی تھی: ”ٹھاکر میرے سورج کو ساتھ لائے بغیر میں نے تمہیں گھر آنے کے لیے منع کیا یہ بات تم بھول گئے تھے؟“

رام سنگھ کے چہرے پر بگھری ہوئی شکنیں کچھ اور بھی گہری ہو گئیں اور اس کی آنکھوں سے درد جھلکنے لگا وہ اپنی بھیلگی آنکھوں کو گنگا کی نگاہوں سے چھپاتا ہوا بولا: ”دیکھنا تم نے؟“ بیٹے کی جدائی کے صدمے نے اس کی کیا حالت بنا دی ہے؟ میں تو مہینے دو مہینے بعد ایک بار خیر خیریت پوچھنے کے لیے آتا ہوں لیکن بیٹے کی اس میں جاگتی ہوئی اس کی آنکھیں گھر آئے ہوئے شوہر کا استقبال بھی نہیں کر سکتیں۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر میرا دجو دکائب جاتا ہے۔ میں بیٹا لا کر اپنی بیوی کی گود میں تو نہیں

ڈال سکتا مگر اس کی یہ حالت دیکھ کر میرا جی چاہتا ہے کہ درکار کے ٹھاکر کی بیوہ لیلو و قی بھی اپنے بیٹوں سے محروم ہو کر اس کی حالت سے دوچار ہو۔

رام سنگھ کی یہ بات سن کر گنگا کوئی جواب نہ دے کر بیٹے کے غم میں رام سنگھ کی بیوی کا سٹو جا ہوا چہرہ دیکھ کر خود اس کے رونے لگے بھی سلگ اٹھے تھے۔ ایک ماں زندگی بھر اپنے بیٹے کی راہ دیکھتی رہے اور اپنے شہر کو بھی گھر لے کر منع کر دے، یہ تلخ حقیقت، آج اس کے سامنے آئی تھی۔ گنگا میں تو رام سنگھ کو دیوتاؤں جیسی عزت ملے اور گھر میں پاگل بیوی اسے دروازے پر دیکھتے ہی جیتے کر اس کا استقبال کرے گنگا، رام سنگھ اور اس کی بیوی کے بارے میں سوچ رہی تھی اور رام سنگھ دھیرے دھیرے اپنی بیوی جانب بڑھ رہا تھا وہ اس کے قریب پہنچ کر دھیرے سے بولا۔

”رادھا میں تمہیں کتنی بار سمجھاؤں کہ سورج اب اس گھر میں کبھی نہیں آئے گا۔ وہ بھگوان کے پاس پہنچ گیا ہے۔“ رام سنگھ کی آواز اس کے گلے میں گھٹ کر بہت دور سے آتی سنائی دے رہی تھی۔ اس نے بیوی کو پیار سے سمجھانے کے لیے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھنا چاہا لیکن رادھا نے ہاتھ جھٹک دیا اور غضبناک لہجے میں بولی۔

”خبردار جو تم نے میرے بیٹے کے بارے میں کوئی ایسی ویسی بات منہ سے نکالی تو... میرا سورج ضرور واپس آئے گا۔“ ٹھاکر اس کے بغیر یہ گھر سونا لگتا ہے۔ یہ کہتے کہتے رادھا بری طرح ہلک پڑی۔

اس کے آنسو دیکھ کر گنگا اپنے آپ کو نہ روک سکی وہ آگے بڑھ کر رادھا کے برابر میں بیٹھ گئی اور اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی: ”ماں! بھگوان تمہاری امید کو پورا کرے گا۔“

یہ سن کر رادھا نے اس طرح چونک کر گنگا کی طرف دیکھا جیسے آج سے پہلے اسے کسی نے ایسی تسلی نہ دی ہو۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے گنگا کے چہرے کو ٹٹولا اور پھر اس کی آنکھوں میں اچانک ہی ایک عجیب سی چمک لہرانے لگی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے گنگا کے منہ سے نکلے ہوئے وہ میٹھے یوں نے اس کے پیٹے ہوئے دل میں ٹھنڈک بھردی

ہو... کسی غصے کا اظہار کئے بغیر اس نے بے حد نرم لہجے میں پوچھا: ”تمہاری آواز تو لڑکیوں جیسی ہے۔ کیا نام ہے تمہارا؟“

”گنگا!“ اپنا نام بتا کر وہ مسکرا دی۔ ماں اس کی اصلیت پہچان گئی تھی یہ بات اسے اچھی لگی تھی۔ اس لیے وہ مزید تفصیل بتاتے ہوئے آگے بولی: ”ماں میرے یہ کپڑے ہی صرت لڑکوں کی طرح ہیں۔ ویسے تو میں تمہاری بیٹی بن کر ہی تمہارے پاس آئی ہوں۔“

یہ سن کر رادھا نے ایک سرود آہ بھری: ”کاش میرا بیٹا ہوتا اور تم جیسی لڑکی اس گھر میں اس کی دہن بن کر آتی۔“ ”بھگوان تمہاری آشا پوری کرے ماں!“ گنگا نے رادھا کو جھوٹی تسلی دیتے ہوئے کہا۔

”بیٹی اس طرح کی جھوٹی تسلیوں سے سورج کی روح صدمے سے دوچار ہوگی۔“ رام سنگھ نے گنگا سے کہا۔ ایسی جھوٹی امیدوں سے تو اس کا پاگل پن اور بڑھ جائے گا اسی لیے تو میں اس سے صاف صاف کہتا ہوں کہ سورج اب کبھی واپس نہیں آئے گا میں نے اپنی آنکھوں سے اس کے خون آلود کپڑے دیکھے ہیں اور وہ نشانی میں نے ابھی تک سنبھال کر رکھی ہے۔“

گنگا کچھ سوچتے ہوئے بولی: ”داؤ اگر آپ اجازت دیں تو میں یہاں رہ جاؤں۔ اس بہانے میں ماں جی کی خدمت بھی کر سکوں گی ممکن ہے ان کا درد بٹا سکوں۔“

”میں، تمہیں اس لیے یہاں نہیں لایا ہوں گنگا! رام سنگھ دیوان پر بیٹھا ہوا بولا: ”تمہارا یہاں رہنا مناسب نہیں ہے۔ تمہاری تلاش میں پولیس ضرور اس گاؤں میں آئے گی۔ میں تمہیں دوبارہ خطرے میں ڈالنا نہیں چاہتا۔“

”تو پھر تم مجھے کہاں لے جاؤ گے داؤ؟“ گنگا نے آہستہ سے کہا۔

”تمہارے لیے ایک ہی راستہ سلامت اور محفوظ نظر آتا ہے اور وہ راستہ یہ ہے کہ میں تمہیں اپنے ہی ساتھ رکھوں۔ ہماری پرخطر زندگی تمہیں پسند نہیں آئے گی، لیکن رفتہ رفتہ تم اس زندگی کی عادی ہو جاؤ گی۔“ رام سنگھ کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔

”لیکن کب تک؟ گنگا نے پوچھا۔“

”جب تک درگیش سے تمہارا ملاپ نہیں ہو جاتا۔“ درگیش کا نام سنتے ہی گنگا کا چہرہ سرخ ہو گیا چند لمحوں تک وہ کچھ سوچتی رہی پھر نگر مندرا نے لہجے میں بولی: ”کیا پتا اس کے کیس کا کب فیصلہ ہوگا؟ پولیس نے اگر میل بدلے اس سے لینا چاہا تو پھر جیسے تیسے کر کے وہ اسے مجرم ثابت کر دیں گے۔“

”تمہیں اپنے داؤ پر بھروسہ نہیں ہے؟“ رام سنگھ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر آئی: ”دو روز قبل ہی وہ ضمانت پر رہا ہوا ہے اور اب دو ایک دنوں میں وہ عدالت سے بھی باعزت بری ہو جائے گا۔“ اتنا کہہ کر رام سنگھ ہنسنے لگا۔

”بیٹی یہ جھوٹی تسلی نہیں ہے بلکہ میں نے سارا انتظام کر دیا ہے۔“ ”سچ؟“ گنگا کا چہرہ خوشی سے دھنکے اور اس کا دل پیاملن کے حسین تصور سے جھوم اٹھا تھا۔

”میں آگیا ہوں بابو۔“ درگیش دروازے پر قدم رکھتے ہی خوشی سے چلا کر بولا۔ اس کی آواز سن کر بھی پوڑھے دین دیا کو سی لگا کہ اس کے کان بج رہے ہیں بھلا درگیش اتنی جلدی کیسے واپس آسکتا ہے؟ کیونکہ گھر سے جلتے وقت وہ کہہ گیا تھا کہ عدالت سے اس کی واپسی شام تک ہو سکے گی۔ جاتے جاتے درگیش نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا تھا: ”تم فکر نہ کرنا بابو میں سامنے والی جینا موسیٰ کو کہہ جاتا ہوں وہ تمہیں دوپہر کو چائے دے جائے گی اور دوپہر ہی پلا دے گی۔“ لیکن شام کے بجائے درگیش اتنی جلدی واپس آئے گا اس کا اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا وہ تو اس کی آواز کو اپنا دم سمجھ رہا تھا۔

”میں باعزت چھوٹ کر آگیا ہوں بابو۔“ درگیش کمرے داخل ہوتے ہوئے بولا: ”تم کچھ بولتے کیوں نہیں ہو بابو؟“

درگیش اس کے سر پر ہاتھ پٹھ گیا۔ اس طرح آنکھیں بھٹا کر مجھے کیوں دیکھ رہے ہو؟“ درگیش کی آواز میں خوف کی جھلک تھی کہ کہیں بابو کو کچھ ہو تو نہیں گیا؟ کیونکہ بابو دو دنوں سے کمرہ رہا تھا۔ اب میرے جانے کا وقت ہو گیا ہے بس تم عدالت سے بری ہو کر آ جاؤ تو میری آتما آسانی سے پر لوک سدھار سکے۔

باپ کے چہرے اور گردن پر ہاتھ پھیر کر درگیش نے

جب اطمینان کر لیا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے تب وہ بولا۔  
میں جانتا ہوں یا پوچھ لو لے کیوں نہیں ہو؟ شاید تمہیں  
یقین نہیں آئے کہ میں باعزت رہا کر دیا گیا ہوں۔ مجھے تو  
یہ سب کوئی معجزہ ہی لگ رہا ہے۔ پہلے کوئی انجان آدمی مجھے  
ضمانت پر رہا کر گیا تھا تب بھی مجھے یقین نہیں آیا تھا لیکن اب  
عدالت سے میرے خلاف دائر کیا گیا مقدمہ واپس لے لیا گیا ہے؟  
”یعنی مقدمہ خارج ہو گیا؟“ دین دیال کے ہونٹ اتنی  
درمیں پہلی بار پھٹ پھڑکے اور اس کے شکن آلود چہرے پر  
خوشی کی لہر دوڑتی دکھائی دینے لگی۔ ”تم... تم... جھوٹ گئے  
بیٹے!“ یہ کہتے ہوئے اس کی آواز رندھ گئی اور آنکھوں میں پانی  
بھر آیا۔ پھر ایک اس نے دونوں ہاتھ بڑھا کر درگیش کو  
اپنے قریب کھینچ لیا اور کانٹہ آواز میں بولا: ”بھگوان! تیرا  
بہت بہت احسان ہے کہ تو نے مجھے معاف کر دیا بس اب مجھے  
اپنی موت کے سوا کچھ نہیں چاہیے۔“

”یکہ کہہ رہے ہو تم؟“ بھلا اس میں تمہیں معاف کرنے  
کی بات کہاں سے آئی؟“ درگیش نے اس کی بھیگی آنکھوں کو  
پوچھتے ہوئے کہا: ”اب تم دیکھنا باپو! تھوڑے ہی دنوں میں  
اس گھر میں ہی میرا دو اخانہ کھل جائے گا اور درگاپور کا کوئی  
غریب آدمی علاج کو نہیں ترسے گا۔ مجھے تمہارا شیر باد چاہیے  
باپو۔“

”آشیر یاد کے ساتھ ساتھ کچھ اور بھی دینا ہے تمہیں؟“  
دین دیال اپنے بیٹے کی صورت تنکے لگا۔ یوں لگ رہا تھا  
جیسے وہ برسوں سے سینے میں چھپے ہوئے کسی راز کو اگل  
دینا چاہتا ہو لیکن شاید ایسا کرنے میں اسے تکلیف محسوس  
ہو رہی ہو۔

اس کی یہ حالت دیکھ کر درگیش کو ایک بار پھر لگا جیسے  
اس کے باپ کو کچھ ہو رہا ہے۔ کچھ ہونے والا ہے۔  
ڈاکٹر صاحب! آپ نے آج کا اخبار پڑھا؟“ آنگن سے  
کسی کی آواز آئی تو درگیش چونک پڑا۔ جہاں موسیٰ کا لڑکا گلاب چند  
ہاتھ میں اخبار تھامے اندر آ گیا اور بولا: ”ڈاکٹر صاحب! گنگا  
زندہ ہے۔ رام پور سے میں اس نے اپنے چاچا دتارام کو قتل  
کر دیا تھا پھر پولیس اسے گرفتار کر کے لے جا رہی تھی کہ راستے  
میں ڈاکو رام سنگھ سے مدد بھیڑ ہو گئی۔ دونوں طرف سے گولیاں

چلیں اور رام سنگھ گنگا کو اٹھائے گیا۔ ایک ہی سانس میں گلاب چند  
نے یہ بری خبر سنا ڈالی۔ دین دیال ایک جھٹکے سے بستر پر بیٹھے ہی  
بیٹھے لڑھک گیا۔ درگیش نے جھپٹ کر گلاب چند کے ہاتھ سے  
اخبار چھین لیا اور اس خبر پر نظریں دوڑانے لگا۔ گنگا زندہ ہے  
یہی خبر اس کے لیے سب سے اہم خبر تھی۔ ”باپو! یہ دوسرا معجزہ ہے  
وہ خوشی سے سرشار لہجے میں چلا یا۔ اخبار سے نظریں ہٹا کر اس نے  
باپ کی طرف دیکھا۔ دین دیال کی سانس تیز تیز چلنے لگی تھی اور  
اس نے ایک ہاتھ اس طرح بائیں پسلیوں پر دبا رکھا تھا جیسے اسے  
سانس لینے میں انتہائی تکلیف کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو۔ ایک  
دین دیال کے ہونٹ ہلے اور آنکھیں درگیش کے چہرے پر مرکوز  
ہو گئیں جیسے وہ کچھ کہنا چاہ رہا ہو۔

درگیش نے گھر کے اس کی آنکھوں میں جھانکا تو پھر تھوڑی  
آنکھوں میں اسے موت کے سائے پھیلتے ہوئے دکھائی دیے۔  
اس نے اخبار پھینک دیا اور باپ کے سینے پر ہاتھ پھیرنے لگا۔  
”کیا ہو رہا ہے تمہیں باپو؟“

دین دیال کا چہرہ سینے سے تر ہوا رہا تھا۔ درگیش  
بھاگ کر اپنا بیگ اٹھا لایا اور گلاب چند سے بولا: ”جلدی کرو  
گلاب چند! باپو جی خلعے سے گرم پانی کر کے لے آؤ۔ باپو کو  
انجکشن لگانا ہے۔“ بولکھلایا ہوا گلاب چند تھوڑی دیر تک  
چپ چاپ کھڑا رہا۔ درگیش اسے گھڑا دیکھ کر چیخا: ”سانس نہیں  
تم نے؟ میں نے گرم پانی کے لیے کہا ہے۔“  
”ہے... بیٹا۔“ دین دیال کے ہونٹوں سے سرسراہٹ ہوئی  
آواز نکلی۔ ”اب کچھ کہنا ہے کار ہے... بس چپ چاپ میری  
بات سن لو۔“

درگیش فوراً باپ کے ادھر پھٹک گیا۔ دین دیال نے کچھ  
بولنے کی بجائے سر ہانے رکھے ہوئے تکیے کی طرف اشارہ  
کیا اور اس کے نیچے ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرنے لگا۔ شاید مرنے  
سے قبل وہ کوئی چیز اس کے سپرد کرنا چاہتا تھا۔ یہ دیکھ کر درگیش  
نے خود ہی تکیے کے نیچے ہاتھ ڈالا اور ایک بڑا سا لفافہ کھینچ کر نکالا  
بندہ لفافہ دیکھ کر اس نے باپ کی طرف دیکھا تو یکایک اسے خیال  
آیا کہ باتوں میں وقت ضائع کرنے کی بجائے اسے باپو کے علاج  
توجہ دینی چاہیے۔ اس لیے وہ لفافے کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔  
”بس اس وقت تم کچھ مت بولو! پہلے ایک انجکشن لگو تو تکلیف

دور ہونے کے بعد جتنی باتیں چاہیں کر لیتا۔“

دین دیال نے اس کا بازو تھام لیا اور اس کا سہارا لے کر  
بیٹھنے کی کوشش کرتا ہوا بولا: ”تم سے کہنے میں بہت دیر ہو گئی  
ہے بیٹا۔“

دین دیال کو دوبارہ بستر پر لٹاتے ہوئے درگیش گلو گیسر  
آواز میں بولا: ”تم کیا کہنا چاہتے ہو باپو؟ یہ لفافہ کیسا ہے؟“  
”یہ میرے جرم کا اقرار نامہ ہے۔ اس میں میرے گناہ کا  
اعتراف ہے۔ دین دیال کی لڑکھڑاتی ہوئی آواز کسی گہرے  
کنوئیں سے آتی محسوس ہوئی۔“ اس کو پڑھنے کے بعد شاید تم  
مجھے باپ کہنا پسند نہیں کرو گے۔“

”اس میں آخر ایسا کیا ہے؟“ درگیش نے درمیان میں  
پوچھا جابا لیکن دین دیال نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا پھر  
رک رک کر خود ہی کہنے لگا: ”وقت بہت ہی کم ہے بیٹا۔ تم  
اس اقرار نامے کو جیب پڑھ لو گے تو تمہیں مجھ سے نفرت ہونے  
لگے گی۔ اور...“

”میں یہ اقرار نامہ نہیں پڑھوں گا باپو۔“ درگیش اس  
کی بات کاٹ کر بولا۔

”نہیں بیٹا۔ میری آخری خواہش یہی ہے کہ تم اسے  
ضرور پڑھ لینا۔“ دین دیال کی دھیمی آواز اب بے مشکل ہی سنائی  
دے رہی تھی۔ اسے پڑھنے کے بعد تم مجھے... ضرور... معاف  
کر دو۔“ یکایک دین دیال کی آواز غائب ہو گئی۔ اس کا منہ  
کھٹکا کھٹکا رہ گیا اور جسم ساکت ہو گیا۔ اس کی روح اس کا جسم  
چھوڑ کر پرواز کر چکی تھی۔ پھر اس سے پہلے کہ گلاب چند پانی لے کر  
آتا درگیش اپنے باپ کی چھاتی پر سر رک کر سسک سسک کر  
رورہا تھا۔

کھا کر رام سنگھ کے ساتھ اس کے اڈے پر پہنچے تک گنگا  
سمجھ چکی تھی کہ ڈاکوؤں کی زندگی بے حد ٹھن ہوئی ہے کبھی کبھی  
تو انھیں میلوں کی مسافت پیدل طے کرنی پڑتی ہے۔ اسے اس  
طرح چلنا بے حد دشوار محسوس ہو رہا تھا۔ چلتے چلتے جب وہ ایک  
جگہ سستانے کے لیے بیٹھے تو اس نے رام سنگھ سے کہا: ”میں  
تو اب تک ہی سمجھ رہی تھی کہ آپ لوگ تیز رفتار گھوڑوں پر بیٹھے  
کر کچھ جہر میں جہاں جانا چاہیں پہنچ جاتے ہوں گے لیکن میرا تو

پیدل بڑا حال ہو گیا ہے۔“

جہاں گھوڑے دوڑنا آسان نہیں ہوتا ہم پیدل چلنے  
کو ہی ترجیح دیتے ہیں تاکہ آسانی سے بھاگا جاسکے۔ ایسے علاقے  
میں شاید ہی کوئی گھوڑا استعمال کرتا ہو گا۔ ویسے ان بھول بھلیوں  
سے نکل کر ہم گاڑی بھی استعمال کرتے ہیں۔ گھوڑے دونوں تم ہمارے  
ساتھ رہو گی تو سب کچھ سمجھ جاؤ گی۔“ رام سنگھ نے اس سے کہا۔

گنگا کو دو ہی دنوں میں بہت کچھ سمجھ میں آ گیا تھا رام سنگھ  
کے ساتھ اسے اڈے پر آتا دیکھ کر رام سنگھ کے تمام ساتھی اسے  
لجسی اور حیرت سے دیکھنے لگے تھے۔ یہ دیکھ کر وہ خرمائی اور  
سوچنے لگی کہ اتنے سارے مرنے والے درمیان وہ اکیلی کس طرح  
رہ سکے گی؟

رام سنگھ نے اپنے ساتھیوں سے گنگا کا تعارف کرایا پھر  
انھیں تاکید کرتے ہوئے کہا: ”میں نے اس لڑکی کو اپنی بیٹی  
بنایا ہے۔ چند روز تک یہ ہماری مسلمان بن کر یہاں رہے گی۔  
اس کی حفاظت کرنا تم لوگوں کا فرض ہے۔ اسے کوئی تکلیف نہیں  
ہونی چاہیے۔ تم لوگ اسے اپنی بہن سمجھ کر اس کا خیال رکھنا۔“  
رام سنگھ کے یہ آخری الفاظ اس کے نوجوان ساتھی ہماری  
کو کھٹکے مگر وہ رام سنگھ کی نیت سے واقف تھا۔ دنیا کی ہر عورت  
ہماری ماں بہن ہے۔ رام سنگھ ہمیشہ اس بات پر زور دیتا  
رہا تھا کسی جگہ حملے کے وقت اگر اس کے کسی ساتھی نے کسی عورت  
کو چھوڑ دیا تو اس کی شامت آجاتی تھی۔ چند روز پہلے اس نے  
اپنے ایک ساتھی کو اسی قصور پر گولی مار دی تھی لیکن ہماری دل  
کے ہاتھوں مجبور تھا وہ گنگا کو دل سے بہن مانتے کے لیے تیار  
نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر کنوارا آدمی ہر عورت کو اپنی ماں  
بہن سمجھتا رہے گا تو وہ پیار کس سے کرے گا؟

اڈے پر آکر گنگا نے پہلی رات اپنے ہاتھوں سے کچھ پھری  
اور ساگ رکھا کہ جابیس ڈاکوؤں کو کھلایا۔ رام سنگھ کے سارے  
ساتھی اس طرح برتنوں پر ٹوٹ پڑے تھے، جیسے انھیں کوئی  
نعمت مل رہی ہو۔ رام سنگھ نے گنگا کو کھانا پکانے سے منع کیا  
تھا۔ مگر گنگا نے ہنس کر جواب دیا تھا: ”اؤ! آپ نے تو مجھے بیٹی  
کہا ہے، پھر بیٹی کو مہمان بنا کر اسے یہ احساس کیوں دلا رہے ہیں  
کہ چند روز میں اسے یہاں سے چلا جانا ہے۔ ابھی تو مجھے آئے  
ہوئے ایک دن بھی نہیں ہوا ہے۔“



”لڑکیاں تو باپ کے گھر مہمان ہی ہوتی ہیں انہیں گھر سے رخصت تو کرنا ہی پڑتا ہے۔“ رام سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ درگیش آجائے تو میں اپنے ہاتھوں سے تجھیں ودا کر دوں گا۔“ یہ سن کر گنگا شرمائی وہ کہنا چاہتی تھی کہ درگیش اگر اسے لینے آجی گیا تو بھی وہ اس کے ساتھ کہاں جاسکتی ہے؟ میری وجہ سے تو اسے بھی پولس سے آنکھ بھولی کھیلنی پڑے گی، لیکن یہ بات رام سنگھ سے نہ کہہ سکی البتہ اس نے اتنا ضرور کہا۔ ”داؤ انب کی بات تب ہوگی ابھی مجھے اپنی خدمت سے نہیں روکو۔“

یہ سن کر بیماری کو گنگا کی تعریف کرنے کا موقع مل گیا وہ دھیرے سے گنگا کے قریب آکر بولا۔ ”واہ، کیا مزے کی کچھڑی تھی۔ میں نے اپنی زندگی میں اتنی مزے دار کچھڑی کبھی نہیں کھائی۔“

”اب ایسی زیادہ اچھی بھی نہیں ہے۔“ گنگا نے شرماتے ہوئے کہا۔

بیماری کو اس کے جواب میں بھی بیمار کی جھڑکار سنائی دے رہی تھی اور وہ گنگا کے الفاظ میں کھو کر رہ گیا تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر وہ لوگ کافی رات گئے تک اپنے پڑاؤ کے قریب آنگن تمامیدان میں بیٹھے خوش گتیاں کرتے رہے، لیکن بیماری اس وقت بھی گنگا کے خیالوں میں کھویا ہوا تھا۔ رات کو اگر گنگا، رام سنگھ کے پاس نہ سمیٹی ہوتی تو وہ ضرور گنگا سے اپنی محبت اقرار کر بیٹھتا۔ یہ موقع اسے صبح کے وقت مل ہی گیا۔ گنگا صبح سوکر اٹھی تو اسے رام سنگھ درگاما کی چھوٹی سی تصویر کے سامنے بیٹھا بوجا کر تانظر آیا تھا۔ دیکھ کر اسے اپنے دیر سے اٹھنے پر تھوڑا افسوس ہوا۔ اس نے سوچا کہ جب تک رام سنگھ بوجا سے اٹھے، اُسے نہالینا چاہیے تاکہ وہ بھی درگاما کی بوجا کرے۔ باہر نکل کر اس نے ادھر ادھر دیکھا تو اسے بیماری نظر آگیا۔ اس نے بیماری کے قریب جا کر اس سے پوچھا۔ ”تم سب لوگ کہاں نہاتے ہو؟“

بیماری نے اس کی طرف حشر کر دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ ”جب ہمارا نہانے کو جی چاہتا ہے تو دو تین دن تک نہاتے ہی رہتے ہیں۔ ویسے صرف ہاتھ منہ دھو کر گزارا کرتے ہیں۔ ہمارا جسم سوکھنے کے لیے ہمارے نزدیک کوئی نہیں آتا۔“ یہ کہہ کر اس نے ٹھنڈی سانس لی۔

گنگا اس کی اس بات کو نہ سمجھتے ہوئے بولی۔ ”سچ کہہ رہے ہو تم۔ ڈاکوؤں سے تو ہر کوئی دور رکھتا ہے لیکن میں لودنار نہاتے بغیر نہیں رہ سکتی۔ کپڑے بھی دھلے ہوئے پینے کی غالت ہے مجھے۔“

”اس کا ہمارے پاس انتظام ہے۔“ بیماری نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”یہاں سے ایک فلائنگس کے فاصلے پر ایک بہاڑی ندی بہتی ہے جس کے صاف وشفاف پانی سے نہاؤ گی تو تمہارا چہرہ اور بھی گوارا ہو جائے گا۔“

گنگا اپنے اپنے کپڑے اٹھائے اس طرح وہاں سے دوڑ گئی تھی۔ اس نے بیماری کا آخری جملہ سننا ہی نہ سنا لیکن بیماری نے اسے تمنا نہیں جانے دیا۔ وہ اسے جاتے دیکھ کر بولا۔ ”میں آ رہا ہوں تھوڑی دور تک تجھیں پہنچاؤں گا۔ اس گھنے جنگل میں کہیں کھو جاؤ گی تو ندی اور پڑاؤ دونوں کو ڈھونڈ نہیں سکو گی۔“

گنگا کو اس کے لیے سے کچھ شک ہوا لیکن اپنے چہرے سے اس نے اس بات کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ وہ رک کر اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ”اگر ایسی بات ہے تو دور سے ندی کی جانب اشارہ کر کے واپس چلے جانا۔“

ندی کی طرف اشارہ کرنے کے بعد بیماری وہاں سے ہٹا نہیں وہ ندی کنارے ایک گھنے درخت کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ گنگا نے ایک دوبار چاروں طرف دیکھا پھر جیسے تیسے وہ نہا کر فارغ ہو گئی۔ بیماری کی آنکھیں خاموشی سے اس کو گھورتی رہیں۔ گنگا کو اس کی اس حرکت کی خبر نہیں تھی۔ جب گیلے کپڑوں کو ہاتھ میں اٹھائے وہ واپس آنے لگی تو ایک ٹیلے کے پیچھے ریت پر بیماری کو بیٹھا دیکھ کر چونک پڑی۔

”تم۔ یہاں چھپ کر بیٹھے کیا کر رہے ہو؟“

”تمہاری حفاظت۔“ بیماری ریت میں انگلی پھیرتے ہوئے بولا۔ ”تجھیں کچھ ہو گیا تو داؤ نہیں زردہ نہیں چھوڑے گا۔“

”یہاں مجھے کیا ہو جائے گا؟ ڈاکوؤں کے درمیان تو میں رہ رہی ہوں۔ کس کا ڈر ہو گا؟“ گنگا نے پوچھا۔

”جنگل میں درندے بھی ہیں۔ شیر اور جیتے بھی۔“ بیماری نے مسکراتی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کبھی

کبھی اس طرف شیر بھی آ جاتے ہیں۔“ اس نے گنگا کو ڈرانے کی کوشش کی تھی، لیکن اپنی بات کا گنگا پر کوئی اثر نہ ہوتا نظر نہیں آیا۔ گنگا نے بڑی عجیب سی نظروں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ ”شیر اور جیتوں سے زیادہ مجھے انسانی درندوں سے ڈر لگتا ہے۔“ گنگا کہنے کو تو یہ بات کہہ گئی لیکن پھر اسے فوراً ہی احساس ہوا کہ کہیں بیماری کو اس کی بات بری نہ لگ جائے اس لیے وہ جلدی سے بات کو بدلتے ہوئے بولی۔ ”درگاپور کا ٹھکانہ شیر سنگھ بھی ایک درندہ تھا۔ تالاب کے کنارے مجھے کپڑے تبدیل کرتے دیکھ کر یاگل ہو گیا اور میری عزت پر حملہ کرنے کی تیاری کرنے لگا۔ لیکن اسے یہ بات معلوم نہیں تھی کہ عورت کو جب اپنی عزت بچانے کا جنون چڑھ جاتا ہے تب وہ مرنے مارنے کے لیے تیار ہو جاتی ہے۔ ٹھکانہ شیر سنگھ کا خنجر میں اپنے پیٹ میں اتارنا چاہتی تھی لیکن شاید قدرت کو مجھے زندہ رکھنا منظور تھا۔ خود اس کے خنجر سے ہی اس کے ناپاک وجود کا خاتمہ ہو گیا۔“

گنگا خاموش ہوئی تو بیماری اسے یاد دلاتے ہوئے بولا۔ ”یہ تو سب قدرت کے ہی کھیل ہیں۔ شاید اس بہانے قدرت ہمارا ملاپ کرنا چاہتی تھی۔ نہ تم جاؤ دینے کے لیے ندی میں کودیں اور نہ ہی میں تمہاری جان بچاتا۔“

گنگا اس کا مطلب سمجھ گئی اور بولی۔ ”بیماری سنگھ! یہ تو میں بھول ہی گئی، تم نے میری جان بچائی تھی۔ اس کا شکریہ ادا کرنا تو مجھے یاد ہی نہیں رہا۔ شاید میری یہ بات تجھیں ناگوار کبھی لگی ہو۔“

بیماری کے لیے اتنا ہی موقع کافی تھا۔ ”صرف زبانتے شکریہ ادا نہیں کیا جاتا اس کے اور بھی بہت سے طریقے ہیں۔“ وہ آہستہ سے بولا۔

”اور بھی طریقے؟“ گنگا کی آواز میں تلخی تھی۔ ”میری جان بچانے کے بدلے میں تجھیں کیا چاہیے؟“

گنگا کا سرخ چہرہ دیکھ کر بیماری کشمکش میں گرفتار ہو گیا، اسے اس کا احساس ہو چکا تھا کہ اس کی جلد بازی سے سارا کام بگڑتا جا رہا ہے۔ لیکن چونکہ بات اب زبان سے نکل چکی تھی اس لیے اسے جاری رکھنا بھی ضروری تھا۔ اس نے پوچھا۔ ”میں جو مانگوں گا وہ مجھے ملے گا؟“

”دینے کے لائق ہو گا تو ضرور ملے گا۔“ گنگا اب اس کا پورا پورا امتحان لینا چاہتی تھی۔ ”پہلے تم مانگو تو سہی۔“ اتنا کہہ کر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ بیماری ابھی تک ریت میں انگلیاں پھیر کر سوچ رہا تھا کہ دل کی بات کیسے کی جائے؟ مگر گنگا اس کی ان کہی بات سمجھ چکی تھی۔ اس نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر اس نے کوئی ایسی ویسی چیز مانگ لی تو وہ اس سے صاف صاف کہہ دے گی کہ درگیش کے سوا کسی دوسرے مرد کے لیے اس کے دل میں کوئی جگہ ہو ہی نہیں سکتی اس لیے آئندہ سے ایسی بات کبھی بھی نہ سوچا۔۔۔

”گنگا تم بڑھی لکھی ہو اور میں جاہل ہوں۔“ خلاف توقع یہ بات سن کر بھی گنگا چونکی نہیں۔ بیماری انعام مانگنے سے ہچکچا رہا ہے یہ دیکھ کر اسے اس پر رحم آگیا لیکن اس نے دل کا اظہار نہیں کیا۔ بیماری تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھا رہا پھر بے حد جذباتی لہجے میں بولا۔ ”یہاں بیٹھے بیٹھے میں کب سے ریت میں لکیریں بنا رہا ہوں لیکن الفاظ بنتے نہیں ہیں۔ میں تم سے لکھنا پڑھنا سیکھتا چاہتا ہوں۔“

گنگا سمجھ گئی کہ بیماری نے ہوشیاری سے دل کی بات دل میں ہی دبا لی ہے۔ اس پر اس نے بھی اپنا رویہ بدل لیا اور بیماری سے پوچھنے لگی۔ ”لگتا ہے تم مجھے بنا رہے ہو؟ کیا واقعی تجھیں لکھنا پڑھنا نہیں آتا؟“

”نہیں۔ دو تین سال تک تو اسکول میں جا کر شرارتیں ہی کرتا رہا تھا۔“

”تو پھر اب پڑھنے کا خیال کیسے آگیا؟“

”تم درگاپور کے اسکول میں لڑکوں کو پڑھاتی تھیں نا؟“ وہ سوالیہ لہجے میں بولا۔

”لڑکوں کو نہیں میں لڑکیوں کو پڑھاتی تھی۔“ گنگا نے کہا۔ بیماری سوچنے لگا کہ لڑکی بہت چالاک ہے۔ اب اس سے تو ہنس بول کر ہی کام نہ کرنا ہو گا۔ تھوڑی بہت بے تکلفی ہو گئی تو آپ ہی لگاؤ پیدا ہو جائے گا۔

”میں تجھیں لکھنا پڑھنا سکھاؤں گی مگر ایک شرط پر۔“ گنگا نے بات جاری رکھی۔ ”تم اسکول کے ماسٹر کو تنگ کیا کرتے تھے تو یہ سب میرے ساتھ نہیں چلے گا۔ سیدھے سادھے بچے کی طرح سر جھکا کر پڑھنا ہو گا۔“ اتنا کہہ کر وہ اٹھنے لگی تو

بہاری نے اسے روک دیا۔

”کہاں جا رہی ہو؟ ابھی سے پڑھنا شروع کر دو مجھے۔  
دوسروں کے سامنے پڑھنے سے شرم آئے گی۔ اس وقت کوئی  
دیکھ نہیں رہا ہے دو چار الفاظ بتائی جاؤ۔“ بہاری اسے  
معنی خیز نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔

”بہت دیر ہو جائے گی۔ میں داؤ کو بتائے بغیر آگئی تھی۔“  
”گنگا کے اس جواب نے بہاری کو اٹھنے پر مجبور کر دیا مگر  
وہ اٹھتے اٹھتے بولا۔“ داؤ کو پوچھا اسے اٹھنے میں ابھی دیر تھی  
گی۔ سورج ابھی اونچا نہیں ہوا ہے۔“

”اچھا تو پھر بیٹھ جاؤ۔“ گنگا ریت پر بیٹھتے ہوئے بولی۔  
بہاری یہ دیکھ کر خوش ہو گیا وہ گنگا کے سامنے دھب سے  
ریتی پر بیٹھ گیا۔ لیکن نرم اور چلتی ریتی میں انگلی پھیرتے وقت  
گنگا، درگیش کی یادوں میں کھو گئی تھی۔ اس وقت میں وہ  
بہاری کی موجودگی کو فراموش کر چکی تھی۔ اس نے گیلی ریتی  
میں انگلی سے جب درگیش کا نام لکھا تو بہاری کی آنکھیں  
سکڑ گئیں۔ اسے ٹھوڑا بہت پڑھنا آتا تھا۔ درگیش کا نام اس  
کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح گھسا لیکن اس نے اس کا  
اظہار نہیں ہونے دیا وہ بولا۔

”ابتدا کسی اچھے لفظ سے کرنا، کوئی اچھا نام لکھنا پہلے  
سکھانا۔“

”کس کا نام لکھوں؟“ گنگا چونک پڑی۔ ”تمہارا؟“  
”نہیں اپنا۔“ بہاری دھیرے سے بولا۔ ”تمہارے  
نام میں ایک ہی حرف دوبار آتا ہے اس لیے یہ جلدی آجائے  
گا۔“ یہ سن کر گنگا نے آنکھیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا لیکن  
بہاری نے جلدی سے اپنی نظریں جھکا لیں اور چالاکی سے  
اسے سمجھانے لگا۔ ”پہلا نام استاد ہی کا ہونا چاہیے۔“

”اچھا۔“ کہہ کر گنگا نے ریت میں اپنا نام لکھ دیا۔  
بہاری کی آنکھوں میں چمک سی لہرائے لگی، پھر وہ بھی  
اپنی انگلی سے ریت پر اس کے لکھے ہوئے نام کی نقل کرتے  
لگا۔ گنگا کا نام لکھنے کے بعد وہ بولا۔ ”اب نیچے میرا نام بھی  
لکھ دو۔“

گنگا نے اپنے نام کے نیچے اس کا نام لکھ دیا تو اپنے  
نام کو دیکھ کر بہاری نے اس کی بھی نقل اتار دی اور بولا۔ ”بس

اب ان دونوں ناموں کے برابر میں ایک لفظ اور لکھ دو۔“  
”کون سا لفظ؟“ گنگا نے پوچھا۔  
”پیارے، بہاری مسکرا کر بولا۔

گنگا اس طرح اچھل کر کھڑی ہو گئی، جیسے اسے بچھونے  
ڈنک مار دیا ہو۔ وہ واپس جانے کے لیے مڑی اور جلتے  
جلتے کمتی گئی۔ ”ایسا سبق سیکھنے کے لیے تمہیں دوسرے استاد  
کو ڈھونڈنا پڑے گا۔“

بہاری کے لیے یہ غیر متوقع جواب تھا وہ ہونٹ بھینچے  
اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا لیکن اپنے ارادے کو اس نے ٹوٹنے  
نہیں دیا۔ کافی دیر تک وہ ریت پر لکھے ہوئے دونوں ناموں  
کو دیکھنے لگا پھر یکایک اپنے اور گنگا کے نام کے گرد دل کا  
نقشہ بنا کر دونوں ناموں کو اس کے دائرے میں قید کر دیا  
اور سنبھلے لگا تھوڑی دیر بعد وہ اٹھا لیکن اسے اس کی خبر  
نہیں ہوئی کہ ہوا کے ایک تیز جھونکے سے تحریر شدہ ناموں  
پر ریت اڑ پڑی تھی۔

درگیش کی رہائی کا سن کر گنگا کا روال روال جھوم  
اٹھا۔ ”سچ کہہ رہے ہو داؤ؟“  
”وہاں یہ خبر میرا ایک آدمی لے کر آیا ہے۔“ رام سنگھ  
سنجیدہ لہجے میں بولا۔ ”عدالت نے درگیش کو باعزت بری  
کر دیا ہے۔“

گنگا کا روال روال خوشی سے جھوم رہا تھا۔ اس نے  
احسان مندانہ نظروں سے رام سنگھ کی طرف دیکھا اور بڑی  
دھیمی آواز میں بولی۔ ”یہ سب تمہاری محنت کا نتیجہ ہے داؤ۔“  
میں کس نہ بان سے تمہارا شکریہ ادا کروں...“ اتنا کہہ کر ہی  
اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

”ارے گنگا بیٹی!، رام سنگھ نے بڑی محبت سے اسے  
سمجھایا۔ اس میں کھلا شکریہ کی کیا بات ہے؟ وہ بے قصور  
تھا اور جھوٹ گیا۔ اس کے لیے تم درگما ماما کا احسان مانو۔  
اس نے تمہارے سچے دل کی عاجزی سن لی ہے۔“

”داؤ! درگما پوری اور کیا خبر آئی ہے؟ میرے متعلق  
سن کر درگیش کو صدمہ تو ہوا ہو گا میرے سر جی کو تو  
بہت دھچکا لگا ہو گا؟“ وہ ایک سانس میں کتنی چلی گئی۔

”ان سوالوں کا جواب تم درگیش سے مل کر پوچھ لینا۔“  
رام سنگھ اسے خوش کرنے کے لیے بولا۔ ”اسے یہاں لانے کے  
لیے میں بہاری کو اس کے پاس بھیج رہا ہوں۔“ اتنا کہہ کر اس  
نے بہاری کو آواز دی۔ گنگا خوش ہونے کی بجائے گری سوچ  
میں ڈوب گئی۔ اسے خاموش دیکھ کر رام سنگھ بولا۔ ”ویسے تو  
مجھے خود جا کر اسے یہاں لانا تھا لیکن تم تو جانتی ہو جب تک  
درگما پور کے ٹھاکر کا دوسرا بیٹا زندہ ہے اس وقت تک میں  
درگما پور میں قدم نہیں رکھ سکتا۔“

”اگر درگیش یہاں آنے کے لیے تیار نہ ہوا تو؟“ گنگا نے  
پوچھا۔

”تو میں اسے زیر دستی اٹھاؤں گا۔“ رام سنگھ کی بجائے  
بہاری نے جواب دیا۔ ”میری بندوق بڑوں بڑوں کا کس بل  
نکال دیتی ہے۔“

گنگا نے غصے سے بہاری کی طرف دیکھا لیکن اس سے  
پہلے کہ وہ کچھ کہتی رام سنگھ، بہاری سے بولا۔ ”تمہیں اتنی  
بہادری دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم دیکھنا گنگا کا نام  
سننے ہی وہ یہاں دوڑا ہوا آئے گا۔“

”لیکن ڈاکٹر تو مجھے پہچانتا نہیں ہے۔ وہ میرے کہنے  
سے یہاں آجائے گا داؤ؟“ بہاری نے کہا۔

”اسے میری یہ نشانی دکھا دینا۔“ گنگا نے اپنی انگلی سے  
انگوٹھی اٹاری اور بہاری کی جانب بڑھا کر بولی۔ ”اسے دیکھتے  
ہی اسے یقین ہو جائے گا۔“

بہاری نے اس کے ہاتھ سے انگوٹھی لے لی لیکن  
انگوٹھی کے لمس نے اس کے اندر ایک آگ سی بھڑکادی  
تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ اس کا پورا وجود اس آگ میں جلی کر  
بھسم ہو جائے گا۔ پہلے اس نے پتیلی میں دی ہوئی انگوٹھی  
پر ایک نظر ڈالی پھر گنگا کے حسین چہرے پر نظریں گاڑ کر  
دل ہی دل میں بولا۔ ”گنگا جس طرح تمہاری انگلی سے یہ انگوٹھی  
اتر چکی ہے بالکل اسی طرح تمہارے دل سے درگیش اور  
اس کی محبت بھی اتر جائے گی۔ بس... صرف میرے واپس  
آنے کی دیر ہے۔“ وہ یہ سوچتا ہوا تیز تیز قدموں سے باہر  
نکل گیا۔ گنگا کی نگاہیں اس کی پیٹھ پر جمی ہوئی تھیں جب  
تک وہ اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہو گیا۔

”اب تم بالکل بے فکر ہو جاؤ بیٹی! بہاری بڑا چالاک  
اور بہادر نوجوان ہے وہ درگیش کو ساتھ لے کر ہی واپس  
آئے گا۔“



انتظار کے تین روز گنگا نے بے سکونی کی کیفیت میں  
گزارے۔ کام کرتے، اٹھتے بیٹھتے وہ درگیش کے ہی خیالوں میں  
کھوئی رہتی تھی۔ درگیش سے بچھڑے ہوئے ابھی اسے دس  
ہی روز ہوئے تھے لیکن ان دس دنوں میں واقعات اس  
تیزی سے رونما ہوتے گئے جن کا گنگا نے کبھی زندگی میں  
تصور تک نہیں کیا تھا۔ اب ٹھاکر رام سنگھ کی پناہ میں آ کر  
اسے قدرے اطمینان ہوا تھا۔ وہ درگیش کا انتظار کرتی رہی  
اور سوچتی رہی کہ درگیش کے آتے ہی وہ اس سے ہٹ کر  
بے اختیار آنسو بہائے گی تاکہ اس کے دل کا غبار ہلکا ہو جائے  
لیکن پھر فوراً ہی اپنا ارادہ بدل دیتی... نہیں نہیں پہلے وہ  
خود اس کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھے گی تاکہ یہ معلوم ہو سکے  
کہ میرے خلاف اس کے دل میں کبیں نفرت تو نہیں بیٹھ گئی  
ہے۔ پہلے میں اس کا اطمینان کروں گی کہ اس کے دل میں اب  
بھی میری محبت اسی طرح باقی ہے یا نہیں۔ وقت انھیں الجھنوں  
میں گم نہ کر گیا۔ آج وہ رام سنگھ کے ساتھیوں کو رامائن پڑھ  
کر سنارہی تھی۔ رام اور سیتا کی قریبائیوں کی داستان وہ  
اپنے مخصوص لب و لہجے میں پڑھ رہی تھی کہ اچانک رام سنگھ  
کے ایک ساتھی نے آکر کہا۔ ”داؤ! لگتا ہے بہاری آ رہا ہے۔“  
بہاری کا نام سن کر گنگا چونک پڑی اسے یہ دخل اندازی  
بری نہیں لگی تھی۔ اس نے رامائن بند کر کے ایک جانب  
رکھ دی اور اٹھ کر گاؤں تک کے سہارے لیے ہوئے رام سنگھ کے  
پاس آگئی اور مسکراتے ہوئے بولی۔ ”داؤ! بہاری اسے  
لے کر آتا ہو گا کیوں نہ میں کہیں چھپ جاؤں۔“ لیکن ابھی  
اس کی بات مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ اس کی سماعت سے  
کسی ڈاکو کی آواز ٹکرائی۔ ”بہاری سنگھ! اکیلا ہی آ رہا ہے۔“  
گنگا کے چہرے کا رنگ اڑ گیا، وہ خود ہی کھانسی ہوئی  
فارے کے دہانے تک پہنچ گئی مگر بہاری کو اکیلے واپس آتے  
دیکھ کر اسے یقین کرنا پڑا کہ درگیش اس کے ساتھ نہیں آیا ہے۔  
بہاری کی چال میں جوش و خروش نہیں تھا۔ جوں جوں وہ

قریب آتا جا رہا تھا گنگا کے اضطراب میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اس دوران میں رام سنگھ بھی اس کے قریب آچکا تھا۔ وہ گنگا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا: ”پہلے اسے نزدیک تو آنے دو۔ وہ کیا خبر لے کر آیا ہے یہ سننے بغیر تم کیوں خود کو ہلکان کر رہی ہو۔ ممکن ہے کسی کام کی وجہ سے وہ فوراً ہی نہ آسکتا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ بیماری کے پہنچنے سے پہلے ہی کہیں گاؤں سے باہر گیا ہو۔ وہ تمہاری ماں سے ملنے رام پورہ بھی تو جاسکتا ہے؟“

رام سنگھ کی باتوں نے اسے تسکین دی تھی لیکن تسکین زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکی۔

”کیا ہوا؟ ڈاکٹر سے ملاقات نہیں ہوئی؟“ ٹھاٹھ رام سنگھ نے آگے بڑھ کر بیماری سے پوچھا۔ بیماری نے گنگا پر ایک نظر ڈالی، گنگا کے چہرے پر افسردگی کے تاثرات دیکھ کر سخت غصہ آیا لیکن رام سنگھ کے خوف سے اس نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا مگر دل میں اب بھی غصے کی آگ سی جل رہی تھی۔ وہ اتنی دور سے تھک کر آیا تھا لیکن گنگا نے مسکرا کر اس کا استقبال بھی نہیں کیا۔

چند لمحے توقف کے بعد بیماری نے قدر سے تلخ لہجے میں کہا: ”جس کی خاطر اس لڑکی نے اپنی بربادی مول لی وہ تو انتہائی بزدل ثابت ہوا۔“

درگیش کے بارے میں ایسی باتیں سن کر گنگا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ بیماری ہی چاہتا تھا کہ گنگا کو درگیش کی طرف سے بدگمان کر دے۔ وہ بولا: ”ڈاکٹر نے پہلے تو میری بات مانتے ہی سے انکار کر دیا، اس نے مجھے گھر میں بیٹھنے کے لیے بھی نہیں کہا۔ میں نے گنگا کا نام لیا تب بھی اس نے کوئی توجہ نہیں دی۔ میں نے سمجھا شاید اسے یقین نہیں آیا ہو گا کہ میں گنگا کی طرف سے ہی اس کے پاس آیا ہوں اس لیے ثبوت کے طور پر میں نے گنگا کی انگوٹھی اسے دکھائی۔“

”تو کیا انگوٹھی دیکھ کر بھی وہ بدگمان رہا؟ بے اختیار گنگا پوچھ بیٹھی۔ بیماری نے اس کے سوال کا فوری طور پر جواب نہیں دیا تھوڑی دیر تک وہ چپ چاپ گنگا کو دیکھتا رہا۔ ٹھاٹھ رام سنگھ کو اس کی یہ حرکت پسند نہیں آئی لیکن وہ اپنا غصہ پی گیا۔

”داؤ! انگوٹھی کا اثر تو ہوا لیکن توقع کے خلاف بیماری نے کہا۔“

”کیا مطلب؟“ گنگا چونک اٹھی۔ ”انگوٹھی دیکھ کر اس نے کیا کہا؟“

”یہ تم سن نہیں سکو گی؟“ بیماری سنجیدگی سے بولا لیکن اب ٹھاٹھ رام سنگھ نے برداشت نہیں ہو رہا تھا وہ غصے سے بولا: ”بیماری! جو کچھ ہوا ہے، وہ صاف صاف کہہ ڈالو۔ پہیلی مت بچھاؤ۔“

”تو سنو گنگا!“ بیماری نے گہری سانس لے کر کہا: ”تمہارے ڈاکٹر نے مجھ سے کہا کہ میں نے اخباروں میں صحت کے تفصیل سے پڑھا ہے۔ میں جانتا ہوں گنگا کا زندہ ہے اور ڈاکٹروں کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔ لیکن اب میرا اس سے کیا واسطہ؟ میرے لیے وہ مرجی ہے۔ میں اس کا نام بھی اب اپنے ہونٹوں پر لانا نہیں چاہتا۔ جو عورت دو، دو قتل کر چکی ہو اور جس کے پیچھے پولیس لگی ہوئی ہو ایسی عورت سے تعلقات رکھ کر میں اپنی زندگی خطرے میں کیوں ڈالوں؟“

”بس بس“ گنگا بہت زور سے چیخی۔ اس نے دونوں کان پر ہاتھ رکھ لیے تھے۔

بیماری کے الفاظ سن کر رام سنگھ بھی دنگ رہ گیا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتا بیماری نے پھر کہا: ”داؤ! میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ گنگا یہ باتیں نہیں سن سکے گی میں تو آپ سے تنہا میں یہ سب کہنا چاہتا تھا لیکن آپ نے ایک ہی سانس میں ساری باتیں کہنے کا حکم دیا تو میں مجبور ہو گیا۔ اس نے میری بھی بے عزتی کی تھی یہ بات تو ابھی میں نے بتائی نہیں ہے۔“

گنگا سسک سسک کر رونے لگی اور ٹھاٹھ رام سنگھ بھی اس طرح چپ تھا جیسے یہ سب سن کر اسے بھی سخت صدمہ ہوا ہو یہ دیکھ کر بیماری نے آخری دھماکا کیا: ”مجھے گھر سے باہر نکال کر اس نے گنگا کی انگوٹھی بھی آنگن میں پھینک دی اور اوپر سے دھمکی دیتے ہوئے بولا: ”اب میری نظروں کے سامنے سے دور ہو جا، نہیں تو پولیس سے کہہ کر تجھے جیل بھیجا دوں گا۔“

”داؤ! اس بے عزتی نے میرا دماغ ہلا کر رکھ دیا، میرا جی چاہا کہ میں اسی کے گھر میں اپنی بے عزتی کا

بدلہ لے لوں لیکن آپ کے خوف سے میں نے سر جھکا لیا اور اور زمین پر پڑی ہوئی انگوٹھی کو اٹھا کر واپس آگیا۔ گنگا کو اپنی یہ انگوٹھی۔“

گنگا نے انگوٹھی لینے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا یہ دیکھ کر رام سنگھ نے بیماری کے ہاتھ سے وہ انگوٹھی لے لی اور گنگا سے بولا: ”یہی تم نے نہ کر دیا میں اس کے باپ سے مل کر بات کروں گا۔ صبر سے کام لو سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

بیماری نے پھر ایک انگشت کیا: ”داؤ! میں تو یہ کہنا ہی بھول گیا تھا کہ ڈاکٹر کا باپ دین دیال اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہے گنگا کے ہاتھوں اس کے سگے چچا کے قتل کی خبر جب اس نے اخبار میں پڑھی تو اس کا ہارٹ فیل ہو گیا۔ یہ بات مجھے ڈاکٹر نے ہی بتائی تھی اس نے کہا تھا کہ گنگا نے دو نہیں بلکہ تین قتل کیے ہیں، جن میں میرا باپ بھی شامل ہے۔“

پرس کر گنگا کی ہچکیاں تھم گئیں۔ دین دیال چاچا بھی گزر گئے؟ وہ خود کلامی کے سے انداز میں بڑبڑائی۔ پھر وہ تن کر سیدھی ہو گئی اور چھپٹ کر اس نے ٹھاٹھ رام سنگھ کے کندھے پر سے اس کی بندوق اتار لی۔ رام سنگھ اور بیماری دونوں ہی بری طرح سے چونک گئے۔

”کیا کر رہی ہو گنگا؟“ رام سنگھ دباڑا۔

”وہی جو مجھے کرنا چاہیے۔ میرے لیے کرنے کو اب کچھ بھی نہیں ہے داؤ! گنگا بیماری آواز میں بولی اور بندوق کو اوپر کر لیا پھر اس کی بلبلی پرائنگلی رکھ دی۔ اس سے پہلے کہ رام سنگھ یا بیماری کچھ کہتے یا کچھ کرتے گنگا کی انگلی حرکت میں آئی اور بندوق ایک زوردار دھماکے سے گرج اٹھی۔ ”داؤ! میری زندگی آج سے بدل گئی ہے۔ اب یہ بندوق ہی میری ساتھی ہے میں اب اسی سے پیار کروں گی اور زندگی بھر آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گی۔ میں دنیا کو دکھا دوں گی کہ جب ایک عورت بغاوت پر آمادہ ہو جاتی ہے تو گنگا خطرناک روپ اختیار کر لیتی ہے۔“

ٹھاٹھ رام سنگھ بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھتا رہ گیا اور بیماری اس بدلی ہوئی گنگا کو دیکھ کر بری طرح گھبرا گیا تھا۔

باپ کی ناگہانی موت نے درگیش کے دل سے درگا پور گاؤں کی رہی سہی محبت بھی نکال کر پھینک دی تھی۔ گنگا اب بھی واپس آنے والی نہیں تھی۔ شیواور ساواری چاچی رام پورہ میں مرادی ماما کے گھر پر رہنے لگے تھے۔ درگا پور کے ان دونوں گھروں کے آنگن میں اب ساٹا طاری تھا اور ان دونوں گھروں کی دیواروں کے درمیان درگیش کو اپنا دم گھٹنا محسوس ہو رہا تھا۔

جس گاؤں کے لوگوں کی خدمت کا جذبہ لے کر وہ ڈاکٹر بن کر لوٹا تھا انہی لوگوں نے اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی تھی، ناگر مہاجن کے خون کے الزام سے تو وہ باعزت بری ہو چکا تھا لیکن لوگ اب بھی اسے ایک مجرم سمجھ رہے تھے، جب اس کے باپ کی چٹا سلگ رہی تھی تب گاؤں والے آپس میں کھسک پھرتے ہوئے کہہ رہے تھے ”گنگا ہے ناگر مہاجن کی طرح اپنے باپ کو انجکشن لگانے میں بھی اس سے بھول ہوئی ہے۔۔۔ اب تو یہی لگتا ہے کہ اس نے ڈاکٹری واکٹری پڑھی ہی نہیں ہے بلکہ جے پور سے کیا ڈاکٹری سیکھ کر آیا ہے۔“ اس قسم کے طنزیہ جملے سننے کے بعد اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ درگا پور چھوڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلا جائے گا۔ اس نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ درگا پور کے لوگ اب چاہے اس کے پیر پڑ کر اسے روکنے کی کوشش ہی کیوں نہ کریں وہ ہرگز اپنا ارادہ نہیں بدلے گا۔ اس نے سوچا تھا کہ اپنے باپ دین دیال کی موت کے بعد کی بقیر سمیں وہ رام پورے جا کر ادا کرے گا، پھر ایک دن وہ چپکے سے درگا پور سے نکل گیا۔

”اب میں ہمیشہ کے لیے یہاں رہنے آگیا ہوں“ رام پورے پہنچ کر اس نے گنگا کی ماں کے سامنے اپنے ارادے کا اظہار کیا۔ ”آپ کی شیوکی اور اندھے ماما کی دیکھ بھال آج سے مجھ پر فائدہ ہوتی ہے۔ بالوں نے اپنا مکان جس ساہوکار کے پاس گروی رکھا تھا، میں نے وہ مکان اسے سونپ دیا ہے۔ جس کے عوض کچھ رقم مل گئی ہے۔ چار چھ مہینے گھر کا خرچ خرچ ہو چل ہی جائے گا۔ اس وقت تک میں بھی کام پر لگ جاؤں گا۔“

شیواور سے دیکھ کر خوش ہو گیا تھا۔ گنگا کی جدائی کے بعد آج پہلی بار اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھری تھی ”پرج ڈاکٹر بھیا! اب واقعی آپ ہمارے ساتھ رہیں گے نا؟ پھر تو میں بھی

ساتھ اسے وہ بند لفاق بھی یاد آجاتا تھا جو اس کے بالوں نے اپنی زندگی کی آخری سانس لیتے وقت اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا تھا "اسے پڑھ کر تم مجھ سے نفرت کرنے لگو گے بیٹا!" بیگ کے بالکل نچلے حصے میں دبا ہوا وہ لفاق ابھی تک اسی طرح بند پڑا تھا۔ ایک دوبار خواہش نے زور دیا تھا کہ وہ اسے کھول کر پڑھ لے۔ لیکن بالوں کے آخری الفاظ یاد آتے ہی اس نے اپنی اس خواہش کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ وہ اپنے فرشتہ صفت بالوں سے نفرت کرنا نہیں چاہتا تھا اور اسی لیے اس نے ابھی تک اسے کھولا نہیں تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اسے کوئی ایسی ویسی بات معلوم ہو جائے جس کی وجہ سے اس کے جذبات مجروح ہوں یا اپنے بالوں سے نفرت کا خیال بھی اس کے دل میں پرورش پانے لگے... کچھ جان لینے کے تو یہی بہتر تھا کہ اس لفاق کو بند ہی رہنے دیا جائے تاکہ وہ کسی ذہنی پریشانی میں مبتلا نہ ہو۔ اپنی اس دلیل کے جواب میں اس نے کئی بار یہ بھی سوچا تھا کہ

سادہ نری، بھائی کا مشورہ سن کر خاموش ہو گئی تھی۔ اس طرح درگیش ان کے ساتھ ہی رام پورے میں رہنے لگا وہ روزانہ صبح رام پورے کے اس پاس کے چھوٹے چھوٹے گاؤں میں سائیکل پر گھومنے نکل جاتا۔ گھر سے نکل کر وہ دوسرے وقت کھانا کھانے کے لیے ہی گھر واپس آتا تھا۔ پھر تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد سائیکل کے پیچھے اپنا بیگ رکھ کر دوبارہ نکل پڑتا۔ شروع شروع میں تو اسے غریب مریض ہی ملے تھے جن کے پاس دوا وغیرہ کے پیسے بھی نہیں ہوتے تھے کبھی کبھی تو وہ اپنی جیب سے پیسے دے کر غریب مریضوں کی مدد کرتا، لیکن ایسا کرنے میں اسے ایک روحانی مسرت ہوتی تھی۔ وہ ان غریب لوگوں کی خدمت میں درگا پور چھوڑنے کے غم کو بھولتا جا رہا تھا۔ اسے خوشی تھی کہ شہر سے دور گاؤں میں رہنے والے غریبوں کی مدد کر کے وہ ایک نیک کام کر رہا ہے۔

اسے اپنے بالوں کی یاد اکثر آجاتی تھی اور ان کی یاد کے



آپ کے ساتھ کام کروں گا تاکہ کپاؤ نڈری سیکھ کر روپیہ کمائے لوں۔" بے وقوف!، درگیش نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "نہیں متے تجھے تو پڑھ لکھ کر ڈاکٹر بننا ہے؟" بیٹا درگیش! گنگا بھی جانتے جانتے ہی کہہ گئی تھی کہ شو کو پڑھا لکھا کر بڑا آدمی بنانا... لیکن سارے ارمان اب دل میں ہی رہ جائیں گے... تمہیں ہم لوگوں سے ہمدردی ہے... ہم نے تمہیں اپنا داماد سمجھا تھا۔ تمہاری مہربانی ہے کہ ہمارے غم میں شریک ہونے آگئے، لیکن اب تم اس رشتے کو بھول جاؤ۔ اب کوئی اچھی سی لڑکی ڈھونڈ کر اپنا گھر آباد کرنے کی سوچو... میری گنگا کے نصیب میں تم جیسا شوہر نکھا ہی نہیں تھا بیٹے! سادہ نری نے روتے ہوئے کہا۔

"ایسا مت کیجیے چاچی! جس طرح گنگا کی یادیں آپ کے دل سے مٹنے والی نہیں ہیں۔ اسی طرح گنگا کو میں دل سے نہیں بھلا سکتا۔" درگیش نرطپ کر بولا۔ "جب میں ڈاکٹر بن پڑھنے جے پور گیا تھا، تب گنگا نے ہی میرے بالوں کی خدمت کی تھی۔ ان کی دیکھ بھال کو اپنا فرض سمجھا تھا۔ اب گنگا کی غیر موجودگی میں، میں آپ لوگوں کی دیکھ بھال کروں گا۔ مجھے کیا کرنا ہے یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں چاچی! آپ کو فکر کرنے کی اب کوئی ضرورت نہیں ہے۔" مرادی نے مداخلت کرتے ہوئے بات بدلنے کی کوشش کی۔

"سادہ نری اس وقت یہ بحث کیوں کر رہی ہو؟ درگیش اگر گاؤں چھوڑ کر یہاں آگیا ہے تو وہ بے شک یہاں رہے۔ اس وقت تو اس بے چارے کو ہم درووں کی ضرورت ہے اور ہمیں بھی اس کی ذات سے کوہمت بندھے گی۔ ایک دوسرے کا ساتھ ہو گا تو غم ہلکا ہو جائے گا۔"





اگر میں دل کو مضبوط کر کے لٹاؤں گا تو جان لوں اور اس کا کوئی اثر خود پر طاری نہ ہونے دوں تو ممکن ہے کہ اپنے باپ سے نفرت نہ کر سکوں۔ اس خیال کے آنے ہی ایک دن اس نے لٹاؤں لگا کر اس کا ایک کونا پھاڑ بھی لیا تھا لیکن پھر فوراً ہی اس کا ارادہ ڈمگ گیا اور اسے پڑھنے کی ہمت نہیں کر سکا۔

رات کی تنہائیوں میں اس کا دل گنگا سے ملنے کے لیے تڑپنے لگتا اور وہ سوچ میں ڈوب جاتا کہ ڈاکوؤں کے درمیان آخر گنگا کس طرح زندہ ہوگی؟ رام سنگھ باغی کو تو ہر کوئی بھگوان کی طرح پوجتا ہے لیکن کیا اس کے سارے ساتھی بھی اس کی طرح ہوں گے؟ لوگ کہتے ہیں کہ گناہ کا سایا بھی رام سنگھ کے قریب سے نہیں گزرتا۔ لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کے ساتھیوں نے گنگا پر بری نگاہ نہ ڈالی ہو؟ روز بہ روز ٹھکانے بدلتے رہنا اور تپتی ہوئی دھوپ میں کھیلے آسمان کے نیچے رہنا۔ پولیس کی نظروں سے چھپ چھپ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگتے رہنا۔ خطروں میں گھری ہوئی زندگی، آخر گنگا جیسی نازک لڑکی کس طرح ان سب باتوں سے سمجھوتا کر رہی ہوگی؟ اور کب تک وہ ان خطرناک لوگوں کے درمیان ٹک کر رہے گی؟

وہ اخباروں میں پڑھتا اور گاؤں کے لوگوں کی زبانی بھی سنتا تھا کہ رام سنگھ ڈاکو کے گروہ میں اب ایک لڑکی بھی شامل ہو گئی ہے۔ جو مردوں کے کپڑے پہن کر بندوق اٹھا کر ڈاکا ڈالنے نکلتی ہے۔ اب پولیس نے اس لڑکی کا نام بھی ڈاکوؤں کی فہرست میں لکھ لیا ہے۔

گنگا جیسی بڑھی نکھی اور سبھی سادھی لڑکی ایک خطرناک ڈاکو بن جائے یہ خیال ہی درگیش کو ترپا دیتا تھا۔ بھلا کوئی بھی نازک لڑکی ڈاکو جیسی سفاک ہستی کیسے بن سکتی ہے؟ یہ ٹھیک ہے کہ حالات انسان کو کبھی بھی غلط راہ پر ڈال دیتے ہیں لیکن ڈاکو بننے میں کوئی بہادری تو نہیں ہے۔ کسی بھی سماج کے لیے بلکہ خود ڈاکو کے لیے بھی یہ ایک گالی ہے۔۔۔ وہ سوچتا تھا کہ اگر ایک بار اس کی ملاقات گنگا سے ہو گئی تو وہ اسے سمجھائے گا کہ تمہارے ہاتھوں سے دو خون ہوتے ہیں۔ پہلا قتل تمہارے ہاتھوں سے اس وقت ہوا جب تم اپنی عزت بچا رہے تھے۔ اور دوسرا قتل اپنے چھوٹے بھائی کی جان بچانے ہوئے غصے کی حالت میں ہو گیا۔۔۔ پھر بھی قانون اپنے بچاؤ

کا موقع انسان کو ضرور دیتا ہے۔ تمہیں انصاف اور سچائی بھر دے گا کہ حقیقت کا سامنا کرنا چاہیے۔۔۔ اس طرح بھلا رہنے سے کیا فائدہ؟ اس سے کوئی انجمن نہیں سلجھے گی بلکہ اس کے خلاف الزامات اور زیادہ مضبوط ہو جائیں گے اس کے علاوہ تم خود اپنے آپ کو مجرم سمجھنے لگو گی اور اپنے آپ کو قانون کی گرفت سے بچانے کے لیے بھینٹ جرم کرنے لگو گی۔

سوال یہ تھا کہ گنگا سے ملاقات کیسے ہو سکتی تھی؟ مہاری ماما کے گھر پر جو بیس گھنٹے پولیس کی نظریں لگی ہوئی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ وہ کبھی نہ کبھی تو اپنی ماں اور بھائی سے ملنے آئے گی۔ اس وقت وہ اس کے گرد اپنا گھبرا تنگ کر دیں گے۔ شروع شروع میں تو گاؤں گاؤں پھرنے والے درگیش پر بھی پولیس نے نگاہ رکھی ہوئی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ درگیش کہیں نہ کہیں چھپ کر گنگا سے ضرور ملتا ہوگا، لیکن جب درگیش کا تعاقب اور اس کی نگرانی سے پولیس کو کوئی فائدہ نہیں ہوا تو انھوں نے خود ہی اس کا پیچھا چھوڑ دیا تھا۔

صرف دو ہی مہینے میں گنگا بندوق کی نشانے بازی میں طاق ہو گئی تھی۔ وہ خود لڑکیوں کو اپنے اسکول میں تیرکان اور نیزہ بازی سکھایا کرتی تھی اس لیے بندوق سے نشانہ لگانا اس کے لیے آسان ہو گیا تھا۔ ابتدا میں وہ دن کی روشنی میں درختوں پر نشانہ لگایا کرتی تھی، پھر غروب ہوتے ہوئے سورج کی دھندلی روشنی میں چلتے پھرتے جانوروں پر نشانہ لگانا سیکھ گئی۔ پہلے پہل کسی پرندے پر گولی چلانے سے اسے تکلیف ہوتی تھی اور خوفِ گناہ سے اس کے ہاتھ کا پٹنے لگتے تھے، لیکن رام سنگھ نے اس کا دل مضبوط کر دیا تھا۔ اس وقت رام سنگھ نے اسے سمجھانے ہوئے کہا تھا ”دیکھو بیٹی! میں یہ مانتا ہوں کہ کسی بھی جان دار کو اپنے مشاغل کے طور پر جان سے مار دینا گناہ ہے لیکن نشانے بازی اگر سیکھنا ہے تو یہ گناہ کرنا بھی ضروری ہے ایک بار تم اگر اس فن میں طاق ہو گئیں تو پھر میں خود تمہیں بلاوجہ ایک چڑیا بھی مارنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ میری نظر میں ہتھیار ایک بری چیز ہے۔ جس میں بندوق تو بہت ہی بُرا ہتھیار ہے۔ جب یہ ہتھیار کسی انسان کے ہاتھ میں آجاتا ہے تو اس کو کسی طرح بھی استعمال کرنے کی دھن اس پر سوار ہو

جاتی ہے، مگر میں نے اپنے ساتھیوں کو اس کے غلط استعمال سے منع کر رکھا ہے۔ میں نے ان لوگوں سے کہا ہے کہ ڈاکو کے لیے بندوق کا ایک کارٹوس بھی بہت قیمتی ہوتا ہے۔۔۔ کیونکہ میں اس کی دو گنی اور چو گنی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔“

گنگا نے رام سنگھ کی یہ نصیحت بڑے غور سے سنی تھی اس نے اس بات کو گروہ سے بانٹ دیا تھا۔۔۔ نشانے بازی کی مشق کے دوران بہاری، گنگا سے قریب رہنے کے موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ کبھی کبھی اگر گنگا درگیش کی یادوں میں کھو جاتی تو وہ اپنی چپٹی باتوں میں لگا کر اسے درگیش کے خیالوں سے کھینچ لانے کی کوشش کرتا کبھی کبھی وہ اسے اپنی داستان سناتے بیٹھ جاتا اور بھی رام سنگھ کے ساتھ مل کر اپنے کارنامے سناتے لگتا۔ اپنی بہادری کا ذکر کرتے اس کی زبان نہیں ٹھکتی تھی۔ رام سنگھ کے گروہ میں آکر وہ کیسے کیسے خطروں سے کھیلا تھا؟ کتنی بار پولیس سے ٹکرا کر پھرتی ہوئی اور کتنی بار وہ جان بھیلی پر رکھ کر پولیس کی گرفت سے نکل بھاگا تھا۔ یہ ساری باتیں سن کر وہ گنگا کی توجہ دہشتی طور پر اپنی جانب مبذول کر لیتا تھا۔

چونکہ رام سنگھ نے ان دونوں کو آپس میں باتیں کرنے دیکھ کر کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا تھا اس لیے بہاری میں ہی من میں یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ گنگا ایک دن یقیناً اس کی ہوجائے گی۔ بہاری کے دوسرے ساتھیوں کو بھی اس کی باتوں سے عشق کی خوشبو آنے لگی تھی لیکن رام سنگھ کے خوف سے وہ یہ بات اپنی زبان پر نہیں لاتے تھے۔

درگیش کو بھلانے کی کوشش میں گنگا ایک ایک قدم پیچھے ہی ہٹتی جا رہی تھی ایک دو بار اس نے رام سنگھ سے کہا بھی تھا۔ ”دادا! کسی کو درگا پور بھیج کر معلوم کرائیں کہ درگیش کا کیا حال ہے۔ اب تو وہ بالکل تنہا رہ گیا ہوگا۔ مجھے اس کے گھر میں بسنے کی خواہش تو نہیں ہے پھر بھی جسے ایک بار دل سے اپنا سمجھ لیا ہو اسے اتنی آسانی سے کیسے بھلایا جاسکتا ہے۔ اس نے اگر کسی سے شادی کر بھی لی تو میں سچ کہتی ہوں مجھے سب سے زیادہ خوشی ہوگی۔“

رام سنگھ نے اس سلسلے میں اس سے کسی بہادری کا اظہار نہیں کیا تھا بلکہ اس نے غصے میں کہا تھا ”دھوکے باز آدمیوں پر رحم کرنا مجھے نہیں آتا، ایسے لوگوں سے مجھے کوئی بہادری نہیں

ہے۔۔۔ جب تم اسے یاد کرنی ہو تو میرا دل سلگ اٹھتا ہے۔ اس میں اگر ذرا بھی خاندانی شرافت ہوتی تو میری دی ہوئی ضمانت کی رقم ہضم نہ کر لیتا تم چونکہ بار بار اس کے بارے میں پوچھتی رہتی ہو اس لیے آج بتا رہا ہوں کہ بہاری نے مجھے تنہائی میں بتایا تھا کہ وہ ملک سے باہر جانے کی تیاریاں کر رہا تھا اور مجھے شک ہے کہ ضمانت کے واپس ملے ہوئے روپے اس نے باہر جانے میں ہی خرچ کیے ہیں۔۔۔ وہ بے وقوف ملک چھوڑ کر چلا گیا لیکن تمہارا دل ابھی تک اس کی محبت نہیں چھوڑ سکا ہے۔“

رام سنگھ کی بات سننے کے بعد گنگا نے اسی دن سے درگیش کا نام اپنی زبان پر آنے نہیں دیا تھا لیکن اس کا دل اس کی ہی یادوں میں کھو رہا تھا۔ شام کو راما شن پڑھنے وقت اس کا دل آپ ہی آپ بھرا آتا تھا اور آنکھیں جھپکنے لگتی تھیں۔ وہ تنہائی میں بیٹھ کر رو لیا کرتی تھی۔ اس حال میں اسے دیکھ کر ٹھاکر رام سنگھ اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے تسلی دیتا تھا شاید تمہیں گھر یاد آ گیا ہے۔۔۔ دینا دلے ہم ڈاکوؤں کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں، لیکن انھیں ہمارے جذبات کا خیال سمجھی نہیں آتا۔ ہمارے گھر والے ہم سے ملنے کو ترستے ہیں اور ہم گھر والوں کے بغیر ترپتے رہتے ہیں۔ گنگا اب ڈاکو کو گھر کے بغیر زندہ رہنے کی سزا بھو گئی پڑتی ہے۔ تمہیں بھی اپنے رشتے داروں کو بھلانے کے لیے اپنے دل کے دروازے بند کرنے کی عادت ڈالنی پڑے گی تم عورت ہو ایسا کرنے میں تمہیں ذرا دیر لگے گی مگر دھیرے دھیرے سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پہلی بار پولیس کے ایک منبر کو بہاری کی بندوق سے ڈھیر ہوتا دیکھ کر وہ بہت زور سے چیختی تھی۔ پھر چار چھ راتوں تک اس کی نیندیں حرام ہو گئیں تھیں۔ خبر کی آخری پیچ اور اس کے جسم کا جان نکلنے وقت آخری باز نہ پنا یہ منظر اسے سونے نہیں دیتا تھا۔ خبر کی موت کے بعد تو بہاری اسے قسائی اور جلاد لگنے لگا تھا۔ اس واقعے کے بعد بہاری سے بات کرتے ہوئے اس کی زبان لڑکھانے لگتی تھی وہ سوچتی اس خبر کی بھی تو کوئی ماں ہو گی کوئی بہن ہوگی، بیوی ہوگی بچے ہوں گے۔ وہ اس کے گھر آنے کے منتظر ہوں گے لیکن بہاری نے تو بلیک جھپکے ہی اسے ختم کر دیا۔۔۔ اب اس کے گھر والوں کا کیا ہوگا؟ پھر اس نے کئی دنوں تک بہاری سے بات نہیں کی تھی۔

ایک دن ہماری نے اس سے کہا تھا "گنگا تم نے مجھ سے بولنا بند کر دیا ہے اس کی وجہ میں جانتا ہوں۔ میں نے ایک آدمی کو تمہاری نظروں کے سامنے ختم کیا تھا یہ بات تمہیں بری لگی ہے نا؟ شاید اس وجہ سے..."

گنگا نے اپنے ہونٹ نہیں کھولے تو ہماری نے نیچے لپٹے میں کہا "تمہارے ہاتھوں سے بھی دو قتل ہوئے ہیں گنگا! اس کے باوجود کیا ہم میں سے کسی نے تم سے نفرت کا اظہار کیا ہے؟" گنگا جوش سے بے قابو ہو کر چیخ پڑی "وہ قتل تو میرے لیے فرض ہو چکے تھے۔ وہ قتل میں نے خوشی سے نہیں کیے تھے۔ ان میں میری محبوبیاں شامل تھیں۔"

اس خبر کی جان لے کر میں نے بھی اپنا فرض ادا کیا ہے۔" ہماری نے دلیل پیش کی "ایک بار اپنی عزت بچانے کے لیے اور دوسری بار اپنے بھائی کی جان بچانے کے لیے تم نے خون کیے تھے۔ بالکل اسی طرح میں نے بھی پولیس کے اس مخبر کو اپنے سارے ساتھیوں کی سلامتی کی خاطر موت کی نیند سلا دیا ہے۔ یہ موتی سی بات یقیناً تمہاری عقل میں آ جانا چاہیے۔ مخبر پیسے کی لالچ میں پولیس کو ہمارے بارے میں معلومات فراہم کر دیتے ہیں، چھپے چوری ہماری نگرانی کرتے ہیں، پھر پولیس کو اطلاع دینے ان کے پاس دوڑے جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو زندہ چھوڑ دینا خود اپنی موت کو آواز دینے کے برابر ہے۔ یہ تو جان بوجھ کر خود کشی کے مترادف ہے۔"

"کیا اس طرح ایک آدمی کو مار دینے سے تمہارے سروں پر منڈلانا ہوا موت کا خطرہ دور ہو سکتا ہے؟" گنگا نے اپنے شک کا اظہار کیا، لیکن اس سوال میں تلخی نہیں تھی۔ "کل کوئی اور مخبر ہماری ٹوہ میں لگ جائے گا۔"

"اس کا بھی یہی حشر ہوگا۔" ہماری نے بندوق کی مالی میں پھونک مارنے ہوئے جواب دیا "اس مخبر کی لاش، جب اس کے گاؤں میں پہنچے گی اور چاروں طرف اس کی موت کی بات پھیلے گی تو ایک خوف سا پھیل جائے گا کہ پولیس کے لیے مخبر کرنا اپنی موت کو دعوت دینے کے برابر ہے۔ ہمیں حالات کے تحت ایسا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے باوجود پیسے کی لالچ میں اگر کوئی ہماری راہ میں حائل ہونے کی کوشش کرتا ہے تو اسے موت کے حوالے کرنا ضروری ہوتا ہے۔"

H

رام سنگھ کے گروہ کے ساتھ پہلی بار جب وہ ڈاکا ڈالنے گئی تو لپٹے ہوئے لوگوں کے خوفزدہ چہرے دیکھ کر اس کا عورت بن جاگ اٹھا تھا۔ اسے اپنا دل اچھل کر حلق میں آتا ہوا عسوں ہوا یہ ظلم و جبر دیکھ کر وہ حیران رہ گئی تھی ایک لمحے کے لیے اس کا جی چاہا کہ ڈاکو بننے کا ارادہ ترک کر کے وہ اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دے۔ اس کا دل اندر ہی اندر کہہ رہا تھا کہ اس سے بڑے رحمی نامکن ہے۔ وہ ان نیتے لوگوں کے سینوں پر بندوق کی نال بھی نہیں رکھ سکے گی۔ یہ درندوں کی سی زندگی بھی بھلا کوئی زندگی ہے؟ زندہ رہنے کی خاطر بار بار مرنے رہنا پڑے ایسی زندگی کس کام کی؟

جب رام سنگھ کو اس کے ارادے کی خبر ہوئی تو اسے سخت تعجب ہوا تھا۔ اس نے گنگا سے کہا تھا "تم ایسی بات کر رہی ہو؟ میں نے تو تمہیں پہلے ہی سمجھایا تھا کہ ڈاکو بننا تمہارا کام نہیں ہے۔ لیکن اب بھی اگر تم کہو تو میں تمہیں ایسی جگہ بھیج سکتا ہوں جہاں پولیس کا کوئی قدر نہیں ہوگا۔ وہاں تم نئی زندگی شروع کر سکتی ہو لیکن اس نئی زندگی میں تمہارے لیے اکیلے بن کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا اگر تم مرد ہو تو اس کی کوئی فکر نہیں تھی تمہارا درگیش بھی اگر تمہارے ساتھ ہوتا تو اس کے ساتھ دنیا کے کسی بھی کونے میں جا کر تم اطمینان سے زندہ رہ سکتی تھیں... لیکن پھر بھی تمہاری مرضی، اگر تم کو تو جیسے تیسے کر کے میں تمہیں کسی محفوظ جگہ پہنچانے کا بندوبست کر سکتا ہوں۔" مگر اس وقت گنگا نے رام سنگھ کی اس پیش کش کو ٹھکرا دیا تھا اور سب کی موجودگی میں اس نے ڈاکو بننے کی قسم کھائی تھی مگر اب...؟

"مگر اب... اب کیا میں اپنے دعوے سے پھر جانا چاہتی ہوں؟" گنگا بڑبڑائی "میری انجمن دوسری ہی انجمن ہے میری تہذیب میری تعلیم و تہذیب کبھی مجھے میرے ارادے کی مضبوطی کو ٹھکرا دیتی ہے۔ اپنی موت سے چند گھنٹوں قبل جو الفاظ میرے بالوں نے کہے تھے وہ مجھے بار بار یاد آنے لگتے ہیں۔ انھوں نے کہا تھا "بیٹی مجھے یقین ہے کہ جو تعلیم و تربیت میں نے تمہیں دی ہے اس سے تمہاری زندگی کے ساتھ گاؤں کے سبکدوڑوں لوگوں کی زندگی میں اجالا پھیلے گا۔" یہ بات یاد آتی ہے تو میں سوچنے لگتی ہوں کہ ان حالات میں ان کی آخری خواہش

پہلے کس طرح کیا جاسکتا ہے؟ باغی اور ڈاکو بن کر میں سماج کو سمجھانے کی بجائے اس سے کچھ چھین رہی ہوں... میں یہی خیال مجھے ستاتا رہتا ہے۔"

یہ سن کر رام سنگھ کچھ سوچنے لگا تھا تھوڑی دیر کے لیے تو خود اسے بھی الجھن محسوس ہونے لگی تھی۔ شاید وہ ایک اچھے گھرانے کی شریف لڑکی کو باغی بنا کر گناہ کا مرتکب تو نہیں ہو رہا ہے؟ لیکن گنگا کے لیے کوئی دوسرا راستہ بھی تو اسے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ "دیکھو بیٹی! اپنے ماضی کے باہر حلال کی داستان میں نے تمہیں سنائی تھی۔ برہمن خاندان اور راجپوتوں کے رسم و رواج میں شاید کچھ فرق ہو، لیکن رحم اور ہمدردی کے معاملے میں ایک راجپوت بھی پیچھے نہیں ہٹتا۔ میں نے ایک ڈاکو کی راہ اپنائی اور دولت مندوں کو لوٹنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس وقت پہلی بار مجھے بھی تمہاری طرح اس کام سے نفرت محسوس ہوئی تھی۔ میرے ہاتھ بھی گولی چلاتے ہوئے کا اپنے تھے تمہاری طرح میں بھی کش مکش میں گرفتار رہا تھا مجھے بھی اپنے آپ سے لڑنا پڑا تھا، لیکن ان حالات میں بھی میرا ارادہ نہیں بدلا تھا۔ مجھے ایک فائدہ ضرور ہوا تھا اور وہ فائدہ یہ تھا کہ ڈاکو بن کر میں اپنی انسانیت کو کبھی نہیں بھولا۔ میں دولت مندوں کو لوٹا رہا، لیکن غریبوں کو میں نے کبھی نہیں ستایا۔ میں لوٹی ہوئی رقم کو اسکولوں، یتیم خانوں، اسپتالوں اور مندروں پر خرچ کرتا رہا ہوں... جہاں بھی غریبوں کے ساتھ نا انصافی ہوئی ہے، وہاں میں ان کی مدد کے لیے دوڑا گیا ہوں۔ جہیز کی وجہ سے اگر کوئی لڑکی بیاہی نہ جاتی ہو تو میں اس کا باپ بن کر اس کی ڈولی اٹھاتا ہوں کسی عورت کی ابرو لٹتی ہو تو اس کا بھائی بن کر اس کی مدد کو دوڑتا ہوں اور ہمیشہ یہی دعا کرتا رہتا ہوں کہ میرے ہاتھوں سے کسی پر کوئی ظلم نہ ہو۔"

رام سنگھ کی باتوں نے گنگا کو سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کی باتوں میں سچائی تھی۔ جب درگیش پر غیور کا جھوٹا الزام عاید کیا گیا تھا تو اس کی ضمانت کے لیے کوئی بھی رقم دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس گھڑی گنگا کو بھی رام سنگھ ڈاکو ہی یاد آیا تھا۔ لوگ اسے غریبوں کا ہمدرد سمجھتے ہیں آخر کیوں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے سینے میں ایک ہمدرد دل دھڑکتا ہے۔

"بس داد! اب کچھ مزید سوچنا میرے لیے بے کار ہے۔"

قدرت نے جو راستہ مجھے دکھایا ہے، اس پر چلتے ہوئے میں پیچھے مڑ کر نہیں دیکھوں گی۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ ڈاکو بن کر بھی میں ہمیشہ آپ کے بتائے ہوئے اصولوں پر ہی عمل کروں گی۔ گنگا نے جب یقین اور اعتماد سے یہ بات کہی تو رام سنگھ اسے تعریفی نظروں سے دیکھتا رہا۔ اس وقت اس نے دل ہی دل میں یہ عہد کر لیا تھا کہ اپنی گڈی پر وہ گنگا کو ہی بٹھائے گا۔ اسے اپنا وارث بنا کر وہ سکون سے موت کی نیند سو جائے گا۔



راکھی کا تہوار قریب آچکا تھا۔ رام سنگھ کے کئی ساتھی اس سے اجازت لے کر دو دن قبل ہی اپنی اپنی بہنوں سے راکھی بندھوانے گھروں کی جانب روانہ ہو گئے تھے۔ گنگا کا دل بھی شیو کی یاد میں ٹپٹپنے لگا تھا بارہ برس میں یہ پہلا تہوار تھا جب شیو کی کلائی راکھی کے بغیر سونی رہ جائے گی۔ پچھلے سال جب اس نے شیو کی کلائی پر راکھی باندھ کر اسے پیار کیا تھا تب شیو بے حد خوش نظر آ رہا تھا۔ اس نے منہ سے ہونٹے کہا تھا "دیدری! اب تم اپنی آنکھیں ذرا دیر کے لیے بند کر لو۔" اپنے تھوٹے بھائی کی یہ بات اسے بڑی عجیب لگی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ آنکھیں بند کر لے گی تو شاید شیو اس کے رخسار پر پیار کر کے یا شرارت سے دانت کاٹ کر بھاگ جائے گا لیکن اس کا یہ خیال غلط ثابت ہوا کیونکہ شیو نے اس کے داپنے ہاتھ کی پتیلی میں چاندی کا ایک گول روپیہ رکھ دیا تھا یہ دیکھ کر اس کی آنکھیں بھی چاندی کے اس روپے کی طرح بڑی ہو گئی تھیں۔

"شیو! یہ کیا؟" وہ حیرت سے بولی۔

"کیوں دیدری... راکھی بندھوا کر بھائی بہنوں کو کچھ دینے ہیں نا؟" شیو نے بڑی معصومیت سے کہا تھا "میں جب کمانے لائق ہو جاؤں گا تو تمہارے قدر کے برابر روپیوں کا ڈھیر لگا دوں گا۔" "وہ تو ٹھیک ہے لیکن اس وقت یہ روپیہ تمہارے پاس کہاں سے آیا؟" گنگا نے ذرا سختی سے پوچھا تھا "کیا باپو سے مانگ کر تم مجھے دے رہے ہو؟"

"نہیں دیدری... کئی ماہ سے جیب خرابی جمع کر رکھی تھی۔" شیو نے جلدی سے جواب دیا تھا "ہر سنیچر کو باپو مجھے ایک پیسہ دیا کرتے تھے۔ بس میں اسے جمع کرتا رہتا تھا تاکہ تم سے راکھی بندھوانے کے بعد میں پورا ایک روپیہ تمہیں دے سکوں۔"

گنگا جذبات سے بے قابو ہو گئی۔ اس کی آنکھیں محبت سے بھیگ گئیں اور اس نے شیو کو اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی اسکول کے بچوں کو چیزیں کھانے دیکھ کر نیٹے شیو نے اپنی خواہشوں کو کس طرح دبائے دکھا ہوگا۔ اپنے خرچ کا پیسا پیسا جمع کرتے ہیں اسے نہ جانے اپنی کن کن خواہشوں کا گلا گھونٹنا پڑا ہوگا۔ یہ ساری باتیں سوچ کر اس کا دل جذبات سے بھر گیا اس نے شیو کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تھا۔ ”بھئی اس بار تو میں تمہارا رویا برکھ رہی ہوں لیکن آئندہ تم ایسا مت کرنا۔ بڑے ہو کر جب تم کمانے لگو گے تو جتنے روپے چاہنا دے دینا۔ ہاں، ایک بات یاد رکھنا پیار کا سچا مول پیسا نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو کوئی بہن اپنے بھائی کی کلائی پر بچے دھاگے کی راکھی نہ باندھتی، بلکہ وہ اس کے ہاتھ پر سونے کی زنجیریں باندھتی... اب آئندہ تمہارا ہر دم مجھے صرف ایک پیسا ہی دو گے۔ تم مجھ سے چھوٹے ہو اور چھوٹے بھائی سے بڑی بہن کو زیادہ نہیں لینا چاہیے۔“ اس معاملے میں میں تمہاری کوئی بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔“ شیو کسی بڑے آدمی کی طرح تن کر بولا۔ ”بہن کا کام صرف بھائی کی کلائی پر راکھی باندھنا ہے۔ بھائی اسے کیا دیتا ہے اس میں بہن کو نہیں بولنا چاہیے۔“

”اچھا یہ بات ہے تو دیکھنا، آئندہ تمہارا پر میں، تمہیں راکھی ہی نہیں باندھوں گی۔“

اس نے پچھلے سال مذاق مذاق میں یہ دھکی دی تھی لیکن اسے کیا خبر تھی کہ اس کا مذاق آج ایک حقیقت بن کر اس کے سامنے آکھڑا ہوگا۔ اس سال تو وہ واقعی شیو کے ہاتھ پر راکھی باندھنے کے لیے گھر پر موجود نہیں ہے۔۔۔۔

”کیا بات ہے؟ تمہاری آنکھیں کیوں بھیگ رہی ہیں؟“ اچانک رام سنگھ کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ ”گنگا ہے پھر یہاں کی زندگی سے تم اتنا غم لگے ہو؟“

گنگا نے جھٹ اپنے آنسو پونچھ لیے۔ اسے یہ بات پسند نہیں تھی کہ کوئی اس کی بھیلی آنکھیں دیکھے۔ عورت کے آنسو مردوں کی نظروں میں اس کے کمزور دل کا ثبوت ہوتے ہیں اس نے جب رام سنگھ کے گروہ میں دل سے شمولیت کی تھی تو اپنے دل میں یہ عہد بھی کیا تھا کہ حالات خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہوں وہ اپنے آنسو نہیں بہائے گی۔

”داؤ! کبھی کبھی گھر کی یاد آجاتی ہے اور آنکھیں بھیگ جاتی ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں یہاں کی زندگی سے اتنا غم لگتی ہوں۔“ گنگا نے وضاحت کی۔ اس کی آواز میں ایک عجیب صابر عجب تھا جسے محسوس کر کے رام سنگھ ہنسا اور بولا۔ ”ہاں اب کچھ خوشی میں بولی ہو... لنگی جب گھر یاد آتا ہے تو میری آنکھیں بھی گیلی ہو جاتی ہیں۔ یہ کوئی بری بات نہیں ہے۔ میں تو کئی دنوں سے تمہاری بھیلی آنکھوں کو دیکھنے کے لیے ترس رہا تھا۔“

”کیوں؟“ گنگا نے چونک کر پوچھا اسے لگ رہا تھا جیسے رام سنگھ اس کا مذاق اڑا رہا ہے۔

”دو دن کے بعد راکھی کا تمہارا ہے اور تم اپنے چھوٹے بھائی کی اکلوتی بہن ہو۔ راکھی باندھنے کا یہ موقع اگر نکل گیا تو تمہارے دل پر چوٹ تو لگے گی ہی۔“

”لیکن مجھ سے زیادہ اس تمہارا ہر میرے بھائی کا دل جل کر مڑ جاتا ہے گا۔ وہ بہت ہنسی ہے۔ راکھی باندھوانے کے لیے اس نے ایک ایک پیسا جمع کر کے رکھا ہوگا۔ صبح ہی سے وہ میرے انتظار میں بیٹھ جائے گا اور پھر رات کو رو کر سو جائے گا۔ وہ مسکتی ہوئی بولی۔

”یہ بات صبح ہے کہ وہ صبح سے تمہارا انتظار کرے گا لیکن اسے رات کو رو کر سونا نہیں پڑے گا۔“ رام سنگھ نے بے حد پُر اعتماد لہجے میں کہا۔

گنگا کی گردن ایک جھٹکے سے اوپر اٹھ گئی ”یہ تم نے کیسے سمجھ لیا داؤ؟ شیو کی ہنسی طبیعت سے تم واقف نہیں ہو۔“

”محبت اگر سچی ہو تو ضرور کرنے والے کی جیت ہوتی ہے۔“ رام سنگھ دھیرے سے مسکرایا۔ ”تمہاری رات شیو کی کلائی پر تمہاری راکھی باندھ چکی ہوگی۔“

”کیا مطلب؟ لگتا ہے تم نے کس کے ہاتھ پر راکھی بچوانے کے بارے میں فیصلہ کر لیا ہے؟“ گنگا نے پوچھا۔

”نہیں کسی کے ساتھ راکھی بھیجنے کا نہیں، بلکہ تمہیں شیو کے پاس بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے میں نے۔“ رام سنگھ ٹھہر ٹھہر کر دھیمی آواز میں بولا۔

”مجھے؟“ گنگا اس بار بری طرح اچھل پڑی اور اس کے ہونٹ کپکپا اٹھے۔ ”لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تم ہی نے تو کہا تھا

کہ میرے ماما کے گھر کے پاس پولس نظریں لگائے بیٹھی رہتی ہے؟“ اس کے باوجود میں تمہیں وہاں بچوانا چاہتا ہوں۔“ رام سنگھ اس طرح بولا جیسے وہ اس کا امتحان لینا چاہتا ہو۔ پولس والوں سے تو ہماری زندگی بھر کی دشمنی ہے ان سے ڈر کر کب تک رہنا؟ اگر تمہیں جاننا ہو تو...“

”نہیں نہیں داؤ! گنگا جلدی سے اس کی بات کاٹ کر بولی ”مجھے موت کا کوئی ڈر نہیں اگر تھوڑا بہت ہے تو وہ بھی نکل جائے گا اور مجھ میں ہمت آجائے گی... مجھے کسی کے ساتھ بھیجنے کی کیوں سوچ رہے ہیں؟ میں اکیلی ہی کیوں نہ چلی جاؤں؟“

”تمہارے لیے اس قسم کا یہ پہلا موقع ہوگا، میں، تمہارے ساتھ میں کو بھیجنا چاہتا ہوں بھیس بدلنے میں وہ ماہر ہے اور تمہیں بھی بھیس بدل کر ہی جانا ہوگا۔“ رام سنگھ نے اسے سمجھایا۔

”وہ کس طرح؟“

”یہ سب میں نے سوچ لیا ہے۔“ رام سنگھ بولا ”سارا انتظام میں نے کر لیا ہے۔ تم تمہارے دن صبح کے وقت یہاں سے نکلو گی۔ شیو کی طرح پولس والے بھی شام تک انتظار کر کے تھک جائیں گے۔ تب تم اپنے گھر پہنچ جاؤ گی۔“

اسکول میں چھٹی تھی پھر بھی شیو صبح سویرے اٹھا اور نہادھو کر تیار ہو چکا تھا۔ اس کی تیاری دیکھ کر سادتری کو حیرت ہوئی۔ ”آج تو تمہارا اسکول بند ہے۔ کیا تمہیں یاد نہیں ہے شیو؟“

یاد رکھیں بھائی کے ساتھ کیا ڈنڈی کرنے جا رہے ہو؟ ”ماں نے پوچھا۔

”آج میں گھر سے کہیں بھی باہر نہیں جاؤں گا۔“ شیو نے سکرانے ہوئے کہا ”آج دیدی گھر آنے والی ہے۔ میرے ہاتھ پر لکھی باندھنے کے لیے۔“

شیو کے معصومانہ الفاظ سن کر سادتری نے ایک ٹھنڈی سی رائس بھری۔ چار دن سے وہ ایک عجیب سی بے چینی محسوس کر رہی تھی۔ شیو کو راکھی باندھوانے کا پہلے ہی سے شوق تھا۔ پھر جیسے جیسے وہ سمجھ دار ہوتا گیا، ویسے ویسے اس کا یہ شوق بھی بڑھتا گیا۔ بہن کی محبت اس کے دل میں ہوا ہوتی چلی گئی... مگر اس ہاتھ گنگا گھر میں موجود نہیں تھی اور حالات ایسے تھے کہ وہ گھر کا رخ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ شیو راکھی باندھوانے کی ضرورت نہ تھی، اس لیے اس نے پہلے ہی سے سوچ رکھا تھا کہ اسے گھر سے باہر کھینے کے لیے بھیج

دے گی اس نے رات کو درگیش سے بھی کہہ دیا تھا کہ اسے اپنے ساتھ سائیکل پر گاؤں کی سیر کرانے کے بہانے لے جائے۔ رات کو تھک تھک کر لوٹے گا تو جلدی سو جائے گا... لیکن اس کے بارے اندازے غلط نکلے وہ بولی ”بیٹے تمہاری دیدی کے بدلے میں تمہیں راکھی باندھ دوں گی... بے چاری گنگا تو اب اس گھر کی دلیز کبھی پار نہیں کر سکے گی۔“

”ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔“ شیو پرجوش لہجے میں بولا ”دیدی میرے لیے راکھی لے کر ضرور آئے گی۔ میں نے کہا نیوں میں پڑھا ہے کہ ڈاکو لوگ راکھی کے موقع پر اپنی بہنوں سے ضرور ملتے ہیں۔“

”کہانیاں سچی نہیں ہوتیں۔“ سادتری نے اپنے بیٹے کو سمجھانے کی کوشش کی ”اور اپنی بہن کو تم ڈاکو کہتے ہو، یہ بات بھی مجھے پسند نہیں ہے۔“ پھر اس نے ایک سرد آہ بھر کر بولی ”اپنی دیدی کی راہ دیکھنے سے بہتر ہے کہ تم بھگوان سے دعا کرو کہ وہ گنگا کو یہاں آنے کا راستہ ہی نہ دکھائے۔ وہ آگئی تو پولس اسے گرفتار کر لے گی... ممکن ہے وہ لوگ اسے گولی مار دیں۔“ آخری الفاظ سادتری نے سسکتے ہوئے ادا کیے تھے۔

”ماں! میری دیدی پولس سے ڈرتی نہیں ہے۔“ شیو اب اور زیادہ جوش میں آگیا ”اسکول میں سب ہی کہتے ہیں کہ گنگا بندوق چلانے لگی ہے اور سارے پولس والے اس کے نام سے ڈرتے ہیں۔“

شیو کو سمجھانے کے لیے سادتری کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی۔ اس نے فی الوقت خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔ پڑوس کی عورتیں بھی اکثر اس سے کہتی رہتی تھیں کہ گنگا کو کھٹا کر رام سنگھ نے اپنی بیٹی بنا لیا ہے۔ اس لیے تمہیں تو ساری خبریں ملتی رہتی ہوں گی۔ چھپ چھپ کر وہ تم سے ملنے بھی آتی ہوگی... سادتری بار بار کی اس پوچھ گچھ سے تنگ آ چکی تھی۔ اس نے باہر نکلتا ہی چھوڑ دیا تھا۔

جب درگیش سائیکل لے کر دروازے پر آیا تو شیو نے سائیکل کی گھنٹی کی آواز سن کر کہا ”درگیش بھئی میں تو آج آپ کو بھی کہیں باہر جانے نہیں دوں گا۔ آج دیدی یقینی یہاں آئے گی۔“

درگیش نے نیکی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کا جی چاہا کہ وہ رک جائے لیکن پھر اس نے فوراً ہی اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا اور شیو سے بولا ”اپنی دیدی کا خیال اپنے

دل سے نکال دو۔ اس کے اور ہمارے راستے جدا جدا ہو چکے ہیں۔  
شیو اس کے الفاظ سن کر دنگ رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں  
آیا کہ درگیش بھیا آج ایسی بات کیوں کہہ رہے ہیں؟ کیا اور  
لوگوں کی طرح وہ بھی دیدی کو خراب سمجھنے لگے ہیں؟

باہر کا دروازہ کھلا ہوا تھا شیو کی اچھٹی ہوئی نگاہ اس  
جانب اٹھ گئی۔ گلی میں لڑکے اپنی اپنی کلاٹیوں پر بندھی ہوئی رالکھیاں  
ایک دوسرے کو دکھا دکھا کر ہنس رہے تھے شیوان کی جانب سے  
منہ پھیر کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ اچانک اس کی نظر خالی درزیوں  
میں ملبوس تین چار پولس والوں پر پڑی۔ اسے لگا یہ پولس والے  
اس کی طرف بڑی سخت نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر  
اسے غصہ آ گیا اور اس نے جھپٹ کر دروازہ بند کر دیا۔ ماں کی  
کمی ہوئی بات اب اسے سچی لگ رہی تھی... دیدی آئے گی تو  
پولس اسے ضرور پکڑ لے گی... ایک پولس والے کے کندھے سے  
ٹپکتی ہوئی بندوق دیکھ کر تو اس کی آنکھیں اور بھی بڑھ گئی تھیں اور  
وہ دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ دیدی نہ ہی آئے تو اچھا  
ہے... لیکن رکھی بندھوانے کی اس کو دل میں دبا نہ سکا۔

دو پہر کے وقت ماں نے اسے کھانے کے لیے کہا، لیکن  
اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اسے بھوک نہیں ہے۔ سادوڑی نے  
شیو کو دھمکی دی کہ وہ بھی نہیں کھائے گی تو وہ چپ چاپ کھانے  
پر رضامند ہو گیا۔ اس کی ماں نے آج کھیر بنائی تھی۔ پہلا چمچ  
منہ میں رکھتے ہی شیو کی آنکھیں پھر اٹیں پھر اس سے پہلے کہ  
اس کی ماں اسے سمجھاتی وہ اٹھ کر چلا گیا۔ سادوڑی یہ سوچ کر  
خاموش رہ گئی کہ اگر اس نے شیو کو آواز دے کر روکنے کی کوشش کی تو  
کبیس اس کا اندھا بھائی بھی کھانا چھوڑ کر اٹھ نہ جائے۔

شام کو جب سادوڑی اسے کھانے کے لیے بلانے گئی تو وہ  
اپنے بستر پر روتے روتے سوچا تھا۔ شیو نے دیدی کو دینے کے  
لیے ایک روپے کا جو سکہ جمع کیا تھا وہ اب بھی اس کی داہنی جیب  
میں جکڑا ہوا تھا بھائی بہن کی محبت دیکھ کر ماں کا دل خوش  
ہونے کی بجائے رو رہا تھا۔

سادوڑی، شیو کو جگائے بغیر چپ چاپ واپس آ گئی۔ شام  
گہری ہوتی جا رہی تھی اور اندھیرا پھیلنا جا رہا تھا۔ وہ آنگن پار کر  
کے دروازہ بند کرنے چلی گئی۔ دروازہ بند کر کے وقت نہ جانے  
کس خیال سے اس نے باہر جھانک کر ادھر ادھر نگاہ ڈالی دروازے

کے سامنے پولس کا یہ وہ بد منور موجود تھا۔ ایک سپاہی نے مارا  
کو باہر جھانکنے دیکھ کر کہا ”تمھاری طرح ہم بھی اس کے استقبال  
کے لیے تیار ہیں“

سادوڑی سے یہ طعنہ برداشت نہیں ہوا لیکن وہ کبھی کیا  
سکتی تھی؟ دروازہ بند کر کے اس نے اپنی پیچھے کواڑوں سے لگا  
دی اور چند لمحوں تک یہ نہی کھڑی رہ گئی۔ باہر بیٹھ ہوئے سپاہی  
آپس میں باتیں کر رہے تھے جس کی آواز اس کی سماعت سے  
ٹکرا رہی تھی ایک سپاہی کہہ رہا تھا ”وہ تو آج بھی نہیں آئی  
بے کار ہی ہم اتنے دنوں سے اس کی راہ دیکھ رہے ہیں“

”ہمارے ڈر سے شاید اس کی ہمت نہیں بڑی“ دوسرے  
سپاہی نے قدرے بلند آواز میں کہا ”کچھ بھی ہو آخر یہ تو لڑکی ہی ہے“  
”مگر یاد رکھو اس بات پر حیرت ہو رہی ہے کہ وہ اتنے  
سارے خطرناک ڈاکوؤں کے درمیان کس طرح رہتی ہوگی؟“ ایک  
سپاہی ہنستے ہوئے بولا ”کیا اس کے لیے وہ لوگ جھگڑتے نہیں ہوں گے؟“

سادوڑی نے اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ لیے اور تیزی  
سے اندر بھاگی۔ اسے ان الفاظ سے سخت تکلیف پہنچ  
رہی تھی۔ کمرے میں داخل ہوئے اسے یہ مشکل پانچ منٹ ہی ہوئے  
تھے کہ باہر کے دروازے پر دستک کی آواز سن کر وہ چونک پڑی۔

اس وقت کون آیا ہوگا؟ ذہن میں اس سوال کے گونجتے ہی اسے  
درگیش کی یاد آ گئی۔ اس نے یہ کہہ کر اپنے آپ کو سمجھایا کہ درگیش  
کے آنے کا وقت ہو گیا ہے۔ درگیش کے سوا اس گھر میں اس  
وقت اور آتا ہی کون ہے؟

”سادوڑی بہن ذرا دروازہ تو کھولنا۔“ یکایک کسی عورت کی  
آواز سن کر اس کے قدم دروازے کی طرف بڑھے۔

تھوڑی دیر بعد اس کے ہونٹ پلے اور نہ پوچھنے کے  
باوجود وہ پوچھ بیٹھی ”کو... کون ہے؟“

”میں ہوں جگنی دادی!“ جواب میں باہر سے عورت کی  
کانپتی آواز سنائی دی ”میرے بیٹے کے گھر بیٹا ہوا ہے اس کی خوشی  
میں مٹھائی دینے آئی ہوں“

سادوڑی کے لیے یہ نام نیا تھا۔ جگنی دادی نام کی کوئی  
عورت پاس پڑوس میں تو رہتی تھیں مگر پھر یہ عورت کون ہے  
بس یہی دیکھنے کے لیے اسے دروازہ کھولنا پڑا۔ دروازے پر  
ایک جھکی ہوئی مگر کی بڑھیا جس کے سر کے بال تمام کے تمام سفید

تھے رکوع کی حالت میں ایک ٹکڑی کے سہارے کھڑی تھی۔  
اس کے دوسرے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبّا تھا جو اس کے ہاتھ تھرتا  
تھا کے ساتھ کانپ رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ سادوڑی اس سے کچھ پوچھتی گنگا کی راہ  
دیکھنے والے سپاہیوں میں سے دو سپاہی اٹھ کر وہاں آ گئے اور  
سادوڑی سے پوچھا ”کون ہے یہ؟“

سادوڑی کی بجائے بڑھیا نے ہی جواب دیا ”آؤ آؤ بیٹے!  
تم بھی لو“ یہ کہہ کر اس نے مٹھائی کا ڈبّا کھول کر ان کی جانب بڑھا  
دیا اور پھر بولی ”میرے بیٹے کے گھر میں بڑی منتوں کے بعد پوتا  
ہوا ہے لو اس خوشی میں تم لوگ بھی منہ میٹھا کر لو... خالص  
گھی میں بنوائے ہیں میں نے یہ لٹو“ پھر اس نے خود ہی دو  
روٹوں ان دونوں کے ہاتھ میں رکھ دیے۔ ”کوئی اور ہونو  
اسے بھی دے دینا۔ ان سے کتنا منہ میٹھا کر کے میرے پوتے کے  
لیے دعا کریں کہ بھگوان اسے لمبی عمر دے۔“

”تمھاری طرح“ ایک سپاہی لٹو منہ میں رکھتا ہوا ہنس  
کر بولا۔ اس سے پہلے کہ وہ دونوں بڑھیا سے کچھ اور پوچھتے  
پڑھیا سادوڑی کو ہٹاتی ہوئی دروازے کے اندر داخل ہو گئی۔  
”کہاں گیا تمھارا شیو؟“ میں اپنے ہاتھوں سے اسے لٹو کھلاؤں  
گی“ یہ کہتے ہوئے وہ اپنی جھکی ہوئی کمر بند زور دیتی ہوئی آنگن  
سے گزر کر برآمدے کے تینوں زینے چڑھ گئی۔ حیرت زدہ سادوڑی  
کو عبوراً اس کے پیچھے چلنا پڑ رہا تھا۔ کمرے میں پہنچ کر سادوڑی  
کچھ پوچھنے ہی والی تھی کہ اچانک بڑھیا کی کمر بند بھی ہو گئی۔

جب وہ تن کر کھڑی ہو گئی تو سادوڑی کی آنکھیں پھٹ سی گئیں۔  
”ماں تم نے مجھے نہیں پہچانا؟“ بڑھیا کے الفاظ سن کر  
تو سادوڑی کا منہ ادرا آنکھیں حیرت سے پھٹ پڑیں۔ آواز اس کی  
ہی گنگا کی تھی۔ اس کے ہونٹ تھرتھراتے۔

”گنگ... گنگا!“ لیکن اس سے پہلے کہ وہ خوشی اور خوف  
سے بیچ پڑتی گنگا نے جھپٹ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا ”بھرا  
ماں باہر پولس موجود ہے“

سادوڑی آج بہت دنوں بعد اپنی بیٹی سے ملتی تھی۔ اس  
کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ لیکن ایک جیسا کہ خوف بھی تھا  
ہو اس کی خوشی پر حاوی ہوتا جا رہا تھا ”بیٹی تم پولس کی آنکھوں  
میں دھول چھو کر یہاں تک آؤ گئی ہو لیکن انھیں شک

سادوڑی آج بہت دنوں بعد اپنی بیٹی سے ملتی تھی۔ اس  
کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ لیکن ایک جیسا کہ خوف بھی تھا  
ہو اس کی خوشی پر حاوی ہوتا جا رہا تھا ”بیٹی تم پولس کی آنکھوں  
میں دھول چھو کر یہاں تک آؤ گئی ہو لیکن انھیں شک

ہو گیا تو وہ زبردستی اندر آجائیں گے“  
گنگا نے پیٹ میں اڑسا ہوا ریلو اور نکال لیا اور دھیمی آواز  
میں سادوڑی سے بولی ”ماں تم ذرا بھی گھبرائے بغیر باہر کا دروازہ  
جا کر بند کر دو۔ ان سپاہیوں پر اب لٹروں کا نشانہ چڑھنے لگا ہوگا۔  
میں نے اس میں بھنگ ملا دی تھی۔“

سادوڑی دے پاؤں دروازہ بند کر آئی۔ اس کا دل بری  
طرح دھڑک رہا تھا گنگا کے ہاتھ میں خطرناک ہتھیار دیکھ کر اس  
کی بے چینی بڑھ گئی تھی اور وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی...  
تو بچ بچ اس کی بیٹی ڈاکو بن چکی ہے...  
”کون آیا ہے بہن؟“ اچانک اندھا مراری، اپنی لاشی  
ٹپکتا ہوا گنگا کی طرف آ گیا ”تم کس سے باتیں کر رہی ہو بہن؟“  
جواب میں گنگا نے آگے بڑھ کر ماما کا ہاتھ پکڑ لیا اور دھیر  
سے بولی ”میں آئی ہوں ماما“

گنگا کی آواز سن کر اندھا مراری لال کی بے نور آنکھیں بھی  
پھیل گئیں اس نے کانپتے ہاتھ سے گنگا کا کندھا دبا لیا اور بے حد  
عذباتی لہجے میں بولا ”آخر اپنے بھائی کو رکھی ہاندھنے کے لیے  
تم آ ہی گئیں... بے چارہ شیو تمھارا انتظار کرتے کرتے سوچکا ہے  
”بھگوان نے دوبارہ تمھیں موت کے منہ سے بچا یا ہے اب بھی وہ  
تمھاری حفاظت کرے گا“

ماما کی دعا سن کر گنگا ان کے کمرے میں چلی گئی ایک چارپائی  
پر شیو بے خبر سو رہا تھا۔ گنگا نے اس کے پاس بیٹھ کر اس کے  
آنسوؤں سے جھگے ہوئے گال پر دھیرے سے اپنا ہاتھ پھیرا، پھر  
جھک کر اس نے اس کی پینٹائی چوم لی۔ اسے شیو کا نیند میں ڈوبا  
ہوا چہرہ مسکراتا دکھائی دے رہا تھا۔ شاید وہ سپنوں میں اپنی  
بہن کو دیکھ رہا تھا، گنگا نے اسے جگانے سے پہلے اس کے ہاتھ  
پر رکھی ہاندھ دی۔ اچانک شیو کی مٹھی میں دبا ہوا روپے کا سکہ  
اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گرنا اور کھن کھن کرنا ہوا فرش  
پر لڑھک کر دور جا پڑا۔ سکے کی کھنکھناہٹ میں گنگا کو اپنے  
بھائی کے دل کی دھڑکنوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس کے  
ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ گیا اور اس نے تیزی سے جھک کر  
وہ روپیا اٹھا لیا جیسے وہ روپیا ہی اس کی زندگی کا سب سے  
قیمتی سرمایہ ہو۔ روپے کا سکہ اپنی مٹھی میں دبا کر وہ بے اختیار  
سوئے ہوئے شیو سے لپٹ گئی اور سسکتی ہوئی بولی ”بھیا! آنکھیں

ماما کی دعا سن کر گنگا ان کے کمرے میں چلی گئی ایک چارپائی  
پر شیو بے خبر سو رہا تھا۔ گنگا نے اس کے پاس بیٹھ کر اس کے  
آنسوؤں سے جھگے ہوئے گال پر دھیرے سے اپنا ہاتھ پھیرا، پھر  
جھک کر اس نے اس کی پینٹائی چوم لی۔ اسے شیو کا نیند میں ڈوبا  
ہوا چہرہ مسکراتا دکھائی دے رہا تھا۔ شاید وہ سپنوں میں اپنی  
بہن کو دیکھ رہا تھا، گنگا نے اسے جگانے سے پہلے اس کے ہاتھ  
پر رکھی ہاندھ دی۔ اچانک شیو کی مٹھی میں دبا ہوا روپے کا سکہ  
اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گرنا اور کھن کھن کرنا ہوا فرش  
پر لڑھک کر دور جا پڑا۔ سکے کی کھنکھناہٹ میں گنگا کو اپنے  
بھائی کے دل کی دھڑکنوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس کے  
ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ گیا اور اس نے تیزی سے جھک کر  
وہ روپیا اٹھا لیا جیسے وہ روپیا ہی اس کی زندگی کا سب سے  
قیمتی سرمایہ ہو۔ روپے کا سکہ اپنی مٹھی میں دبا کر وہ بے اختیار  
سوئے ہوئے شیو سے لپٹ گئی اور سسکتی ہوئی بولی ”بھیا! آنکھیں



کھول کر دیکھو تو کسی کون آیا ہے تمہارے پاس؟“  
شیو کے پو پوٹ پر جنبش ہوئی، پھر اس کی آنکھیں کھل گئیں لیکن اسے یقین نہیں آ رہا تھا... کیا وہ اپنی دیدی کو خواب میں دیکھ رہا ہے؟ مگر اس کے بال سفید کیوں ہیں؟ اور چہرے پر چھریاں کیوں پر گئیں؟ اس کا منہ دماغ پر متماحل نہیں کر پا رہا تھا۔

گنگا اس کے تاثرات دیکھ کر اس کی آنکھیں کھل گئی۔ وہ اس کے رخسار پر چٹکی بھرتے ہوئے بولی ”تم اگر نہیں اٹھو گے تو میں ابھی چلی جاتی ہوں شیو!“

شیو اچھل کر چارپائی پر بیٹھ گیا ”دیدی! تم سچ آئیں؟“  
ماں میں نہ کہتا تھا کہ دیدی مجھے راکھی باندھنے ضرور آئے گی۔ یہ اب پولس سے نہیں ڈرتی ہے۔“ کہتے کہتے اچانک اس کی نظر کلائی پر پڑی ہوئی راکھی پر پڑی تو وہ چونک کر بولا ”ارے میرا روپیا کون لے گیا؟“

”میرے پاس ہے۔“ گنگا نے اپنی مٹھی کھول کر روپیا دکھایا اور بڑے جذباتی لہجے میں بولی ”بھیا! تمہارے اس روپے کو میں جان سے زیادہ سنبھال کر رکھوں گی۔ جب تمہاری یاد مجھے بے چین کرے گی تب اسے دیکھ دیکھ کر میں اپنے دل کو کچاؤں گی کہ میرا بھیا میرے سامنے ہے۔“ بولتے بولتے گنگا کی آنکھیں بھلنے لگی تھیں۔ شیو بھی اپنے آنسوؤں کو نہ روک سکا۔ گنگا چند لمحوں تک اسے خاموش نظروں سے دیکھتی رہی پھر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی ”یہ بھیس تو باہر بیٹھے ہوئے پولس والوں کو دھوکا دینے کے لیے باندھنا پڑا ہے۔ چلو اب جلدی سے کھڑے ہو جاؤ۔ مجھے بڑی بھوک لگی ہے ہم کھانا کھاتے ہوئے بائیں بھی کریں گے۔“

لیکن انھیں چین سے کھانا نصیب نہیں ہوا اور نہ ہی وہ اطمینان سے بیٹھ کر باتیں ہی کر سکے۔ ٹھیک اسی وقت اتفاق سے ایک اے۔ ایس۔ آئی اس علاقے کے راؤنڈ پر آنکلا تھا اس نے مراری لال کے گھر کے باہر پھرے پھرے بیٹھے ہوئے سپاہیوں کو اونگھتے ہوئے دیکھا تو غصے سے بے قابو ہو کر چیخا ”بے وقوفوں تمہیں یہاں سونے کے لیے بٹھایا گیا ہے یا نگرانی کرنے؟“ اس نے ایک سپاہی کے سر پر غصے سے ہاتھ جڑتے ہوئے کہا۔ اور دوسرے کی کرسی پر پاؤں سے ٹھوکر ماری یہ دیکھ کر تیسرے کی نیند

اڑ گئی وہ جھوم کر اٹھا اور اپنے آفیسر کو سیلوٹ مار کر کھڑا ہو کر تقریباً دو ہی منٹ میں اے ایس آئی کو بتا چلا گیا کہ بڑھیا نے انھیں لٹو کھلائے تھے پھر وہ مراری کے گھر میں داخل ہو گئی تھی۔ اس کے اندر جانے کے بعد ان چاروں پر نیند کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ اس حقیقت کا علم ہوتے ہی اس نے اپنا پستول نکال لیا اور اندر سے مراری لال کے گھر کے بند دروازے کی طرف پٹکا لے لیا۔ یقین ہو چکا تھا بڑھیا کے بھیس میں گنگا اندر موجود ہے۔ دروازے پر زور دار دستک ہوئی تو اندر سے باتیں کرنے لگے رک گئے گنگا نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر سب کو رہنے کا اشارہ کیا۔

باہر سے اے ایس آئی نے پھر زور زور سے دستک دے کر گنگا پر نشانہ ہو گئی وہ اچھل کر اپنی جگہ لے آئی اور دھیمی آواز میں سادھری سے بولی ”ماں بھینا یہ پولس والے ہیں۔ میں چھپرے پر چڑھ کر پیچھے کود جاتی ہوں تم لوگ ذرا بھی گھبراہٹ کا مظاہرہ مت کرنا اور نہ ہی دروازہ کھولنا۔“ اتنا کہہ کر اس نے جلدی سے شیو کے سر پر ہاتھ پھیرا اور برآمدے میں آکر چھپرے پر چڑھ گئی جب وہ اوپر چڑھ رہی تھی تو اسے رام سنگھ کے گئے ہوئے الفاظ یاد آ رہے تھے اگر تمہارا استعمال کرنے کی ضرورت ناگزیر ہو جائے تو ذرا بھی مت ہچکچانا۔ پے درپے ایک دوسرا ہو جاتے ہیں تو دشمن اپنی جان بچانے کی فکر میں بوکھلا جاتا ہے اس درمیان دھماکوں کی آواز سن کر اس پاس کے لوگوں میں کھلی پتج جاتی ہے۔ بس پانچ دس منٹ کے اس شور و غل سے فائدہ اٹھا کر فرار ہونے کا موقع مل جاتا ہے۔

گنگا، رام سنگھ کی نصیحت یاد کرتی ہوئی اوپر چڑھ رہی تھی اور اے ایس آئی سپاہیوں سے کہہ رہا تھا ”گنگا اندر موجود ہے دروازہ توڑ ڈالو جلدی“ بوکھلا ہٹ میں یہ حکم تو اس نے دے دیا تھا لیکن دروازے کی مضبوطی کا احساس ہوتے ہی وہ پلٹ کر اپنے سپاہیوں سے بولا ”دیوار پھلانگ کر اندر گھسنا“ دروازہ حکم دیتے ہی وہ دروازے پر پاؤں رکھ کر خود ہی سب سے پہلے دیوار چڑھ گیا۔ ٹھیک اسی وقت اس کی نظر چھپرے سے پیچھے کی جانب کودتے ہوئے ایک سائے پر پڑی تو اس نے اندھا دھند پستول سے گولی چلا دی... گولی گنگا کے بالکل سر پر سے گزرتی دھماکا سننے ہی گنگا نے سر جھکا دیا تھا۔ گھر کے پھوٹے کورنے

الوارہ ملتوی کر کے وہ جھٹ چھپرے کی اوٹ میں دب گئی پھر وہیں سے اس نے اپنے دیوار کی پہلی گولی آزمائشی نشانہ اطمینان سے دیا تھا۔ گولی اے ایس آئی کے ہاتھ پر لگی جس میں اس نے پستول تمام رکھا تھا۔ دیوار اے ایس آئی کے ہاتھ سے چھوٹ کر دیوار کے کنارے سے ٹکرایا پھر پھسل کر دیوار کی دوسری جانب گر پڑا۔ اس کے ساتھ ہی اے ایس آئی بھی اپنی زخمی کلائی کی پروا کیے بغیر باہر کی جانب کود گیا۔ اس عرصے میں ایک سپاہی بدوق سنبھال کر دیوار پر رینگتا ہوا چھپرے کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا مگر اسے نشانہ لگانے میں دیر ہو گئی۔ اس سے پہلے کہ اس کی بدوق شعلہ اگتی، گنگا کے دیوار سے نکلی ہوئی گولی اس کے ایک پاؤں کی پنڈلی میں پیوست ہو گئی وہ چیخ مار کر دیوار پر سے ٹھکرا اور اپنی بدوق کے ساتھ مراری لال کے آگن میں گر پڑا۔

گنگا کی دونوں گولیاں ٹھیک نشانے پر لگی تھیں اس نے وہاں سے نکلنے میں پھرتی سے کام لیا تھا۔ اس سے پہلے کہ پولس کی طرف سے تیسرا حملہ ہوتا وہ چھپرے سے ماما کے گھر کے پھوٹے کورنے نکلی تھی۔ جہاں موہن، کسان کے بھیس میں گھوڑے کی پیٹھ پر تیار بیٹھا تھا۔ پھر لوگوں کے شور و غل اور پولس والوں کی چیخ دھاڑ میں گنگا موہن کے ساتھ کہاں اور کس طرف اپنا گھوڑا بھاگ لے گئی اس کی کسی کو خبر ہی نہیں ہو سکی۔ دس منٹ بعد اندر سے مراری لال کے گھر کے آگن میں درگیش زخمی پولس کا نشانہ اور اے ایس آئی کے زخمیوں کی مرہم پٹی کر رہا تھا۔ اور گھر کے باہر کھڑے ہوئے لوگ گنگا کے بارے میں کھسر پھسر کر رہے تھے۔

چھ مہینے کے قلیل عرصے میں گنگا کا نام، گاؤں گاؤں اور شہروں شہروں کو گونجنے لگا۔ اس نے رام سنگھ کے گروہ میں بہاری کے سادی درجہ حاصل کر لیا تھا۔ تمام ساتھیوں کو گنگا کی ہمت اور ہوشیاری پر پورا پورا بھروسہ ہو چکا تھا خود رام سنگھ بھی ہر معاملے میں گنگا سے مشورہ لینے لگا تھا۔ ڈاکے سے لے کر لوٹ کا مال تقسیم کرنے تک ہر کام میں گنگا کی رائے کو اہمیت دی جاتی تھی تمام ساتھی آپس کے جھگڑے اور تکرار کا فیصلہ بھی گنگا سے ہی کرتے تھے۔ ان میں سے کوئی زخمی ہو جاتا یا بیمار پڑ جاتا تو گنگا ایک بہن کی طرح اس کی تیمارداری کرتی۔

کبھی کبھی تو وہ بھیس بدل کر اپنے کسی ساتھی کے گھر جا پہنچتی اور اس کی ماں بہن یا بیوی کی خبر گیری کرتی... پولس کی فائل میں اب گنگا کا نام بھی سرخ روشنائی سے لکھ دیا گیا تھا۔ زمیندار اور دولت مند لوگ اس کے نام سے بھر پور تھے۔ وہ اس کے خوف سے راتوں کو جانے کے عادی ہو چکے تھے غریب لوگوں نے گنگا کو ڈاکو رانی کا خطاب دے دیا تھا۔ وہ جب بھی اس کا تذکرہ کرتے تو گنگا کی بجائے اے ڈاکو رانی کے نام سے ہی یاد کیا کرتے... اخبارات بھی اس کے تذکروں سے بھرے ہوئے نظر آنے لگے تھے۔

گنگا کی برتری پر بہاری کو حسد ہونا چاہیے تھا کیونکہ وہ اس ٹھوڑے سے عرصے میں اس سے بھی آگے نکل چکی تھی لیکن وہ گنگا کی ترقی دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ شاید اس لیے کہ اسے غلط فہمی تھی کہ گنگا ایک دن اس کے دل کی رانی بنے گی۔ اسے خوش رکھنے میں خود اسے ہی فائدہ تھا... حالانکہ گنگا نے ابھی تک اسے اس نظر سے نہیں دیکھا تھا۔ اس نے کبھی بہاری کو تنہائی میں ملنے کا موقع نہیں دیا تھا اور نہ ہی کبھی اس کے بہاری کی آنکھ کے اشاروں کو سمجھنے کی کوشش کی تھی۔

ان سب باتوں کے باوجود بہاری کو یقین تھا کہ ایک دن ایک دن جوانی کے منہ زور طوفان کے آگے گنگا کی تہی ہوئی گردن جھک جائے گی... ابھی ڈاکو رانی کے جنون میں وہ اکثری اکثری سی ضرور لگ رہی ہے لیکن آخر میں اسے میرے پیار کا سہارا لینا ہی پڑے گا۔

گنگا نے درگیش کے پیار کی آس چھوڑ دی تھی، لیکن اس کی یاد اس کے دل سے نہیں جاتی تھی۔ اسے یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ درگیش... درگا پور چھوڑ کر اس کے ماما کے گھر رام پورے میں رہنے لگا ہے وہ اکثر درگیش کی خبر اپنے غمخوروں کے ذریعے معلوم کر لیتی تھی۔ کچھ بھی ہو درگیش اس کی نظر میں ایک مثالی نوجوان تھا۔ اسے یقین تھا کہ درگیش کے دل میں اب بھی اس سے ہمدردی کا جذبہ موجود ہے۔ اسی لیے ان برسے حالات میں بھی اس کی ماں بھائی اور اس کے اندر سے ماما کا ساتھ اس نے نہیں چھوڑا ہے۔ غریب لوگوں کی خدمت کا جذبہ اب بھی اس کے دل میں موجود ہے۔ گاؤں گاؤں سائیکل پر گھوم کر لوگوں کا علاج کرنا اور ان کا دکھ درد با شند درگیش نے اپنی

زندگی کا مقصد بنا رکھا تھا۔ یہ سب جان کر گنگا کبھی سوچ میں ڈوب جاتی تھی... اور اسے خیال آتا کہ کاش درگیش سے اس کی شادی ہو جاتی تو اس کی بیوی بن کر وہ اس نیک کام میں اس کا ہاتھ بٹاتی۔ ایک بار اس نے اپنے حصے کی جمع کی ہوئی دھنڑ کی رقم مومن کو لے کر معرفت درگیش تک پہنچانے کی کوشش کی تھی۔ مومن کے ذریعے اس نے درگیش کو یہ پیغام بھیجوا یا تھا کہ اس رقم کو غریب اور مفلس لوگوں کے علاج پر خرچ کیا جائے، لیکن درگیش نے اس رقم کو ہاتھ لگانے سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے مومن کو جواب دیتے ہوئے کہا تھا۔ ”لوٹ کی رقم کو ہاتھ لگانا بھی میں گناہ سمجھتا ہوں۔“ دو ہزار روپے کے ساتھ مومن یہ جواب لے کر واپس آیا تو گنگا کو بہت برا لگا تھا اسے یقین ہو گیا کہ درگیش اس سے نفرت کر لے گا ہے اور تب اسے بہاری کی کہی ہوئی بات سچ لگنے لگی۔

اس کے باوجود ایک بار... صرف آخری بار وہ درگیش سے ملنا چاہتی تھی۔ اسے صرف درگیش سے اتنا ہی پوچھنا تھا کہ حادثات اور اتفاقات نے میری زندگی کا رخ اچانک ہی بدل دیا ہے اس سلسلے میں مجھے اپنا کوئی بچاؤ نہیں کرنا ہے اور نہ ہی میں کوئی صفائی پیش کرنا چاہتی ہوں... مجھے تو تم سے صرف اتنا پوچھنا ہے کہ میرے نصیب کو دوش دینے کی بجائے تم مجھ سے نفرت کیوں کرتے ہو؟ کیا محبت اور نفرت کے درمیان کا کوئی حصہ، مجھے نہیں دے سکتے؟ کیا ان دونوں جذبات کے بیچ کوئی ایسا جذبہ نہیں ہے جس میں نہ محبت ہو نہ نفرت ہو بلکہ جس میں صرف ہمدردی، رحم اور خلوص ہو...

اپنے اس سوال کا جواب وہ درگیش کی زبان سے سننے کے لیے بے قرار تھی۔ جب اس کے دل کی تڑپ بہت بڑھ گئی تو وہ ایک دن گنگے مومن کے ساتھ چل پڑی۔ جیسے میں ایک بار وہ رام سنگھ کے گاؤں جا کر اس کی بیوی سے ضرور مل آتی تھی۔ کبھی وہ رام سنگھ کے ساتھ وہاں جاتی اور کبھی مومن گنگے کے ساتھ چلی جاتی۔ اس کے اس طرح جانے آنے سے رام سنگھ کی بیوی کچھ خوش خوش رہنے لگی تھی۔ گنگا، رام سنگھ کی بیوی راہا کو ماماں جی کہہ کر مخاطب کرتی۔ جب وہ وہاں جاتی تو راہا کو زبردستی کھانا کھلاتی، اس کے سر پر اپنے ہاتھ سے تیل ڈالتی اور ادھر ادھر کی دلچسپ باتیں کر کے اس کا دل بہلاتی۔

راہا کبھی کبھی اس سے کہتی ”بیٹی تم اپنے دائرے رہنے کی بجائے یہاں میرے پاس کیوں نہیں رہتی؟ میری سلگنی زندگی تمھارے ساتھ رہ کر بہل جائے گی۔ میں سمجھتی ہوں کہ جنگلوں نے بیٹیا چھین کر مجھے ایک بیٹی دے دی ہے۔“ گنگا اس سے یہ بات نہیں کہہ سکتی تھی کہ میرے نصیب میں اب گھر کا آنگن نہیں ہے میں تو خود اپنی سلگنی ماں سے بھی نہیں جا سکتی... وہ راہا کا دل دکھانا نہیں چاہتی تھی اسی لیے جھوٹی تسلی دے کر وہ راہا کو سمجھانے ہوئے کہتی ”اماں جی ابھی جس طرح میں دائرے جی کے ساتھ رہتی ہوں اس طرح تمھوڑے دنوں بعد تمھارے پاس بھی رہنے آجاؤں گا۔“ رام سنگھ کو لگتا کہ گنگا اگر اسی طرح اس کی بیوی سے مل جاتی رہی تو سال چھ مہینے میں اس کی حالت سدھ جائے گی اور اگر راہا کا پاگل پن دور ہو گیا تو خود اس کے دل کا بوجھ ہو جائے گا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ڈاکو کے سر پر ہر وقت وہ کی تلوار لٹکتی رہتی ہے کبھی بھی... کسی بھی وقت پولیس کی گولی اس کے سینے میں سوراخ کر سکتی ہے اور اگر اس کی خون کی گھڑی اچانک آگئی تو اس کی پاگل بیوی کا کیا بنے گا؟ کون اس کا دھیان رکھے گا؟ کون اس کی دیکھ بھال کرے گا؟ یہی خیال تھا جو اسے چین نہیں لینے دیتا تھا، لیکن گنگا آنے کے بعد اسے تھوڑی بہت راحت سی محسوس ہونے لگی تھی۔ اسے امید تھی کہ گنگا کی محبت میں اس کی بیوی جلد ہی صحت یاب ہو جائے گی... شاید اس کی موت سے پہلے ہی پوری طرح ٹھیک ہو جائے۔

رام سنگھ، گنگا کی آمد و رفت کا بہ غور مشاہدہ کر رہا تھا۔ کچھ عرصے سے اس کے گھر بہت زیادہ جانے لگی تھی۔ آخر کار اس دن اس نے کہا ”مجھے تو ڈر ہے کہیں تم مستقل میری بیوی کے پاس ہی نہ رک جاؤ؟“ اس کے لیے سے شفقت ٹپک رہی تھی۔ ”بہی تو میری مجبوری ہے دائرے میں ان کے ساتھ جاتے ہوئے بھی نہیں رہ سکتی۔“ گنگا بے حد عجیب لہجے میں بولی۔ ہاں، اگر پولیس کا ڈر نہ ہوتا تو میں اس پہلو پر غور کرتی۔“ ”ارے بیٹی اب تو پولیس تمھارے نام سے کاٹنے لگی ہے کسی میں اتنی ہمت نہیں جو میری بیٹیا کا راستہ روک سکے۔“ رام

سنگھ شفقت آمیز لہجے میں بولا ”اچھا اب تم جاؤ، تمھاری راہا ماں تمھاری راہ دیکھ رہی ہو گی۔“

”میں آج اچانک ہی جا رہی ہوں اس لیے وہ راہ نہیں دیکھ رہی ہو گی، لیکن آپ کل شام سے پہلے میری راہ دیکھنے مت لگ جائیے گا۔“ گنگا نے مسکرا کر کہا اور مومن کے ساتھ اڑے سے باہر نکل آئی۔ اسے اس بات کا افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے رام سنگھ سے یہ بات چھپا رکھی تھی کہ وہ دراصل درگیش سے ملنے جا رہی ہے... لیکن اس کا ارادہ تھا کہ وہ واپس آکر رام سنگھ کو سب کچھ سچ سچ بتا دے گی۔ اسے یقین تھا کہ رام سنگھ اس کی اس بات پر ناراض نہیں ہوگا۔ ڈھلتی دو پہر کو جب رام پورے سے بارہ میل دور سیلی نام کی چھوٹی سی بستی کے پاس سے گنگا گزر رہی تھی تو ایک جگہ لوگوں کی بھیڑ دیکھ کر اس نے اپنا گھوڑا روک لیا اور مومن کی جانب دیکھ کر بولی ”گنگا ہے معاملہ کچھ سنگین ہے ہمیں اس مکان کے پیچھے چھپ کر سنا چاہیے۔“ گنگا مومن سمجھ گیا کہ گنگا پرانے جھگڑے میں کودنا چاہتی ہے۔ وہ جانتا تھا کہ جب بھی ایسا موقع آتا تھا تو گنگا اپنے مارے کام چھوڑ کر دوسروں کی مدد کو آ جاتی تھی... تھوڑی سی جھگڑے کے بعد گنگا کو اس بھیڑ کی وجہ معلوم ہو گئی۔ بستی کے کچھ مرد، عورتیں بچے اور بوڑھے جن کی تعداد تقریباً چالیس پچاس کے قریب ہو گی۔ راشن ڈپو کے مالک سے انانج مانگ رہے تھے۔

”دکان میں انانج کا ایک دانہ بھی نہیں ہے جب مال آجائے گا تو دیا جائے گا۔ جاؤ جا کر حکومت سے فریاد کرو میرا دماغ کیوں چاٹ رہے ہو؟“ مارواڑی دکان دار چیخ چیخ کر بچوں کو ڈانٹ رہا تھا۔

”لیکن کل رات تو ہم نے انانج کی دو گالیاں یہاں خالی ہونے دیکھی ہیں۔“ ایک آدمی نے چیخ کر کہا ”ایک رات میں وہ سارا مال کہاں غائب ہو گیا؟“

یہ سن کر وہ مارواڑی سیٹھ آگ بگولا ہو گیا ”وہ سارا انانج میں نے کھا لیا ہے۔ اب تم لوگ جا رہے ہو یا میں پولیس کو بلاؤں؟“ یہ کہہ کر وہ جلدی جلدی دکان کے دروازے پر کھڑے لگا۔

اس دوران لوگوں کی بھیڑ میں سے دو آدمی نکل کر دروازوں

کے پاس آکر کھڑے ہو گئے پھر ان میں سے ایک نے کہا ”اگر ہم سب لوگوں کے لیے انانج نہیں ہے، تو کم از کم اس بوڑھی عورت کو بھی کچھ دے دو۔“ اس نے ایک جانب کھڑی ہوئی بوڑھی عورت کی طرف اشارہ کیا اور بولا ”بے چاری بیمار ہے اور اس کے گھر میں بچے کھوکھو کے بیٹھے ہیں۔“

”اس عورت پر اگر تم لوگوں کو اتنا رحم آ رہا ہے تو اس کے بچوں کو اپنے گھر لے جاؤ اور انھیں پیٹ بھر کر کھانا کھلا دو۔“ جاؤ میری جان کیوں کھا رہے ہو؟“ مارواڑی سیٹھ مستقل آگ بگولا ہو رہا تھا۔

ایک کونے میں کھڑی گنگا نے جب یہ سنا تو اپنے گھوڑے کو آگے بڑھانا چاہا۔ ٹھیک اسی وقت اس کی نظر سائیکل پر آتے ہوئے درگیش پر پڑی۔ اس کے دہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ کہ درگیش سے اس طرح بھرے بازار میں اس کی ملاقات ہو جائے گی۔ اس نے مکان کے اوٹے سے نکلنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور وہیں کھڑے کھڑے درگیش کو غور سے دیکھنے لگی۔ درگیش پہلے سے کچھ دبلا ہو گیا تھا۔ لوگوں کی بھیڑ دیکھ کر اس نے اپنی سائیکل روک دی۔ گنگا کا تجسس بڑھ گیا تھا۔

سائیکل کو ایک جانب کھڑی کر کے درگیش لوگوں کے درمیان سے راستہ بناتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ اچانک اس کی نظر زمین پر بیٹھی ہوئی بڑھیا پر پڑی وہ دیکھنے ہی اس بڑھیا کو پہچان گیا ”ارے امینہ چاچی کیا پھر بیمار ہو گئی ہو؟“ وہ اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولا ”دو دن پہلے تو تم نے کہا تھا کہ اب تمہیں بخار نہیں ہے پھر یہ کیا ہو گیا؟“ تو تمہیں روادے دوں۔“

بوڑھی عورت امینہ نے ہاتھ ہوتے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور لڑکھاتی آواز میں بولی ”ڈاکٹر بیٹے! یہ تو بھوک کی بیماری ہے۔ کل سے گھر کا چولہا ویران پڑا ہے۔ کسی نے بھی کھانا نہیں ہے۔ انانج کے لیے کب سے بیٹھی دھوپ میں تپ رہی ہوں۔“ ایک لمحے کو گنگا نے درگیش کے چہرے پر غصے کی جھلک دیکھی۔ وہ اٹھا اور مارواڑی سیٹھ کی جانب بڑھنے لگا۔ بستی کے درچار لوگوں نے اس سے شکایت بھرے لہجے میں کہا۔ ”ڈاکٹر بابو! آپ ہی سیٹھ کو سمجھا دیں کہ وہ ہم کو تھوڑا تھوڑا راشن دے دے۔“

گنگا خاموشی سے کھڑی یہ تماشا دیکھ رہی تھی۔ درگیش

کے سمجھانے کے باوجود بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا مارواڑی سیٹھ نے اس سے بھی صاف صاف کہہ دیا "اناچ ہے ہی نہیں تو میں کہاں سے دوں؟ تم تو ڈاکٹر ہوں سب کو دوا میں کی ایک ایک گولی دے دو تاکہ ان کی بھوک ختم ہو جائے۔"

بھوکے لوگوں کے ساتھ ہونے والے اس مذاق نے درگیش کو غصے سے سرخ کر دیا تھا۔ لیکن ٹھیک اسی وقت بستی کا ایک آدمی پولس کے ایک سپاہی کو لے کر وہاں آگیا اور بولا "اب دیکھتے ہیں سیٹھ ہمیں راشن کیسے نہیں دیتا؟" سپاہی کو دیکھ کر مارواڑی سیٹھ ایک لمحے کے لیے سٹپا ہوا مگر پھر وہ بظاہر مطمئن نظر آنے لگا۔ بستی کے لوگوں کو یقین سا ہونے لگا تھا کہ اب ان کا کام بن جائے گا۔ سپاہی نے کھڑے ہوئے لوگوں پر اپنا رعب جمانے کے لیے اپنا ڈنڈا ہوا میں گھمایا اور بولا "سب لوگ قطار میں کھڑے ہو جاؤ اناچ ہوگا تو مل جائے گا۔"

"لیکن حوالہ درجی! دکان میں مال ہوگا تب ہی تو دوں گا؟" مارواڑی سیٹھ عجیب سے لہجے میں بولا "یہ سب تو میری دکان لوٹنا چاہتے ہیں آپ اکیلے آکر اپنا اطمینان کر لیں کیونکہ میری بات پر انھیں یقین نہیں آتا۔"

خاک کی وردی میں ملبوس سپاہی آتما داس اپنی مونچھوں پر تاد دیتا ہوا آگے بڑھا پھر دکان کے اندر جاتے جانے پلٹ کر بولا۔ "میں اندر جا کر دیکھتا ہوں اس وقت تک کوئی گڑبڑ نہ ہو ورنہ ایک ایک کو لے جا کر بند کر دوں گا۔"

گھوڑے کی پیٹھ پر سوار گنگا سب کے سامنے آ کر کھڑی ہو کر دوسروں کی طرح درگیش نے بھی مردوں کے لباس میں گنگا کو پہچان لیا تھا۔ گنگا نے جب اس کی طرف دیکھا تو اس نے اپنی نگاہیں جھکا لیں۔

"کیا بات ہے؟" گنگا نے بے حد کثرت لہجے میں پوچھا "سیٹھ! ان لوگوں کو کیوں ستا رہے ہو؟"

مارواڑی سیٹھ گنگا کو دیکھتے ہی بدحواس ہو گیا تھا اور جواب دینے کی بجائے دکان کے اندر گھسنے کی کوشش کرنے لگا اور ہجوم کا قیام کی طرح پھٹنے لگا۔

"ٹھہرو" یکا یک گنگا کثرت لہجے میں چلائی "دراشن لیے بغیر یہاں سے کوئی بھی خالی ہاتھ نہیں جائے گا۔" گنگا دیکھ کر سپاہی آتما داس وہاں سے کھسک جانا چاہتا تھا، لیکن گنگا کی تیز نظریں اس پر بھی لگی ہوئی تھیں۔ وہ چیخ کر بولی "لال پگڑی والے! تو کہاں بھاگ رہا ہے؟" یہ کہہ کر اس نے گھوڑے کو ایڑھ لگائی اور اس کے قریب جا کر بندوق اس کے سینے پر تان لی "یہ پیٹھ پیچھے چھپا کر کیا لے جا رہے ہو؟"

بندوق کی نال دیکھ کر سپاہی آتما داس کے ایک ہاتھ سے اس کا ڈنڈا چھوٹ کر زمین پر گر گیا پھر دوسرے ہی لمحے پیچھے کیے ہوئے ہاتھ سے کپڑے کا تھیلہ بھی چھوٹ کر نیچے آگرا۔ تھیلہ گرنے ہی اس میں سے اناچ کے دانے زمین پر پھر گئے۔ "بے ایمان! دوسروں کی بھوک مٹا کر اپنا پیٹ بھرنا چاہتا ہے؟ جواب دے؟" گنگا کی چنگھاڑنی ہوئی آواز سن کر سپاہی آتما داس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ وہ ہاتھ جوڑ کر گنگا کی عاجزا کرتے ہوئے بولا "میں بے قصور ہوں... سیٹھ نے مجھے دھکی دی تھی کہ اگر سچ بولو گے تو تمھارا نذر صاحب سے کہہ کر تمھیں تو کمری سے نکلوا دوں گا۔"

"خاموش" گنگا نے دانت پیسن کر کہا۔ پھر اس نے اپنی بندوق کا رخ دکان کی جانب موڑ دیا اور چیخ کر بولی "سیٹھ! دروازہ کھول کر چپ چاپ باہر آ جاؤ، نہیں تو اناچ کی پوریوں پر تمھاری لاش پڑی ہوگی۔"

اس کی آواز جب دکان کے اندر چھپے ہوئے مارواڑی سیٹھ کی سماعت سے فگرائی تو دھیرے دھیرے دکان کا بند دروازہ کھلتا دکھائی دیا۔ موت کے خوف سے ہر شخص کا پتا ہوا مارواڑی

سیٹھ باہر نکلا اور چپ چاپ ایک جانب بیٹھ گیا۔ گنگا نے بندوق اب بھی اس پر تان رکھی تھی "بول اندر اناچ ہے یا نہیں؟ مجھے تمھاری زبان سے صرف سچی بات سننا ہے۔ جھوٹی بات میری بندوق برداشت نہیں کر سکتی۔"

دھکی سن کر پسینے سے تر تر مارواڑی سیٹھ نے زبان سے کچھ کہے بغیر دروازہ بار اقرار میں سر ہلا دیا۔ گنگا نے کھڑے ہوئے لوگوں کی طرف دیکھا اور ان سے بولی "اندر جاؤ اور ضرورت کے مطابق اناچ لے لو۔"

"جتنے پیسے لائے ہو اتنا ہی اناچ لینا اس سے زیادہ میں لینے نہیں دوں گا" مارواڑی سیٹھ جوش میں اٹھ کر بول کر گیا لیکن وہ یہ بھول گیا تھا کہ گنگا کی بندوق بھی کچھ بول سکتی ہے۔ "دھائیں" گنگا کی انگلی حرکت میں آئی۔ بندوق گرجی اور اس میں سے گولی نکل کر مارواڑی سیٹھ کے کھلے ہوئے منہ میں داخل ہو گئی، دھماکے کی آواز سن کر سب لوگ پتھری مورچ کی طرح ساکت کھڑے ہو گئے تھے، لیکن درگیش سے یہ برداشت نہیں ہوا وہ اپنی سائیکل پھینک کر سیگ اٹھائے ہوئے مارواڑی سیٹھ کی جانب پکا۔ اور زمین پر تڑپتے ہوئے مارواڑی سیٹھ کے زخم کو دیکھنے لگا۔

"ارے ڈاکٹر صاحب!" گنگا اس طرح بولی جیسے وہ کسی اجنبی سے مخاطب ہو "اسے بچانے کی تکلیف کیوں کر رہے ہو؟ اپنی دوا پر بامد مت کرو۔ ایسے ذخیرہ اندوزوں پر رحم نہیں کیا جاتا۔ ایسے لوگ سماج کے ماتھے پر بدنام داغ ہیں اور ان داغوں کا علاج صرف گولی ہی کر سکتی ہے۔"

درگیش نے تنکی نظروں سے اس کی جانب دیکھا اور اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔ وہ زبان سے کچھ کہے بغیر آنکھوں ہی آنکھوں میں جیسے گنگا سے کہہ رہا تھا "اسے سماج کے ماتھے پر بدنام داغ کہنے والی ظالم عورت! تم بھول رہی ہو کہ کسی کی جان لینے والا ڈاکو بھی سماج اور انسانیت کے ماتھے پر ایک داغ ہوتا ہے۔ تم اپنے اصول، اپنی تعلیم، اپنا عورت پن سب کچھ کھو چکی ہو۔ سماج اور انسانیت کی بھلائی کرنے ان کی خدمت کرنے کے لیے انسان کو ڈاکو نہیں دیوتا بننا پڑتا ہے، لیکن وہ یہ سب کچھ منہ سے نہ کہہ سکا۔ تھوڑی دیر بعد درگیش نے گنگا کے چہرے پر سے نظریں ہٹا لیں اور مارواڑی سیٹھ کی جان بچانے کی

کوشش میں مصروف ہو گیا۔ اس نے اس درمیان ایک بار بھی گنگا کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

اس کی بے اعتنائی دیکھ کر گنگا کے جسم میں ایک سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔ درگیش سے ملنے کے لیے وہ کس قدر بے چین تھی۔ کس قدر خوشی خوشی وہ یہاں تک آئی تھی؟ اور اب جب اچانک وہ ملا تو یہ کیا ہو گیا؟ کیا واقعی وہ اس سے نفرت کرنے لگا ہے؟ کیا وہ سچ سچ اس کی نظروں سے گر چکی ہے؟ متعدد خیالات اس کے ذہن میں گڈمڈ ہو گئے۔ پھر اس نے پاؤں ہلا کر گھوڑے کی نگام کھینچی اور گھوڑے کو ایڑھ لگا دی، جیسے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے درگیش کی محبت کے جال سے نکل بھاگنا چاہتی ہو۔ گونگے مونہ کا گھوڑا اس کے گھوڑے کے پیچھے ہی تھا پھر تھوڑی ہی دیر میں دونوں گھوڑے اڑتی ہوئی دھول میں غائب ہو گئے۔

رام سنگھ کے ساتھی کسی نئی مہم پر جانے کے لیے پوری طرح تیار تھے کسی نے کمر میں اور کسی نے گردن اور سینے پر کارٹوسوں کی بیٹیاں باندھ رکھی تھیں۔ رام سنگھ نے بھی اپنی بندوق کو چیک کر لیا تھا۔ ہر کوئی اپنی اپنی جگہ تیار کھڑا تھا اور ان سب لوگوں کے درمیان بہاری بہت خوش نظر آ رہا تھا اس کی خوشی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ رام سنگھ نے اس مہم کا انتظام اس کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ اس ذمے داری سے وہ بے حد خوش تھا۔ سونا پور کے زمیندار کے بارے میں وہ ساری معلومات حاصل کر چکا تھا۔ حویلی میں کتنے چوکیدار اور کتنے ملازم ہیں؟ اندر داخل ہونے اور پھر بھاگ نکلنے کے لیے کون کون سے راستے محفوظ ہیں؟ زمیندار سب سے سنگھ کی تجویزیں مانتی دولت رہتی ہے اور پولس کا خطرہ کہاں تک موجود ہے۔ ان سب باتوں پر اس نے تفصیلی معلومات حاصل کی تھیں۔ یہ مہم دراصل سب سے بڑے گھر بھڑکا کا ڈالنے کی تھی۔

اس سے پہلے رام سنگھ نے ساری ذمے داری سمجھی کسی کو نہیں سونپی تھی۔ وہ تو اکثر اپنے ساتھیوں کو پہلے سے کچھ بتاتا ہی نہیں تھا کہ انھیں ڈاکا ڈالنے کے لیے کہاں جانا ہے؟ اور وہاں پولس کا کتنا خطرہ ہے؟ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اسے اپنے ساتھیوں پر بھروسہ نہیں تھا بلکہ اسے اس بات کا احساس تھا کہ انسان کی ایک ذرا سی غفلت ہی بنے بنائے کام بگاڑ دیتی ہے۔

اسی لیے وہ ہر قدم احتیاط سے اٹھانے کا عادی تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی ایک آدمی کی معمولی سی غفلت بہت سے لوگوں کی زندگی تمام ہونے کا سبب بن جائے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ خود اپنی ذات پر بار بار تنقیدی نظر ڈال لیا کرتا تھا کہ کہیں اس کے منصوبے میں کوئی غامی تو نہیں رہ گئی ہے؟ کسی ایک مخبر کی اطلاع پر بھر دیا کہ وہ اپنے ساتھیوں کو موت کے منہ میں نہیں دھکیل سکتا تھا۔

سوناپور کے زمیندار کو لوٹنے کا مشورہ اسے ہماری نے دیا تھا۔ ہماری کی نظر میں سونگھ کی تجویز پر لگی ہوئی تھیں، جس میں اس کی اطلاع کے مطابق بڑا مال تھا۔ یوں بھی رام سنگھ زمیندار سونگھ کے ظلم کی کافی داستانیں سن چکا تھا، کتنے ہی غریب کسانوں کی زمینوں کو ہضم کر لینے والا زمیندار سونگھ خود عیش و عشرت کے نرم بستر پر آرام کر رہے یہ رام سنگھ کو پسند نہیں تھا۔ یہی سوچ کر اس نے ہماری کے مشورے کو رد نہیں کیا تھا۔ اس نے ہماری سے کہا تھا ”ٹھیک ہے ہم تھوڑے ہی دنوں میں اس کی حویلی پر حملہ کریں گے اس درمیان میں میں ساری معلومات حاصل کی جائیں گی“

”داؤ اساری معلومات تو میں جمع کر چکا ہوں“ ہماری کے دل کی بات اس کے ہونٹوں پر آگئی ”آپ اگر اس ڈاکے کی ذمہ داری مجھے سونپ دیں، تو مجھے یقین ہے کہ میں آپ کے اعتماد پر پورا اتروں گا“

یہ سن کر رام سنگھ تھوڑی دیر تک کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ پہلی بار اسے اس بات کا احساس ہوا کہ وہ اب بوڑھا ہو گیا ہے اور اب اسے کسی جوان ساتھی کو یہ ذمہ داری اٹھانے کا موقع دینا چاہیے اور اس اہم ذمہ داری کے لیے ہساری سب سے زیادہ مناسب تھا۔

”ٹھیک ہے، میں تمھاری خواہش پوری کرتا ہوں“ رام سنگھ اپنی سفید مونچھوں پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا ”لیکن تمھاری اس پہلی ذمہ دارانہ مہم میں، میں تمھارے ساتھ رہوں گا۔ اگر میں نے دیکھا کہ تم ہر کارڈ توڑ سکتے ہو تو پھر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا پھر تم اور گنگا دونوں مل کر یہ ذمہ داری سنبھال لینا“ لیکن اس حملے میں رام سنگھ کے ساتھ رہنے والی بات نے ہماری کو چونکا دیا تھا۔ اس کی موجودگی میں وہ اپنے ساتھیوں پر اپنا

رعب نہیں جھانڈ سکتا تھا۔ اگر وہ رام سنگھ کو اس ڈاکے میں شریک ہونے سے روک بھی نہیں سکتا تھا۔ ویسے وہ دل ہی دل میں خوش تھا کہ رام سنگھ کی اس اجازت کے بعد گروہ کا سردار بننا اس کے لیے زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔ گروہ کی سرداری کے ساتھ ساتھ اسے اس بات کی بھی خوشی تھی کہ اب گنگا کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنا بنا لینے کی گھڑی بھی اس کے قریب آئی جا رہی ہے۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے رام سنگھ کو یقین دلادیا کہ اس کے منصوبے میں کوئی غامی نہیں رہے گی اور وہ اپنے اس پہلے امتحان میں یقیناً کامیاب ہوگا۔ رام سنگھ جب خاموشی سے اس کی بات سن رہا تھا تب ایک پل کے لیے ہماری نے سوچا کہ شاید آخری گھڑی رام سنگھ اس سے کہہ دے گا ”میں تمھارے ساتھ نہیں چلوں گا میں سب کچھ تم پر چھوڑ رہا ہوں“

اس کا یہ اندازہ غلط ثابت ہوا کیونکہ اپنے اصول کے مطابق ہم پروردانہ ہونے سے پہلے وہ حسب معمول درگاماتا کی ٹورٹی کے آگے سر جھکا کر دعا مانگنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ اس کے یہ جذبات دیکھ کر اکثر گنگا کو حیرت ہوتی تھی کہ آخر رام سنگھ، درگاماتا سے کس کی حفاظت کے لیے دعائیں مانگتا رہتا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اسے اس بات کا احساس ہو کہ وہ کسی نیک کام کے لیے نہیں جا رہا ہے۔ اسی لیے وہ درگاماتا سے اپنے لیے معافی طلب کر رہا ہو؟ پھر اچانک گنگا کو درگیش کی یاد آجاتی۔ درگیش اگر رام سنگھ کو درگاماتا کی پوجا کرنے دیکھتا تو یقیناً ان لوگوں کا مذاق اڑاتا کہ بھلا ڈاکوؤں کو بھگوان سے کیا مطلب۔

”کس سوچ میں ڈوبی ہو گنگا؟“ پوچھا اسے فارغ ہو کر رام سنگھ نے گنگا کو مخاطب کیا ”سب تیاری مکمل ہے نا؟“ ”ہاں داؤ! آپ کا ہی انتظار کیا جا رہا ہے“ گنگا نے جواب دیا پھر ایک قدم آگے بڑھ کر اس نے کارٹوسوں کی بیٹی رام سنگھ کے گلے میں ڈال دی۔ اور بندوق اس کے ہاتھ میں تھما دی۔ درگاماتا کی مورتی کے سامنے رکھے ہوئے سیندر در کو اپنی انگلی میں لے کر رام سنگھ کی پیشانی پر تلیک لگادی اور پھر رام سنگھ کی بندوق کی نال پر بھی اس نے تلیک لگایا۔

”جے درگاماتا“ رام سنگھ دھیمی مگر کمرخت آواز میں درگاماتا کی مورتی کے آگے دونوں ہاتھ جوڑ کر جھکا۔ اس کے جھکنے

ہی اس کے دوسرے ساتھیوں نے بھی ”جے درگاماتا“ کا نعرہ لگایا۔ پھر گیارہ ساتھیوں کو ساتھ لے کر رام سنگھ اپنی زندگی کا آخری ڈاکا ڈالنے چل پڑا۔

سوناپور کے زمیندار سونگھ کی حویلی گاؤں کے آخری سرے پر واقع تھی حویلی کے آس پاس تقریباً ایک میل کے رقبے پر زمیندار نے ایک خوبصورت باغ بنوا رکھا تھا ہریالی سے گھری ہوئی اس کی حویلی پر کوئی نگاہ بھی ڈالے یہ بات لے بالکل ہی پسند نہیں تھی، ایک دن گاؤں کے چند شرارتی لڑکوں نے اس کے باغ میں گھس کر آسم توڑنے کی کوشش کی تھی۔ جب پوکیدار نے انھیں روکنے کی کوشش کی تھی تو وہ اسے تنگ کرنے لگے، یہ دیکھ کر زمیندار سونگھ نے اپنی بندوق اٹھالی اور پھر اس کی گولی ایک لڑکے کی پسٹلی میں سوراخ کر گئی تھی۔ اس واقعے کے بعد سے کسی میں جرات نہیں ہوئی کہ وہ زمیندار کے باغ میں یا اس کی حویلی کے اندر جھانکنے کی بھی ہمت کرتا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس نے علاقے کی پولس کو خرید رکھا ہو ان حالات میں کس کی مجال تھی کہ وہ زمیندار پر کسی قسم کا کوئی مقدمہ قائم کر سکتا؟ زمیندار سونگھ کی پردے والی کا جب گاؤں میں سے گزرتی تو لوگ اس کی زد سے بچنے کے لیے ادھر ادھر بھاگنے لگتے اور پھر جب اس کی کار گزر جاتی اور اڑتی ہوئی دھول چھٹ جاتی تب وہ ایک دوسرے سے کانا چھوسی کرنے لگتے اور کوئی کسی کے کان میں کہتا ”لگتا ہے زمیندار صاحب نے آج کوئی نئی چیز پیا پھانسی ہے“

ناچنے گانے والی طوائفوں کے علاوہ اس کی پردے والی کار میں اسمگل کیا ہوا سونا بھی بھرا ہوتا تھا، لیکن اس کی خبر کسی گاؤں والے کو نہیں تھی۔

شام ڈھلتے ہی رام سنگھ کے گروہ نے سونگھ کے وسیع و عریض باغ کے کچھواڑے گھنی جھاڑیوں میں اپنا ڈیرا جا لیا تھا اور اب وہ اندھیرا ہونے کی راہ دیکھ رہے تھے۔ گھوڑوں کے آگے گھاس ڈال دی گئی تھی اور رام سنگھ نے اپنے ساتھیوں کو سمجھاتے ہوئے کہا تھا ”ہمیں چار چار کی تعداد میں تین حصوں میں بٹ جانا چاہیے۔ میرے ساتھ گنگا، میں اور گوپال ہوں گے اور ہماری کے ساتھ لاکھن، سوہن اور دھرم

ہوں گے۔ باقی لوگ کشن کے ساتھ ہوں گے، جو حویلی کے صدر دروازے پر نظر رکھیں گے۔ حویلی میں اگلے دروازے سے داخل ہونے کا کام میرا ہے۔ جبکہ پچھلے راستے سے ہماری کو اندر داخل ہونا ہے۔ صدر دروازے پر سونگھ کے چور و چکیار ہیں، انھیں ہم اپنے بس میں کر لیں گے اور ہماری تمھیں پچھلے راستے سے اندر جا کر حویلی کے دوسرے نوکروں کو قابو کرنا ہے۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا، جہاں تک ہو سکے بندوق کو محض دھمکانے کے لیے ہی استعمال کرنا اور ضرورت ہو تو گولی چلانے کی بجائے بندوق کے گندے سے کام لینا۔ ہمارے لیے زیادہ بہتر یہی ہے کہ دھماکانہ ہو، کسی قسم کا شور و غل نہ ہو جب مقصد پورا ہو جائے تو ہمیں اپنی اپنی ٹولیوں کے ساتھ تین مختلف راستوں سے گزر کر اپنے اڈے پر پہنچ جانا ہے۔“

رام سنگھ کی یہ لمبی چوڑی تقریر سن کر ہماری چونک پڑا۔ اسے رام سنگھ کی یہ بات اچھی نہیں لگی تھی کہ رام سنگھ نے اسے اپنی ٹولی میں شامل نہیں کیا تھا اسے اس بات کا افسوس ہو رہا تھا کہ جس سونگھ کے نام سے سارا علاقہ کانپتا ہے، اس سونگھ پر اسے بندوق اٹھانے کا موقع نہیں ملے گا۔ لیکن پھر بھی اس نے یہ سوچ کر اپنے آپ کو تسلی دے لی کہ کچھ بھی ہو آخر اس لوٹ کا سہرا اسی کے سر ہی تو بندھے گا۔

رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیل چکا تھا۔ حویلی کی طرف بڑھنے کی ابتدا گنگا نے کی۔ ایک گھنے درخت کے پیچھے چھپ کر اس نے اپنی بندوق اور کارٹوسوں کی بیٹی رام سنگھ کے حوالے کر دی اور خود درخت کی اوٹ سے نکل کر حویلی کے دروازے کی جانب بڑھنے لگی۔ اس کے سر پر بندھی ہوئی پگڑی اور اس کی لچک دار چال دیکھ کر ایک پوکیدار نے دوسرے سے کہا ”آج کل کے لڑکے بھی لڑکیوں سے کم نہیں ہوتے۔ ذرا اس کی چال تو دیکھو بالکل زنانہ لگتی ہے“

”گر دھرم ہمارا مانگ روز روز ایک نئی چیز لاتا رہتا ہے۔ لگتا ہے اس کا اثر ہم پر بھی پڑنے لگا ہے“ دوسرے پوکیدار نے کہا ”اسی لیے نو لڑکوں میں بھی تمھیں زنانہ چال دکھائی دینے لگی ہے۔“

ٹھیک اسی وقت گنگا ان سے کچھ فاصلے پر اس طرح اچانک زمین پر بیٹھ گئی جیسے جوتے کے اندر کی کوئی ٹیکل اس



کے پیر میں چھب گئی ہو۔ یہ دیکھ کر پہلے جو کیدار گھر دھرنے چڑ کر کہا "ہائے ہائے، اس کی نزاکت تو دیکھو پاؤں میں جو تے ہونے کے باوجود کاٹا چھب گیا ہے۔"

گنگا اپنا ایک جوتا اتار کر اپنا تلوار سہارا ہی تھی کہ گردھرا اٹھ کر اس کے پاس پہنچ گیا۔ دائرہ صی موچھوں سے بے نیاز نوجوان کے گورے گورے پاؤں دیکھ کر وہ ازراہ مذاق بولا۔ "تمہارے پاؤں میں موج آگئی ہو تو لاؤ میں مالش کروں۔" یہ کہہ کر اس نے گنگا کو آنکھ ماری اس کا یہ انداز دیکھ کر گنگا دل ہی دل میں غصے سے کھول اٹھی۔

"آؤ میرا ہاتھ پکڑ کر اٹھ جاؤ،" گردھرا اس کا ہاتھ تھامنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک اس کی پیٹھ پر کسی چیز کا دباؤ پڑا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو اپنے پیچھے بندوق تانے ایک شخص دکھائی دیا۔ تنہی ہوئی بندوق پر نظر پڑتے ہی وہ بوکھلا گیا۔ اس گھبرا کر حویلی کے پھاٹک کی طرف دیکھا، جہاں اس کا دروازہ کھلی موجود تھا لیکن اب اس کی حالت بھی اس سے مختلف نہیں تھی اس کے پیچھے بھی ایک آدمی بندوق تانے کھڑا نظر آ رہا تھا۔

گردھرا ایک راجپوت تھا۔ اس نے فوراً اپنی تلوار ہتھ پر قابو پا لیا۔ حالات کی نزاکت کا احساس ہوتے ہی وہ سنبھلا پھر اچھل کر اس نے اپنے پیچھے کھڑے ہوئے گھرے موہن کی بندوق کی نال پکڑ لی۔ اس کا یہ حملہ اس قدر اچانک ہوا تھا، جس سے گنگا اور موہن دونوں شٹا گئے انھیں ڈر تھا کہ اس چھینا جھپٹی میں بندوق چل گئی یا چوکیدار نے جرح ماری تو سارا کھیل بگڑ جائے گا۔ اس خیال کے آتے ہی گنگا ایک لمحے کے لیے بھول گئی کہ وہ ایک عورت ہے۔ وہ اپنی جگہ سے اچھلی اور سیدھی گردھر کے اوپر آ کر گری۔ گردھر کی پیٹھ سے چپک کر اس نے دونوں ہاتھوں سے گردھر کے گلے میں قبضہ ہی لگا دی اور لٹک گئی۔ گردن پر دباؤ بڑھتے ہی گردھر کے قدم اکھڑ گئے۔ اور اسے اپنی سانس رکتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ موہن کی بندوق پر سے اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ پھر اسے عجوبہ اپنی مزاحمت ترک کر دینی پڑی۔ حویلی کے پھاٹک پر موجود دوسرا چوکیدار رام سنگھ کا چہرہ دیکھتے ہی ہوتی سانس نظر آنے لگا تھا اور بغیر مانگے ہی اپنی بندوق اس نے رام سنگھ کے حوالے کر دی تھی۔ "ان دونوں کو اس درخت کے تنے سے باندھ دو۔"

رام سنگھ کی غراہٹ بھری آواز ابھری وہ موہن سے کہہ رہا تھا "اگر کوئی ذرا سی بھی آواز نکالے تو میری اجازت کے بغیر اسے بھون دینا۔"

یہ ایک قریب سے کسی کتے کے بھونکنے کی آواز سن کر رام سنگھ چونک پڑا۔ ایک سوال تیزی سے اس کے ذہن سے ابھرا تھا کہ کیا بھاری اس بات سے لاعلم تھا کہ زمیندار سجن سنگھ کتے بھی پالتا ہے؟ لیکن جب اگلے ہی لمحے کتے نے بھونکنا بند کر دیا تو رام سنگھ نے بھاری کی اس غفلت کو معاف کر دیا۔ پھر اشارے سے اس نے گنگا کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ پہلے سے طے کیے گئے بندوق رام کے مطابق گنگا کو زمیندار کے بارے میں معلوم کرنا تھا،

ابھی وہ برآمدے کے زینے چڑھنے بھی نہ پائی تھی کہ اندر سے سجن سنگھ کا بوڑھا ملازم اودھم سنگھ اپنی سفید دائرہ پیر ہاتھ پھیرتا ہوا حویلی سے باہر نکلا حویلی کا قانون تھا کہ جب کوئی شخص زمیندار سجن سنگھ سے ملنے کے لیے حویلی کے اندر آنا چاہتا تو حویلی کے پھاٹک پر موجود دونوں چوکیدار میں سے کوئی ایک اندر آ کر پہلے اس بات کی اجازت لیتا کہ وہاں کو اندر بھیجا جائے یا نہیں؟ اس کے برخلاف ایک ابھی نوجوان کو بغیر اجازت کے اندر آتے دیکھ کر اودھم سنگھ کو حیرت سی ہو رہی تھی۔ اس نے وہیں کھڑے کھڑے حویلی کے پھاٹک کی طرف نگاہ ڈالی، لیکن اسے دونوں میں سے ایک چوکیدار بھی نظر نہیں آیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور سوچنے لگتا، گنگا نے جلدی سے اسے مخاطب کیا۔

"زمیندار شیطان سنگھ اندر ہے؟"

لفظ "شیطان" پر اودھم سنگھ اچھل پڑا۔ اپنے مالک کی بے عزتی اس سے برداشت نہیں ہوئی وہ غصے سے آنکھیں نکال کر بولا "اے لڑکے! زبان سنبھال کہ بات کر میرے مالک کا نام شیطان سنگھ نہیں سجن سنگھ ہے۔"

"لیکن انسان ہوتے ہوئے اس کی خصلت شیطان جیسی ہے؟" پھر اس سے پہلے کہ اودھم سنگھ کوئی سخت بات کہتا، رام سنگھ نے پیچھے سے آکر بندوق کی ٹھنڈی نال اس کی گردن پر رکھ دی۔ اودھم سنگھ بوکھلا کر پلٹا۔ دونوں ہاتھوں میں دو بندوقیں گلے میں کار تو سوں کی دو پیٹیاں اور راجپوتی موچھوں

والے آدمی کے جھریوں دار چہرے کو دیکھ کر بوڑھا اودھم سنگھ سمجھ گیا کہ اس کے سامنے جو شخص کھڑا ہے وہ ڈاکو رام سنگھ ہے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

وہ اپنے مالک کا وفادار تھا اور اس پر اپنی جان بھی قربان کر سکتا تھا۔ لیکن اس وقت رام سنگھ کے روپ میں موت بوسانے دیکھ کر اس کی وفاداری کے سارے جذبات بھاپ بن کر اڑ گئے۔ اسے اپنی بیوی بچے یاد آنے لگے۔ رام سنگھ کی آگ برساتی آنکھوں کو دیکھ کر اسے اپنے جسم سے پسینے چھوٹنے محسوس ہو رہے تھے اور یہ حقیقت بھی تھی اس کا جسم پسینے میں نہا گیا تھا۔ رام سنگھ نے دوسری بندوق گنگا کی جانب بڑھادی پھر اسی ہاتھ سے اودھم سنگھ کی گردن پر ہاتھ رکھ کر اسے پیڑھیوں سے نیچے دھکیل دیا اور گنگا سے بولا "ان دونوں کے ساتھ اسے بھی آرام کرنے کے لیے بھیج دو۔"

گنگا نے گھرے موہن کی طرف دیکھا تو وہ رام سنگھ کا حکم سمجھ گیا اس نے فوراً ہی بوڑھے اودھم سنگھ کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

وہ جیسے ہی آگے بڑھا اندر سے کسی عورت کی آواز سنائی دی "کیا بات ہے اودھم سنگھ؟ کون آیا ہے؟" زمیندار سجن سنگھ کی بیوی ڈراؤنگ روم سے گزر کر باہر آ چکی تھی لیکن برآمدے میں ہتھیاروں سے لیس تین آدمیوں کو دیکھ کر اس کے قدم رک گئے اور آنکھوں میں خوف کے سائے لہانے لگے۔ چند لمحوں تک چپ چاپ ان کی طرف دیکھتی رہی پھر وہ آہستہ آہستہ پیچھے سرکنے لگی۔ گنگا نے رام سنگھ کے اشارے کی پروا کیے بغیر اپنی جگہ سے چھلانگ لگا دی۔ وہ سجن سنگھ کی بیوی کو یہ موقع فراہم کرنا نہیں چاہتی تھی کہ وہ جرح کر حویلی کے اندر موجود لوگوں کو ہوشیار کر دے "مٹھرو" اس کی غراہٹ سن کر سجن سنگھ کی بیوی سم کر رک گئی۔ اس نے گنگا کی آواز سن کر یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ حکم دینے والا نوجوان کوئی مرد نہیں ہو سکتا۔ پھر اس نے غور سے گنگا کا چہرہ دیکھا تو اسے یقین ہو گیا کہ یہ کوئی عورت ہی ہے جو مردوں کا لباس پہنے اس کے سامنے کھڑی ہے۔ یہ ایک اسے اس عورت کا خیال آیا جس سے سارا راج تھان کا اپنے لگا تھا اور وہ ڈاکو تھی، گنگا ڈاکو۔

"گھر میں کتنے افراد ہیں؟" گنگا نے بھاری مگر دھیمے لہجے

میں اس سے پوچھا۔ اس نے یہ سوال کرتے وقت اپنی بندوق سجن سنگھ کی بیوی پر نہیں تانی تھی لیکن پھر بھی اس کی آواز میں اتنی سختی تھی کہ وہ کانپ گئی اور ایک کمرے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"اس کمرے میں میری جوان بیٹی بیمار پڑی ہے میں تمہارے ہاتھ جوڑتی ہوں اسے تنگ مت کرنا، میں خود ہی اپنے زلیوزات تمہارے حوالے کر دوں گی۔"

برآمدے میں کھڑے ہوئے رام سنگھ سے یہ تاخیر برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ تیزی سے سجن سنگھ کی بیوی کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور بولا "میرا نام کھڑا رام سنگھ ہے اور میں زمیندار کی خبر لینے آیا ہوں۔"

سجن سنگھ کی بیوی خبر لینے کا مطلب سمجھ گئی اس کا چہرہ خوف سے پیلا پڑ گیا تھا۔ ماتھے پر لگا ہوا جھومر کانپنے لگا اس نے اپنے گلے میں پڑے ہوئے موتیوں کے ہار کی طرف ہاتھ بڑھایا تو رام سنگھ جلدی سے بولا "نہیں میں عورتوں کو نہیں لوٹتا۔ یقین کرو تمہیں یا تمہاری بیٹی کو ذرا بھی آہنج نہیں آئے گی۔ بس تمہیں صرف خاموش ہی رہنا ہے۔"

سجن سنگھ کی بیوی نے اپنی گردن نیچی کر لی، تب رام سنگھ نے پھر اس سے کہا "چلو تم بھی اپنی بیٹی کے ساتھ اس کمرے میں بند ہو جاؤ تاکہ ہنگامے کی نذر نہ ہو جاؤ۔"

ماں کو دو بندوق برداروں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوتا دیکھ کر زمیندار کی بیمار لڑکی کراہتی ہوئی بستر پر بیٹھ گئی، لیکن رام سنگھ نے اس کے بولنے سے پہلے ہی سجن سنگھ کی بیوی سے پوچھا "زمیندار اوپر ہی ہے نا؟"

"ہاں،" سجن سنگھ کی بیوی نے دھیرے سے گردن ہلا دی۔

"اکیلا ہے یا کوئی اور بھی ہے؟" رام سنگھ نے پھر پوچھا

"کون ہے اس کے ساتھ؟" رام سنگھ کی آواز میں بے چینی تھی لیکن سجن سنگھ کی بیوی جلدی کوئی جواب نہیں دے سکی یہ دیکھ کر رام سنگھ نے پھر کہا "میں کہہ رہا ہوں جو کوئی بھی ہے اس کے بارے میں صاف صاف بتا دو کیونکہ اوپر جا کر اگر میں نے بندوق چلا دی تو نقصان تمہیں ہی ہوگا۔"

"اوپر... ایک طوائف ہے؟" سجن سنگھ کی بیوی نے گردن جھکا کر ہشکلی جواب دیا "ناچنے گانے کے لیے آئی ہے۔"

”گھر میں طوائف؟“ رام سنگھ کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں۔ ”بیوی کے ہوتے ہوئے وہ عیش و طرب میں مشغول ہے؟ اپنی جوان بیٹی کا بھی اسے کوئی خیال نہیں؟ یہ بات وہ کہنے کو تو کہہ گیا مگر پھر فوراً ہی اسے خیال آیا کہ وہ یہاں زمیندار سجن سنگھ کو نوٹنے کے لیے آیا ہے، اس کی گھریلو زندگی سدھارنے نہیں آیا۔ اس خیال کے آتے ہی وہ بولا۔ ”ٹھیک ہے، آج اس کے سارے شوق پورے ہو جائیں گے“ اتنا کہہ کر وہ بندوق ہاتھ میں لیے دروازے کی جانب بڑھا تو پیچھے سے ایک آواز آئی ”بھیا۔“

بہ جانے اس لفظ میں کیا تاثیر تھی، جسے سنتے ہی رام سنگھ کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو سجن سنگھ کی بیوی کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ کچھ بھی ہو وہ ایک خاندانی گھرانے کی بہو تھی۔ اپنی چھانی پر طوائف لاکر بٹھانے والے شوہر سے نفرت ہونے کے باوجود اس کے نام کا ٹیکہ اس نے اپنے ماتھے پر سجایا ہوا تھا۔ ایک سہاگن کے آنسوؤں کی عاجزی بھلا کیسے ٹھکرائی جاسکتی تھی؟ رام سنگھ اس کے آنسوؤں کی خاموش التجا کو سمجھ کر بولا۔

”ٹھکرائیں! سجن سنگھ جیسے آدمی کی جان لیتے وقت مجھے ہرگز یہ پچھنا نہیں ہوتا کہ میں کوئی گناہ کر رہا ہوں... لیکن اب یہ کام میں قدرت پر چھوڑ دوں گا اور تمہارے سہاگ کو چھوڑ کر جو کچھ مجھے لوٹنا ہو گا وہ لوٹ کر چلا جاؤں گا۔“ اتنا کہہ کر وہ جانے کے لیے آگے بڑھا اور جانے جاتے پھر بولا ”مگر اتنا یاد رکھنا کہ اگر تم دونوں میں سے کسی کی آواز بھی سنائی دی تو میری بندوق خاموش نہیں رہے گی۔“ یہ دھمکی دے کر وہ گنگا کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گیا۔ کمرے سے باہر آکر گنگا نے دروازہ باہر سے بند کیا اور رام سنگھ کے ساتھ اوپر جانے کے لیے زینے پر چڑھنے لگی۔

اوپر کا پہلا کمرہ کھول کر وہ اندر داخل ہوئے۔ کمرہ بالکل خالی تھا لیکن اس کے پیچھے والے کمرے سے کسی کے بولنے کی آواز آرہی تھی۔ رام سنگھ نے دروازے سے کان لگا دیے۔ زمیندار سجن سنگھ اس طوائف سے کہہ رہا تھا ”رانی اب تو تمہارے بغیر کہیں بھی نہیں پڑتا۔ گھنٹے دو گھنٹے کے ساتھ سے میرا جی نہیں بھرتا۔“

”راجا! طوائف کی کھٹکی ہوئی آواز سنائی دی“ میری حالت تو آپ سے زیادہ بری ہے۔ اس حویلی سے باہر جانے کے لیے تو میرے پاؤں بھی نہیں اٹھتے مگر کیا کروں؟ آپ سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ حویلی کی مالکن جیسی عزت مجھے کہاں مل سکتی ہے؟“

”اگرے رانی! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟“ سجن سنگھ نشے سے لڑکھڑائی آواز میں کہہ رہا تھا ”حویلی کی مالکن تو حویلی کے ایک کونے میں پڑی سڑ رہی ہے، اور تم میرے دل کے اندر بیٹھی ہوئی ہو۔“ باہر آتی ہوئی صدائیں سن کر رام سنگھ کو غصہ آگیا۔ اس نے کمرے کے بند دروازے پر ایک زوردار لات ماری۔ زوردار آواز کے ساتھ دروازے کے پیٹ کھل گئے۔

زمیندار سجن سنگھ اپنی آنکھیں ملتا ہوا چیخا ”کون ہے بے وقوف جو ہماری تنہائی میں مغل ہوا ہے؟“

رام سنگھ اس کے قریب جا کر بولا ”آنکھیں کھول کر دیکھو سجن سنگھ! تمہارے سامنے اس وقت کون کھڑا ہے؟“

”کون رام سنگھ؟“ سجن سنگھ، طوائف کے پہلو سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ رام سنگھ کی صورت دیکھتے ہی اس کا لہجہ بدل چکا تھا اور طوائف کمرے کے ایک کونے میں سمٹ گئی تھی۔ اس وقت تک گنگا بھی بندوق تان کر کمرے میں داخل ہو چکی تھی۔

زمیندار کو ادھر ادھر دیکھتے ہوئے رام سنگھ سمجھ گیا کہ وہ وہاں سے بھاگنے کے متعلق سوچ رہا ہے مگر اس نے سجن سنگھ کو ایسا کوئی موقع نہیں دیا وہ فرش پر پڑی ہوئی شراب کی بوتل کو بندوق کی نال سے لٹے ہوئے بولا ”تمہاری ہر کوشش فہول ہے سجن سنگھ! تمہارے چوکیدار اور گھر کے نوکر میرے قبضے میں آچکے ہیں، جبکہ تمہاری بیوی اور بیٹی بھی ایک کمرے میں بند ہیں۔ حویلی چاروں طرف سے گھیرے میں ہے... تم نے ذرا بھی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میری بندوق کی گولی تمہیں نرگ میں بھینچے میں ذرا بھی تامل نہیں کرے گی۔“

”کیا چاہتے ہو تم؟“ زمیندار لرزتا ہوا بولا۔

”غریب کسانوں سے ان کی زمینیں چھین کر تم یہاں عیش کر رہے ہو؟“ رام سنگھ دانت پیس کر بولا ”مجھے ان کا بدلہ لینا ہے“ اتنا کہہ کر وہ دو قدم آگے بڑھا ”میں تمہاری جان لینے کے لیے آیا تھا لیکن اب صرف مال لے کر ہی چلا

جاؤں گا۔“ پھر کونے میں رکھی ہوئی تجوری کی طرف بڑھتے ہوئے بولا ”کہاں ہے تجوری کی چابی؟ جلدی کرو؟“ اس نے بندوق سے اسے ٹھوکا دیا۔

ٹیکے کے نیچے سے چابیوں کا گچھا نکال کر اس نے چپ چاپ رام سنگھ کے حوالے کر دیا۔

رام سنگھ نے جھپٹ کر تجوری کھول دی۔ گنگا اس دوران سجن سنگھ کو بندوق سے کوبہ کیے رہی۔ تجوری گنتیوں، ہیرے موتی کے زیورات اور بڑے بڑے نوٹوں کی گڑیوں سے بھری ہوئی تھی۔ رام سنگھ کو تجوری کی جانب متوجہ دیکھ کر زمیندار سجن سنگھ نے کونے میں کھڑی ہوئی طوائف کو کچھ اشارہ کیا۔ رانی اس کا اشارہ سمجھ کر وہ گنگا کی طرف دیکھنے لگی۔ سجن سنگھ نے اسے گنگا کو باتوں میں لگانے کا اشارہ کیا تھا۔

”تم عورت بہہ کر اس راہ پر کیوں چل پڑی ہو؟“ اس نے گنگا سے سرگوشی کی یہ سن کر گنگا کا چہرہ اتر سا گیا شاید اس سوال کا اس پر گہرا اثر ہوا تھا اس نے بڑے غصے سے جواب دیا۔ ”مجھے کچھ کہنے سے پہلے ذرا اپنے گریبان میں جھانک کر تو دیکھو، تم ایک شادی شدہ مرد کو اپنے جال میں پھنسا کر اس کے سنسار میں آگ لگا رہی ہو۔“

اس دوران میں سجن سنگھ غیر محسوس طریقے سے دیوار کی جانب سرکنے لگا تھا لیکن یہ اس کی بد نصیبی تھی کہ وہ دیوار پر سے بندوق اتارنے میں ذرا جلد بازی کا مظاہرہ کر بیٹھا اور گنگا اس کی جانب متوجہ ہو گئی۔ زمیندار سجن سنگھ بندوق اتار کر تجوری پر جھکے ہوئے رام سنگھ کی جانب مڑا اور اس کا نشانہ لے کر بلبلی دبانے ہی والا تھا کہ گنگا نے اپنی جگہ سے جھلانگ لگادی پھر اس سے پہلے کہ سجن سنگھ اپنی انگلی کو حرکت دیتا، گنگا نے اپنی بندوق کا گنڈہ اس کے سر پر دے مارا۔

رام سنگھ نے چونک کر الماری کا دروازہ بند کیا اور پلٹ کر دیکھا تو اسے سجن سنگھ کے ہاتھ سے بندوق چھوٹ کر فرش پر گرے دکھائی دی۔ اس کے سر سے خون کی دھار بہہ رہی تھی، پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ ڈولنے لگا۔ ضرب کی شدت سے اسے چکر آنے لگے تھے۔ رام سنگھ پل بھر میں ہی سمجھ گیا تھا کہ گنگا نے گولی چلائے بغیر سجن سنگھ کو زخمی کر کے اس کی جان بچائی ہے۔ رام سنگھ کو اپنی حماقت پر افسوس ہونے

لگا کہ تجوری کا مال دیکھ کر وہ زمیندار کی طرف سے اتنا غافل کیوں ہو گیا تھا... پھر وہ گنگا کی طرف تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا ”چند منٹ اور صبر کرو بیٹی! میں سامان کی پوٹلی باندھ لوں تو یہاں سے روانہ ہونے ہیں۔“

گنگا اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ اس نے طوائف رانی کو کمرے کے دروازے کی جانب سرکتے دیکھ لیا تھا! وہ تیزی سے اس طرف چھپتے ہوئے بولی ”داؤ! میں اسے سنبھالتی ہوں، تب تک آپ یہاں کا کام ختم کر لیں۔“

رام سنگھ یہی سمجھا تھا کہ زمیندار سجن سنگھ کو زخم کھا کر گرنے دیکھ کر طوائف خوف سے بھاگ نکلی ہے، لیکن گنگا اس کا ارادہ سمجھ چکی تھی۔ اس نے ہی اسے باتوں میں لگا کر سجن سنگھ کو بندوق اٹھانے کا موقع فراہم کرنے کی کوشش کی تھی اب اسے طوائف رانی پر بے حد غصہ آ رہا تھا۔ رانی وہاں سے بھاگ کر ایک دوسرے کمرے میں آگئی تھی اور اس کا دروازہ اندر سے بند کرنے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن گنگا نے دھکا دے کر دروازہ کھول دیا مگر رانی اس کمرے سے نکل کر تیسرے کمرے میں گھس گئی۔ اس بار گنگا کو اس کے تعاقب میں ذرا دیر ہو گئی اس سے پہلے کہ وہ رانی تک پہنچتی رانی نے تیسرے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔

غصے میں ہانپتی کانپتی گنگا نے بند دروازے پر ایک لات ماری، لیکن دروازہ نہیں کھلا تو وہ یہ سوچ کر مطمئن ہو گئی کہ اگر رانی نے پچھلے دروازے سے بھاگنے کی کوشش کی تو باہر کھڑے ہوئے ہماری اور اس کے ساتھی اسے ہر حالت میں دبوچ لیں گے۔ اس خیال کے آنے ہی اس نے کچھ اطمینان سا محسوس کیا اور اب وہ دوبارہ رام سنگھ کے پاس جانے کے لیے سوچ ہی رہی تھی۔

اچانک کھڑکی کے اندر نظر پڑتے ہی وہ سن ہو کر رہ گئی۔ رانی ٹیلیفون کا ریسپونڈر کان سے لگائے ہوئے کہہ رہی تھی ”میں زمیندار سجن سنگھ کی حویلی سے بول رہی ہوں۔ جلدی آجائیں یہاں ڈاکو...“ رانی ابھی اتنا ہی کہہ پائی تھی کہ سانپوں والی کھڑکی میں سے نشانہ لے کر گنگا نے گولی چلا دی ایک دھماکا ہوا اور سنائی ہوئی گولی رانی کی پیٹھ میں پیوست ہو گئی۔ بندوق کی آواز سے حویلی گونج اٹھی اور رانی کے ہاتھ سے

ٹیلیفون کارڈ سیور جھوٹ گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ خود بھی فرش پر گر پڑی۔ دوسرے ہی لمحے اس کا جسم کانپا اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ساکت ہو گیا۔

”کیا ہوا تھا؟“ بندوق چلنے کی آواز سن کر رام سنگھ اس کے پاس دوڑا آیا۔

”حیرانہ ٹیلیفون پر پولس کو خبر کر رہی تھی“ گنگا نے کھڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ”میرے پاس گولی چلانے کے سوا کوئی اور راستہ نہیں تھا۔“

”حوالی میں ٹیلیفون موجود ہے اس کے بارے میں ہماری نئے معلومات کیوں نہیں حاصل کی؟“ رام سنگھ کی آواز میں غصے کی جھلک تھی ”اس کے بھر دے پرائیج ہم سب کی جان کو خطرہ۔“

”داؤ! یہ باتیں ہم بعد میں کر لیں گے“ گنگا کے لہجے میں بے چینی تھی ”جب وہ پولس سے باتیں کر رہی تھی

تب میں نے اس پر گولی چلائی تھی اور مجھے یقین ہے کہ سیور کے ذریعہ گولی چلنے کی آواز انھوں نے بھی سن لی ہوگی۔ ہمیں فوراً ہی یہاں سے نکل جانا چاہیے۔“

”داؤ جی!“ عین اسی لمحے تجوری والے کمرے سے بہاری کی آواز سنائی دی تو رام سنگھ اور گنگا اس طرف پلکے بہاری انھیں دیکھتے ہی بولا ”بندوق کی آواز نے مجھے فکر مند کر دیا تھا۔

سب ٹھیک تو ہے نا؟“ چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ دوبارہ بولا ”باہر کے حالات کنٹرول میں ہیں لیکن مجھے تعجب ہے کہ یہاں اندر کھارے ہونے ہوئے گڑبڑ ہو گئی۔“ اس کے لہجے میں طنز جھلک رہا تھا۔

بہاری کا انداز گفتگو رام سنگھ کو کچھ اچھا نہیں لگا۔ اس نے محسوس کیا کہ بہاری کچھ بدلا بدل سادھائی دے رہا ہے۔ اس کی باتوں سے تو یوں لگ رہا ہے جیسے وہی اس گروہ کا سردار ہو۔

رام سنگھ کے ماتھے پر تیرہ دیاں پڑ گئیں۔ اس کا جی چاہا کہ وہ ابھی اور اسی وقت بہاری کا مزاج درست کر دے، لیکن گنگا نے اسے مہلت نہیں دی وہ رام سنگھ کے تیور دیکھ کر بولی۔

”ہمیں یہاں سے جلدی روانہ ہو جانا چاہیے۔ بہاری جلدی سے مال کی پوٹلی اٹھا لو۔“

پانچ منٹ کے اندر ہی ان تینوں نے بہت تیزی سے زمیندار سجن سنگھ کی تجوری خالی کر دی۔ بہاری نے اپنے سر پر بندھا ہوا صاف کھول کر زمین پر پھینک دیا تھا۔ وہ تجوری کا زیادہ

سے زیادہ حصہ اپنی پوٹلی میں باندھنے کی کوشش کر رہا تھا، ایک رام سنگھ کی نظروں سے اس کی یہ حرکت پوشیدہ نہیں رہ سکی۔ اس نے جب رام سنگھ کو اپنی جانب گھومتے دیکھا، تو اپنی غلط پیش کرتے ہوئے بولا ”میں اپنی پوٹلی میں زیادہ مال اس لیے بھر رہا ہوں کہ آپ دونوں کو زیادہ بوجھ نہ اٹھانا پڑے۔“

بلا ضرورت توجیح سن کر رام سنگھ نے چبھتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔... پانچ برس کے اس ساتھی کے لیے صرف پندرہ منٹ میں ہی رام سنگھ کے دل میں بے انتہا نفرت جم لے چکی تھی۔... لیکن پھر بھی اس نے حالات تحت منہ سے کچھ نہ بولا۔

دس منٹ کے بعد رام سنگھ کا پورا گروہ لوٹ کا مال لے کر حویلی سے صحیح سلامت نکل آیا اور رات کے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ اس وقت پوری حویلی میں ایک گڑسٹا اچھا ہوا تھا۔

منصوبے کے مطابق جب وہ جگہ آگئی جہاں سے اس گروہ کو تین حصوں میں تقسیم ہو کر الگ الگ راستوں سے روانہ ہونا تھا، تب اچانک ایک جگہ رام سنگھ نے اپنے گھوڑے کی لگام کھینچ

ہوئے بہاری سے کہا ”بہاری! تم میرے ساتھ ہی رہنا۔ کیونکہ اڑے پر پہنچتے ہی ہمیں سارا مال کسی خفیہ جگہ پر فوراً چھپانا ہے۔“

رام سنگھ کو بہاری کی نیت پر شک ہو چکا تھا۔ اس نے لے دوسرے راستے سے جانے سے منع کیا تھا۔ بہاری کو یہ موقع ہی نہ مل سکا کہ وہ کوئی دلیل پیش کرتا۔ اچانک سنائی ہوئی ایک گولی اس کے گھوڑے کے پیچھے پیروں کے پاس سے ہو کر گزر گئی۔

اس کا گھوڑا بری طرح چونکا اور اپنے دونوں اگلے پاؤں اٹھا کر ہنسنے لگا۔ بہاری نے بڑی مشکل سے خود کو اس کی پیٹھ سے گرنے سے بچایا۔... وہ گھوڑے کی پیٹھ سے پٹا ہوا تھا۔ گنگا نے پھرتی سے اپنے گھوڑے کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی اور چیخ کر بولی

”داؤ! پولس آپہنچی ہے۔... ہمیں سڑک چھوڑ کر جنگل کے راستے نکل جانا چاہیے۔“

پولس کی گولیوں کا جواب دے بغیر بھاگ جانا رام سنگھ کو پسند نہیں تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ ڈاکو وہی ہے جو مقابلہ کر کے اپنے مقابل کو شکست دے سکے۔ مقابلے کے بغیر بھاگ نکلنا اس کے نزدیک ہزدلی تھی۔ اس ڈاکے میں قدم قدم پر گنگا نے

ہوشیاری کا ثبوت دیا تھا۔ گنگا نے اسے جلدی سے حویلی سے نکل جانے کے لیے نہ کہا ہوتا تو وہ بہاری کی خبر لینے میں مصروف

ہو جاتا اور اتنی دیر میں اس کے سارے ساتھی پولس کے گھیرے میں آجاتے اب اس کے پاس مجبوراً گنگا کی بات مان کر پولس کی گولیوں کا جواب دے بغیر بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

گنگے جنگل میں ان کے گھوڑے دوڑتے رہے۔ پولس کی گولیاں مستقل ان کا پیچھا کر رہی تھیں۔ بندوقوں کے دھماکوں سے پورے جنگل میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ گھونسوں میں سوئے ہوئے پرندے گھبرا کر درختوں سے ٹکرا رہے تھے۔

ایس پی شرما اپنی جیب پر سے کور کر نیچے انراور چیخ کر اپنے سپاہیوں سے بولا ”اس کا پیچھا جاری رکھو۔ آج اسے زندہ گرفتار کرنا ہے۔“

سپاہی اپنے افسر کا حکم سنتے ہی جنگل میں گھس پڑے تھے۔ ان کے کئی دستوں نے تاکا بندی کر دی تھی۔

رام سنگھ نے ایک جگہ جا کر اپنا گھوڑا روک لیا اور پھر اس نے اپنے ارد گرد نظر دوڑائی تو اسے بہاری کی غیر موجودگی کا احساس ہوا اس نے گنگا کو معاذ اللہ کہتے ہوئے پوچھا ”بہاری کہاں ہے؟“

”وہ تو پیچھے ہی کہیں ہم سے الگ ہو گیا تھا۔“ گنگا کا جواب سن کر رام سنگھ نے سختی سے اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔

دفعۃً جھاڑیوں میں پھل سی ہوئی۔ رام سنگھ نے پھرتی سے بندوق اُدھر کر کے گولی چلا دی۔ جواب میں اُدھر سے بھی فائر کیا گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ پولس ان کے بے حد قریب پہنچ چکی ہے۔ گنگا کو بھی یقین ہو چکا تھا کہ پولس سے مقابلہ کیے بغیر وہ ان کے نرغے سے نہ نکل سکیں گے۔

حالات کی نزاکت دیکھ کر رام سنگھ نے اندھا دھند فائر کرنے شروع کر دیے۔ چند لمحے بعد ہی اس نے کسی کی تیز چیخ سنی، شاید کوئی گولی کسی کو لگ گئی تھی۔

گنگا بھی ایک بڑی آڑ سے گھنے درختوں کی جانب مسلسل فائر کر رہی تھی اب دوسری طرف فاموشی طاری ہو گئی تھی۔

”لگتا ہے وہ کوئی نئی جال چل رہے ہیں“ رام سنگھ نے جلا کر کہا اور گھوڑے کی لگام کھینچ کر بولا ”ہمیں بھی اپنی جگہ بدل کر کوئی دوسرا مورچہ بنانا پڑے گا۔“ ابھی اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ ایک گولی رام سنگھ کے سینے سے

اوپر کندھے کو چیرتی ہوئی اندر گھس گئی۔ رام سنگھ کے منہ سے ایک سسکاری نکلی اور اس نے فوراً ہی بایاں ہاتھ اپنے داہنے

کندھے پر رکھ لیا۔

”داؤ!“ گنگا کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی ”آپ گھوڑے سے نیچے آکر پوری طرح جھاڑیوں میں چھپ جائیں۔... میں پولس کو روکتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ پھر فائر کرنے لگی۔

”شاہاش بیٹی!“ رام سنگھ زخمی شہر کی طرح گر جہاں آواز میں بولا ”ان میں سے ایک بھی زندہ بچ کر نہ جائے۔“ اتنا کہہ کر

یکایک اس نے اپنے زخمی شانے پر سے اپنا بایاں ہاتھ ہٹایا، پھر اس کا اشارہ پا کر اس کا گھوڑا اس طرح اچھل کر جھاڑیوں سے باہر نکلا جیسے بے شمار شہداء کی مکھیاں اس کے پیروں سے

پٹ پٹ گئی ہوں۔ گھوڑا زمین پر سے چار چار فٹ اونچا اچھل چل کر اُدھر سے اُدھر چھلانگیں لگا رہا تھا اور اس کی پیٹھ پر بیٹھا ہوا تھا کہ رام سنگھ اندھا دھند جھاڑیوں میں فائرنگ کر رہا تھا۔ کئی چیخیں پھر بلند ہوئیں۔

اس کے اس طوفانی حملے کا پولس پر گرا اثر ہوا صرف پندرہ منٹ کے اندر ہی بندوقوں کے دھماکے بند ہو چکے تھے۔ پولس کا زور روٹ چکا تھا رام سنگھ کے اندر اٹھتے ہوئے طوفان کا مقابلہ کرنے کی اب ان میں بہت نہیں تھی شاید وہ لوگ فاموشی سے پیچھے ہٹ گئے تھے۔

رام سنگھ کے دل سے کندھے سے کافی خون نکل چکا تھا وہ کندھے سے لے کر نیچے تک خون میں لٹھڑا ہوا تھا گھوڑے کا اچھلنا بند ہوا تو اس نے اپنی بندوق پھینک دی اور بایاں ہاتھ سے اپنے زخم کو دبا کر گھوڑے کی پیٹھ سے گر پڑا۔ اس پر

نفاہت سی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ گنگا اسے گھوڑے کی پیٹھ سے گرتے دیکھ کر اس کی جانب پلکی اور اپنا صاف بھٹا کر اس کے زخم پر پڑتی باندھنے لگی۔ جس وقت گنگا رام سنگھ کے ہتھے ہوئے خون کو دبانے کی کوشش کر رہی تھی اس وقت وہاں سے کچھ فاصلے پر بہاری لوٹ کے مال کا کچھ حصہ زمین میں

گڑھا کھود کر دفن کر رہا تھا، اس کے ہونٹوں پر اس وقت ایک شیطانی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

رام سنگھ زخمی حالت میں ایک چارپائی پر پڑا تھا اور اس کے تمام ساتھی اس کے چاروں طرف گھیرا ڈالے کھڑے تھے وہ سب بڑی بے چینی سے گنگا کی طرف دیکھ رہے تھے جو رام سنگھ

کے زخم پر پٹی باندھ رہی تھی اس کے چہرے پر سب سے زیادہ گھبراہٹ اور پریشانی کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔

جنگل میں اگر پولس والوں نے ذرا اور ہمت کا مظاہرہ کیا ہوتا تو وہ رام سنگھ کو زندہ گرفتار کر سکتی تھی لیکن اپنے چار سپاہیوں کو رام سنگھ کی گولیوں سے ڈھیر ہونے دیکھ کر انھوں نے اندھیرے میں رام سنگھ کا مقابلہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ ان کے لیے اپنے زخمی ساتھیوں کو اسپتال پہنچانا اور اپنی جان بچانا زیادہ ضروری ہو گیا تھا۔ حالات کی سنگینی کو مد نظر رکھتے ہوئے ایس پی شرمان نے اپنے جوالوں کو پیچھے ہٹا لیا تھا۔

”بیٹی! اگر تم نہ ہوتیں تو آج میری لاش پولس کے قبضے میں ہوتی۔“ رام سنگھ نے اپنے زخمی کندھے کو دباتے ہوئے کہا۔

گنگا نے بھیگی ہوئی ہلکوں سے اسے دیکھا اور بولی ”داڑ! زیادہ بولنے سے آپ کو تکلیف ہو رہی ہے۔ اب کوئی بات نہ کرو اور خاموشی سے لیٹے رہو۔ بھگوان نے چاہا تو صبح تک سب ٹھیک ہو جائے گا پھر جتنا جی چاہے بولا۔“ یہ کہہ کر اس نے گونگے کو جو زخمی یاد آڈے کے باہر بھیجتے ہوئے کہا ”ذرا جا کر دیکھو تو سہی بہاری ڈاکٹر کو لے کر بھیجیوں کیوں نہیں آیا ہے؟“

”بیٹی! اب ڈاکٹر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ درگاما تا اشارے سے مجھے اپنے قدموں میں بلا رہی ہے۔“ رام سنگھ نے آہستہ سے کہا۔ ”جسم کے اندر اینٹھن سی ہو رہی ہے... لگتا ہے اب دیر سے کا تیل ختم ہونا جا رہا ہے... مگر مجھے اپنی موت کا ذرا بھی افسوس نہیں ہے... افسوس تو صرف اسی بات کا ہے کہ اپنے بیٹے سورج کی موت کا انتقام میں نہیں لے سکا... میں بڑا کر جو ہر سنگھ کے دوسرے بیٹے کو شاید موت کی نیند نہ سلا سکوں۔“

”اس وقت اس قسم کی باتیں نہ کریں داڑ! گنگا نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا ”فکر کیوں کرتے ہیں؟ تھوڑے دنوں میں یہ زخم بھر جائے گا اور آپ دوبارہ بندوق اٹھا کر چلنے پھرنے کے قابل ہو جائیں گے۔“

اسے امید ہو گئی تھی کہ ڈاکٹر اگر ضرور اس کے دل کی جان بچا لے گا... لیکن اسے یہ بات نہیں معلوم تھی کہ بہاری درگیش ساتھ لے کر آیا ہے۔

ڈاکٹر کی تلاش میں بہاری کو بڑی دیر دھوپ کرنی پڑی تھی اسے اس بات کا احساس تھا کہ زمیندار جن سنگھ کے لوٹ کے مال کو چھپانے کے لیے وہ تھوڑی دیر تک رام سنگھ اور گنگا سے دور ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے اسے رام سنگھ کی فحشی برداشت کرنی پڑی تھی اور اب اگر وہ ڈاکٹر کو لے کر نہ گیا تو گنگا کے علاوہ اسے اپنے دوسرے ساتھیوں کی نارا منگی کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔ اور داڑ مرنے سے قبل کسی اور کو گروہ کا سردار نامزد کر دے گا، اسی لیے وہ ہر قیمت پر کسی ڈاکٹر کو اپنے ساتھ لے کر آنا چاہتا تھا۔ وہ ان ہی خیالوں میں ڈوبا ہوا گھوڑے پر چلا جا رہا تھا کہ اچانک اندھیرے میں ایک سائیکل سوار ایک گلی سے نکلا اور اس کے گھوڑے سے ٹکرا گیا۔

”اندھے ہو گیا؟ اتنا بڑا گھوڑا بھی تمہیں دکھائی نہیں دیتا؟“ گلام کھنچ کر بہاری نے اپنے غصے کا اظہار کیا ”اندھے میں سائیکل پر کھوٹے نکلے ہو گئے...“

درگیش خود تو سائیکل پر سے گرتے گرتے بچ گیا تھا لیکن سائیکل کے پیچھے رکھا ہوا اس کا بیگ زمین پر گر پڑا تھا۔ یہ دیکھ کر اس نے بہاری کی جانب کوئی دھیان نہیں دیا اور سائیکل کو اسٹیڈیئر کھڑی کر کے بیگ کے اندر سے نکلی ہوئی چیزوں کو بیگ میں رکھنے لگا۔

اس کی خاموشی نے بہاری کو اور زیادہ مشتعل کر دیا۔ ”معافی مانگنے کی بجائے یہ زمین پر سے کیا اٹھانے لگا ہے تو؟ یہ کہہ کر بہاری گھوڑے کی پیٹھ پر سے نیچے کود پڑا اور بولا۔ ”گھیں تو چوری کا مال تو نہیں لے جا رہا ہے؟“ اس کا خیال تھا کہ سائیکل والے نوجوان کو ایک آدھ تھپڑ لگا کر وہ اپنی راہ چل پڑے گا لیکن جب وہ اس نوجوان کے کالر پکڑنے کے لیے نیچے جھکا تو اس کا چہرہ دیکھتے ہی چونک پڑا ”اے تو کوئی ڈاکٹر ہے کیا؟“

پھر وہ اس کی بکھری ہوئی چیزوں کو سمیٹ کر اس کی مدد کرنے لگا اور ان چیزوں کو بیگ میں ڈالتا ہوا بولا ”میں نے تو تمہیں کوئی چور سمجھ لیا تھا۔ تم تو ڈاکٹر نکلے پھر افسوس

کا اظہار کرتے ہوئے بولا ”مجھے دکھ ہے میں نے غصے میں تمہیں برا بھلا کہہ دیا۔“

”یہ تو تمہارے کندھے سے نکلتی ہوئی بندوق کی زبان ہے۔“ درگیش اپنے بیگ کو سائیکل کے پیچھے رکھتا ہوا بولا۔ بہاری کو اس کا لہجہ برا لگا اور وہ سوچنے لگا کہ کم بخت سے ذرا نرمی سے بات کی تو اپنی قابلیت دکھانے پر تیل گیا۔ اب اسے نرمی سے پیش آنے کی بجائے بندوق کا زور ہی دکھانا پڑے گا اس خیال کے آتے ہی اس نے سائیکل پر سوار ہوتے ہوئے درگیش کی گردن پر بندوق کی نال رکھ دی اور سخت لہجے میں بولا ”جا کہاں رہے ہو؟ ٹھہرو تم سے ایک کام ہے۔“

لیکن درگیش پر اس کی بندوق کا کوئی اثر نہیں ہوا وہ بڑے سکون سے مڑا اور بولا ”کیوں بھائی تمہیں کیا بیماری ہے؟“ اتنا کہہ کر اس نے اپنی گردن پر سے بندوق کی نال ہٹا دی اور مسکرا کر بولا ”اس علاقے میں بندوق دکھانے کی بیماری اب پیسے کی طرح پھیلنے لگی ہے۔“

”اے او پیسے کے بچے۔“ یکا یک بہاری ایک ہاتھ سے اس کا بیگ چھینتا ہوا بولا ”اپنے اس دو پاؤں کے ٹٹو کو اسی جگہ چھوڑ اور چپ چاپ میرے ساتھ چل۔“

درگیش نے سائیکل کا ہینڈل چھوڑے بغیر پوچھا ”کہاں؟“ ”میرے داڑ کے کندھے پر گولی لگی ہے، ان کی جان خطرے میں ہے۔“ بہاری اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا ”زیادہ بوجھ بچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے چل گھوڑے پر سوار ہو جا۔“ درگیش نے ایک جھٹکے سے اپنی کلائی اس کی گرفت سے چھڑالی اور بولا ”پہلے ہی سے کہہ دیا ہوتا کہ تمہیں ڈاکٹر کی ضرورت آپڑی ہے۔ بندوق کو بیچ میں لانے کی کیا ضرورت تھی؟“ بہاری کا جی چاہا کہ وہ گھونسا مار کر اس کا جیڑا توڑ دے... ڈاکٹر کی بندوق دیکھ کر اس اندھیری رات میں بھی بڑبڑانے والا یہ پہلا نوجوان اسے نظر آیا تھا۔ اگر اسے غرض نہ ہوتی تو وہ درگیش کی درگت بنا چکا ہوتا۔

”چلو میں تمہارے ساتھ اپنی سائیکل پر چلتا ہوں۔“ درگیش نے کہا ”مجھے گھوڑے کی سواری پسند نہیں ہے۔“ ”ٹھیک ہے۔“ بہاری نے کہا ”سائیکل پر آگے آگے

چلو لیکن اگر تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا میں گولی مار دوں گا۔“

درگیش نے ہنس کر اس کی طرف دیکھا اور پھر بولا۔ ”بھلے آدمی تمہارے رشتے دار کی زندگی خطرے میں ہے اور تم بار بار مجھے بندوق کی دھمکی دے کر اپنا وقت ضائع کر رہے ہو؟ گھوڑے پر بیٹھو اور آگے چلو۔“

بہاری کے پیچھے درگیش کو غامد میں داخل ہوتے دیکھ کر گنگا چونک پڑی ایک لمحے کے لیے اس کا دل جھوم اٹھا۔ کہ بالکل صحیح وقت پر درگیش سے اس کی ملاقات ہوئی ہے... لیکن پھر اس خیال نے اسے اداس کر دیا کہ کہیں وہ ایک ڈاکٹر کا علاج کرنے سے انکار نہ کر دے اور اسے بھی سخت سست نہ کہے۔ لیکن درگیش نے کسی کی طرف دیکھا ہی نہیں وہ سیدھا رام سنگھ کی چارپائی کی جانب بڑھ گیا تھا۔ اس نے پہلے ہی سے گلے میں لٹکے ہوئے اسٹیٹسکوپ کی مدد سے رام سنگھ کے دل کی دھڑکنیں سننے کی کوشش کی پھر کندھے پر بندھی ہوئی خون آلود پٹی ہٹا کر اس کا زخم دیکھنے لگا۔ گنگا زچھی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی درگیش کے چہرے پر پریشانی کے آثار دیکھ کر اسے لگا کہ شاید وہ بھی رام سنگھ کی زندگی سے مایوس ہو گیا ہے۔

”جسم کے نازک حصے میں گولی دھنسی ہوئی ہے۔“ درگیش زخم صاف کرتے ہوئے بہاری سے بولا ”خون بھی بہت بہر چکا ہے انھیں جلدی سے کسی اسپتال میں داخل کرنا ہوگا۔“

اس سے پہلے کہ بہاری کوئی جواب دیتا رام سنگھ پھٹکی ہنسی سنتے ہوئے بولا ”ڈاکٹر! تم چاہے گھر کو لو یا اسپتال جو کچھ ہے وہ میرے لیے یہ غار ہی ہے... اگر تم سے ہو سکے تو میرے جسم سے گولی نکال دو۔“

”اس طرح تو آپ کی جان کا خطرہ ہے۔“ درگیش نے کہا۔ ”ڈاکٹر! میں تو بیس برسوں سے خطرات کے درمیان جی رہا ہوں۔“ رام سنگھ زخم کی تکلیف کو دباتا ہوا بڑی مشکل سے بول رہا تھا ”باغی رام سنگھ کا نام تو تم نے سنا ہی ہوگا...“

”رام سنگھ؟“ درگیش کے سر سرارتے ہونٹوں سے نکلا



اور پھر اس نے ایک جھٹکے سے اپنے ارد گرد نظر دوڑائی۔ اس کی نظریں چاروں طرف کھڑے ہوئے ڈاکوؤں کے چہروں پر گھوم رہی تھیں... یہ بات تو جنگل میں داخل ہونے وقت ہی سمجھ گیا تھا کہ وہ ڈاکوؤں کے نرغے میں پھنس چکا ہے لیکن اس نے رام سنگھ ڈاکو کے متعلق سوچا نہیں تھا کہ اس طرح اس سے ملاقات ہو جائے گی... رام سنگھ کا نام سنتے ہی اسے گنگا کا خیال آ گیا تھا کہ وہ بھی یقیناً اسی غار میں موجود ہوگی۔ ایک ایک کر کے اس نے تمام ڈاکوؤں کو دیکھا، لیکن گنگا کا چہرہ اسے کہیں بھی دکھائی نہیں دیا... گنگا کو ان لوگوں کے درمیان نہ دیکھ کر اسے نہ جانے کیوں افسوس سا ہوا۔

”یہاں لانے سے پہلے کیا ہماری نے تمہیں یہ نہیں بتایا تھا کہ تمہیں باغی رام سنگھ کا علاج کرنے کے لیے جانا ہے؟“ رام سنگھ نے کسی قدر بلند آواز سے کہا۔

”نہیں ڈاؤ!“ درگیش کی بجائے ہماری نے جواب دیتے ہوئے کہا ”میرا خیال تھا کہ آپ کا نام سنتے ہی یہ بھاگ کھڑا ہوگا۔“

”تم نے غلط اندازہ لگایا تھا ہماری!“ درگیش کسی ہچکچاہٹ کے بغیر بولا ”ڈاکٹر کے لیے کسی بھی آدمی کی جان قیمتی ہوتی ہے۔ چاہے وہ امیر ہو یا غریب۔ ساہوکار ہو یا باغی!“

رام سنگھ، درگیش کے خیالات سن کر خوش ہو گیا۔ ”واقعی تم اپنے خیالات رکھتے ہو ڈاکٹر!“ پھر اس نے گنگا کی طرف دیکھا اور بولا ”بیٹی! دیکھا تم نے؟ اسے کتے ہیں میجا!“

لفظ ”بیٹی“ سن کر درگیش نے پلٹ کر اپنے پیچھے کی جانب دیکھا۔ گنگا پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، لیکن گنگا نے اس طرح اپنا منہ پھیر لیا جیسے وہ درگیش کو جانتی ہی نہ ہو۔ درگیش نے ایک گہرا سانس لیا اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ رام سنگھ کے زخم کو ایک بار پھر صاف کرنے کے بعد وہ بولا ”میں گولی نکالنے کی کوشش تو کر سکتا ہوں، لیکن بے ہوش کرنے کی کوئی دوا میرے پاس موجود نہیں ہے... سمجھ میں نہیں آتا یہ تکلیف آپ کیسے برداشت کر سکیں گے؟“

”تم اپنا کام کرو۔“ رام سنگھ کا لہجہ بے حد نرم تھا اور تکلیف کو برداشت کرنے کا کام مجھ پر چھوڑ دو۔“

”جیسی آپ کی مرضی!“ درگیش نے اپنے بیگ سے اسٹیل کی نوکیلی چھری اور ایک چمٹا نکال لیا اور پھر بولا ”لیکن گولی نکالتے وقت یہاں روشنی کا کافی انتظام ہونا چاہیے ورنہ اندھیرے میں زخم خراب بھی ہو سکتا ہے۔“

”میں مشعل لے کر آئی ہوں۔“ گنگا نے کہا اور ایک طرف بڑھی تھوڑی دیر بعد وہ مشعل لے کر آئی ہوئی نظر آئی۔ درگیش نے اس مشعل کی روشنی میں اس کی آنکھوں میں جھانکنا چاہا۔

ہماری اس کی ہر حرکت کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ دھیمی مگر کڑخت آواز میں بولا ”ڈاکٹر! لگتا ہے تم نے اس سے پہلے بھی کوئی عورت نہیں دیکھی ہے جلدی سے اپنا کام ختم کرو اور چلتے بنو۔“

درگیش نے کسی ناراضگی کے اظہار کے بغیر ہی ہماری کو جواب دیا۔ ”ڈاکٹر اس قسم کی چیر بھار کے وقت عورتوں کی موجودگی پسند نہیں کرتے۔ اکثر... عورتیں خون دیکھ کر بے ہوش ہو جاتی ہیں۔ اگر اس کے ہاتھ سے بھی مشعل چھوٹ گئی تو؟“

ہماری نے کوئی جواب نہیں دیا مگر گنگا کے ہاتھ سے مشعل لینے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ رام سنگھ نے اسے روکتے ہوئے کہا ”ہماری! مشعل گنگا کے ہاتھ میں ہی رہنے دو۔ ڈاکٹر کو نہیں معلوم کہ گنگا دوسری عورتوں سے مختلف ہے۔ وہ اتنی نرم نہیں ہے۔“ پھر وہ درگیش کی طرف دیکھ کر بولا ”میں تیار ہوں ڈاکٹر تم اپنا کام شروع کر دو۔“

پندرہ منٹ تک پورے غار میں سناٹا چھایا رہا، ہر کوئی اپنی سانس روکے چپ چاپ کھڑا تھا اور آنکھیں بند کیے لیٹا ہوا رام سنگھ بار بار تکلیف سے اپنے ہونٹ بچھ رہا تھا۔ اس کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ لیکن اس کا چہرہ دیکھ کر لوں لگ رہا تھا جیسے وہ بہت جبر کر رہا ہو اس کی حالت دیکھ کر اس کے سخت دل ساتھیوں نے بھی اپنی اپنی نظریں اس کے چہرے پر سے ہٹالیں تھیں۔ ویسے ان سب کو اس بات پر حیرت ہو رہی تھی کہ اتنا تکلیف دہ منظر، گنگا مشعل کی روشنی میں کس طرح دیکھ رہی ہے؟

”اوہاں... درگاماں!“ درگیش نے جب چٹے سے گولی پکڑ کر نکالی تو رام سنگھ کے منہ سے ایک دردناک چیخ نکل گئی... اس کی چیخ کو سن کر گنگا کا مشعل ڈال ہاتھ کانپ گیا۔ بوڑھے رام سنگھ کی چیخ سے اس کے ساتھیوں پر بھی گھبراہٹ سی طاری ہو گئی تھی۔

”آپ کی ہمت کا واقعی کوئی جواب نہیں ہے۔“ درگیش بندوق کی گولی کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے بولا ”آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو...“ اتنا کہہ کر درگیش نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی اور زخم پر مرہم لگانے لگا۔ جب وہ پٹی باندھ رہا تھا تو اس کے کانوں سے وہی مترنم آواز شکاری ”اب تو خطرے کی کوئی بات نہیں ہے نا...؟“ گنگا کا لہجہ وہ سینکڑوں میں پہچان سکتا تھا۔ درگیش نے دھیرے سے گردن اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

”چوبیس گھنٹوں کے بعد ہی کچھ کہا جا سکتا ہے...“ گولی نکل جانے کی وجہ سے خطرہ تو کم ہوا ہی ہے لیکن زخم کافی گہرا ہے اس لیے اس وقت تو کچھ کہنا مشکل ہے۔“ اس نے گنگا کے چہرے کو تکتے ہوئے کہا۔

”بیٹی گنگا! پہلے تم ڈاکٹر کے خون آلود ہاتھ دھو لو اور پھر اسے جائے وغیرہ پلاؤ۔ یہ ہمارے محسن ہیں۔ ہمارا سنگھ نے گنگا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

درگیش جب رام سنگھ کی چارپائی پر سے ہاتھ دھونے کے لیے اٹھا تو ہماری فوراً ہی رام سنگھ کی چارپائی پر بیٹھ کر اس کے پیر دبانے لگا۔

گنگا، درگیش کو لے کر غار کے دہانے کی طرف آگئی، جہاں ایک چٹان کی اوٹ میں پانی کا ڈرم رکھا تھا۔ گنگا نے صابن کی ٹکڑی درگیش کی جانب بڑھائی، لیکن درگیش ہاتھ بڑھا کر بغیر چپ چاپ اس کی طرف دیکھتا رہا۔ ایک طویل عرصے کے بعد ان دونوں کو تنہائی میں ملنے کا موقع ملا تھا۔ اس کے باوجود دونوں میں سے کوئی بھی بولنے کی پل نہیں کر سکا تھا۔

”گنگا!“ یکایک اندر سے ہماری کی آواز سنائی دی۔

”داؤ! تمہیں بلار ہے ہیں۔“

گنگا تیزی سے اندر کی طرف لپکی۔ درگیش کو بھی

مجبوراً اس کے پیچھے پیچھے اندر جانا پڑا تھا۔ اپنے بیگ سے انجکشن کی سرنج نکال کر اس نے کہا ”مجھے تھوڑا گرم پانی چاہیے انجکشن لینا کا لگانا ہے تاکہ تکلیف کم ہو جائے اور نیند کی وجہ سے انجکشن تھوڑا آرام مل سکے۔“

”نہیں ڈاکٹر!“ رام سنگھ نے کہا ”مجھے آرام کرنے سے پہلے اپنی ایک ذمہ داری پوری کرنی ہے... مجھے اپنے ساتھیوں سے کچھ کہنا ہے تم انجکشن بعد میں اطمینان سے دے لیا۔“

”لیکن مجھے گھر بھی جانا ہے۔“ درگیش بولا ”کافی دیر ہو چکی ہے اور مجھے رام پورے پہنچنا ہے۔“

”ڈاکٹر!“ ہماری نے اسے بندوق دکھاتے ہوئے کہا۔ ”جب تک داؤ بالکل ٹھیک نہ ہو جائیں اس وقت تک تم نہیں جا سکتے۔“

”ہماری!“ رام سنگھ آنکھیں نکال کر بولا ”ہم ڈاکو ضرور ہیں لیکن احسان فراموش نہیں۔“ ہماری کو ڈانٹنے کے بعد وہ درگیش کی طرف منہ کر کے بولا ”ڈاکٹر اگر تم آج کی رات رک جاؤ تو تمہاری بڑی مہربانی ہوگی۔ اگر تم کو تو کسی آدمی کو تمہارے گھر بھیج کر خبر بھجوا دی جائے گی تاکہ تمہارے گھر والوں کو کوئی پریشانی نہ ہو۔“ اس کا لہجہ بڑا نرم اور ملتجیانہ تھا۔

رام سنگھ کی التجا سن کر درگیش چند لمحوں تک خاموش رہا۔ اس کا دل اندر ہی اندر کہہ رہا تھا کہ گنگا کے ساتھ اطمینان سے بائیں کرنے کا موقع مل رہا ہے تو آج کی رات کھڑکیوں نہیں جاتے؟

”ٹھیک ہے، آپ کہتے ہیں تو ٹھہر جاتا ہوں۔“ درگیش کسی فیصلے پر پہنچ کر بولا ”لیکن اپنے اس بندوق والے ساتھی سے کہہ دیں کہ مجھ سے تلخ لہجے میں گفتگو نہ کرے... اور میرے گھر اطلاع دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ڈاکٹر ہوں، اکثر راتوں میں کسی مریض کو دیکھنے کے لیے مجھے گھر سے باہر ہی رہنا پڑتا ہے۔“

رام سنگھ نے احسان مندی کے جذبات سے اس کا ہاتھ دبا یا اور بولا ”مجھے تم جیسے نوجوان پسند ہیں۔ یہاں مہمان کی طرح تمہاری عزت اور خدمت کی جائے گی۔ لیکن اس سے پہلے تمہیں تھوڑی دیر کے لیے باہر بیٹھا پڑے گا اس وقت

تک مجھے اپنا ایک فتنہ پورا کرنا ہے۔“

”خوشی سے۔“ درگیش نے کہا اور اٹھ کر غار سے باہر جانے لگا۔ جاتے جاتے اس نے کہا ”ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے میں یہ ضرور کہوں گا کہ آپ جو کچھ بھی کریں آرام اور سکون سے کریں۔ ذرا سہی بھی بے احتیاطی کا نتیجہ خطرناک ہو سکتا ہے۔“

اس کی یہ نصیحت سن کر رام سنگھ مسکرا دیا تھا۔ ”شکریہ ڈاکٹر! میں خیال رکھوں گا اب تم تھوڑی دیر آرام کر لو۔“

درگیش جب غار کے باہر نکل گیا تو بہاری نے فوراً ہی اپنے شک کا اظہار کرتے ہوئے کہا ”داؤ! ایک آدمی کو اس پر نظر رکھنے کے لیے باہر بٹھا دینا چاہیے۔ اندھیرے میں وہ بھاگ نکلا تو...؟“

رام سنگھ نے اسے آگے بولنے کا موقع نہیں دیا ”نم زیادہ ہوشیاری مت دکھاؤ بہاری! میں آدمی کو پہچاننے میں شاذ و نادر ہی غلطی کرتا ہوں۔“ پھر اپنے دوسرے ساتھیوں پر ایک اچھٹی سی نظر ڈال کر بولا ”یہاں اس وقت سب ہی موجود ہیں نا؟“

جواب میں اس کے تمام ساتھی خاموش تھے۔ پھر رام سنگھ نے چارپائی پر بیٹھنے کی کوشش کی لیکن اس کے منہ سے درد بھری سسکاری نکل گئی۔ گنگا اور بہاری نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا اور چارپائی پر بیٹھنے میں اس کی مدد کی چارپائی پر بیٹھنے کے بعد رام سنگھ تھوڑی دیر تک سامنے رکھی ہوئی درگاماتا کی مورتی کو دیکھتا رہا۔ دو منٹ کے لیے آنکھیں بند کر کے وہ خاموش ہوا اور پھر اُٹھ کر آواز میں بولا ”میری زندگی کا کوئی بچھرو سا نہیں ہے ساتھیو! اگر میں زندہ رہ بھی گیا تب بھی گروہ کی سرداری کا بوجھ میں نہیں اٹھا سکوں گا، اس لیے ابھی سے میں یہ ذمے داری تم لوگوں میں سے کسی ایک کو سونپ دینا چاہتا ہوں۔“

تمام ڈاکٹروں کی نگاہیں رام سنگھ کے قریب کھڑے ہوئے بہاری اور گنگا پر اٹھ گئیں۔ بہاری دل ہی دل میں خوش تھا جس گھڑی کی وہ راہ دیکھ رہا تھا وہ گھڑی اس کی توقع کے خلاف جلدی آپہنچی تھی۔ اس نے اپنے جذبات کو بڑی مشکل سے دبایا۔

”آج سے اس گروہ کی سرداری...“ کہتے کہتے رام سنگھ ایک لمحے کے لیے رکنا تو وہاں موجود سب لوگوں نے اپنی سانس روک لیں۔ ”میں گنگا کو سونپ رہا ہوں“ کہہ کر رام سنگھ نے قریب کھڑی ہوئی گنگا کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”بولو تم سب لوگوں کو میرا یہ فیصلہ منظور ہے؟“ سرداری کے لیے اپنا نام سن کر گنگا بوکھلا سی گئی تھی اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی اسے اپنے کئی ساتھیوں کی آوازیں سنائی دیں ”ہمیں منظور ہے... ہمیں منظور ہے۔“

لیکن بہاری کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے اپنا نیچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر رام سنگھ کی طرف دیکھا رام سنگھ اس کی آنکھوں میں اُمڑے ہوئے سوال کو تاڑ گیا اور بولا ”بہاری! آج کی واردات میں تم نے دو تین زبردست غلطیاں کی ہیں۔ زمیندار سجن سنگھ کے گھر میں ٹیلیفون موجود ہے یا نہیں، یہ بات تمہیں معلوم کر لینا چاہیے تھی۔“

”اپنی اس بھول کے لیے میں معافی چاہتا ہوں داؤ! بہاری نے اپنا سر جھکا لیا۔

”تو پھر آج مجھ سے وعدہ کرو کہ اب تک تم نے جس طرح میرا ساتھ دیا تھا اسی طرح گنگا کا بھی ساتھ دو گے۔“ رام سنگھ نے کہا۔

بہاری نے نظر اٹھا کر گنگا کی جانب دیکھا۔ سرداری نہ ملنے کا غم اب ہلکا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ گنگا تو اس کی ہونے ہی والی ہے۔ ایسی حالت میں سرداری چاہے اس کے پاس رہے یا گنگا کے پاس رہے۔ بات تو ایک ہی ہے۔ ”داؤ! گنگا، بہاری کے کچھ بولنے سے پہلے ہی عاجزانہ لہجے میں بولی ”بہاری آپ کا ایک پرانا ساتھی ہے۔ اس لیے میری بجائے آپ اسے ہی سردار بنا دیں۔“

”کیوں بیٹی؟ کیا تمہیں اپنے آپ پر بھروسہ نہیں ہے؟“ یہ بات نہیں ہے۔ مگر...“

بڑھا اور تلوار اُتار کر رام سنگھ کے ہاتھ میں تھما دی... رام سنگھ نے نام میں سے تلوار نکال کر گنگا کی طرف بڑھائی اور بولا۔ ”لے بیٹی! اس تلوار کو درگاماتا کی مورتی کے آگے رکھ دے پھر اس کی دھار سے اپنے دائیں ہاتھ کی تیسری انگلی کاٹ کر اپنے خون کے چھینٹوں سے درگاماتا کی پوجا کر اور اپنی وفاداری کا عہد کر۔“

گنگا کچھ دیر تک رام سنگھ کی تلوار کو گھورتی رہی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ اس سرداری کو قبول کرنے سے انکار کر دے یا سوچنے کے لیے رام سنگھ سے ایک رات کی محنت مانگ لے۔ مگر رام سنگھ کا حکم ٹالنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ اس نے سوچا کہ اگر قسمت میں یہی لکھا ہے تو یہی سہی۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے فیصلہ کن انداز میں اپنے ہونٹ پھینچ کر دونوں ہاتھوں سے رام سنگھ کی تلوار تمام لی اور درگاماتا کی مورتی کے آگے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ چند لمحوں تک وہ تلوار کی تیز دھار کو دیکھتی رہی پھر آنکھیں بند کر کے وہ اپنے سر گباشی باپو کو یاد کرنے لگی اور دل ہی دل میں ان کی روح سے مخاطب ہو کر بولی ”باپو تم بہاری آتما جہاں بھی ہو وہاں سے مجھے راستہ دکھاتے رہنا۔“ اتنا کہہ کر اس نے دوسرے ہی پل اپنے دل اپنے ہاتھ کی تیسری انگلی کو تلوار کی دھار پر رکھ کر دبا دیا خون کا فوارہ ابلا اور اس کی آنکھوں میں حرکت ہوئی لیکن اس کے منہ سے کوئی آواز نہ نکلی بڑی ہمت اور جوش سے اس نے اپنی تکلیف کو دبائے رکھا تھا۔

بڑی عقیدت اور احترام سے اس نے اپنے لمبے چھینٹے درگاماتا کی مورتی پر چھپرے کے اور دونوں ہاتھ جوڑ کر اس مورتی کے آگے بیٹھی رہی۔ ایک منٹ بعد جب اس نے آنکھیں کھولیں تو ہر کوئی اس کی بھیگی آنکھوں کی جانب ہی دیکھ رہا تھا... گنگا کی بھیگی آنکھوں میں ایک جوش تھا۔ ایک جوش تھا۔ ایک عزم تھا۔ جب وہ درگاماتا کی مورتی کے پاس سے ہٹ کر رام سنگھ کو سلام کرنے کے لیے جھکی تو رام سنگھ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے آسیر واد دیا اور نصیحت آمیز لہجے میں بولا۔ ”بیٹی یا غنی لوگوں کا ایک انگ مذہب ہوتا ہے۔ انگ اصول ہوتے ہیں تم ان کی حفاظت کرنا اور میرا دھوراکام بھی پورا کرنا... درگاماتا قدم قدم پر تمہاری حفاظت کرے

گی۔“ رام سنگھ کی آواز بہت دور سے آتی ہوئی سنائی دے رہی تھی یوں لگ رہا تھا جیسے اب تھوڑی ہی دیر میں یہ آواز اس کے حلق کا ساتھ چھوڑ دے گی۔

رام سنگھ کی یہ حالت دیکھ کر سوائے بہاری کے ہر ایک کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ لیکن رام سنگھ کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے تو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ باتوں میں وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا وہ بھڑلے ہوئے لہجے میں بولا ”چلو بیٹی! اب قسم کھا کر عہد کرو۔ میں جو کچھ لوگوں سے تم دہرائی جاؤ۔“ گنگا اپنی پلکیں جھپکاتی ہوئی تیار ہو گئی تو رام سنگھ نے پھر کہا ”بولو بیٹی، میں درگاماتا کو حاضر و ناظر رکھ کر عہد کرتی ہوں کہ...“ اس طرح گنگا رام سنگھ کے الفاظ دہراتے دہراتے اس کی دی ہوئی قسموں میں بندھتی چلی گئی ”درگاماتا کے سامنے میں سچے دل سے اس بات کا عہد کرتی ہوں کہ اس گروہ کے سردار کی حیثیت سے میں ہر حالت میں گروہ کی وفادار رہوں گی۔ جہاں خطرہ درپیش ہوگا وہاں میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ موجود رہوں گی۔ اپنے ساتھیوں کی حفاظت کے لیے اگر مجھے اپنی جان بھگ دینی پڑی تو بھی میں ہچھے نہیں ہٹوں گی۔ اپنے گروہ سے غداری کرنے والے ساتھی کو کبھی بھی معاف نہیں کروں گی کسی کے ساتھ نا انصافی ہوئی ہو تو اس ظلم کے خلاف اپنی آخری سانس تک لڑوں گی...“

”بولو جیسے درگاماتا...“ گنگا سے حلف اٹھوانے کے بعد رام سنگھ بولا۔

وہ عجیب سی نظروں سے درگیش کو دیکھ رہے تھے بہاری نے خود بخود نظروں سے درگیش کی طرف دیکھا اور ایک جھٹکے سے اپنے کندھے پر ہٹا لی ہوئی بندوق اتار لی اس سے پہلے کہ بہاری کوئی حرکت کرتا گنگا نے درگیش کو جواب سنایا۔

”درگیش! ان سب لوگوں کے سامنے میں تمھارا نام لے کر بتانا نہیں چاہتی تھی کہ میں تم سے واقف ہوں۔ لیکن اب میں چپ نہیں رہوں گی۔ کوئی مجھے شریف اور مذہبی خیالات رکھنے والی لڑکی کہتا ہے، یہ بات اب مجھے محض ایک حسین خواب سی لگتی ہے۔ جس گنگا کو تم نے نفرت سے ٹھکرا دیا ہے اسے اب نصیحت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آگئی؟ ہم دونوں کے درمیان اب ایسے تعلقات ہی کب رہتے ہیں؟ تم خود ہی تو کہہ چکے ہو کہ گنگا میرے لیے مر چکی ہے۔ اور اب مری ہوئی گنگا کی لاش کو تم کیوں آواز دے رہے ہو؟“ کہتے کہتے وہ جہاز پانی ہڈ گئی۔ بوڑھے رام سنگھ کا چہرہ غصے سے تھما رہا تھا اور بہاری تو درگیش کا نام سن کر ہی بوکھلا ہی گیا تھا۔ اچانک میں وہ درگیش کو یہاں لے آیا تھا۔ اس بات کا خیال آتے ہی وہ رام سنگھ کے سامنے سے کھسک جانے کی کوشش کرنے لگا۔

”بے وقوف اور بزدل نوجوان!“ رام سنگھ، درگیش پر برس پڑا ”تمھاری خاطر اس لڑکی کو کتنے صدمے برداشت کرنے پڑے ہیں اور تم عین وقت پر اسے دغا دے گئے؟ تم نے قاتل اور پاپی کہہ کر اس کے نام پر ٹھوکر مار دی۔ میں نے اس کا پیغام تمھارے پاس بھیجا تاکہ تم دونوں کو یکجا کر دیا جائے۔ لیکن تم نے نفرت سے منہ پھیر کر صاف انکار کر دیا۔“ اتنا کہہ کر رام سنگھ نے بندوق اٹھائی، لیکن گنگا نے جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے بندوق لے لی۔

”کس نے انکار کیا ہے؟“ اچانک درگیش غصے سے چیخا اور چاروں طرف کھڑے ہوئے ڈاکوؤں کے درمیان سے راستہ بناتا ہوا رام سنگھ کے بالکل سامنے آکر کھڑا ہو گیا ”بات بات پر بندوق کی دھمکیاں دینے والے بوڑھے مرد! ذرا اپنی عقل استعمال کرو۔۔۔ گنگا کو ہمیشہ میں نے اپنا ہی سمجھا ہے اور ڈاکو بن جانے کے بعد بھی وہ میری ہی رہی ہے۔۔۔ تم سے یہ کس نے کہا ہے کہ میں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے؟“

رام سنگھ نے غصے سے دانت پیسنے ہوئے بائیں ہاتھ سے

سے درگیش کی گردن پکڑ لی ”اب یہ بکواس رہنے دو۔۔۔ تم دونوں کا ملاپ کرانے کے لیے میں نے بہاری کو تمھارے پاس بھیجا تھا۔ تم اتنی جلدی بھول گئے؟ اس وقت تم نے اسے کیا جواب دیا تھا ذرا یاد کرو۔“ رام سنگھ نے ادھر ادھر گردن گھمائی ”کہاں گیا بہاری؟ ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جاتا ہے۔“

”یہ الگ الگ ہو چکا ہے“ درگیش نے رام سنگھ کی گرفت سے اپنی گردن چھڑالی ”اب وہ آپ کے سامنے نہیں آئے گا۔۔۔ اگر آپ کا یہ بہاری واقعی مجھ سے پہلے کبھی مل چکا ہوتا تو مجھے جان بوجھ کر یہاں کیوں لے آتا؟ اور اگر لے بھی آیا تھا تو وہ کتنے ہی آپ سے کہتا کہ یہی گنگا والا درگیش ڈاکٹر ہے۔“

یہ سنتے ہی رام سنگھ کا چہرہ حد درجہ خوفناک ہو گیا اور اس کی بڑی بڑی آنکھیں اتنی سرخ ہو گئیں کہ انھیں دیکھ کر یوں لگ رہا تھا جیسے ابھی ان میں سے خون ابل پڑے گا۔

”بہاری۔۔۔“ اس کی چیخ سے سارا غار خفقان اُگیا وہ بھوکے شیر کی طرح گرج دار آواز میں بولا ”تم سب کھڑے میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو؟ جاؤ اسے میرے سامنے حاضر کرو۔۔۔ جلدی۔۔۔“

رام سنگھ کا غصہ دیکھ کر سارے ڈاکوؤں میں ایک کھلبلی سی مچ گئی تھی۔ دو چار ڈاکو گرنے پڑنے غار کے باہر آئے تب انھیں گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی جو لمحہ بہ لمحہ دور ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ اندھیرے میں انھیں ایک گھوڑا دکھائی دیا، جس کی پیٹھ پر کوئی بیٹھا بہت دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا۔

وہ سب بڑی تیزی سے غار کے اندر دوڑ گئے ”داؤ بہاری بھاگ گیا۔“

یہ سن کر رام سنگھ کچھ کہے بغیر اپنی جگہ سے اٹھا پھر بائیں ہاتھ سے چھپٹا مار کر اس نے گنگا کے ہاتھ سے بندوق چھین لی اور چیتے کی سی پھرتی سے غار کے دہانے کی جانب لپکا، لیکن درگیش اس سے لپٹ پڑا ”نہیں، میں آپ کا معالج ہوں، اس حالت میں باہر نہیں جانے دوں گا۔“

”ہٹ جاؤ میرے راستے سے“ رام سنگھ اتنے زور سے گرجا کہ غار کی پتھر پٹی دیواریں بھی لرز اٹھیں ”میں آج کسی قیمت پر اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“

اس سے پہلے کہ وہ درگیش کو دھکا دے کہ وہ پھینک

دیا گنگا بھی تن کر اس کے سامنے آکھڑی ہوئی اور دونوں ہاتھوں سے اس کا راستہ روکتے ہوئے بولی ”داؤ اسے براہینے کا کام آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔۔۔ گمروہ کی سرداری آپ نے مجھے سونپ دی ہے۔ اب یہ ذمے داری میری ہے۔۔۔ میں بہاری سے بدلہ لوں گی۔“

گنگا کی بات سن کر رام سنگھ کی تنی ہوئی رگیں دھیلی پڑ گئیں۔۔۔ گنگا نے اس کے ہاتھ سے بندوق لے لی۔ اچانک درگیش کی نظر رام سنگھ کے کندھے کی طرف اٹھ گئی۔ چیخنے کی وجہ سے رام سنگھ کے کندھے پر بندھی ہوئی ہٹی دھیلی ہو گئی تھی اور اس سے پھر خون برسنے لگا تھا۔ درگیش نے جلدی سے رام سنگھ کو چار پائی پر لٹا دیا اور خود اس کی پیٹی کو کھولنے لگا۔

چار پائی پر لیٹے لیٹے بھی رام سنگھ دانت پیسنے ہوئے کہہ رہا تھا ”وہ دغا باز بھاگتے بھاگتے بھی کہاں تک بھاگے گا؟ میں اسے زندہ کے اندر سے بھی نکال لوں گا اور اس کی کھال کھینچ ڈالوں گا وہ میرے ہاتھوں سے بچ کر کہیں نہیں جاسکتا۔۔۔“

رام سنگھ چار پائی پر لیٹے لیٹے غصے میں بڑبڑا رہا تھا اور درگیش انہماک سے اس کے زخم کی ڈرلنگ کرنے میں مصروف تھا جواب پھر سے برسنے لگا تھا۔ زخم کو صاف کرنے کے بعد درگیش نے اس پر دو انگلی اور ایک دوسری ہٹی باندھ دی گنگا ایک جانب کھڑی بڑے غور سے اس کو دیکھ رہی تھی۔ رام سنگھ کی غراہٹ بھی اب تھم چکی تھی اور وہ بھی درگیش کو دیکھ رہا تھا۔ لیکن اب اس کی آنکھوں میں نفرت کے انگارے نہیں تھے، شاید درگیش کا یہ فلوں دیکھ کر اس کے دل میں ہمدردی سی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ چند لمحوں تک ایک ٹنگ درگیش کو دیکھتا رہا پھر یکایک محبت بھری آواز میں بولا ”ڈاکٹر میرے سلوک سے یقیناً تمھیں دکھ ہوا ہوگا۔۔۔ میں۔۔۔“

درگیش نے سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا اور بولا۔ ”دکھ تو مجھے صرف ایک بات پر ہوا ہے۔ گنگا کو آپ نے کیوں غلط لہو پر ڈال دیا ہے؟ کیوں۔۔۔ اس کو بھی اپنی طرح خطرات میں کھینچ لیا! آخر کیوں اور کس لیے۔ آپ نے اس سے اتنا خطرناک عہد لیا ہے کہ یہ زندگی بھر بے گناہ اور بے قصور لوگوں کے سروں

پر موت بن کر ٹوٹتی رہے۔ انتقام کے اندھے جنون میں آپ کو کیا مل جائے گا؟“

”نصیحت کرنا اور مشورہ دینا نہایت آسان ہے ڈاکٹر!“

رام سنگھ ایک گہرا سانس لے کر بولا ”تم زخموں کا علاج کرنے والے ڈاکٹر دلوں کے درد کی دوا نہیں کر سکتے۔۔۔ تم لوگ ان ٹیسوں کو نہیں سمجھ سکتے جو اکثر تنہائی میں دل کے اندر سے اٹھتی ہیں اور پورے جسم میں ایک آگ سی بھردیتی ہیں۔ اگر تمھیں پوچھنا ہی ہے تو کسی ایسے باپ سے جا کر پوچھو جس کے اکوڑے معصوم بچے کو کوئی اٹھا کر لے گیا ہو۔ اور بلا دھبہ ہی اس کو قتل کر دیا ہو۔۔۔ تب ہی شاید تم محسوس کر سکو کہ دل کی تڑپ کیسی ہوتی ہے؟“ اتنا کہہ کر رام سنگھ سانس لینے کے لیے رکھا پھر اندر کا کرب چھپانے کے لیے اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد وہ پھر بولا ”گنگا کو میں نے اس راستے پر کیوں ڈالا ہے، یہ پوچھنے سے پہلے یہ تو سوچ لیا ہوتا کہ اگر پولس اسے گرفتار کر کے پھانسی پر چڑھا دیتی تو کیا ہوتا؟“

”لیکن عدالت میں ملزم کو اس بات کا موقع دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے اوپر لگائے گئے الزامات سے اپنا بچاؤ کر سکے شاید یہ بات آپ بھول رہے ہیں؟“ درگیش پر جوش آواز میں بولا ”اے یہاں لانے کی بجائے اگر آپ اسے عدالت میں پیش کر دیتے تو۔۔۔“

”تو وہ پھانسی پر چڑھا دی جاتی“ رام سنگھ درمیان میں ہی اس کی بات کاٹ کر بولا ”یہ بات یقینی تھی۔“

”نہیں۔۔۔ اپنی عزت بچانے کی خاطر جو خون اچانک اس کے ہاتھوں سے ہو گیا تھا اس کے الزام سے وہ بری ہو جاتی۔ قانون اتنا اندھا نہیں ہے۔“ درگیش نے دلیل پیش کرتے ہوئے کہا۔

”قانون۔۔۔ ہنھ“ رام سنگھ بڑی نفرت سے ہنسا ”یہ تمھارا خیال خام ہے ڈاکٹر کہ عدالت میں ہمیشہ ہی انصاف کیا جاتا ہے۔“

”عدالت میں انصاف نہیں ہوتا، یہ سوچ کر دنیا کا ہر آدمی آپ کی طرح ہتھیار اٹھا لے تو سماج اور معاشرہ کب تک زندہ رہ سکتا ہے؟“ اتنا کہہ کر درگیش نے رام سنگھ کے چہرے پر نگاہ ڈالی تو اسے لگا کہ اس کی اس دلیل کا رام سنگھ پر اثر ہونے لگا ہے۔ وہ پر جوش لہجے میں بولا ”میں اپنی ہی مثال دیتا ہوں۔

گنگا جانتی ہے کہ مجھ پر ناگرمہا جن کے قتل کا جھوٹا الزام لگایا گیا تھا۔ ہر کسی کو یہ یقین تھا کہ مجھے اس جرم کی سزا ضرور ملے گی، لیکن آخر سچائی کی فتح ہوئی اور عدالت نے مجھے باعزت بری کر دیا۔

”یہ بھی تمہارا دم ہے ڈاکٹر“ رام سنگھ دھیرے سے مسکرا کر بولا ”عدالت میں تمہاری سچائی کی نہیں بلکہ میری دھمکی کی فتح ہوئی تھی“

”آپ کی دھمکی کیا مطلب ہے“ درگیش بری طرح چونکا۔  
 ”ہاں“ رام سنگھ نے بازو پر بندھی ہوئی پتی پر دھیرے سے ہاتھ پھیرا ”عدالت میں تمہارے خلاف گواہی دینے کوئی کیوں نہیں آیا، محض میری بندوق کے خوف سے... میں نے گنگا سے وعدہ کیا تھا کہ تمہارے ڈاکٹر کو میں رہا کر کر دم لوں گا۔“

یہ سن کر درگیش کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، پھر آہستہ آہستہ اس نے گنگا کی جانب نظریں گھمائیں۔ ایک لمحے کے لیے

دونوں کی نظریں ملیں تو درگیش کو شدت سے احساس ہوا کہ وہ ابھی تک ایک بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا تھا۔

”درگیش! تمہاری ضمانت کے لیے رقم داؤ ہے ہی عدالت میں داخل کرائی تھی“ گنگا اپنی نظریں جھکا کر بولی۔

رام سنگھ نے ہنستے ہوئے کہا ”اور ضمانت کی وہ رقم بھی عدالت سے وصول کر کے تم نے اپنے پاس ہی رکھ لی۔ اس لیے ہم نے ہماری کی بات پر مع مان لی۔ تم پر سے ہمارا یقین ہی اٹھ گیا“

”نہیں داؤ! اس رقم کو تو اب بھی میں نے بطور امانت منجھال کر رکھا ہوا ہے... میں جب رہا ہو کر گھر واپس آیا تو اسی دن میرے قہاجی کا انتقال ہو گیا... پھر کئی دنوں تک جب میری ضمانت دینے والا اپنے روپے واپس لینے نہیں آیا تو مجبوراً وہ روپے مجھے اپنے پاس رکھنا پڑے... اب یہاں سے واپس جا کر میں آپ کی امانت آپ کو بھجوا دوں گا۔ بہر حال یہ آپ کا احسان ہے اور میں اسے بھول نہیں سکتا۔“ درگیش تشکر آمیز لہجے میں بولا۔

اس دوران رام سنگھ کی طبیعت بگڑنے لگی تھی کھانسی کے زبردست ٹھکے نے اس کی گردن پر کر دی تھی گنگا جلدی جلدی اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگی یہ دیکھ کر درگیش بھی پریشان ہو گیا... پریشانی کے عالم میں وہ رام سنگھ کو نیند کا انجکشن لگانا بھول گیا تھا۔ دفعۃً اسے خیال آیا تو وہ ایک جھٹکے سے اٹھا اور جلدی جلدی سرینج تیار کرنے لگا۔ انجکشن تیار کرنے کے بعد اس نے رام سنگھ کے بائیں بازو میں سرینج کی سوئی اتار دی۔ لیکن جب اس کی نگاہ رام سنگھ کے بازو پر پڑی تو وہ چونک پڑا۔ وہ اس نشان کو دیکھتے دیکھتے کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

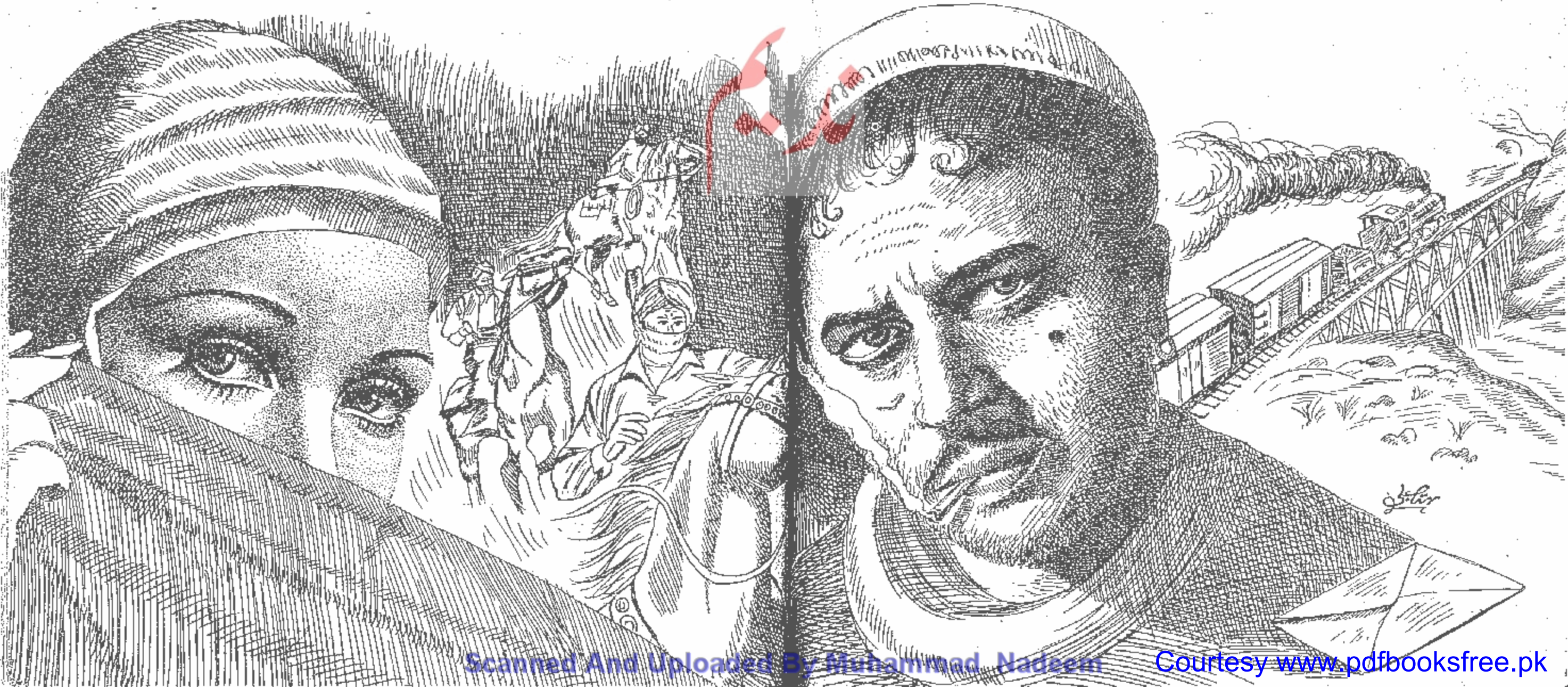
انجکشن نے فوری اثر دکھایا رام سنگھ کی آنکھوں میں غنودگی چھانے لگی۔ درگیش نے سہارا دے کر اسے آرام سے چارپائی پر لٹا دیا تھا۔ رام سنگھ چند ہی لمحوں میں گہری نیند میں سو گیا۔ تب گنگا نے دھیرے سے درگیش کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور

بولی ”تم اچانک کیا سوچنے لگے درگیش؟“

درگیش گنگا کے لمس سے چونک پڑا اور کھوٹے کھوٹے سے لہجے میں بولا ”داؤ کے رشتے داروں میں کون کون لوگ ہیں گنگا!“  
 ”صرف ان کی بیوی ہے“ گنگا نے ایک سرد آہ بھری دھن کے اٹھوتے بیٹے کو ہمارے درگا پور کے ٹھکانے مراد دیا تھا، جس کے صدرے سے ماں پاگل ہو گئی اور باپ اس راستے کا راہی بن گیا۔“

”اوہ...“ درگیش نے ایک گہرا سانس لیا۔  
 ”لیکن ان کے رشتے داروں کے بارے میں تم نے کیوں پوچھا؟“ گنگا کی بے چینی بڑھ رہی تھی ”داؤ ٹھیک تو ہو جائیں گے نا؟“  
 ”ہاں“ درگیش گھبر لہجے میں بولا ”کسی کو بھیج کر ان کی بیوی کو یہاں بلوا لو، نہیں تو ڈر ہے کہ آخری وقت ان کی ملاقات...“ اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

گنگا کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا، غنودگی کی حالت میں بڑے ہوئے رام سنگھ کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھیں





ڈبٹہ یا آئیں۔

گنگا کی حالت دیکھ کر درگیش نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کی ہمت بندھانے کی کوشش کی۔ گنگا نے فوراً ہی اپنے آپ کو سمجھالا۔ اس نے اپنے آنسوؤں کو سینے کا موقع نہیں دیا وہ تیزی سے ٹری اور موہن کو آواز دی۔

”اپنے کسی ساتھی کو ساتھ لے کر فوراً جاؤ اور ماں جی کو اپنے ساتھ لے آؤ،“ موہن فریب آیا تو گنگا نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا ”ان سے کہنا کہ داڑھ سخت بیمار ہیں اور گنگا نے آپ کو آنے کے لیے اپنی جان کی قسم دی ہے،“ گنگا کی آنکھیں ایک بار پھر چمک پڑنے کے لیے بے قرار دکھائی دے رہی تھیں مگر اس نے ضبط سے کام لیا اور اپنا منہ پھیر لیا۔

صبح کے دھندلے دھندلے اجالے میں درگیش کی بند پلوں میں جنبش ہوئی اور وہ اٹھ کر تیزی سے بیٹھ گیا۔ وہ اپنی آنکھوں کو اس طرح مسل رہا تھا جیسے وہ اس بات کا یقین کرنا چاہتا ہو کہ اس نے کہیں کوئی خواب تو نہیں دیکھا ہے لیکن یہ خواب نہیں تھا اپنے چاروں طرف دیکھنے کے بعد اسے یقین ہو گیا کہ رات وہ ڈاکو رام سنگھ کا مکان بن کر اس کے ٹھکانے پر ہی رہا تھا۔... یہ حقیقت تھی کہ اس نے گنگا سے باتیں کی تھیں حالات کے ہاتھوں ہونے والی غلط فہمی کسی حد تک کم ہو گئی تھی۔... وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور رام سنگھ کی چادر پائی کے پاس آکر اس کی تبص دیکھنے لگا رام سنگھ کا بخار اتر چکا تھا لیکن انجکشن کا اثر ابھی تک قائم تھا، جس کی وجہ سے رام سنگھ کی آنکھیں ابھی تک نہیں کھلی تھیں۔ درگیش نے آکر گنگا کو رام سنگھ کے دل کی دھڑکنیں سنیں مگر کوئی خاص افادہ محسوس نہیں ہوا۔... اس دوران ایک بار پھر رام سنگھ کے بازو میں گھدے سے ہوتے ابھرتے سورج کا نشان دیکھ کر وہ کچھ سوچنے لگا لیکن اس بار بھی اسے اس پر سوچنے کا زیادہ وقت نہیں مل سکا۔ رام سنگھ کا ایک ساتھی کش پانی کا لٹا ہاتھ میں لے کر اس کے قریب آکر کھڑا ہوا اور بولا۔

”ڈاکٹر صاحب ہاتھ منہ دھو کر چائے پی لیں۔“

”گنگا کہاں ہے؟“ اس کا خیال تھا کہ رات بھر جاگنے کے بعد شاید وہ اس وقت تھک کر سو رہی ہوگی۔

”دیدنی تو پوچھا کر رہی ہے،“ کش نے تفصیل سے کہا ”پوچھا“

میں بیٹھنے سے پہلے اس نے مجھے تاکید کی تھی کہ ڈاکٹر صاحب ان کو ہاتھیں نہ دھو کر نہ دیکھنا۔“

”تو پھر ہم ساتھ ہی چائے پیئیں گے،“ درگیش نے کہا۔ ”سو کر اٹھنے کے بعد فوری چائے کی حاجت نہیں ہوتی ہے مجھے۔“

لیکن ڈاکٹر صاحب پوچھا میں دیدنی کو بہت دیر لگے گی آج داڑھ کی بجائے وہ درگما تاکی پوچھا کے لیے بیٹھی ہے۔ ہمارے داڑھ روزانہ صبح سویرے دو گھنٹے تک درگما تاکی پوچھا کرتے ہیں، کش نے بتایا۔

مجبوراً منہ ہاتھ دھو کر درگیش کو اکیلے ہی چائے پینی پڑی کش اس وقت تک وہیں کھڑا رہا جب تک اس نے چائے نہیں پی لی۔ جب وہ پیالی خالی کر چکا تو کش نے اس سے کہا ”اب چلے میں آپ کو ندی پر لے چلوں تاکہ آپ نہ لیں۔ دیدنی نے آپ کے لیے داڑھ کے کپڑے نکال رکھے ہیں۔“

”داڑھ کے کپڑے؟“ درگیش کو حیرت ہوئی ”کہاں ان کا لمبا چوڑا جسم اور کہاں میں دیلا تھلا آدمی؟ ٹھیک ہے چلوں تک داڑھ سو کر اٹھیں۔ اس وقت تک نہا کر ہم واپس آجائیں گے۔... واپس آکر انھیں انجکشن بھی دینا ہے۔“

غار سے باہر نکلنے سے پہلے درگیش کی نظر پوچھا میں غاروں گنگا کی بیٹھ پر پڑی اس کے کھلے ہوئے بالوں میں سے پلٹے ہوئے پانی کے قطرے سورج کی کرنوں میں سچے موڈ کی طرح چمک رہے تھے۔ گنگا کا یہ روپ اور پوچھا میں اس کی اس قدر دلچسپی دیکھ کر درگیش کو لگا کہ اب تک وہ بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا رہا ہے۔... وہ سوچ رہا تھا کہ کیا گنگا اب کبھی بھی اس زندگی کو چھوڑ کر اس کی دنیا میں واپس نہیں آسکتی؟ ندی کے ٹھنڈے پانی میں نہاتے ہوئے بھی اس کی سوچ کا دھارا گنگا کی طرف تھا دونوں کے راستے الگ الگ ہو چکے تھے۔

جب وہ نہا کر ندی سے باہر نکلا تو کنارے پر کھڑا ہوا کش اس کے کپڑے دھو چکا تھا یہ دیکھ کر درگیش مسکراتے ہوئے بولا۔ ”کیا تمھاری دیدنی نے تمھیں کپڑے دھونے کے لیے بھی کہہ رکھا تھا؟“ ”نہیں ڈاکٹر صاحب! دیدنی نے تو کہا تھا کہ وہ خود آپ کے کپڑے دھوئیں گی لیکن مجھے اچھا محسوس نہیں ہوا کہ وہ یہ کام اپنے ہاتھوں سے کریں۔ کچھ بھی ہو وہ ہماری سردار بن چکی ہے۔“ کش مسکرا کر بولا۔

گنگا کا سلسلہ چل نکلا تو درگیش نے اپنی خلسہ دور کرنے کے لیے اس سے پوچھا۔ ”تم اتنے سارے مرد ایک عورت کے ہم پر سر جھکانے میں اپنی تنگ محسوس نہیں کرتے؟“ ”کش نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور بولا ”ڈاکٹر صاحب! آپ پہلے ہی سے دیدنی کو جانتے ہیں، پھر بھی یہ بات پوچھ رہے ہیں! شاید آپ کو نہیں معلوم کہ اس کے آنے سے ہم لوگوں میں کتنی اکائی پیدا ہو گئی ہے۔“

یہ جواب سن کر درگیش نے زیادہ بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ داڑھ کی ریشمی دھوٹی پر اس نے اس کا کمر تاپنے کی کوشش کی لیکن اپنے دبلے پتلے جسم پر وہ کمر تا کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ اس لیے وہ صرف دھوٹی پہنے ہوئے ہی کش کے ساتھ واپس چل دیا۔ کیونکہ اس کے کپڑے ابھی پوری طرح سوکھے نہیں تھے۔... راستے میں چلتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ ایک بار وہ پھر رام سنگھ کو سمجھانے کی کوشش کرے گا کہ گنگا کو سرداری کی قسم سے آزاد کر دیا جائے۔ اس کے مستقبل کو بھیانک غم میں جکڑ کر اس کی زندگی کو برباد نہ کیا جائے۔

اچھے برا کر اس نے دیکھا تو رام سنگھ کی چادر پائی غار کے اندر سے نکال کر باہر کھلے میدان میں رکھ دی گئی تھی، جس پر رام سنگھ جیت لیٹا ہوا آسمان کی طرف دیکھ کر ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ لول رہا تھا۔ درگیش کے پیروں کی چاپ سن کر اس نے آنکھیں کھول دیں اور گردن گھما کر اس جانب دیکھنے لگا۔ ”اب کیسی طبیعت ہے داڑھ؟“ درگیش نے کہا ”یہ بہت اچھا ہوا آپ باہر آگئے۔ صبح کی تازہ ہوا صحت کے لیے مفید ہوتی ہے۔“

”اب مجھے طاقت حاصل کرنے کی کوئی تمنا نہیں ہے ڈاکٹر! رام سنگھ ادا اس لیے میں بولا ”اب تو یہی خواہش ہے کہ سورج کا نام جیتنے جیتے دم نکل دم نکل جائے۔ پر لوگ سدھار جاؤں تو اپنے بیس سال سے پچھڑے ہوئے بیٹے سے مل کر اس بے چینی کو دور کر سکوں۔“

عین اسی لمحے گنگا، رام سنگھ کے لیے دیے کا کٹورا لے کر آگئی۔ درگیش کی جانب دیکھتے ہی اس کی نگاہیں نرم سے جھک گئیں۔ درگیش نے ابھی تک اپنی قمیض نہیں پہنی تھی۔ اس نے گنگا کی جانب کوئی توجہ نہیں دی۔ اس کے کہنے پر

کش اندر سے اس کا بیگ لے کر آگیا تھا۔

درگیش بیگ اپنے ہاتھ میں لیتا ہوا بولا ”پہلے میں آپ کی بیٹی بدل کر ایک انجکشن لگا دوں۔ پوچھا نے چاہا تو جلد ہی طبیعت سنبھل جائے گی۔“

”سب ڈاکٹر ایک جیسے ہوتے ہیں،“ رام سنگھ اس کی بات سن کر ہلکی مسکراہٹ سے بولا ”مریض کو چین سے مرنے بھی نہیں دیتے۔...“

درگیش نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ رام سنگھ کے کندھے پر بندھی ہوئی پٹی کھولنے میں مصروف تھا۔ اچانک رام سنگھ کی نظر اس کے کھلے ہوئے شانے پر پڑی تو وہ ہری طرح چونک پڑا۔ ایک عجیب سی چمک اس کی آنکھوں میں لہرائے گئی تھی۔ درگیش اس کی کیفیت دیکھ کر بولا ”درد محسوس ہو رہا ہے کیا؟“

جواب دینے کی بجائے رام سنگھ اس کے ہاتھ بازو کو گھور رہا تھا۔ کیونکہ درگیش کے بازو پر بھی بالکل ویسا ہی نشان کھرا ہوا تھا جیسا اس کے اپنے بازو پر موجود تھا۔ رام سنگھ کے چہرے پر ابھرتے ہوئے تاثرات دیکھ کر گنگا کو بھی حیرت ہو رہی تھی۔ ابھی وہ کچھ پوچھنے ہی والی تھی کہ اچانک رام سنگھ نے درگیش کا ہاتھ پکڑ لیا اور پھرتے ہوئے لہجے میں بولا ”تمھیں اپنا بچپن یاد ہے ڈاکٹر؟“

اس کا یہ غیر متوقع سوال درگیش کو بڑا عجیب سا لگا ”کیوں پوچھ رہے ہیں آپ؟ بہر حال سن شعور کی اس بات مجھے یاد ہے۔ جب آٹھ برس کا تھا تب میں نے اپنی مرنے والی ماں کو دیکھا تھا وہ منظر ابھی تک میرے ذہن میں تازہ ہے۔“ درگیش نے کھوٹے کھوٹے سے لہجے میں کہا۔

”تعجب ہے؟“ رام سنگھ نے کہا۔

”لیکن اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟“

رام سنگھ نے اس کے بازو پر بنے ہوئے نشان پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ”ایک برس میں کا بیٹا ہونے کے باوجود تمھارے باپ نے تمھارے بازو پر ایسا نشان کیوں کھرا دیا؟“

یہ سن کر درگیش بھی چونک گیا۔ رات اور پھر صبح کے وقت خود اس کے دل میں جو خیال آیا تھا وہی بات اس وقت رام سنگھ کے دماغ میں بھی آئی تھی۔... ان دونوں کے بازوؤں پر ایک

ہی طرح کے نشان دیکھ کر گنگا بھی کچھ لوکھلائی گئی تھی۔ وہ بھی درگیش کو اور کبھی رام سنگھ کو دیکھ رہی تھی۔

”کبھی تم نے اپنے باپ سے اس نشان کے بارے میں پوچھا تھا؟“ گنگا نے ایک رام سنگھ نے درگیش سے پوچھا ”نہا یاد کرنے کی کوشش کرو۔“

”مجھے بالکل یاد ہے دائرہ درگیش جلدی سے بولا ”جب بھی میں نے ان سے اس نشان کے بارے میں پوچھا تھا تو وہ اس سوال کو ٹال جاتے تھے بلکہ کبھی کبھی تو ناراض بھی ہو جاتے تھے۔“

”تب تو ضرور اس میں کوئی راز ہے۔“ رام سنگھ کا پورا جسم کانپ رہا تھا ”تمہارا باپ اگر زندہ ہوتا تو میں اسی وقت اس کے پاس دوڑا جاتا اور اس سے معلوم کرتا۔“

”کیا؟“

”یہی کہ درگیش واقعی تمہارا سگا بیٹا ہے؟“ رام سنگھ بھاری آواز میں بولا۔

دفعۃً درگیش کے دل میں بجلی کی طرح ایک خیال آیا اور اس نے گنگا کو مخاطب کیا ”سرنے سے پہلے باپو جی نے مجھے ایک لفاظی دیا تھا، پھر وہ تیزی سے اپنے بیگ سے چیزیں نکالنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے ایک بند لفاظی باہر نکال لیا۔“

”اس لفاظی کو دیتے وقت انھوں نے کچھ ایسی ہی بات کہی تھی کہ اس میں کبھی کوئی خیر نہ ہوگا۔ تمہیں ہر دم پہنچے گا اور شاید تمہیں مجھ سے نفرت بھی ہو جائے۔ لیکن میں کبھی پاپو سے نفرت کرتے کا تصور نہیں کر سکتا تھا۔ بس اسی خوف سے میں نے آج تک اس لفاظی کو کھول کر دیکھنے کی ہمت نہیں کی ہے گنگا۔“

”تو اب جلدی سے کھول کر دیکھو بیٹا۔“ رام سنگھ نے جینی سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولا ”میرا دل ڈوب رہا ہے بیٹے! اب پل بھر کی تاخیر بھی میری برداشت سے باہر ہے۔“

درگیش نے لفاظی چاک کر کے اندر سے تھم کیا ہوا کاغذ نکال لیا۔ اتنی دیر میں رام سنگھ کی طرح گنگا بھی تجسس نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

درگیش نے ایک لمحے کے لیے سحر بر کا جائزہ لیا پھر اسے پڑھنے لگا۔ درگیش بیٹے، آج تک تو تم مجھے اپنا باپ سمجھتے رہے ہو۔ میں نے بھی تمہیں حقیقی بیٹے کی طرح ہی پالا۔ درگیش اس

جملے کو پڑھ کر اٹک گیا۔ رام سنگھ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے آگے پڑھنے کی عاجزی کی۔ وہ بڑی حسرت سے درگیش کی جانب دیکھ رہا تھا۔ درگیش نے ہمت کر کے پھر سے پڑھنا شروع کیا ”بیٹا میں نے کئی بار چاہا کہ تمہیں یہ بات یاد دوں لیکن نہ جلتے کیوں میں اس گھڑی کو ٹالنا گیا۔ پھر جب میں نے یہ سنا کہ کسی اجنبی آدمی نے ضمانت دے کر تمہیں رہائی دلائی ہے تو میں بے چین ہو گیا۔ مجھے یہی شک ہوا کہ تمہاری ضمانت دینے والا اجنبی شخص شاید تمہارا باپ ہی ہوگا جب سے تم پر قتل کا الزام عاید کیا گیا تھا تب سے میری آستیاں تڑپ رہی تھیں۔ مجھے لگ رہا تھا کہ ایک پرائے لڑکے کو چوری چھپے میں نے اپنا بیٹا بنا رکھا ہے۔ شاید اسی لیے قدرت مجھ سے میرے اس گناہ کا انتقام لے رہی ہے۔ میں نے کسی ماں کی گود ویران کر کے اپنی گود بھرتی چاہی تھی۔ اس لیے قدرت میری گود بھی اجاڑ دے گی۔ آہ میں کتنا مطلبی تھا۔ مجھے اپنی کم مائیگی کا احساس ہو گیا ہے۔ درگیش بیٹے میں تمہارا اصلی باپ نہیں ہوں۔ مگر میں یہ بھی نہیں جانتا کہ تمہارا اصلی باپ کون تھا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں اور تمہاری ماں یعنی میری بیوی رام پورے کے قریبی ایک دوسرے گاؤں دھرم پورے میں رہتے تھے۔ ہماری کوئی اولاد نہیں تھی ہر آنے والے مہینے کی پہلی صبح کو میں یہ طور فاض ندی میں جا کر نہاتا اور کرشن بھگوان کی پوجا میں لگ جاتا۔ میں ذات گتے تک بھگوان سے اولاد کے لیے گدگد کر دعاؤں مانگتا رہا تھا۔ اور یہ سلسلہ پورے پانچ برس تک بلا ناغہ جاری رہا۔ پھر بیس سال قبل ہمیشہ کی طرح ایک روز صبح سویرے میں ندی میں نہا رہا تھا تو اچانک میری سماعت سے کسی بچے کی چیخ ٹکرائی۔ ابھی صبح کا اجالا پوری طرح نہیں پھیلا تھا۔ چیخ کی آواز سن کر میں ندی سے نکلا اور بھگی دھوتی میں ہی اس طرف دوڑ پڑا۔ جدھر سے بچے کے چیخنے کی آواز آرہی تھی۔ قریب جا کر میں نے دیکھا تو کوئی بد معاش ایک پانچ برس کے لڑکے کے جسم سے اس کے کپڑے اور گلے میں پڑا ہوا لاکٹ اتار کر اسے مارتا ہوا دکھائی دیا۔ بچہ خوف سے بری طرح چیخ رہا تھا ”مجھے میری ماں کے پاس جانے دو۔ مجھے اپنے پاپو کے پاس جانے دو۔“

اس کی چیخ دیکھ کر اس بد معاش نے اسے چپ

کمرانے کے لیے ایک زوردار تاجا مارا۔ بچہ ایک جھٹکے سے زری سے کنارے گھاٹ پر گر پڑا۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ بے چارہ اٹھا، اس بد معاش نے ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر اس کا سر کچلنا چاہا، جیسے ہی اس بد معاش نے پتھر اٹھایا دلیسے ہی میں اسے لٹکاتا ہوا اس کے سامنے آ گیا۔ بچہ خوف سے پتھر کھڑکا نہتا ہوا مجھ سے لپٹ گیا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ بد معاش وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اس وقت تمہیں اپنے پاس رکھ لینے کا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں تو چاہتا تھا کہ تم اپنے ماں باپ کے پاس پہنچ جاؤ لیکن موت کے خوف سے تمہاری ننھی سی جان پر اتنی گھبراہٹ طاری ہو چکی تھی کہ میں تم سے تمہارے ماں باپ کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں کر سکا جب میں تمہیں اپنے گھر لے گیا تو تمہیں دیکھ کر میری بیوی کی ممتا تڑپ اٹھی۔ وہ نیک بخت تمہیں سینے سے لگا کر یہ سمجھ بیٹھی کہ بھگوان نے پانچ برس کی پوجا کے بدلے اسے پانچ برس کا بیٹا دے دیا ہے۔ آہستہ آہستہ میری نیت بھی بدلنے لگی۔ میں نے تمہارے والدین کو تلاش نہیں کیا اور نہ ہی پولس کو اس بات کی خبر دی کہ ندی کنارے سے کوئی بچہ مجھے ملا ہے۔ تم مجھے شکر بھگوان کے مندر کے قریب سے ملے تھے اس لیے میں نے تمہارا نام درگیش رکھ دیا اور اس گاؤں کو ہی چھوڑ دیا تاکہ کوئی تمہارے بارے میں پوچھ گچھ نہ کرے اور خود تمہیں بھی کچھ معلوم نہ ہو سکے۔ بیٹا تمہارے بائیں ہاتھ پر جو سورج کا نشان بنا ہوا ہے وہی تمہارا خاندانی نشان ہو سکتا ہے۔ اس خط کو پڑھنے کے بعد تم اپنے ماں باپ کو تلاش کرنے کی ضرورت کو محسوس کرنا۔ بیس برسوں کی جدائی کے بعد جب انھیں ان کا بیٹا واپس ملے گا تب ہی میری آستیاں کو سچی خوشی ملے گی، نہیں تو دوسرے جنم میں مجھے اپنے اس جرم کی سزا بھوگنی پڑے گی۔ بیٹے! بے شک میں تمہارا سگا باپ نہیں ہوں لیکن اس کے باوجود میں نے ایک سگی اولاد کی طرح ہی تمہاری پرورش کی ہے۔ میں نے تمہیں ڈاکٹر بنانے کے لیے اپنا مکان تک گروی رکھ دیا۔ میں نے بچپن سے لے کر اب تک تمہیں باپ کی کمی محسوس ہونے نہیں دی۔ ہر باپ کی طرح میں نے دن رات محنت کر کے تمہیں ایک عظیم آدمی بنانے کی کوشش کی ہے۔ بیوی کے مرنے کے بعد میں نے دوسری شادی بھی نہیں کی کہ کوئی دوسری عورت

تمہیں وہ پیار نہیں دے سکتی تھی، جس کی تمہیں ضرورت تھی۔ بیٹے! میں تمہارا اور تمہارے اصلی ماں باپ کا گناہ گار ہوں، اگر ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔ میری دعا ہے بھگوان شکر ہمیشہ تمہاری حفاظت کرے۔“

تمہارا معجزہ... دین دیال

خط ختم کرتے ہی درگیش کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے تھے۔ خط کا آخری جملہ وہ بڑی مشکل سے پڑھ پایا تھا۔

رام سنگھ کے پورے جسم میں خوشی کی ایک عجیب سی لہر دوڑنے لگی تھی ”بیٹا... سو... سورج“ اچانک وہ جذباتی انداز میں چیخا اور جھپٹ کر اسے اپنے سینے میں دلوچ لیا۔ بیس برسوں کی طویل جدائی کا غم اس کی آنکھوں سے ٹپک رہا تھا۔ اتنے سالوں کے بعد تم مجھے واپس ملے ہو۔ درگشا مانتا ہے مجھے میرا بیٹا آج واپس کر ہی دیا، رام سنگھ اس کے ہاتھ پاؤں اور سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ وہ ننھے بچے کی طرح بلک بلک کر رو بھی رہا تھا اور چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔

باپ بیٹے کا ملن دیکھ کر گنگا بھی ایک انجانے خیال سے بلک پڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں مسرت کے ساتھ غم بھی جھانک رہا تھا۔ رام سنگھ کے دوسرے ساتھیوں کو پل بھر میں بیٹے کے ملنے کی اطلاع مل گئی تھی وہ سب دوڑے آئے تھے۔

”سورج بیٹے! تمہارے بغیر بیس برس تک ہماری زندگی امداد کی رات کی طرح اندھیری رہی۔ صرف ایک بار اپنی زبان سے مجھے ”پاپو“ کہہ دو میرے کان یہ لفظ سننے کے لیے ترس رہے ہیں۔ بس ایک بار مجھے ”پاپو“ کہہ کر پکارو۔“

”پاپو...!“ درگیش نے جذبات سے بھرائی آواز میں کہا۔ جب اس کا ہاتھ رام سنگھ کے سینے سے ٹکرایا تو اچانک اسے خیال آیا کہ اس کے کندھے کا رخ پھر سے سرنے لگا ہے خون دیکھ کر اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔ اب میں آپ کو ایک منٹ کے لیے بھی بیٹھنے نہیں دوں گا پاپو! اگر آپ میری بات نہیں مانیں گے تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ چلیے اب آرام سے لیٹ جائیے میں آپ کو انگلشن لگا دوں اور ڈریسنگ کر دوں۔“

رام سنگھ کو عبور اچانک پائی پر لٹا پڑا۔ پھر بھی اس نے بیٹے کا ہاتھ نہیں چھوڑا ”بیٹے! اب موت آئی تو میں سکون سے مر

آگ سے آزاد ہو گیا ہوں۔ اس کے ایک ایک لفظ سے سرت پھوٹی پڑ رہی تھی۔ ”میلے سے تمہیں اٹھا کر لے جانے والا شخص بھیجنا تھا۔ اس نے دنگا پور کے ٹھاکر کے سامنے تمہارے خون آلود کپڑے پیش کیے تھے یہ سب تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ تمہارے زندہ ہونے کی چونکاہٹ کوئی امید نہیں تھی اس لیے بدلہ لینے کے لیے میں نے مجبوراً یہ راستہ اپنا لیا۔ میں ٹھاکر رام سنگھ سے باغی رام سنگھ اور باغی رام سنگھ سے ڈاکو رام سنگھ بن گیا، حکومت نے میری زمین اور کھیت ضبط کر لیے۔ پولس نے جو بلی جلا دی۔ تمہاری ماں رادھا پاگل ہو گئی۔ لیکن وہ اب بھی کہا کرتی ہے کہ میرا سورج زندہ ہے۔ تم اسے تلاش کرو اور واپس لے آؤ۔ میں اس کی اس بات کو اس کا پاگل پن سمجھ کر چپ چاپ سن لیا کرتا۔ لیکن آخر کار اس کا یقین سچا نکلا۔ اس کی مامتا کی آواز درگاہ کا ماتلے سن ہی لی۔ رام سنگھ کی آنکھوں کی پتلیاں بڑی بے جینی سے گردش کرنے لگی تھیں شاید اسے سانس لینے میں کافی دشواری محسوس ہو رہی تھی۔

اس کی حالت دیکھ کر درگیش کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ گنگا سے بولا ”کسی سے کہو وہ جلدی سے گرم پانی لائے۔“  
 رام سنگھ کا ایک ساتھی گوپال وہاں سے دوڑا دفعہ مائے سے ایک آواز سنائی دی ”ٹھاکر...“ پھر گنگے موہن کے ساتھ رام سنگھ کی پاگل بیوی رادھا ہانپتی کانپتی آتی دکھائی دی۔ رام سنگھ کی چار پائی کے قریب آکر اس نے رام سنگھ کے پاؤں پکڑ لیے اور چیخ کر بولی ”تمہیں کیا ہو گیا ہے ٹھاکر؟ کیا تم سے ناراض ہو گئے ہو؟ مجھے معاف کر دو ٹھاکر! میں اب بھی تم سے نہیں کہوں گی کہ میرے بیٹے کو واپس لا دو اگر تم بھی مجھے تنہا چھوڑ کر چلے گئے تو میں کیلی کیسے جی سکوں گی؟“

”سورج کی ماں تمہاری بات سچی تھی۔ سورج زندہ ہے۔ دیکھو وہ تمہیں پھر سے واپس مل گیا ہے۔“ رام سنگھ بے ترتیب سانسوں کے درمیان بولا۔

رادھا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس طرح اپنے شوہر کو نہ لگی جیسے اسے شک ہو کہ کہیں اس کے شوہر کا دماغ تو نہیں گیا؟ چند لمحوں تک وہ ٹھنکی لگائے رام سنگھ کی طرف

درگیش نے بھی چہرے پر اداس لہجے میں بولی ”مہر دہر کی طرح آج بھی مجھے جھوٹی تسلی دے رہا ہو ٹھاکر؟“  
 ”نہیں... رادھا“ رام سنگھ ہاتھ اٹھا کر بولا ”تمہارا سورج سچ زندہ ہے... بھگوان نے میری خواہش پوری کر دی ہے اور مرنے سے پہلے میری ملاقات اس سے کرا دی ہے۔“  
 ”کیا واقعی تم سچ کہہ رہے ہو؟“ رادھا حیران ہو کر بولی ”کہاں ہے میرا سورج؟“

رام سنگھ نے درگیش کی جانب اشارہ کیا اور رادھا درگیش کے چہرے پر نگاہیں جمائے اسے گھورنے لگی۔ اس کی آنکھوں سے پاگل پن کے اثرات دھیرے دھیرے دور ہونے جا رہے تھے۔ پانچ برس کے معصوم بچے کو پچیس سال کے نوجوان کے روپ میں دیکھ کر پہچاننے میں اسے دیر لگ رہی تھی لیکن جب درگیش کے کھلے ہوئے بازو پر اس کی نظر پڑی تو آنکھوں کے سارے پردے ہٹ گئے۔ بھٹاکر فائز ان کا انھوں نشان دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹتی چلی گئیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے مامتا کا جوالا مکھی بھٹ پڑے گا اور پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر ایک زوردار چیخ ماری ”سو... سورج“  
 درگیش کسی بچے کی طرح اس کے دونوں ہاتھوں کے دائرے میں سمٹ گیا ”ماں“

اچانک گنگا کی نظر ان دونوں پر سے ہٹ کر رام سنگھ کی جانب اٹھی ”داؤ... داؤ...“ وہ تقریباً چیختی ہوئی رام سنگھ کی طرف لپکی۔

اس کی آواز سن کر درگیش بھی ماں کی آغوش سے تڑپ کر اگ ہو گیا۔ اس نے دیکھا تو اسے باپ کے چہرے پر موت کے گہرے سائے پھیلے دکھائی دیے۔ رام سنگھ اس کی طرف دیکھ کر اپنے سینے کو ایک ہاتھ سے دباتا ہوا بے شکل سنسنے کی کوشش کر رہا تھا اس کے ہونٹ دھیرے دھیرے کانپ رہے تھے ”بیٹا! درگاہا تاجھے اپنے قدموں میں جلا رہی ہے۔“ انا کہہ کر اس نے آہستہ آہستہ گردن گھما کر اپنے ایک ایک ساتھی کا چہرہ دیکھا جو اس کے چاروں طرف چپ چاپ کھڑے اسے اداس نظروں سے دیکھ رہے تھے ”اب تم سب مجھے اجازت دو۔“

رام سنگھ کے الفاظ سن کر گنگا سسک پڑی۔ رادھا نے فوراً ہی اپنے شوہر کا ہاتھ تھام لیا۔ گردہ کے تمام لوگ ہاتھ جوڑے

رام سنگھ کی جانب پر امید نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ وہاں موجود لوگوں میں صرف ایک درگیش ہی ایسا تھا جو ایک ڈاکٹر ہونے کے ناتے اپنا فرض نبھا رہا تھا۔ وہ رام سنگھ کی طرف دھکتی ہوئی موت کو روکنے کی پوری پوری کوشش کر رہا تھا۔ اچانک رام سنگھ نے گنگا اور درگیش کے سروں پر باری باری ہاتھ رکھا اور اپنی بیوی سے بولا ”ٹھاکر! سن... اب میری آخری خواہش پوری کرنے کی ذمہ داری تمہاری ہے۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔ اس لیے یہ کام میں اب تمہیں سونپے جا رہا ہوں۔ میرے سورج کے ساتھ گنگا کی شادی...“ اس کی آواز یہاں تک آکر ٹھکڑانے لگی۔ مگر بہت کم کے اس نے آشیر واد کے آخری الفاظ ادا کر ہی دیے ”درگاہا ماتا تم دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔“  
 اس جملے کے ساتھ ہی اس کی گردن ایک جانب ڈھلک گئی اور آنکھیں پتھر اگئیں... اس طرح وہ بھیانک طوفان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کیا جو پورے بیس برسوں سے راجستھان کی دھرتی کو روندتا پھر رہا تھا۔ شیر کی طرح گر جنے والا رام سنگھ بے جان ہو کر اپنی چار پائی پر پڑا تھا۔

رادھا، شوہر کی لاش پر چیخ کر گری اور گنگا اپنے باپ جیسے داؤ کا چہرہ جو کم کر بلک کر رونے لگی... یہ دلزدہ نظر دیکھ کر گردہ کے پتھر دل ساتھیوں کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔ اور درگیش سے سورج بن جانے والا رام سنگھ ٹھاکر کا بیٹا، اپنے باپ کے قدموں کو چوم کر ایک طرف ہٹ گیا... اتنے سارے لوگوں کی موجودگی میں گھرے رہنے کے باوجود اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اس بھری دنیا میں بالکل اکیلا رہ گیا ہے، حالانکہ گنگا اس کے پاس تھی اور پچھڑی ہوئی ماں بھی اس کے سامنے تھی۔

جس کے قدموں کی دھک سن کر راجستھان کی دھرتی پھٹ جایا کرتی تھی اور جس کی دھڑکن سن کر مکانوں کی کھیتیں اڑ جاتی تھیں۔ اس طوفان کا زور اب ٹوٹ چکا تھا ڈاکو رام سنگھ کی چٹائی آگ اب ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

چٹا ٹھنڈی ہوئی تو اس کی راکھ کے پھول اٹھا کر کسی نے اس کے اکوڑے بیٹے درگیش عرف سورج کے ہاتھ میں دیئے کہئے ”کہا“ ”لو چھوٹے ٹھاکر! ان پھولوں کی راکھ کو تم اپنے ہاتھوں سے ندی میں بہا دینا۔“

درگیش نے ایک سر آہ سی بھری اور مٹھی بھر کر کھکی طرف دیکھا رہا۔ ڈاکٹر کہنے والے لوگ اب اسے ٹھاکر کہہ کر مخاطب کر رہے تھے، یہ بات اسے عجیب سی لگ رہی تھی۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ سورج بن جانے کی وجہ سے بھی وہ درگیش کی حیثیت سے مٹ نہیں سکتا اور ٹھاکر کہلانے کے باوجود وہ ڈاکٹر کی کوبھول نہیں سکتا۔ راجپوت ٹھاکر رام سنگھ کا بیٹا ثابت ہونے کے بعد بھی وہ اپنے دل سے برہمن دین دیال کی یاد بھی نہیں بھلا سکتا... یہی سب باتیں سوچتا ہوا وہ اپنے باپ کی راکھ لے کر وہاں سے ہٹ گیا، پھر رام سنگھ کے ساتھیوں کے ساتھ ندی میں تھما دھو کر وہ اڑے پر واپس آیا تو اس نے دیکھا، اس کی ماں اور گنگا کی آنکھیں روتے روتے سوچ چکی تھیں۔ لیکن وہ کمرہ ہی کیا سکتا تھا؟ اور اب تو گنگا سے جدا ہونے کی گھڑی بھی آ پہنچی تھی۔ وہ ٹھکین چہرہ اور بھیلی آنکھوں سے اپنی چیزیں اٹھا اٹھا کر اپنے بیگ میں رکھنے لگا۔ اس کی نظریں یاد باز گنگا کی جانب اٹھا جاتی تھیں۔ شاید اس کی آنکھیں جی بھر کے گنگا کو دیکھ لینا چاہتی تھیں۔ پتا نہیں پھر کبھی ملاقات ہوگی بھی یا نہیں؟

”بیٹی گنگا! تمہیں بھی ہمارے ساتھ ہی چلنا ہے۔ اپنی ماں کی بات سن کر درگیش کو محسوس ہوا جیسے اس کی ماں، اس کے دل کی بات کہہ گئی ہو۔

”نہیں ماں! مجھے تو ان لوگوں کے ساتھ ہی رہنا ہے۔“ گنگا نے جواب دیا اور پھر وہ رادھا کی جانب مڑ کر بولی ”ماں جی مجھے داؤ جی کے ادھورے کام پورے کرنے ہیں اور یوں بھی میرے لیے تو تمام راستے بند ہو چکے ہیں۔“

گنگا کی بات سن کر درگیش چپ نہ رہ سکا ”جس راستے پر تم آگے بڑھ رہی ہو وہ بے حد خطرناک ہے گنگا!“

”میری مجبوری ہے کہ اب میں واپس نہیں آسکتی۔“ گنگا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ”پھر بھی میں اس بات کا خیال رکھوں گی کہ داؤ کے نقش قدم پر چلتی ہوئی غریب لوگوں کو انصاف دلانے کے لیے اپنی جان پر کھیلی رہوں۔“

”تو ہمارے راستے ہمیشہ ہی جدا جدا رہیں گے۔“ درگیش نے کہا ”میں جانتا ہوں تم لوگوں کو کوئی ڈاکو کہے یہ تمہیں اچھا نہیں لگتا لیکن یہ نغظ ادا کر کے میں تم لوگوں کی بے عزتی کرنا

نہیں چاہتا۔ میرے نزدیک اس لفظ کا کوئی اور مطلب بھی نہیں ہے۔ انتقام لینے کے جنون میں آدمی بعض اوقات سخت غلطی کر بیٹھتا ہے جس کی مثال تم لوگوں کے سامنے ہے۔ آخر رام سنگھ داؤ کو باغی کیوں بننا پڑا؟ جب ان کا اکلوتا بیٹا سورج گم ہو گیا تو دنگا پور کے بیٹا کر سے بدلہ لینے کے لیے وہ ٹھاکر سے باغی بن گیا اور پھر بیس سال بعد انھیں پتا چلا کہ ان کے جس بیٹے کو دنگا پور کا ٹھاکر قتل کر دینا چاہتا تھا اسے بھگوان نے بچا لیا تھا اب تم لوگ ہی بتاؤ۔۔۔ بیس سال تک اتنی بڑی خطرناک گزرا نے کا کیا کوئی مقصد رہا؟“ درگیش نے رام سنگھ کے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں نے اگر کوئی ایسی ویسی بات کہہ دی ہو تو مجھے معاف کر دینا۔“ اتنا کہہ کر وہ کھڑا ہو گیا اور رادھا سے بولا ”چلیے ماں جی! اب ہم لوگ چلیں۔“

اس نے درگیش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ”بیٹا! مرنے سے پہلے تمہارے باپ نے جو کام مجھے سونپا تھا اسے تو مجھے ہی پورا کرنا ہے۔ تم دونوں کی شادی کیے بغیر میں سکھ سے جی بھی نہیں سکوں گی۔“

”داؤ کی طرح میرے باپو اور دین دیال چاہا کی بھی یہی خواہش تھی۔“ گنگا نے ایک سر د آہ بھر کر کہا ”لیکن بھگوان کی مرضی کے آگے کسی کی نہیں چلتی۔“ اتنا کہہ کر اس نے اپنے ساتھی گوبال کو مخاطب کیا ”گوبال! تم اور موہن دونوں مل کر ماں جی اور ڈاکٹر صاحب کو ان کے گھر چھوڑ آؤ۔“

”اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ درگیش نے آہستہ سے کہا ”ماں جی کے ساتھ میں ہوں، پھر فکر کس بات کی؟“

گنگا نے مجبوراً ماں جی کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔ رادھا اپنی جگہ سے اٹھی پھر بے اختیار اس نے گنگا کو اپنے سینے سے لگالیا اور بھڑائی ہوئی آواز میں بولی ”بیٹی! اس وقت تو میں جا رہی ہوں لیکن تم دونوں سے کہے دیتی ہوں کہ اپنی ضد پوری کیے بغیر میں ہرگز ہرگز نہیں رہوں گی۔“ رادھا نے یہ بات کچھ اس لیے کہی تھی کہ گنگا کو اپنی ذات ٹوٹ کر بھرتی محسوس ہوئی۔ اس نے بڑی مشکل سے آنکھوں میں آنے ہوئے آنسوؤں کو روکا اور بھڑائی ہوئی آواز میں بولی ”اگر دیر ہو گئی تو راستے میں ہی اندھیرا ہو جائے گا۔“

بیٹے کے ساتھ چلتے چلتے رادھا بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ لیتی تھی۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ بھگوان بھی کیسے کیسے کھیل کھیلتا ہے۔ اس سے اس کے شوہر کو چھین کر اس کا گمشدہ بیٹا گود میں ڈال دیا۔ ایک سہارا چھین کر دوسرا سہارا بنادیا۔

جب درگیش اور ماں جی گنگا کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تو گنگا نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ بہت دیر سے اونچے ٹیلے پر کھڑی ان دونوں کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی تھی۔ اگر اس وقت اس کے ارد گرد اس کے ساتھی موجود نہ ہوتے تو اس کی پلکیوں کا بند ٹوٹ چکا ہوتا۔ آنکھوں میں اُمڑے ہوئے سیلاب کو اس نے بڑی مشکل سے روک رکھا تھا۔۔۔ سرداری کی بھاری ذمے داری کے خیال نے بھی اسے آنسو بہانے سے روک رکھا تھا وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی کمزوری اس کے ساتھیوں پر عیاں ہو جائے۔

”جلو اب ہم لوگ اندر جا کر آئندہ کے لیے مشورے کریں کہ داؤ کے ادھورے کام کیسے پورے کیے جائیں۔“ تھوڑی دیر بعد اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا اور آگے آگے چل پڑی گردہ کے باقی لوگ اس کے پیچھے آ کر فارم میں ایک جگہ بیٹھ گئے تھے۔ گنگا ابھی تک درگیش کے خیالوں سے نکل نہیں پائی تھی۔ رام سنگھ کی موت کا غم اس پر بڑی طرح طاری تھا۔ ماضی کے کتنے ہی منظر تھے جو اس کی آنکھوں میں لہ لہا کر فائز ہوتے جا رہے تھے مگر جلد ہی اس نے ان خیالوں سے بچھا پھیر لیا اور وہ اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی ”سب سے پہلے تو ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ جب دنگا پور کے ٹھاکر شمشیر سنگھ کا میرے ہاتھوں قتل ہوا تو اس وقت اس کی تجوری کس نے صاف کر دی تھی؟ میں اصل مجرم کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں اور یہ کام ہمیں بڑی راز داری اور ہوشیاری سے کرنا ہو گا۔ مجھے ٹھاکر شمشیر سنگھ کے گھر گئے اور دست راست اجیت سنگھ پر شک ہے لیکن ہمیں ثبوت کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھانا ہے۔“

”یہ ذمے داری میری ہے میں بھیس بدل کر جوبلی میں نوکری حاصل کر لوں گا اور پھر آپ کو معلومات فراہم کرتا رہوں گا۔“ اس کے خاموش ہوتے ہی گوبال بولا۔

”شاباش گوبال! گنگا اس کی سوجھ بوجھ پر خوش ہو کر

بولی ”کھوج لگانے میں تم ماہر ہو لیکن تمہیں بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ اجیت سنگھ بے حد کمزور اور ہوشیار آدمی ہے۔“

”فکر نہ کرو دیری! میں اسے جلد بے نقاب کر دوں گا۔۔۔ لیکن مجھے ایک ساتھی کی ضرورت پڑے گی، خبریں پہنچانے کے لیے ایک ہوشیار آدمی کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔“ گوبال نے کہا۔ گنگا نے موہن گونگے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میرا خیال ہے موہن بھائی! گوبال کے ساتھ تم زیادہ مناسب رہو گے۔“

یہ سن کر گونگے موہن کی آنکھیں چمکے لگیں۔ اسے اس بات کی خوشی ہو رہی تھی کہ رام سنگھ کی طرح گنگا دیری بھی اس پر بھروسہ کر کے خطرناک کام اس کے سپرد کر رہی ہے۔ اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر اشارے سے گنگا کو یقین دلایا ”فکر نہ کرو تمہارا کام ہو جائے گا۔“

”ٹھیک ہے۔“ گنگا نے اتنی ہی انداز میں سر کو جھٹکا اور اپنے ایک اور ساتھی سے مخاطب ہوئی ”لاکھن! غدار ہماری کا ناقاب کر کے تمہیں اس کی حرکتوں پر نظر رکھنی ہے۔ اگر اس نے پولس کو ہمارے ٹھکانے کا پتا بتانے کی کوشش کی تو اسے ٹھکانے لگانا پڑے گا۔“

”ٹھیک ہے دیری۔۔۔ ہماری سے آپ لوگ بالکل بے فکر ہو جائیں۔“ لاکھن نے دانت پیستے ہوئے کہا ”داؤ سے دھوکا کرنے والے کو نرنگ پہنچانا میری ذمے داری ہے۔“

”اس کام کے لیے جلدی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ گنگا نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا ”ہمیں فی الحال اس کے خلاف کارروائی نہیں کرنا ہے، نہیں تو وہ گھبرا کر پولس سے ساز باز کرے گا اور ہماری گرفتاری کی خوشی میں پولس اس کے مجرم معاف کر کے اسے سرکاری گواہ بنالے گی۔ اسے پولس کا تحفظ حاصل ہو گیا تو ہمارا کام اور بھی مشکل ہو جائے گا۔ ہمیں ہوشیاری اور چالاکی سے کام لینا ہو گا۔۔۔ ہماری اس آپس کی دشمنی کا فائدہ اگر پولس کو حاصل ہو گیا تو ہمارا انجام بھیانک ہو سکتا ہے۔“ گنگا چند لمحوں کے لیے خاموش ہوئی اور پھر توقف کے بعد دوبارہ بولی ”میرا خیال ہے، ہماری اپنا کوئی نیا گروہ تشکیل دے گا۔ ممکن ہے وہ تم میں سے بھی کسی کو ٹوٹنے کی کوشش کرے۔ ہمیں اس کی ان ہی حرکتوں پر نظر رکھنی ہے۔“

”لیکن اسے ہم اتنا موقع ہی کیوں دیں؟“ لاکھن پر حوش

لہجے میں بولا ”ہمیں اس سے پہلے ہی اس کا انتظام کر دینا چاہیے۔“ لاکھن کی اس بات کا جواب سننے کے لیے ہر کوئی مضطرب دکھائی دے رہا تھا۔ گنگا ایک لمحے خاموش رہی پھر سب کے چہروں پر اپنی نظریں ڈالتے ہوئے بولی ”ہماری ہم سے الگ کیوں ہو گیا؟ اس کی وجہ تو تم لوگ سمجھ گئے ہو گے جس دن سے اس نے مجھے ندی میں ڈوبنے سے بچایا تھا اسی دن سے اس کی نگاہیں میرے اوپر تھیں۔ میں اس کی محبت کو برا نہیں سمجھتی لیکن درگیش کو اپنے راستے سے ہٹانے کے لیے اس نے جو چاہا وہی کھیلی، اس نے میرے اور درگیش کے درمیان غلط فہمی پیدا کر دی بلکہ ایک دیوار سی کھڑی کر دی تھی اس نے سازش کا جو حال بنایا تھا اس نے خود ہی اسے بے نقاب کر دیا۔ داؤ کے علاج کے لیے وہ جس ڈاکٹر کو اپنے ساتھ لایا تھا اس کے بارے میں اسے علم نہیں تھا کہ کون ہے، لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ وہ غلطی سے درگیش کو لے آیا ہے تو داؤ کے خوف سے وہ بھاگ نکلا۔ جھوٹ بول کر وہ داؤ کا اعتماد کھو چکا تھا۔ میں اس کی اس حرکت کو غدار ہی نہیں کہوں گی۔ یہ تو محبت میں رقابت کا جذبہ تھا، جس نے اسے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا تھا اور ایسے ہی معاملے میں اس سے بدلہ لینا مجھے کچھ مناسب نہیں لگتا۔ ممکن ہے اپنی اس بھول پر بھی وہ پچھتاوا محسوس کرے اور پھر ہم میں واپس آجائے۔ ایسی حالت میں اسے دوبارہ اپنے گردہ میں شامل کیا جانا چاہیے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ میں تم لوگوں پر چھوڑ رہی ہوں اور اس کے لیے ہمیں اسے مہلت دینی چاہیے۔“

گنگا کا یہ فیصلہ سب کو پسند آیا ان سبھوں کے دل میں اس کی عزت اور بڑھ گئی کہ ہماری نے گنگا کو تکلیف پہنچائی تھی لیکن اس کے باوجود گنگا نے ہماری کو معاف کر دیا تھا۔

”لیکن دیری ہماری یہاں کبھی آنے کی جرات نہیں کرے گا۔“ کشن نے کہا ”وہ سردار بننا چاہتا تھا اور اب چونکہ داؤ نے آپ کو سردار بنا دیا ہے، اس لیے وہ نہیں آئے گا بلکہ مجھے یقین ہے وہ آئے گا تو صرف ہماری دشمنی کے لیے یعنی مقابلے کی غرض سے۔“

”جب ایسا ہو گا دیکھا جائے گا۔“ گنگا نے اس موضوع کو ختم کرتے ہوئے کہا ”احتیاط کے طور پر ہمیں کل صبح ہونے سے قبل اپنا یہ ٹھکانا تبدیل لینا ہے۔ تم لوگ تیاری میں لگ جاؤ۔“ گنگا



اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ سب اپنے اپنے کام میں مصروف ہو جائیں اس نے پھر انھیں تاکہ رکھی۔ ایک دوسری بات بھی غور سے سن لو۔ داد کے سوگ میں ہم تیرہ دن تک کوئی ڈاکا نہیں ڈالیں گے، یہ کہتے ہی وہ تیزی سے مڑ گئی۔ پلکوں میں دے ہوئے آنسوؤں کو روکنا اس کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔



اجیت سنگھ، اب وکرم سنگھ سے بچنے لگا تھا۔ ٹھاکر شمشیر سنگھ کے قتل کے بعد اسے یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ اب اس کا چھوٹا بھائی حویلی اور جاگیر کے کام کاج سنبھال کر درگاہ پور میں ہی رہنے لگے گا۔ اسے یقین تھا کہ وکرم سنگھ یہاں رہ گیا تو اس کی موجودگی میں وہ اپنے پاؤں حویلی میں جمانے سکتا۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وکرم سنگھ، رانی ماں کی مرضی کے خلاف اپنی ٹریننگ مکمل کرنے کے لیے واپس جا چکا تھا۔ اس طرح اجیت سنگھ کے دل میں اٹھی ہوئی بے چینی بڑی حد تک کم ہو چکی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اب وکرم سنگھ کی غیر موجودگی میں وہ ایک دو مہینے کے اندر ہی اندر رانی ماں کا اعتماد حاصل کر لے گا۔

چھ ماہ گزر چکے تھے اور ابھی تک رانی ماں کا اعتماد حاصل کرنے میں اسے کامیاب نہیں ہوئی تھی۔ اپنے نو جوان بیٹے کی بے وقت موت کا صدمہ برداشت کرنے کے بعد رانی ماں نے جاگیر کا کاروبار پھر سے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور ان کاروباری معاملات میں اجیت کو بولنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ رانی ماں کبھی کبھی اس سے صلاح مشورے تو کر لیتی تھی، لیکن وہ کرنی وہی تھی جو اس کی اپنی مرضی ہوتی تھی۔ رانی ماں نے اجیت سنگھ کے بارے میں کچھ اڑنی اڑنی باتیں سنی تھیں جس کی بنیاد پر اس نے اجیت کو دھکی دے کر کہہ دیا تھا کہ جنگ پر رہ کر جو ناپ چاگنے کی محفلیں سمیٹتی ہیں اگر سچ ہے تو میں اسے ہرگز ہرگز برداشت نہیں کروں گی۔

”یہ سب بہتان ہے۔“ اس نے کہا۔  
”میں نہیں یہ تو درگاہ پور کے لوگ کہہ رہے ہیں۔“ رانی ماں نے قدرے خفگی سے کہا۔

”لوگ جلتے ہیں رانی ماں!“ اجیت سنگھ نے دلیل پیش کی۔ ”کیونکہ میں تو پہلے سے ہی ٹھاکر شمشیر سنگھ کے ساتھ رہتا

تھا اور لوگ تو ان کے بارے میں بھی بہت کچھ کہتے رہتے تھے۔ اپنی صفائی پیش کرنے کے دوران اجیت سنگھ نے آنجان شمشیر سنگھ کی مثال دی تھی، اس لیے رانی ماں کو مجبوراً اپنے غصے کو ضبط کرنا پڑا۔ اپنے بیٹے شمشیر سنگھ کی بری عادتوں سے رانی ماں انجان نہیں تھی مگر پھر بھی اس نے اپنے آپ کو سمجھا لیا تھا کہ لوگ اس کے بیٹے کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی بڑھا چڑھا کر پیش کرتے رہتے ہیں بالکل اسی طرح یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اجیت سنگھ کے بارے میں انوہا ہیں اس کے کانوں تک پہنچی ہیں وہ سچ نہ ہوں؟

”ناچ گانوں کی محفلیں سجانے کے لیے میرے پاس پیسے بھی کہاں ہیں؟“ اجیت سنگھ نے رانی ماں کے دل سے شکوک مٹانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”پیسوں کی لین دین آپ کے اپنے ہاتھ میں ہے اور جو کام آپ میرے سپرد کرتی ہیں اس کی پائی پائی کا حساب میں آپ کو دے دیتا ہوں۔ ضرورت ہوتی ہے پھر بھی خرچ کے لیے سو بچا اس روپے سے زیادہ نہیں لیتا۔ ایسی حالت میں یہ سارے شوق میں کیسے پورے کر سکتا ہوں؟“

”ٹھیک ہے لیکن ہمارے بارے میں لوگ ایسی باتیں بھیلانے لگیں یہ بھی تو اچھی بات نہیں ہے۔“ رانی ماں نے اشارتاً اسے وارننگ دیتے ہوئے کہا ”اب تمہیں خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اپنی آمدنی کے لیے کوئی چھوٹا موٹا کام کرنا چاہیے اور کسی اچھے گھر کی لڑکی سے شادی کر کے اپنا گھر بسا لینا چاہیے۔“

اجیت سنگھ کو رانی ماں کی یہ بات بہت ہی بری لگی تھی۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ رانی ماں بڑی چالاک سے اسے حویلی سے باہر نکال دینا چاہتی ہے۔ جب ہی تو وہ آمدنی کا کوئی اور ذریعہ ڈھونڈنے کے لیے کہہ رہی ہے اور کسی اچھی لڑکی سے شادی کر کے اپنا گھر بسا لینے کا مشورہ بھی دے رہی ہے۔ وہ دل ہی دل میں ہنسا کہ شاید رانی ماں ابھی تک اجیت سنگھ کو سچا نہیں سکی ہے۔ شمشیر سنگھ کی موت کے وقت اس کے جنگلے کی نیچوری صاف کردی تھی اور اسی کے سہارے وہ اب تک مورچ اڑا رہا تھا لیکن حرام کی یہ دولت اب ختم ہونے پر آچکی تھی اور رانی ماں پھر ہاتھ ڈالنے کا موقع اسے نہیں مل رہا تھا۔

وکرم سنگھ کو اپنی ٹریننگ مکمل کر کے کسی سرحدی چوکی پر بھیج دیا گیا تھا۔ جب سے اس کے بارے میں یہ خبر آئی تھی۔ اجیت سنگھ دن رات بھگوان سے دعائیں کرتا رہتا تھا کہ کسی سرحدی چوکی پر اس کام آجائے تو اس کے راستے کا سب سے بڑا اور آخری کاٹا دور ہو جائے گا اور رانی ماں کے قریبی عزیز کی حیثیت سے وہ درگاہ پور کی جاگیر کا وارث بن جائے گا۔

اس وقت انھیں سب خیالوں میں الجھا ہوا اجیت سنگھ صبح کے اخبار کی سرخیاں بھی دیکھتا جا رہا تھا، اچانک ایک سرخی پر نظر پڑتے ہی وہ چونک پڑا، راجستھان کے خطرناک ڈاکو رام سنگھ کی موت... پولس مقابلے میں کندھے پر لگی ہوئی گولی جان لیوا ثابت ہوئی۔ خبر کے مطابق رام سنگھ کی موت کے بعد اس کے گروہ کی سرداری ڈاکو رانی گنگا نے سنبھال لی تھی گنگا کا نام پڑھتے ہی اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اسے یقین ماہونے لگا کہ اب گنگا ڈاکوؤں کی سردار بن کر وکرم سنگھ اور رانی ماں دونوں سے اپنا انتقام لے گی اور دونوں میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑے گی۔ اس طرح اس کا راستہ آپ ہی آپ صاف ہو جائے گا۔

وہ اخبار لے کر رام سنگھ کی موت کی خوش خبری سنانے رانی ماں کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے قدموں کی آہٹ سن کر رانی ماں اپنے پوجا کے کمرے سے باہر آگئی اور ناراض لہجے میں اجیت سنگھ سے بولی ”تم جانتے ہو اجیت کہ میرے پوجا کا وقت ہے اور میں پوجا کے بعد ہی کسی سے ملتی ہوں۔“

”لیکن رانی ماں میں تو آپ کو خوش خبری سنانے کے لیے یہاں دوڑا آیا ہوں۔“ یہ کہہ کر اجیت سنگھ نے اخبار اس کے سامنے پھیلا دیا۔ ”ڈاکو رام سنگھ ختم ہو گیا رانی ماں!“

”ہوں۔“ رانی ماں ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اپنی خوشی کا اظہار کرنے میں اسے تھوڑی دیر لگ رہی تھی۔ کچھ بھی ہو ڈاکو بننے سے پہلے ٹھاکر رام سنگھ کے درگاہ پور کے ٹھاکر فاندان سے گہرے تعلقات تھے جب وہ شمشیر سنگھ کے باپ سے بیاہ کر اس حویلی میں آئی تھی تب ٹھاکر رام سنگھ نے سب سے پہلے اسے بھائی کہا تھا۔ اس نے اس وقت کہا تھا۔

”سچ کہتا ہوں بھائی میرا بھائی تھا کہ جو اہل سنگھ واقعی خوش نصیب ہے جسے آپ جیسی راجپوت بیوی ملی ہے۔“

لیکن پانچ سال بعد اسی رام سنگھ ٹھاکر نے اپنے بیٹے کی موت کا بدلہ لینے کے لیے اسے ہیوہ بنا دیا تھا، پھر اس نے اس کے بیٹے کو بھی جوان ہونے کے بعد قتل کر دینے کی قسم کھائی تھی اور اس طرح وہ ٹھاکر رام سنگھ سے ڈاکو رام سنگھ بن گیا تھا۔

”رانی ماں! آپ گم صم کیوں ہو گئیں؟“ اجیت نے بے چینی سے پوچھا۔ اسے رانی ماں کی خاموشی کھٹک رہی تھی ”شاید اخبار کی اس خبر پر آپ کو یقین نہیں آ رہا ہے۔“

”ہاں، خبر اچھی ہے۔“ رانی ماں نے اہستہ سے کہا ”رام سنگھ کی موت سے میرے بیٹے وکرم پر سے موت کے بادل ہٹ گئے۔ اب درگاہ پور کے ٹھاکر فاندان کا ناس نہیں ہوگا۔“

”لیکن پھر بھی ہمیں ہوشیار تو رہنا ہی ہوگا۔“ اجیت نے معنی خیر لہجے میں کہا ”خبر کی تفصیل یہ ہے کہ گروہ کی سرداری گنگا نے اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔ رام سنگھ کی بات اور تھی وہ کبھی بھی عورتوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتا تھا لیکن گنگا تو اس سے زیادہ خطرناک ہو چکی ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ ہم لوگوں کے لیے خطرہ اب زیادہ بڑھ گیا ہے۔ خاص کر کے آپ کے لیے۔“ رانی ماں نے اخبار سے نظریں ہٹائیں اور چھت کو گھورنے لگی۔

”مگر رانی ماں ہمیں گنگا سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ اجیت بولا ”ایک بار وہ یہاں آنے کی ہمت تو کرے میں اس سے ٹھاکر شمشیر سنگھ کی موت کا بدلہ لے کر رہوں گا۔ ہمیں حویلی کا انتظام بہتر کرنا ہوگا اور اس کے لیے میں آج ہی لڑاکا چوکیداروں کا انتظام کرتا ہوں۔“

”ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ اب تم جاؤ۔ مجھے پوجا کرنا ہے۔“ رانی ماں نے کہا اور پوجا کے کمرے میں دوبارہ چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھا جنگلے کی طرف اڑا جا رہا تھا، پھر جیسے ہی وہ جنگلے کے پھاٹک پر پہنچا اپنے سامنے دو بیٹھاؤں کو دیکھ کر اس نے گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔ ایک بیٹھاؤں نے اپنے دونوں ہاتھ دعا کے انداز میں بلند کیے اور کہا ”پروردگار! تمہیں سلامت رکھے اور تمہارے دل کی ہر مراد پوری کرے۔ تمہاری عمر دیر ہو۔“

دو بیٹھاؤں کو اپنے آگے جھک کر اور دعائیں دیتے دیکھ کر اجیت کو لگا کہ جیسے وہ سچ سچ ہی پورے ملک کا بادشاہ بن

گیا ہے۔ اس کی آنکھیں اس خوش کن تصویر سے چمکنے لگی تھیں۔ گویاں اور موہن ہنپٹھانوں کے بھیس میں اس کے سامنے کھڑے تھے۔ موہن تو چونکہ گونگا تھا، اس لیے اسے گونگا ہی رہنا تھا اور گویاں ہنپٹھانی لیے میں بات کرنے کا ماہر تھا۔

”کون ہو تم لوگ؟ کہاں سے آئے ہو اور کس سے ملنا ہے تمہیں؟“ اجیت سنگھ نے پوچھا۔

گویاں نے تفصیل سے جواب دیا ”ہم جے پور سے آئے ہیں حضور! ہم وہاں کے ٹھا کرمان سنگھ کے یہاں چوکیداری کیا کرتے تھے لیکن ان کی جاگیر حکومت نے ضبط کر لی ہے اس لیے ہم اپنے پرانے مالک جیسے کسی راجپوت کے یہاں ملازمت کی تلاش میں نکلے ہیں۔ درگاپور کی جاگیر کے کرتادھڑا آپ ہی ہیں اس لیے ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ آپ کی خدمت کر کے ہمیں خوشی ہوگی حضور!“

یہ سن کر اجیت کو اپنی کسی ہوئی بات یاد آگئی تھوڑی دیر پہلے اس نے رانی ماں سے کہا تھا کہ وہ حویلی کے پہرے کو مضبوط بنانے کی کوشش کرے گا اور اب اسے لگ رہا تھا کہ حویلی کی چوکیداری کے لیے مقامی لوگوں کو رکھنے میں خطرہ ہے اس لیے رانی ماں کے خلاف سازش میں یہ انجانے پٹھان ہی اس کے بہتر معاون ثابت ہوں گے... ان پٹھانوں کو دیکھ کر اسے لگا کہ واقعی بھگوان ان دنوں اس پر بڑا مہربان ہے جس نے ان دنوں کو اس کی مدد کے لیے بھیجا ہے۔

”میں تم لوگوں کو چوکیداری کی نوکری نو دے سکتا ہوں لیکن تمہیں وفاداری سے کام کرنا ہوگا“ اجیت سنگھ نے کہا۔

”حضور وفاداری تو پٹھان کے خون میں شامل ہوتی ہے“ گویاں نے جواب دیا۔

اجیت سنگھ کو وفاداری نہیں بلکہ ان سے غداری کرانی تھی وکس سے وفاداری کر دے؟ تنخواہ دینے والے کی یا ملازمت پر رکھنے والے کی؟ اس نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

چالاک گویاں اس کے دل کی بات سمجھ گیا، وہ جواب دیتے ہوئے بولا ”مالک بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ جو ہمیں نوکری دے وہی ہمارا مالک ہوتا ہے... ہمیں تنخواہ کون دیتا ہے اس سے ہمیں کیا غرض؟ یہ غلام آپ کی خاطر اپنی جان دیتے سے بھی گریز نہیں کریں گے“

”اور کسی دوسرے کی جان لینے سے؟“ اجیت سنگھ نے مسکرا کر پوچھا۔

”یہ بات بھی ہمیں منظور ہے“ گویاں سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ اس جواب سے اجیت سنگھ پوری طرح مطمئن ہو گیا ”تمہارا نام“

”خادم کا نام سمندر خان ہے مالک“ گویاں سر جھکا کر بولا۔

”اور تمہارا؟“ اجیت سنگھ نے گونگے موہن سے پوچھا تو وہ صرف ہونٹ ہلا کر رہ گیا، یہ دیکھ کر اجیت سنگھ نے سوالیہ نظروں سے گویاں کی جانب دیکھا۔

گویاں نے کہا ”مالک اس کا نام گل زمان خان ہے اور یہ ہے چار گونگا اور مہرا ہے“

”گو گونگا بھی اور مہرا بھی...؟“ اجیت سنگھ حیرانی سے بڑبڑایا ”ایسی حالت میں اسے نوکری کون دے گا یہ کیا کام کرے گا؟“

”مالک یہ تو مجھ سے بھی زیادہ کام کا آدمی ہے“ گویاں پر جوش آواز میں جلدی سے بولا ”اتوار سے میں یہ سب کچھ سمجھ لیتا ہے“ ایک لمحے کے توقف کے بعد وہ دھیمے اور رازدارانہ لہجے میں بولا ”مالک! یہ کسی کی سچی باتیں سن نہیں سکتا اور اگر اس نے کچھ دیکھا ہو تو اس کی تفصیل بھی کسی کو نہیں بتا سکتا“

اجیت سنگھ کو یہ گونگا اور مہرا بڑے کام کا آدمی محسوس ہوا وہ گویاں سے بولا ”ٹھیک ہے میں اسے نیگے پر رکھ لوں گا... لیکن تمہیں حویلی کی چوکیداری کرنی ہوگی یہ بات یاد رکھنا کہ تمہیں تنخواہ رانی ماں کی طرف سے ملے گی لیکن حکم دو دنوں کو میرا ماننا پڑے گا“

”آپ کا حکم سزا لکھوں پر حضور؟“ گویاں کوشش بجالانے کے انداز میں جھکا مگر وہ دل ہی دل میں اجیت کو گالیاں دے رہا تھا ”یہ ایمان تیری سازش کا سراسر میرے ہاتھ میں آگیا تو دیکھنا اس ایک ایک سلام کی تمہیں کیا قیمت ادا کرنی پڑتی ہے“

گویاں اور موہن اجیت سنگھ کا اعتماد حاصل کر کے حویلی کے پہرے داروں کی صف میں شامل ہو گئے تھے۔ پندرہ دنوں تک کوئی خاص بات نہیں ہوئی تو انھیں کچھ پوریت سی ہونے لگی ویسے اجیت سنگھ کی حرکتوں پر گویاں نے کڑی نگاہ رکھی ہوئی تھی اسے یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ اجیت سنگھ، رانی ماں کے خلاف اپنے دل میں زہر بھرتے ہوئے ہے۔ اس کی مکاری گویاں کی تیز

نگاہوں سے اوجھل نہیں تھی اور نیگے پر چوکیداری کرنے والے گونگے موہن کے کہنے کے مطابق اجیت سنگھ کا ہاتھ آج کل پیسوں سے تنگ رہنے لگا ہے۔ گاؤں کے ایک دوسو غور مارواڑی بیٹھ اکثر تقاضے کے لیے اس کے پاس آتے رہتے تھے لیکن اجیت سنگھ انھیں یہ کہہ کر ٹالتا رہتا تھا کہ بس تھوڑے دن اور ٹھہراؤ، وکرم سنگھ کے آجانے کے بعد رانی ماں آکھ دس گاؤں کی جاگیر میرے نام کرنے والی ہیں۔

پچھلے دنوں ایک مہاجن نے اسے دھمکی دینے ہوئے کہا تھا کہ تمہارے وعدوں سے ہم تنگ چکے ہیں۔ سود کے لالچ میں ہم اپنا اصل بھی کھو دیں یہ ہم سے نہیں ہوگا۔ اب دوسری بار تقاضے کے لیے ہم اس نیگے پر نہیں بلکہ حویلی میں آئیں گے، مہاجن کی دھمکی سن کر اجیت سنگھ سہم گیا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ اب بھوٹے وعدوں سے یہ معاملہ زیادہ دیر تک نہیں ٹلے گا اس لیے مجبوراً اس نے جھوٹی قسم کھا کر مہاجن کو اس بات پر رضامند کر لیا کہ وہ اس کا آخری وعدہ اور مان لے اور اسے چند دنوں کی مہلت اور دے دے جواب میں مہاجن نے اسے صرف آٹھ روز کی مہلت دی تھی اور یہ مدت بھی اب دو روز میں ختم ہونے والی تھی۔

گونگے موہن سے یہ ساری معلومات حاصل کر لینے کے بعد گویاں کو جرات ہو رہی تھی کہ اجیت سنگھ مہاجن سے کیا ہوا وعدہ پورا کرنے کے لیے ابھی تک کوئی انتظام کیوں نہیں کر رہا ہے؟ پھر اسے یہ خیال آیا کہ کہیں اجیت سنگھ نے دل ہی دل میں کوئی منصوبہ گڑھ رکھا ہو، جس کی وہ کسی کو ہوا لگنے دینا نہیں چاہتا ہو؟ اگر وہ چپکے ہی چپکے کچھ کر گزرتا تو؟ مگر اب تک کچھ نہیں ہوا تھا جس کے انتظار میں گویاں اور موہن پوریت محسوس کر رہے تھے۔ ان دنوں میں ایسی کوئی بات ان کے ہاتھ نہیں لگی تھی جس کی اطلاع وہ گنگا کو پہنچانا ضروری سمجھتے۔

اس وقت بھی یہی سوچتا ہوا گویاں حویلی کے پھاٹک پر کھڑا اپنی ڈیوٹی دے رہا تھا۔ اچانک سامنے سے اجیت گھوڑے پر سوار آتا ہوا دکھائی دیا۔ جب وہ اس کے قریب آگیا تو گویاں نے پہلے جھک کر اسے سلام کیا پھر بولا ”مالک! آج کل آپ خوش دکھائی نہیں دیتے۔ کہیں ہمارے کام سے آپ ناخوش تو نہیں ہیں؟“

”نہیں سمندر خان... ابھی تو مجھے اصل کام نہیں سونپنے کا موقع ہی نہیں ملا ہے“ اجیت سنگھ حویلی کی جانب نظر ڈالتا ہوا بولا۔

”رانی ماں اندر ہی ہیں نا؟“ اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہتے سے پوچھا۔

”نہیں وہ ابھی تھوڑی دیر قبل ہی مندر گئی ہیں“ گویاں نے ایک خط اس کے ہاتھ میں تھما دیا ”رانی ماں کے جانے کے بعد ڈاکیا یہ خط دے گیا تھا“

مخصوص فوجی مٹرنگے ہوئے لفافے کو دیکھ کر اجیت سنگھ کی جھنجھکی ہوئی گئی۔ پھر وہ ادھر ادھر دیکھ کر دھیرے سے بولا۔

”سمندر خان! اس لفافے کا علم تمہارے علاوہ کسی اور کو تو نہیں ہے نا؟ اگر ابھی تک کسی کو معلوم نہیں ہے تو تم بھی فی الحال خاموش رہنا، اور ہاں تھوڑی دیر بعد تم میرے پاس آجانا آج میں ایک ضروری کام تمہارے سپرد کروں گا“

گویاں خوش ہو گیا ”حضور کے لیے غلام کی جان بھی حاضر ہے مالک!“

”شاہاش!“ اجیت سنگھ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا حویلی کے ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھ گیا پھر بڑی بے چینی سے اس نے وکرم سنگھ کا خط نکالا اور پڑھنے لگا وکرم سنگھ نے کہا تھا ”ماں جب یہ خط تمہیں ملے گا اس وقت میں سرحد سے دہلی واپس آچکا ہوں گا اگر وہاں مجھے کوئی خاص کام نہیں ہوا تو چند دنوں کی چھٹی لے کر آپ سے ملنے کے لیے آجاؤں گا، دہلی پہنچ کر جب تک میں آپ کو دوسرا خط نہ لکھوں اس وقت تک آپ اس خط کا جواب نہ دیجیے گا۔ میں خیریت سے ہوں میری کوئی فکر نہ کرنا، فقط آپ کا بیٹا وکرم...“

خط پڑھتے ہی اجیت سنگھ کے چہرے کے تاثرات بدل گئے اس نے غصے میں خط کے پڑنے پڑنے کر دیے اور رات پس کدل ہی دل میں بولا ”ایک دن کی تاخیر کرنا بھی آپ خطرے سے خالی نہیں ہے، اگر وکرم کے آنے سے پہلے میں نے رانی ماں کا فیصلہ نہ کیا تو کہیں کا بھی نہیں رہوں گا“

”فرمائیے حضور کیا کام ہے؟“ کمرے میں داخل ہو کر اچانک گویاں نے اسے چونکا دیا ”غلام آپ کا حکم بحالانے کے لیے بے تاب ہے“

اجیت سنگھ نے سراٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور چند لمحوں تک اسے دیکھتا ہی رہا شاید وہ گویاں سے کچھ کہنے میں پہنچا رہا تھا۔ لیکن دوسرے ہی پل اسے مہاجن سے کیا ہوا اپنا وعدہ یاد آگیا وہ جانتا تھا کہ اگر ایک دو روز میں اس نے مہاجن کا

قرضہ ادا نہیں کیا تو وہ شکایت لے کر رانی ماں کے پاس پہنچ جائے گا اور وہ رانی ماں کی نظروں سے گم جائے گا اس خیال کے آتے ہی وہ غم مند سا ہو گیا اور گوپال سے بولا ”دیکھو سمندر خان! تم اس بات کو بھول جاؤ کہ آج کی ڈاک سے رانی ماں کے نام کوئی خط بھی آیا تھا۔“ اتنا کہنے کے بعد اس نے جیب سے ایک دوسرا لفافہ نکالا اور اسے گوپال کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا ”اس کے بدلے رانی ماں کو تم یہ خط دو گے... وہ ابھی تھوڑی ہی دیر میں مندر سے واپس آجائیں گی۔ ان کے آنے کے تھوڑی دیر بعد تمہیں میرے سامنے ان کو یہ خط لاکر دینا ہے تم ان سے کہو کہ کوئی شخص آکر تمہیں یہ لفافہ دے گیا تھا۔ رانی ماں اس خط کو پڑھتے ہی گھبرا جائیں گی۔ تب میں تمہیں حکم دوں گا کہ جلدی جا کر اس آدمی کو پکڑ لاؤ جو تمہیں یہ خط دے گیا ہے... تم میرا حکم سننے ہی بھاگ جانا اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آکر کہنا کہ اس شخص کا کوئی پتا نہیں چلا... سمجھے؟“

”مالک بھلا یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے؟ آپ بالکل بے فکر رہیں یہ تو بے حد آسان کام ہے“ گوپال نے اسے اطمینان دلانے ہوئے کہا۔ ”تو جاؤ جا کر اپنی ڈیوٹی پرمکھڑے ہو جاؤ“ اجیت نے کہا۔ ”ہمارے درمیان یہ جو باتیں ہوئی ہیں اس کے بارے میں کسی کو کچھ پتا نہ چلے“

”وہاں آپ کی مراد پوری کرے“ کہہ کر گوپال نے اس کا دیا ہوا لفافہ اپنے جیکٹ کی جیب میں ڈال لیا اور بولا ”حضور ایک عرض ہے... یہ کام ہو جائے تو غلام کو آدھے دن کی چھٹی درکار ہوگی۔ آج جمعہ ہے، اس لیے پیر صاحب کی مسجد میں جا کر نماز پڑھوں گا اور آپ کے لیے دعا بھی کروں گا۔“

”ٹھیک ہے دوسرے پہلے چلے جانا“ اجیت نے اسے اجازت دیتے ہوئے کہا ”پہلے یہ کام تو ہو جائے دو۔“

جب تک رانی ماں کی بھی مندر سے واپس آتی دکھائی نہیں دی، اس وقت تک گوپال نے بڑی ہوشیاری سے اجیت کا دیا ہوا خط پڑھ لیا تھا۔ اس تحریر کو پڑھنے کے بعد اس کے روپ میں کچھ ایسا ہٹ سی طاری ہو گئی تھی لیکن اسے اس بات کی خوشی بھی تھی کہ یہ کمینڈر آدمی آخر کار ذلالت پر اتر آیا ہے۔

مندر سے واپس آنے کے بعد رانی ماں نے دودھ کا گلاس اٹھانے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا لیکن اچانک گلاس اس

کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر پڑا یہ دیکھ کر ستون کے پیچھے کھڑے ہوئے اجیت سنگھ کو اس بدشگون پر مسرت محسوس ہوئی۔ اسے لگا کہ بھگوان کی کربا سے سب کام اچھا ہو جائے گا۔ اس نے غور سے ستون کے پیچھے سے گوپال کو اشارہ کیا کہ وہ اپنا کام جلدی سے کر ڈالے۔ اشارہ پا کر سمندر خان (گوپال) رانی ماں کے قریب پہنچا تو کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی شاید وہ دکرم سنگھ کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی کئی دنوں سے دکرم کا کوئی خط نہیں آیا تھا۔ اس نے دودھ کے گرنے پر کوئی اثر نہیں لیا تھا۔ بلکہ وہ اپنے دل ہی دل میں دکرم سنگھ سے ناراض تھی۔ اچھی خاصی جائیداد ہونے ہوئے وہ فوج کی ملازمت کے لیے مصر تھا۔ پہلے تو اسے رام سنگھ کے انتقام کا خطرہ لاحق تھا۔ اس خطرے کے ٹل جانے کے بعد اسے لڑائی کی فکر لگی ہوئی تھی۔ اس وقت وہ یہی سوچ رہی تھی کہ وہ آج ہی ارجنٹ ٹیلیگرم دے کر اپنے بیٹے کو اپنے پاس بلا لے گی۔

دفعۃً اس نے نگاہ اٹھائی تو اس نے سمندر خان کو اپنے سامنے خوب کھڑے ہوئے پایا اس کے ہاتھ میں تہہ کیا ہوا لفافہ دیکھ کر اس کی آنکھوں میں ایک چمک سی لہرائی ”کیا کسی کا خط آیا ہے؟“

”نہیں رانی ماں، یہ تو کسی کی چٹھی ہے“ سمندر خان عرف گوپال نے وہ لفافہ رانی ماں کے ہاتھ میں دے دیا ”کوئی آدمی آپ سے ملنا چاہتا ہے... میں اسے پھاٹک پر کھڑے رہنے کا کہہ کر آیا ہوں۔“

حیرت کا اظہار کرتے ہوئے رانی ماں نے وہ لفافہ ہاتھ میں لے لیا اسے حیرت اس بات پر ہو رہی تھی کہ آج تک حویلی میں اس سے ملاقات کے لیے آنے والوں میں سے کسی نے بھی پہلے چٹھی کا سہارا نہیں لیا تھا، لیکن اس چٹھی کو پڑھتے ہی اس کا چہرہ مضطرب ہو گیا۔ ”سمندر خان جلدی جاؤ اور چٹھی لانے والے کو پکڑ لو اسے یہاں سے جانے مت دینا۔“

بوکھلاہٹ کی لڑاکاری کرتا ہوا گوپال کمرے سے باہر نکل گیا۔ عین اسی لمحے اجیت سنگھ کمرے میں داخل ہوا ”کیا ہوا رانی ماں؟“ سمندر خان کو کہاں بھیجا ہے آپ نے؟ آپ کی طبیعت تو... جواب دینے کی بجائے رانی ماں نے چپ چاپ وہ چٹھی اجیت کی جانب بڑھا دی۔ رانی ماں کے کانپنے ہوئے ہاتھ کو

دیکھ کر اجیت سنگھ دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا... لگتا ہے بڑھاپہ اس چٹھی کا خاطر خواہ اثر ہوا ہے لیکن اپنے چہرے سے اس نے اس خوشی کا اظہار نہیں ہونے دیا اور بالکل انجان بن کر وہ اپنی تحریر کو خود ہی پڑھنے لگا... رانی ماں آپ کے بیٹے کی وجہ سے میری بدنامی ہوئی ہے اب اس کا بدلہ چکانے کے لیے آپ تیار رہیں۔ جب تک میں درگا پور میں رہتی تھی، اس وقت تک آپ کو ایک دیوی کی طرح سمجھتی تھی لیکن اپنے آوارہ بیٹے کے عیب ڈھانپنے کے لیے آپ نے میری عزت کا جنازہ نکال دیا مجھے زندہ یا مردہ گرفتار کرنے کے لیے انعام تک مقرر کر دیا۔ مگر میری زندگی برباد کر کے آپ اپنی حویلی میں چین کی نیند نہیں سو سکیں گی میری طرح آپ کو بھی درگا پور چھوڑنا پڑے گا اس چٹھی کے ساتھ میں آپ کو چوبیس گھنٹے کی مہلت دے رہی ہوں اس عرصے میں اگر آپ درگا پور کی حد سے باہر نہیں گئیں تو مجبوراً مجھے آپ کی حویلی کے ساتھ آپ کو بھی ملا کر رکھ کر دینا پڑے گا... یاد رکھیے یہ محض دھمکی نہیں ہے، لنگا ہوکتی ہے وہ کر کے بھی دکھائی ہے۔ خبردار اگر پولس کو خبر کرنے کی کوشش کی تو میں آپ کے دوسرے بیٹے کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گی... ڈاکو رانی لنگا۔“

”ادہ تو لنگا نے دھمکی دے ہی دی“ چٹھی پڑھ کر اجیت نے کہا اور پھر گھبراہٹ کا مظاہرہ کرتا ہوا کمرے سے باہر جاتے ہوئے بولا ”پہلے اس چٹھی لانے والے کو پکڑنا چاہیے، ضرور وہ لنگا کا آدمی ہوگا۔“ اتنا کہہ کر وہ تیزی سے کمرے کے باہر دوڑ گیا، پھر پانچ سات منٹ کے بعد وہ دوبارہ کمرے میں واپس آ گیا، رانی ماں اب بھی کمرے میں گم صم چٹھی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

”چٹھی لانے والا شخص بھاگ گیا رانی ماں!“ اجیت سنگھ نے ہانپتے ہوئے کہا ”وہ گھوڑے پر آیا تھا۔ سمندر خان نے تھوڑی دور تک اس کا پیچھا کیا لیکن وہ اسے پکڑنے میں ناکام رہا۔“

رانی ماں خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ اجیت نے ادھر ادھر دیکھا اور بولا ”عجیب دادا گیری ہے؟ جیسے درگا پور میں لنگا کے باپ کی حکومت ہو۔ جو بیس گھنٹے کے اندر اس نے آپ کو حویلی چھوڑ کر چلے جانے کی دھمکی دی ہے رانی ماں... میرا تو خیال ہے ہمیں پولس کو خبر کر دینی چاہیے۔“

”نہیں اجیت“ رانی ماں ہاتھ اٹھا کر اسے روکتے ہوئے

بولی ”جلد بازی اچھی نہیں ہوتی مجھے تھوڑی دیر سوچ لینے دو۔“ لیکن رانی ماں اس نے ہمیں کچھ سوچنے سمجھنے کا وقت ہی کہاں دیا ہے؟ آپ کو تو پہلے سے اس بات کا ڈر تھا کہ میں لنگا آپ کے بیٹے شمشیر سنگھ کا بدلہ آپ سے ہی لینے نہ آجائے۔ ”لیکن مجھے تو اس کی یہ چٹھی کچھ عجیب سی لگتی ہے۔“ رانی ماں نے اپنے شک کا اظہار کرتے ہوئے کہا ”اگر وہ مجھ سے بدلہ لینا چاہتی ہے تو پھر مجھے درگا پور سے نکل جانے کے لیے کیوں کہہ رہی ہے؟ کیوں حویلی خالی کر دانا چاہتی ہے؟ میں یہاں سے چلی جاؤں تو اسے کیا فائدہ ہوگا یہی بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے؟“ اجیت سنگھ ایک لمحے کو سٹپٹا سا گیا اسے لگا کہ اگر رانی ماں اس نقطے پر سوچنے بیٹھ گئی تو اس کے دل سے جان جانے کا خوف جاتا رہے گا وہ اس نتیجے پر بھی پہنچ سکتی ہے کہ چونکہ لنگا اسے جان سے ماننا نہیں چاہتی اس لیے حویلی چھوڑ کر جانے کی ضرورت نہیں۔ اس خیال کے آتے ہی اجیت نے رانی ماں کو بحث کرنے کا موقع ہی نہیں دیا اس نے فوراً ہی کہا۔ ”اس میں اس کی کوئی چال ہے میرا تو مشورہ ہے ہمیں ہوشیار رہنا چاہیے۔ ڈاکو پھر ڈاکو ہوتا ہے۔“

”لیکن کس طرح؟“ رانی ماں نے ابھی ابھی سی آواز میں کہا ”مجھے تو لگتا ہے کہ ڈر کر بھاگنے کی بجائے ایک بار اس کا سامنا کر لینا چاہیے۔“

”ہمارے ہوتے ہوئے آپ کو اس کا سامنا کرنے کی کیا ضرورت ہے رانی ماں؟“ اجیت سنگھ رانی ماں کے ارادے سے بوکھلا کر بولا ”ہمارے پاس دو ہی راستے ہیں ایک تو یہ کہ آپ کوئی عہدہ کر کے تھوڑے دنوں کے لیے درگا پور سے باہر چلی جائیں اور دوسرا راستہ... یہ چٹھی پولس کو دکھا کر ہمیں ان کی مدد لینا چاہیے۔“

”نہیں... نہیں“ رانی ماں کا یہ انکار اجیت کے اندازے کے عین مطابق تھا ”مجھے کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا ہے جس سے لنگا طیش میں آجائے اور وہ میرے دوسرے بیٹے دکرم سنگھ کی جان لینے پر تیار ہو جائے اس سے تو یہی بہتر ہے کہ میں خود درگا پور چھوڑ کر کہیں چلی جاؤں۔“

”لیکن آپ جائیں گی کہاں؟“ اجیت اس کے ارادے کو اور مضبوط بنانے کی غرض سے بولا ”ہمیں حویلی سے باہر

اس بات کا دکھاوا کرنا چاہیے کہ بہت پہلے سے بنے ہوئے پروگرام کے مطابق آپ کا یہاں سے جانا ہوا ہے... آپ بہت دلوں سے یا تیرا پر جانا چاہتی تھیں کیوں یہ بہانہ کیسا ہے گارانی ماں؟

رانی ماں کو پہلی بار محسوس ہوا کہ اجیت سنگھ ہوشیار اور سمجھدار آدمی بھی ہے اس کی یہ تجویز اچھی تھی۔ لوگوں کو کچھ نہ کچھ تو کہنا ہی تھا لیکن پھر بھی وہ کچھ مطمئن نہیں تھی اس لیے بولی "مگر مہتر کی یا تیرا کے لیے میں درگا پور چھوڑ کر چلی جاؤں اور وہ بھی ہمیشہ کے لیے یہ بات لوگوں کو کیسے ہضم ہوگی؟ کیونکہ گنگا کو یہ چاہی ہے کہ ہمیشہ کے لیے درگا پور سے رخصت ہو جاؤں اور اس کے لیے یا تیرا کا بہانہ کافی نہیں ہے۔" آپ کو ہمیشہ کے لیے جانے کا سوچنا ہی نہیں چاہیے۔

اجیت سنگھ نے گول مول بات کی "وکر سنگھ کے واپس آ جانے کے بعد گنگا کی ہمت نہیں ہوگی کہ وہ اس حویلی کی طرف آکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔ پولیس کو خاطر میں نہ لانے والے ڈاکوؤں کی جان تو ملے ہی ضرور کو دیکھنے ہی نکل جاتی ہے آپ اطمینان رکھیں وکر سنگھ کے آتے ہی سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

اجیت سنگھ کی یہ دلیل رانی ماں کو قائل کر گئی وہ سوچنے لگی کہ وکر سنگھ کی غیر موجودگی میں یہاں رہنے کا خطرہ مول لینے سے بہتر ہے کہ وہ تھوڑے دنوں کے لیے درگا پور سے باہر چلی جائے اور وہاں سے وکر سنگھ کو گنگا کے خطرناک ارادے کی خبر دے دی جائے، تاکہ وہ جلد سے جلد واپس آجائے "تو پھر اجیت میں آج رات کی گاڑی سے ہی روانہ ہو جاتی ہوں... تم میری سیٹ کا انتظام کرو میں ساتھ لے جانے کے لیے ضروری سامان بندھواؤں ہوں" رانی ماں نے کہا۔

"اگر آپ کہیں تو میں آپ کے ساتھ چلوں؟" اجیت سنگھ نے اور پری دل سے پوچھا۔

"نہیں ہم دونوں کے جانے کے بعد حویلی میں کون رہے گا؟ کچھ دنوں تک یہاں کی ذمہ داریاں تم سنبھال لو۔ ذرا دیکھیں تو سہی کہ تم میں کتنی صلاحیت ہے؟" رانی ماں نے اس سے کہا تو وہ دل ہی دل میں مسکراتا ہوا دل ہی دل میں گنگنا یا۔

رانی ماں! مجھ میں کتنی صلاحیت ہے یہ بات تو مہتر اپنے پیچھے سے پہلے ہی تمہیں معلوم ہو جائے گی... تمہارے جانے کے بعد

تو میری قسمت کے بند دروازے کھل جائیں گے جب میں اس حویلی اور اس جاگیر کا مالک بن جاؤں گا تو اپنی جان سے زیادہ اس کی حفاظت کروں گا۔

اسے خاموش دیکھ کر رانی ماں نے ٹوکا "کیا سوچ رہے ہو؟" "میں سوچ رہا ہوں کہ جو ذمہ داری آپ مجھ پر ڈالے جا رہی ہیں وہ گرجہ بہت بڑی ہیں لیکن میں اپنی بھرپور کوشش کروں گا حویلی کی حفاظت کے لیے میں اپنی جان کی بازی لگا دوں گا، لیکن اپنے قیمتی جواہر کا بوجھ آپ مجھ پر نہ ڈالیں، انھیں آپ اپنے ساتھ لیتی جائیں۔"

یہ سن کر رانی ماں فکر مند ہو گئی، وہ سوچ رہی تھی کہ اجیت نے یہ بات کیوں کہی؟ لیکن پھر بھی اس نے اجیت کی ہمت نہ ہانے ہوئے کہا "ہم ایسے قیمتی ہیرے جواہر حویلی میں نہیں رکھتے ہیں؟ اس کی تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"پھر بھی آپ کو اپنے ساتھ زور آور سنگھ کو لے جانا چاہیے" اجیت سنگھ نے یہ مشورہ دے کر اپنا آخری وار ڈکھایا "کسی ایک مرد کو ساتھ ہونا چاہیے رانی ماں! نہ معلوم راستے میں کب کوئی ضرورت آئے اس لیے میں آپ کو کتنی تکلیف ہوگی، آپ فرسٹ کلاس میں ہوں گی اور میں اس کے لیے تیسرے درجے کی سیٹ کا انتظام کروں گا۔"

"ٹھیک ہے" رانی ماں نے اس کے اس مشورے پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

ان کی رضامندی دیکھ کر اجیت سنگھ نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا اس کی آنکھیں کسی اندرونی خوشی سے چمکنے لگی تھیں پھر رانی ماں سے اجازت لے کر جب وہ بیٹے پر جانے کے لیے حویلی سے نکلے دگا تو دل میں دبی ہوئی خوشی اس کے ہونٹوں پر بھڑک رہی تھی۔ اپنی خوشی کے اظہار کے لیے اس نے حویلی کے پھاٹک پر کھڑے ہوئے سمندر خان کو شاباشی دیتے ہوئے کہا۔ "شاباش سمندر خان... تم واقعی پھٹان بچے ہو؟" اس کا کہہ کر اس نے جیب سے دس دس کے دو نوٹ نکالے اور پولا "لو یہ ہیں روپے درگاہ پر جا کر میری طرف سے پھولوں کی چادر چڑھا دینا اور میرے لیے برکت کی دعا کرنا۔"

گوپال نے خوش ہو کر دس دس کے دو نوٹ اس کے ہاتھ سے لے لیے اور سر جھکا کر پولا "ضرور کرے گا صاحب اچھا"

چچہ تو سب کے حق میں دعا کرتا ہے... لیکن جب اجیت سنگھ اس سے رخصت ہو کر آگے بڑھا تو گوپال اس کی پیٹھ پر نظر ڈالتا ہوا دانت پیس کر دل ہی دل میں بڑبڑایا "بد معاش... بتم اپنے بچھائے ہوئے جال میں خود ہی پھنس گئے ہو... تمہاری موت تم سے زیادہ دور نہیں ہے..."

درگا پور اسٹیشن سے جب ٹرین روانہ ہوئی تو رانی ماں نے سکون کا سانس لیا۔ اس کا خیال تھا کہ گنگا کی دھمکی آمیز چٹھی لانے والے شخص نے اگر اسے درگا پور سے جانے دیکھ لیا ہوگا تو یقیناً صبح تک گنگا کو یہ اطلاع مل جائے گی کہ رانی ماں درگا پور سے چلی گئی ہے... لیکن یکایک رانی ماں کے ذہن میں ایک اور خیال نے سراپا ہوا کہ اگر کہیں گنگا کا ساتھ ہی اس ٹرین میں بھی موجود ہوا تو وہ ایسی حالت میں اسے فرسٹ کلاس میں سفر کرنے کا خطرہ نہیں مول لینا چاہیے تھا۔ کیونکہ اسپیشل فرسٹ کلاس میں کیا رٹنٹ اکثر خالی ہوتا ہے یا اس میں اکا دکا ہی مسافر نظر آتے ہیں اور اجیت نے تو لیڈر فرسٹ کلاس میں اس کے لیے سیٹ ریزرو کر کے اس خطرے کو مزید بڑھا دیا تھا۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا؟ ویسے رانی ماں کو زور آور سنگھ کی طرف سے ذرا اطمینان تھا کیونکہ اس نے زور آور سنگھ کو کہہ رکھا تھا کہ ہر اسٹیشن پر پوچھنے کے لیے آجایا کرنا... کیونکہ رات کا سفر ہے اور ایسے میں کوئی اس کپارٹمنٹ میں چڑھ آئے تو کیا ہوگا؟ جب طرح طرح کے خیالوں سے رانی ماں پر گھبراہٹ طاری ہونے لگی تو سوچنے سوچنے اس نے فیصلہ کر لیا کہ اگلے اسٹیشن پر وہ خود ہی اپنا کپارٹمنٹ تبدیل کر لے گی اس کا خیال تھا کہ دروں کے فرسٹ کلاس میں اگر کوئی سیٹ خالی ہوئی تو وہ وہاں بیٹھ جائے گی، کم سے کم تنہائی کا خوف تو نہیں ہوگا... لیکن جب دوسرے ہی اسٹیشن پر رانی ماں نے ایک برقع پوش عورت کو اپنے کپارٹمنٹ میں سوار ہوتے دیکھا تو اپنا پچھلا ارادہ بھول گئی۔ اس نے سوچا "مجھ جیسی راجپوت عورت کو اپنے دل میں کوئی ایسا خوف نہیں رکھنا چاہیے یہ تو بزدلی ہے اور یہ بزدلی ایک راجپوت عورت کی شایان شان نہیں ہے۔ اب اس عورت کے ساتھ ہوگا تو تنہائی کا احساس جاتا رہے گا۔"

اس خیال کے آتے ہی رانی ماں کی ہمت اتنی بڑھ گئی کہ

کچھ پوچھنے کے لیے آئے ہوئے زور آور سنگھ کو اس نے کہہ دیا "اب تم صبح ہی چائے وغیرہ کے لیے پوچھنے کو آنا، رات کو بار بار آنے کی ضرورت نہیں ہے اب مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوگی۔" اگلے اسٹیشن سے بھی ٹرین چل پڑی مگر برقع پوش عورت نے اپنے چہرے پر گرا ہوا نقاب نہیں اٹھایا تو رانی ماں کو اس سے بات کرنے کا موقع مل گیا اس نے کہا "بہن! یہاں ہم دونوں کے سولے کوئی تیسرا آدمی نہیں ہے اس لیے تمہیں پردے کی کیا ضرورت پڑ گئی ہے؟"

یہ سن کر اس برقع پوش عورت نے ناک تک اپنے برقع کو ہٹا دیا پھر مسکرا کر اپنے پاؤں کے موزے اتارے اور دونوں پاؤں اٹھا کر سیٹ پر رکھ لیے اور آرام سے بیٹھ گئی۔ پھر رانی ماں سے بولی "گنگا ہے میری طرح آپ بھی سفر میں اکیلی ہیں؟" "نہیں میرے ساتھ میرا ایک ملازم بھی ہے جو ساتھ والے ڈبے میں ہے" جواب دینے کے بعد رانی ماں کو خیال آیا کہ یہ عورت کسی سامان کے بغیر ہی ڈبے میں آکر بیٹھ گئی ہے اس پر اسے کچھ حیرت سی ہوئی تو اس نے فوراً ہی پوچھ لیا تمہارے پاس کوئی سامان وغیرہ نہیں ہے۔ کیا تم کہیں قریب ہی انزوگی؟ "نہیں مجھے تو اگر تک جانا ہے۔"

"اوہ تب تو صبح تک ہم دونوں کا ساتھ رہے گا" رانی ماں خوش ہو کر بولی "مجھے بھی مہترا جانا ہے" رانی ماں نے اپنا ایک تکیہ اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا اور بولی "لو اسے اپنے سر کے نیچے رکھ لو ذرا آرام ملے گا۔"

"نہیں ماں جی مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے" برقع پوش عورت نے انکار کرتے ہوئے کہا "مجھے سفر میں نیند ہی نہیں آتی بس بیٹھے بیٹھے ہی نیند پوری کر لیتی ہوں۔"

یہ رات رانی ماں کو کچھ عجیب سی لگی اور اس کے دل میں طرح طرح کے شکوک ابھرنے لگے۔ آخر یہ اکیلی عورت ہے کون؟ اس کے ساتھ میں کوئی چھوٹا موٹا سامان بھی نہیں ہے۔ لیڈر فرسٹ کلاس کے کپارٹمنٹ میں سفر کر رہی ہے لیکن چہرے پر اس نے ابھی تک نقاب نہیں ہٹایا، آواز سے تو یہی گنگا ہے کہ اس کی عمر بھی زیادہ نہیں ہے۔ بات چیت سے خاندانی لگتی ہے... کہیں ایسا تو نہیں کہ میں سو جاؤں تو یہ میرا سامان لے کر غائب ہو جائے...؟ شاید یہ چور عورت نہ ہو مجھے اکیلی دیکھ کر



اس ڈبے میں سوار ہو گئی ہو؟ کیا پتا اس کے پاس ٹکٹ بھی ہے یا نہیں؟ اب رانی ماں کو ڈر سا لگنے لگا تھا اسی لیے اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ دونیں اسٹیشن تک سوتے رہنے کا بہانہ کر کے چپ چاپ پڑی رہے گی تاکہ اگر یہ برقع پوش عورت اس کا سامان اٹھانے کی کوشش کرے تو وہ اسے پکڑ سکے۔

لیکن چارپانچ اسٹیشن گزر جانے کے بعد بھی ٹرین اپنی پوری رفتار سے چلتی رہی اور اس عمر سے اس برقع پوش عورت نے کوئی ایسی ویسی حرکت نہیں کی تو رانی ماں خود اپنے آپ کو ملامت کرنے لگی۔ یہ بے چاری بھی میری ہی طرح کسی وجہ سے آگہر جا رہی ہوگی میں تو بے کاری اس کی گڑبگ کرتے ہوئے جاگ رہی ہوں... اس نے خود کو ملامت کی۔

اس برقع پوش عورت کی طرف سے مطمئن ہوتے ہی خود بخود رانی ماں کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں پھر جب ٹرین ساتویں اسٹیشن سے گزر گئی تو اس وقت تک رانی ماں بے فکر ہو کر گہری نیند میں سو چکی تھی۔ برقع پوش عورت ابھی تک جاگ رہی تھی، اس کی آنکھیں یوں تو بند ہی تھیں لیکن ان میں نیند کا دور دورہ دکھائی دیتا تھا اس کے کان برابر کسی کے قدموں کی آہٹ پر لگے ہوئے تھے۔

اور ساتھ والے ڈبے میں زور آور سنگھ بیڑی بھونکتا ہوا ایک ایک گزرتے ہوئے اسٹیشن کو گن رہا تھا کبھی کبھی وہ نیند کو اپنی آنکھوں سے بھگانے کے لیے اپنے ڈبے میں اوجھکتے ہوئے مسافروں پر بھی ایک نظر ڈال لیتا تھا۔

ساتواں اسٹیشن گزر گیا تو وہ اپنے ہاتھ میں چلتی ہوئی بیڑی کو کھڑکی کے باہر پھینک کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور دروازے کے پاس آکر کھڑا ہو گیا، پھر تھوڑی دیر بعد اس نے اس طرح دھیرے سے دروازہ کھولا جیسے ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکوں سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہو۔ اب وہ دروازے کے پاس ہی بیٹھ گیا تھا لیکن تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ گردن نکال کر یہ ضرور دیکھ لیا کرتا تھا کہ ندی کا وہ بڑا پل ابھی کتنی دور ہے؟ پھر جب انجن کی تیز اور لمبی ورس کی آواز اس کی سماعت سے فکرائی تو وہ ہمت کر کے دروازے کے پاس سے اٹھا اور بیڑی ہوشیاری سے پائیدان پر پیرنگا کر دھیرے دھیرے فرسٹ کلاس کے لیٹر پیر کیا ٹرینٹ کے دروازے کی جانب سر کرنے لگا، جب وہ

فرسٹ کلاس کی طرف رینگ رہا تھا اس وقت اس کے کانوں میں صرف ایک ہی آواز گونج رہی تھی اور وہ آواز تھی اجیت سنگھ کی جس نے اسے سمجھانے ہوئے کہا تھا ”زور آور جب ٹرین پل پر سے گزرنے لگے تو تم رانی ماں کو اٹھا کر پل پر سے ندی میں پھینک دینا... بڑھیا کا آخری سفر آگہر ندی کے ٹھنڈے ٹھنڈے پانی میں جا کر ختم ہو تو اس کی آتما بہت سکون محسوس کرے گی“ وہ دھیرے دھیرے سرکتا ہوا فرسٹ کلاس کے پائیدان پر آچکا تھا ٹرین اپنی پوری رفتار سے بھاگ رہی تھی، اس نے سر اٹھا کر کھڑکی سے اندر جھانکا تو اسے رانی ماں اپنے ہاتھ پر گہری نیند میں کوئی ہوئی دکھائی دی۔... دوسری برقعہ پر اسے ایک برقع پوش عورت بھی اٹروں بیٹھی ٹھنڈی ٹھنڈی سر دبائے سوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ ان دونوں عورتوں کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد زور آور سنگھ نے باہر سے بیٹل گھما کر دروازہ کھولنے کی کوشش کی لیکن اپنی اس کوشش میں اسے کامیابی نہیں ہوئی شاید دروازہ اندر سے لاک کر دیا گیا تھا... ایک لمحے کے لیے وہ بوجھل گیا کیونکہ پل اب قریب آتا جا رہا تھا اور پل کے آتے ہی اسے اپنا کام ختم کر لینا تھا اس کے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ اجیت سنگھ نے اسے تاکید کی تھی کہ رانی ماں کی لاش کو اس طرح ندی میں پھینکنا کہ وہ ندی کے بہاؤ کے ساتھ بہتی چلی جائے، تم سے ذرا بھی غفلت ہو گئی تو بار بار ہاتھ سے نکل جائے گی۔

وقت ہاتھ سے نکلا جا رہا تھا۔ زور آور سنگھ نے دروازے پر زور آزمائی کرنے میں وقت ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا اور دروازے کے اوپر والی کھڑکی میں چڑھنے کی کوشش کرنے لگا کھڑکی کی چوکھٹ کو مضبوطی سے پکڑنے کے بعد اس نے اس میں اپنا جسم داخل کرنے کی کوشش کی یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ کھڑکی کا شیشہ بند نہیں تھا ورنہ یہ راستہ بھی اس کے لیے بند ہی ہوتا، اپنا سر اور کندھے کھڑکی کے اندر ڈال کر وہ سر کے بل نیچے جھک گیا، لیکن فرش پر سر کے بل گرنے سے پہلے ہی اس نے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دیے تھے۔ اندر آنے کے بعد اس نے ایک پل کے لیے رک کر اپنی تیز چلتی ہوئی سانسوں کو روکنے کی کوشش کی اور پھر آہستہ آہستہ رانی ماں کی برقعہ کی جانب بڑھنے لگا۔

سوچنے سمجھنے کا وقت اس کے پاس نہیں تھا۔ رانی ماں

کی برقعہ کے پاس آکر اس نے اپنی جیب سے کلوروفارم میں بھیگا ہوا وہ رومال نکالا جو چلتے وقت اجیت سنگھ نے اسے دیا تھا۔ اس نے اجیت سنگھ کی ہدایت کے مطابق وہ رومال جلدی سے رانی ماں کو سونگھا دیا پھر چند لمحوں بعد اس نے رانی ماں کے چہرے پر جھک کر اپنا اطمینان کیا۔ کلوروفارم کا اثر ہو چکا تھا۔ رومال جیب میں رکھ لینے کے بعد اس نے پورے کپار ٹرینٹ کا جائزہ لیا۔ برقع پوش عورت اب بھی ٹھنڈی ٹھنڈی سر دبائے بیٹھ سوتی ہوئی تھی۔ راستہ بالکل صاف تھا اسے رانی ماں کو صرف اپنے ہاتھوں پر اٹھانے کی دیر تھی اس نے آگے بڑھ کر کپار ٹرینٹ کا دروازہ اندر سے کھول دیا پھر باہر جھانک کر دیکھنے لگا پل تقریباً آہی چکا تھا اور چند ہی لمحوں میں ٹرین اس پر سے گزرنے والی تھی ”بس دو ہی منٹ کی دیر ہے“ اس نے دل ہی دل میں سوچا پھر جیسے ہی وہ رانی ماں کے قریب آکر اسے اٹھانے کے لیے جھکا کہ اچانک پیچھے سے کسی نے اس کی گردن دبوچ لی۔ زور آور سنگھ بری طرح چونک کر اچھل پڑا پھر اتنی تیزی سے اس نے گردن گھمائی مجھے گردن میں ہڈی کی جگہ اسپرنگ لگی ہوئی تھی۔ اسے لگا تھا جیسے اسے بھوت نے دبوچ لیا ہے۔ لیکن جیسے ہی اس کی نظر اس برقع پوش عورت کے بے نقاب چہرے پر پڑی تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی چلی گئیں۔ اس کے سامنے گنگا کھڑی تھی جس کی آنکھیں رات کے اندھیرے میں کسی چیتے کی طرح چمک رہی تھیں۔

”نک حرام“ دیکھا گنگا کی آواز اس نے سنی اور اچھوت ہو کر بھی جس تھالی میں کھاتے ہو اسے تھالی کو پھینک دیتے ہو۔

”میں... میں...“

”خاموش رہو“ گنگا زور سے چیخی پھر اس کی زوردار لات زور آور سنگھ کے پیٹ پر پڑی۔ اس اچانک حملے سے بوجھلا کر زور آور سنگھ کے قدم ڈمک گئے اور وہ لڑھکتا ہوا کپار ٹرینٹ کی دوسری دیوار کے پاس جا کر۔ لیکن اس سے پہلے کہ گنگا اس کے پاس آکر دوسری لات اس کے پیٹ میں مارتی وہ پھرتی سے اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور بیڑی تیزی سے اپنی کمر میں اڑسا ہوا فخر نکال لیا۔ گنگا آگے بڑھنے بڑھنے رک گئی پھر چند لمحوں کے لیے دونوں کی خونخوار نگاہیں ایک دوسرے کو گھورتی رہیں شاید زور آور سنگھ اس کا کم زور پہلو ڈھونڈ رہا تھا۔

لیکن گنگا کے ہاتھ میں ریو الوور دیکھ کر اس کے ہوش اڑ گئے۔ گنگا نے ریو الوور اس کی طرف کمرے ہوئے کہا ”بہت زیادہ بہادر بننے کی کوشش مت کرو ورنہ میری انگلی کی ذرا سی جنبش تمہیں ہمیشہ کے لیے خاموش کر دے گی“

دفعۃً پل پر گزرنے کی مخصوص آواز ٹرین کے پہیوں سے خارج ہونے لگی ایک سیکنڈ کے لیے گنگا کی توجہ زور آور سنگھ سے ہٹ گئی اور برقعہ پر بے ہوش پڑی ہوئی رانی ماں کو دیکھنے لگی۔ اسی لمحے کا فائدہ اٹھا کر زور آور سنگھ اپنی جان بچانے کے لیے کھلے ہوئے دروازے کی طرف سرک گیا، اس کا ارادہ تھا کہ وہ گنگا کے گولی چلانے سے پہلے ہی نکلنا ہوا دوسرے ڈبے تک پہنچ جائے گا لیکن دوسرے ڈبے تک پہنچنے کی جلدی میں اس نے گنگا کا ایک کارتوس ضائع ہونے سے بچا لیا۔

”بھوش میں آئی ہوئی ندی کو قربانی کی ضرورت ہوتی ہے... لیکن یہ قربانی، رانی ماں جیسی نیک اور رحم دل عورت کی نہیں ہو سکتی۔ اسے تو تیری طرح کم ذات لوگوں کے لہو کی ضرورت ہے۔“ گنگا نے بلند آواز سے کہا اور دروازے کا بیٹل پکڑ کر بھاگتے ہوئے زور آور سنگھ کے پیٹ پر پوری طاقت سے لات ماری۔

”آہ...“ زور آور سنگھ کی بھیاںک چیخ رات کے سناٹے میں ابھری اور ٹرین کی زوردار آواز میں دب کر رہ گئی۔ اس کا جسم فضا میں قلابانیاں کھاتا ہوا تیزی سے نیچے کی طرف جا رہا تھا۔ ندی کے پانی میں ہونے والے دھماکے کی آواز بھی ٹرین کے شور میں دب چکی تھی۔ ٹرین پل پار کر کے اپنی مخصوص رفتار سے آگے بڑھ رہی تھی۔

اچانک گنگا نے زنجیر کھینچ کر انجن کے ڈرائیور کو ٹرین کی رفتار کم کرنے پر مجبور کر دیا۔ ٹرین کی رفتار دھیرے دھیرے کم ہوتی گئی تو اس نے گردن نکال کر باہر جھانکا۔ گاڑی رک گئی اس کے سامنے پہلے سے طے کیے ہوئے پروگرام کے مطابق اپنی جگہ پر بالکل تیار کھڑے تھے۔ گنگا نے ہاتھ کے اشارے سے دو آدمیوں کو اپنے پاس بلایا اس درمیان آگے کھڑے ہوئے اس کے دو ساتھی انجن پر چڑھ چکے تھے اور پیچھے کھڑے ہوئے دو ساتھیوں نے گارڈ کو بروقت دیکھا کہ اسے خاموش رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ظہرین صرف پانچ منٹ کے لیے ہی روکی گئی تھی اتنی دیر میں گنگا اور اس کے ساتھی بے ہوش رانی ماں کو اٹھائے ہوئے اندھیرے میں ندی کے کنارے کی جانب روانہ ہو گئے تھے۔ ظہرین جب دوبارہ چلنے لگی تو فیڈ میں سوئے ہوئے بہت سے مسافروں کو یہ معلوم ہی نہیں ہوا کہ اس پانچ منٹ میں کیا ہو گیا ہے؟



درگا پور کے ٹھا کر کی عظیم الشان حویلی کے ایک شاندار بیڈروم میں اجیت سنگھ ایک آرام دہ پلنگ پر اس طرح لیٹا ہوا تھا جیسے وہ اس حویلی اور درگا پور کی جاگیر کا مالک ہو۔ خوشی کے مارے اسے نیند نہیں آتی تھی وہ کروٹیں بدلتا رہا تھا اور آنے والی خوشگوار زندگی کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ نیند نہ آنے کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ وہ یہ کہ آنے والی خوشگوار زندگی کی حسین یادوں کے ساتھ ایک منظر ایسا بھی تھا جو بار بار اس کی نگاہوں میں ابھر آتا تھا۔ وہ تصویر کی آنکھ سے دیکھ رہا تھا کہ زور اور سنگھ رات کے اندھیرے میں چلتی ٹرین کے تیرے درجے کے ڈبے سے نکل کر سرکنا ہوا رانی ماں کے کپار ٹنٹ میں داخل ہو گیا ہے۔ پھر اس نے ہوشیاری سے رانی ماں کے ناک پر کلوروفارم میں بھیجا ہوا رو مال بھی رکھ دیا۔ اور وہ پل پر سے ٹرین کے گزرنے کی راہ دیکھ رہا ہے۔ بخیر پڑی ہی دیر میں پل کے قریب آگیا پھر ندی کا پانی بھی دکھائی دینے لگا، اس نے دیکھا زور اور سنگھ نے جھک کر رانی ماں کے بے ہوش جسم پر اپنے دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیا ہے۔ اب وہ رانی ماں کو اٹھا کر کپار ٹنٹ کے کھلے ہوئے دروازے پر آکر کھڑا ہو چکا ہے۔ پھر ظہرین جیسے ہی پل کے درمیان پہنچی۔ زور اور سنگھ نے درگا پور کی ٹھکان کو ندی میں پھینک دیا۔ اجیت سنگھ نے تصویریں دیکھا، زور اور سنگھ نے بڑی ہوشیاری سے اپنا کام انجام دے دیا تھا۔ نہ جانے کتنا وقت وہ تصویرات کی دنیا میں کھویا رہا اسے شاید ایسی باتیں سوچنے میں ملا آ رہا تھا کہ کبھی تو وہ سوچتا کہ اگر زور اور سنگھ کی جگہ وہ خود ہوتا تو یہ نیک کام کرنے میں اسے کتنی خوشی ہوتی؟ اسے اس بات کا انسوس بھی ہو رہا تھا کہ وہ اپنی خوشی کے اظہار کے لیے اس وقت شراب کی محفل نہیں جما سکتا تھا۔ شراب کی خواہش تو اسے ہو رہی تھی لیکن پہلی بار اس نے اس خواہش کو اپنے اندر ہی دبا رکھا تھا، اس کا خیال

تھا کہ صبح تک رانی ماں کی موت کی اطلاع درگا پور پہنچ جائے گی اور تب پولس بھی تفتیش کے لیے حویلی میں آجائے گی۔ پھر پولس افسران اس سے سوالات کرنے لگیں گے ایسی حالت میں اگر وہ شراب کے نشے میں چور رہا تو ان کے سوالوں کے جواب دینے میں اس کی زبان بڑکھڑا بھی سکتی ہے۔ اسی لیے احتیاطاً اسے صرف ایک رات کے لیے خود کو شراب سے دور رکھنا تھا۔ وہ دل ہی دل میں اپنے آپ سے کہہ رہا تھا۔ صرف ایک رات کی ہی تو بات ہے پھر تو زندگی بھر جی بھر کر بننا ہی ہے۔ رانی ماں کا خزانہ اب کس کے کام آئے گا؟ مگر کبھی کبھی اسے زور اور سنگھ کا خیال بھی آجاتا۔ زور اور سنگھ نگڑے انعام کی لالچ میں بہرہ جرم کرنے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ زور اور سنگھ کی یاد آتے ہی اس کی نیت بدلتے لگی اور وہ سوچنے لگتا کہ زور اور سنگھ کے سامنے اسے مکاری سے پیش آنا ہو گا۔ کیونکہ ایسے آدمی کے زندہ رہنے سے خود اس کی زندگی کو خطرہ تھا اور شاید اسی لیے اس نے زور اور سنگھ سے کہہ رکھا تھا کہ کام ختم کرنے کے بعد رات کے اندھیرے میں چپ چاپ بنگلے پر آکر اپنا انعام لے جانا۔ میں تمہیں خوش کر دوں گا۔ اور جب تک زور اور سنگھ کی سمجھ میں اس کی بات آئے اس وقت تک تو وہ بھی رانی ماں کے پاس پہنچ جائے گا۔

اجیت سنگھ پوری رات انہیں سب خیالات میں الجھا رہا، لیکن نیند سے بھاری ہوتی ہوئی پلکیں صبح ہونے ہی بند ہونے لگیں تھیں۔ ابھی اسے جھپکی لگی ہی تھی کہ اچانک بیٹھان چوکیدار نے کمرے کے دروازے پر دستک دے کر اسے چوڑکا دیا۔ دستک کے ساتھ ہی اسے سمندر خان کی آواز سنائی دی۔

”حضور دروازہ کھولے، پولس انسپکٹر آپ سے ملنا آئے ہیں۔“ پولس انسپکٹر کا نام سنتے ہی اجیت سنگھ اچھل کر کھڑا ہو گیا اسے حیرت ہو رہی تھی کہ ابھی صبح کا اجالا پوری طرح پھیلا بھی نہیں ہے اور رانی ماں کی موت کی خبر درگا پور تک پہنچ گئی؟ اس نے نیچے بیٹھے ہوئے پولس انسپکٹر کا سامنا کرنے کے لیے خود کو جلدی تیار کر لیا۔

”آئیے آئیے، انسپکٹر صاحب!“ نیچے آکر وہ انسپکٹر کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا ”صبح ہی صبح کیسے تکلیف کی؟“ انسپکٹر بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے گھبر لہجے میں

کہا ”اجیت سنگھ! میں ایک انتہائی ضروری کام سے یہاں آیا ہوں مجھے رانی ماں...“

”رانی ماں تو متھر آگئی ہیں؟“ اجیت سنگھ جلدی سے انسپکٹر کی بات کا طعنے ہوئے بولا ”کل رات ہی وہ سفر پر روانہ ہوئی ہیں؟“ ”متھر؟“ انسپکٹر حیرت سے بولا ”بالکل اچانک وہ یاत्रا کے لیے روانہ ہو گئیں اور وہ بھی تنہا؟“

”نہیں انسپکٹر! ان کا یہ پروگرام بالکل اچانک نہیں بنا تھا۔“ اجیت سنگھ نے نہایت سکون سے جواب دیا ”تین چار روز قبل وکرم سنگھ کا خط آیا تھا اس نے خط میں لکھا تھا کہ سرحد پر اپنی ذمے داری پوری کر کے وہ بہ خیریت دہلی واپس جانے والا ہے اس کی خیریت کی اطلاع پا کر رانی ماں کی بے چینی دور ہو گئی اور انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ ورنہ جب تک وکرم سنگھ کا خط نہیں آیا تھا انہیں اس کی فکر لگی ہوئی تھی۔ اس درمیان انہوں نے وکرم سنگھ کی سلامتی کے لیے متھر جانے کی منت مان رکھی تھی۔ جب اس کی خیریت کی خبر مل گئی تو منت پوری کرنے کے لیے انہوں نے یاत्रا پر جانے کا فیصلہ کر لیا تاکہ وہاں جا کر وہ جگوان کے درشن کر سکیں۔ کہ ان کا بیٹا سرحد سے صحیح سلامت واپس آگیا ہے۔“ چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ دھیمے لہجے میں دوبارہ بولا ”ویسے اس سفر پر رانی ماں اکیلی نہیں گئی ہیں۔ حویلی کا پرانا ملازم زور اور سنگھ بھی ان کے ساتھ گیا ہے۔“

”وہی جو تیسرے درجے میں سفر کر رہا تھا؟“ انسپکٹر نے پوچھا۔ اس کا سوال سن کر اجیت سنگھ کی ریشہ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ ”ہاں وہی زور اور سنگھ۔۔۔ مگر...“ وہ اتنا ہی کہہ سکا تھا۔

”میں اسی لیے آیا ہوں،“ پولس انسپکٹر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا ”بڑی انسوس ناک خبر ہے۔“

اجیت سنگھ کے چہرے پر مسرت پھوٹنے لگی حالانکہ اس نے دبانے کی بہت کوشش کی تھی۔ رانی ماں کی موت کی خبر انسوس ناک نہیں تھی یہ خبر تو اس کے لیے خوشی کی خبر تھی تاہم پھر بھی اس نے جیسے تیسے کر کے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے کہا ”جناب! آپ نے میرے دل کی دھڑکن تیز کر دی ہے۔ کہیں رانی ماں کے ساتھ کوئی حادثہ تو...“

”ابھی ایک گھنٹا قبل بہ ذریعہ وائریس ہمیں اطلاع ملی

ہے کہ آپ کے ملازم زور اور سنگھ کی لاش پل کے نیچے پائی گئی ہے۔“ انسپکٹر ایک بار پھر اس کی بات درمیان میں کاٹ کر بولا۔ ”اس کی شناخت کے لیے آپ کو میرے ساتھ چلنا پڑے گا۔“

”زور اور کی لاش؟“ اجیت سنگھ نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس کی ٹانگیں یک دم کانپنے لگیں ”لیکن مجھے تو رانی ماں کی فکر ہو رہی ہے، وہ تو ٹھیک ہیں نا؟“ ”ہمارے ذرائع کے مطابق انہیں گنگا ڈاکو اٹھا کر لے گئی ہے۔“

”کیا کہا؟ گنگا ڈاکو...؟“ اجیت سنگھ کو اپنے پاؤں کے نیچے سے زمین نہکتی ہوئی محسوس ہوئی ”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں انسپکٹر صاحب! اگر واقعی انہیں گنگا اٹھا کر لے گئی ہے تو وہ انہیں زندہ نہیں چھوڑے گی۔ اسی کے خوف سے تو بے چاری رانی ماں یاत्रا کا یہاں نہ کر کے حویلی خالی کر گئی تھیں۔“ یہ سن کر انسپکٹر کے ماتھے پر بل پڑ گئے اور اس کی آنکھوں میں ایک ساتھ کئی سوالات چلنے لگے پھر یکایک اس کا لہجہ سخت ہو گیا ”اجیت سنگھ! ابھی تو آپ نے کہا تھا کہ رانی ماں اپنی منت پوری کرنے کے لیے متھر کے سفر پر روانہ ہوئی تھیں۔ اور اب آپ ایک دوسری ہی بات کر رہے ہیں... ایسے حالات میں پولس سے سچی بات چھپانا جرم سمجھا جاتا ہے۔“

پولس انسپکٹر کے سخت لہجے سے اجیت سنگھ کے پسینے چھوٹ گئے وہ بوکھلا کر بولا ”جناب میں نے تو رانی ماں سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ گنگا کی دھکی والا خط پولس کے حوالے کر دیا جائے... اس کی دھکی سے ڈر کر آپ کو بھاگنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن میری بات وہ مانتیں تب نا؟ انہوں نے مجھے منع کیا تھا کہ میں گنگا کی دی ہوئی دھکی کے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتاؤں۔“ کہہ کر اجیت سنگھ نے اندر کے کمرے میں جانے کے لیے قدم اٹھا گئے ”ایک منٹ بیٹھیں، میں گنگا کی وہ چھٹی لے کر ابھی آتا ہوں۔“

دوسرے کمرے میں آکر اجیت سنگھ کو دو منٹ کی تنہائی ملی تو وہ ہاتھ سے نکلتی ہوئی بازی پر غور کرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس نے تو گنگا کی طرف سے ایک نقلی خط لکھا تھا، لیکن وہ تو سچ سچ ہی رانی ماں کو اٹھا لے گئی۔ کہیں ایسا تو نہیں کر لائی ماں کی موت زور اور سنگھ کی بجائے گنگا کے ہاتھوں لکھی ہوئی

ہو، واقعی اگر گنگا، رانی ماں کا کام تمام کر دے تو بہت ہی اچھا ہو۔۔۔ اسے تو صرف رانی ماں کی موت سے دلچسپی تھی۔ چاہے وہ زور آور کے ہاتھوں مرنے یا گنگا کے ہاتھوں۔ اسے اس کی کیا پروا تھی؟ اور اب تو بڑی ہوشیاری سے اس معاملے کو سمجھنا تھا۔ ان سب باتوں پر ابھی طرح غور کرنے کے بعد وہ گنگا کی نقلی چٹھی لے کر پولس انسپکٹر کے کمرے میں آ گیا۔ نقلی چٹھی کو پڑھنے کے بعد انسپکٹر کے چہرے پر فکر و تردید کی ہرچھٹکیاں پھیل گئیں اور وہ سخت لہجے میں بولا ”بڑے انسپکٹر کی بات ہے اجیت سنگھ کہ اتنی اہم چٹھی پولس سے چھپا کر آپ نے بے وقوفی کا ثبوت دیا ہے۔ ہمیں اس کے بارے میں اگر آپ پہلے سے بتا دیتے تو آج صورت حال مختلف ہوتی۔ رانی ماں غیریت سے ہوتیں اور گنگا پولس کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس چکی ہوتی۔“

”لیکن یہ سب ہوا کیسے؟“ اجیت سنگھ کے صبر کا پیمانہ چھٹک پڑا۔ ”اگر آپ تھوڑا وقت دیں تو میں آپ کے لیے چائے ناشتا منگواتا ہوں۔“

”نہیں، اس وقت چائے وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی یہ اطمینان سے بیٹھنے کا وقت ہے۔ بس آپ فوراً میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو جائیں کیونکہ ہمیں پورے ڈیڑھ سو میل کا سفر طے کرنا ہے۔“ اتنا کہہ کر پولس انسپکٹر نے گنگا کی اس نقلی چٹھی کو تہہ کر کے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ یہ دیکھ کر فوراً اجیت سنگھ کو کپڑے تبدیل کرنے کے لیے ایک ہار پھراپنے کمرے میں جانا پڑا۔ جلدی جلدی کپڑے بدلنے کے بعد وہ پولس انسپکٹر کی جیب میں آکر بیٹھ گیا اور جیب حوصلی سے روانہ ہو گئی۔

2

رانی ماں کو بے ہوشی کی حالت میں چلتی ٹرین سے اٹھا کر رام پور لے آیا گیا تھا، گنگا نے رام پور کے کم آبادی والے علاقے کا انتخاب کر کے وہاں کے ایک محفوظ مکان میں رانی ماں کو رکھا تھا۔۔۔ رانی ماں ایک چارپائی پر بے ہوش پڑی تھی اور گنگا اس کے قریب بیٹھی اس کے ہوش میں آنے کی منتظر تھی اس درمیان اسے رانی ماں کی طویل بے ہوشی کو دیکھ کر یہ خیال آیا تھا کہ وہ کسی کو بھیج کر ڈاکٹر درگیش کو یہاں بلوائے۔۔۔ اسے ڈر تھا کہ یہ طویل بے ہوشی رانی ماں کو کچھ ہو گیا تو اس

کی بچھائی ہوئی بازی الٹ چلے گی۔۔۔ لیکن درگیش کو بلوانے میں اسے خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ پہلے تو اسے درگیش کی ناراضگی کا ہی سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ وہ اس سے پوچھے گا کہ وہ اس طرح رانی ماں کو اٹھا کر یہاں کیوں لائی ہے؟ وہ تو میری سمجھ کا کہ میں انتقام لینے کے جنون میں عورت سے جلا دہن گئی ہوں۔۔۔ یہ ساری باتیں سوچنے کے بعد اس نے درگیش کو فوراً ہی بلانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا اب اس کا خیال تھا کہ صبح تک رانی ماں کے ہوش میں آنے کا انتظار کر لیا جائے اگر صبح تک بھی ہوش نہ آیا تو درگیش کو بلا لیا جائے گا۔ وہ پوری طرح بھیس بدل کر اس وقت رانی ماں کے قریب بیٹھی تھی تاکہ اگر اچانک رانی ماں ہوش میں آجائے تو اسے وہ پہچان نہ سکے۔ اس نے اپنے تمام ساتھیوں کو اپنے اڈے پر روانہ کر دیا تھا، صرف گنگا کو وہاں موجود تھا جو گھر کی چوکیداری کے لیے رہ گیا تھا۔ گنگا کا خیال تھا کہ صبح کا احوال پچھلتے ہی وہ یہاں سے روانہ ہو کر اپنے اڈے پر پہنچ جائے گی لیکن رانی ماں کی بے ہوشی ختم ہونے میں دیر ہوتی جا رہی تھی اس لیے ساری رات کی تھکی ہوئی گنگا کو اب بیٹھ بیٹھ نیند آنے لگی تھی۔

”میں۔۔۔ میں کہاں ہوں؟“ یکایک رانی ماں کی آواز اسے بہت دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی وہ چونک کر رانی ماں کی طرف دیکھنے لگی رانی ماں کے جسم میں ہلکی ہلکی لرزش پیدا ہو رہی تھی۔ ہڈی ہڈیوں کو کھولتے ہوئے وہ بولی ”متھرا ابھی کتنی دور ہے؟“

گنگا نے دھیرے سے اپنا ہاتھ رانی ماں کی پیشانی پر رکھ دیا، ایک اجنبی نوجوان کو اپنے سامنے بیٹھا دیکھ کر وہ چونک پڑی۔ گنگا نے مسکراتے ہوئے کہا ”آپ اس وقت ٹرین میں نہیں ہیں۔۔۔ بلکہ اس وقت آپ میری مہمان ہیں۔“

رانی ماں نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر چارپائی پر بیٹھنے کی کوشش کی۔ گنگا نے اس کے شانے پر رکھ کر اسے بیٹھنے سے روکتے ہوئے کہا ”نہیں ابھی آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔“

باریک باریک مونچھوں والے اس اجنبی نوجوان کے لہجے میں ہمدردی کی جھلک تھی رانی ماں بھلا یہ کیسے برداشت

کر سکتی تھی کہ کوئی نوجوان اس کے جسم کو ہاتھ بھی لگائے؟ اسے اس اجنبی نوجوان کا یہ انداز ذرا کھٹک گیا ”تم کون ہو اور یہ گھر کس کا ہے؟ تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟“ رانی ماں نے اپنے مخصوص بار عیب آواز میں پوچھا۔

یہ سن کر گنگا تھوڑی دیر تک اس طرح رانی ماں کو دیکھتی رہی جیسے وہ اس بات کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی ہو کہ کہیں رانی ماں نے اسے گنگا کی حیثیت سے پہچان تو نہیں لیا ہے؟ لیکن جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ اسے پہچان نہیں کی ہے تو اس نے دھیرے سے کہا ”میں آپ سے سب سمجھ کر دوں گا رانی ماں۔“

”تو کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟“ رانی ماں اپنا نام سن کر چونک پڑی۔

”بھلا درگا پوری ٹھکان کو کون نہیں پہچانتے گا؟“ گنگا دھیرے سے ہنس کر بولی ”آپ کو پہچان گیا تھا جب ہی تو آپ کی جان بچا کر میں آپ کو یہاں اٹھا لایا ہوں۔“

”میری جان بچا کر؟“ رانی ماں کی آنکھوں میں بے یقینی کی جھلک تھی ”میں تو بالکل صحیح سلامت بائراکے لیے جا رہی تھی۔“ ”ٹھیک ہے لیکن چلتی ٹرین میں آپ کے دشمن نے آپ کی جان لینے کی کوشش کی تھی اور یہ محض اتفاق تھا کہ میں اس وقت وہاں موجود تھا۔ اور پھر میں موت کے منہ سے آپ کو نکال لانے میں کامیاب ہو سکا ہوں۔“ گنگا نے مردانہ آواز میں کہا۔

”میرا دشمن کون ہے؟“ رانی ماں کو جیسے اس نوجوان کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگر اس نوجوان کی بات سچ ہے تو کیا گنگا نے ٹرین پر بھی میری ٹکرانی کی ہوگی؟ میں نے تو اس کی دھمکی سے ڈر کر حوصلی چھوڑ دی تھی مگر اس کے باوجود اس ڈاکو عورت نے میری جان لینے کی کوشش کی؟ ”آپ کیا سوچتے لگیں رانی ماں؟“ اسے خاموش دیکھ کر گنگا نے پوچھا۔

”میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔“ رانی ماں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ”یہ بتاؤ کہ یہ گھر کس کا ہے؟ تم کون ہو؟ اور میری جان بچانے میں تمھارا کیا مقصد ہے؟“

گنگا ہونٹوں ہی ہونٹوں میں مسکرا دی اسے لگا کہ مردانہ لباس میں ہونے کے باوجود رانی ماں نے اس کی آواز سے اس

کی اصلیت کا اندازہ لگا لیا ہے جب ہی تو وہ اپنا شک دور کرنے کے لیے بار بار پوچھ رہی ہے کہ تم کون ہو؟ لیکن ان سب باتوں کے باوجود گنگا جانتی تھی کہ رانی ماں کو اصل حقیقت سے آگاہ کر دینے کے لیے یہ وقت مناسب نہیں ہے۔ اس نے کہا ”میں جانتا ہوں آپ جلد سے جلد سب سمجھ جائیں گے۔“ بے تاب ہو رہی ہیں۔ میں آپ کی بے چینی سمجھ سکتا ہوں۔“ گنگا نے اپنی آواز کو بھاری بنانے کی کوشش کی ”آپ کی تمام آنکھوں کا حل صرف تین روز میں آپ کے سامنے آجائے گا اور اس وقت تک آپ کو یہاں اطمینان سے رہنا پڑے گا۔ باہر یہ خبر پھیل چکی ہے کہ آپ کو گنگا ڈاکو اٹھا کر لے گئی ہے۔ پچھلے عرصے تک یہاں چھپ کر رہتے ہیں ہی آپ کی بہتری ہے۔“ گنگا کا نام سنتے ہی رانی ماں کے چہرے کا رنگ بدل گیا، ویسے اب وہ دل ہی دل میں اس بات پر پچھتا رہی تھی کہ وہ بے کار ہی گنگا کی دھمکی سے ڈر کر بھاگ آئی ہے، بہتر تو یہ تھا کہ وہ گنگا کی دھمکی آمیز چٹھی کو پولس کے حوالے کر دیتی۔ اور پولس کے مشورے پر ہی عمل کرتی ”آخر گنگا میرے پیچھے کیوں پڑ گئی ہے؟“ سوچتے سوچتے اچانک اس نے پوچھا۔ ”کیا تم نے مجھے کوئی ڈھک بھوک عورت سمجھ لیا ہے؟ کچھ بھی ہو میں ایک راجپوت عورت ہوں۔ ایک بار اگر وہ میرے سامنے آکر کھڑی ہو جائے تو میں۔۔۔“ کہتے کہتے رانی ماں رک گئی۔

اس کا غصہ دیکھ کر گنگا دل ہی دل میں مسکراتے لگی اس کا جی چاہا کہ وہ صاف لہجے میں بتا دے کہ گنگا اس وقت آپ کے سامنے ہی بیٹھی ہے۔ لیکن یہ بات کہنے کی بجائے اس نے رانی ماں سے پوچھا ”اگر میں گنگا کو آپ کے سامنے لا کر کھڑا کر دوں تو آپ اس سے کیا کہیں گی؟“

”میں اس سے پوچھوں گی کہ میں نے تمھارا کیا بگاڑا ہے؟ تم نے میرے ایک بیٹے کا خون تو پی لیا ہے پھر بھی تمھارا پیٹ نہیں بھرا؟“ رانی ماں کی یہ بات سن کر گنگا چپ ہو گئی۔ اس کا دل چاہا کہ وہ اپنے مردانہ کپڑے اتار کر اپنے آپ کو ظاہر کر دے لیکن کسی ثبوت کے بغیر رانی ماں کے دل سے شکوک دور نہیں ہو سکتے تھے اس لیے اس نے اس گفتگو کو ہمیں ختم کر دینے کا فیصلہ کیا وہ بولی ”اچھی بات ہے رانی ماں اب میں آپ سے اجازت

لینا ہوں، اتنا کہ کروہ کھڑی ہو گئی تب اچانک رانی ماں کو لگا کہ اس نوجوان کے جانے کے بعد تو وہ اس گھر میں اکیلی رہ جائے گی، تنہا رہ جانے کے لحاظ سے اس کے چہرے کا رنگ بھیکا پڑ گیا لیکن گنگا اس کی الجھن کو بھانپ سچی اور رانی ماں کے کچھ کہنے سے پہلے ہی بول پڑی ”گھر میں میرا ایک ملازم بنسی موجود ہے آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی اور نہ ہی کسی کو یہ معلوم ہوگا کہ آپ یہاں موجود ہیں بس آپ گھر سے باہر نکلنے کی کوشش مت کیجیے گا کیونکہ اس میں آپ ہی کی جان کو خطرہ ہے آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بے دھڑک آپ بنسی سے منگو الیں“ اتنا کہ گنگا تھوڑی دیر تک اس طرح کھڑی رہی جیسے وہ رانی ماں کی اجازت کی منتظر ہو۔

رانی ماں کو اس نوجوان کے آداب و اخلاق سے ابھی تک کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی۔ لیکن یہ نوجوان اسے کچھ بڑا سا لگ رہا تھا۔ چاہئے کے باوجود رانی ماں اس سے یہ سوچ کر محبت نہ کر سکی کہ ممکن ہو اس نوجوان کے دل میں کوئی پاپ نہ ہو اور واقعی وہ میرا ہمدرد ہو اس خیال کے لئے ہی اس نے محبت کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور بولی ”تم میرا ایک کام کرو گے؟“

”کیا؟“ گنگا نے مردانہ آواز میں پوچھا۔

”میرے بے پناہ ہونے کی خبر جب میرے بیٹے دکر تک پہنچے گی تو وہ پریشان ہو جائے گا۔ میں نے نہیں چاہی کہ اسے کوئی ذہنی صدمہ پہنچے۔ جیسے بھی ممکن ہو تم اس تک یہ خبر پہنچا دو میں بالکل صبح سلامت اور خیریت سے ہوں۔“

یہ سن کر گنگا کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی وہ سوچ رہی تھی کہ اس میں رانی ماں کی کوئی عیال الکی تو نہیں ہے؟ کہیں وہ اسے پھنسانا تو نہیں چاہتی؟ ممکن ہو رانی ماں کو یہ شک ہو گیا ہو کہ میں ہی گنگا ہوں... لیکن اس شک کو گنگا نے فوراً ہی ذہن سے جھٹک دیا وہ اپنی رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔

”ٹھیک ہے، آپ مجھے اپنے بیٹے کا پتا لکھ دیں میں اسے ٹیلیگرام کر دوں گا۔“

”دکر منگھ کا پتا؟“ رانی ماں نے اسے اس میں چاروں طرف نظریں دوڑانے لگی ”میرا سامان تم نے کہاں رکھ دیا ہے؟“

”آپ کا سامان سامان تو میرے خیال سے ٹرین میں ہی رہ گیا تھا“ گنگا نے تفصیل سے بتایا ”افرانہری میں یہ موقع ہی نہیں

تھا کہ آپ کے سامان کو بھی اٹھا لیا جاتا... مگر اس میں کوئی قیمتی چیزیں تو نہیں تھیں نا؟“

”باتراہر جاتے وقت بھلا کون قیمتی چیزیں اپنے ساتھ لے جاتا ہے؟ لیکن میرے سامان میں ایک ڈائری تھی جس میں دکر منگھ کا پتا لکھا ہوا تھا۔“ اتنا کہ رانی ماں پھر سوچ میں ڈوب گئی لیکن تھوڑی دیر بعد وہ اس طرح بولی جیسے اسے اچانک ہی کچھ یاد آیا ”ہو“ تم ایسا کرو کہ میرے بیٹے کے ماموں کے گھر جے پور میں ٹیلیگرام کر دو وہ اسے خبر پہنچا دیں گے۔“ یہ کہہ کر رانی ماں نے جے پور کا پتا لکھ کر اسے دے دیا۔

پتلے نے گنگا سے بنسی کو آواز دی جب بنسی دوڑتا ہوا دریاں آیا تو گنگا نے اس سے کہا ”دیکھو بنسی میری غیر موجودگی میں رانی ماں کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی چاہیے... اگر تم باہر جاؤ تو باہر سے دروازہ بند کرنا مت بھولنا۔“

”نہیں بھولوں گا صاحب!“ بنسی نے اس انداز میں جواب دیا کہ گنگا کی اصلیت ظاہر نہ ہونے پائے ”صاحب! آپ بالکل فکر نہ کریں رانی ماں کو کسی قسم کی ذرا بڑا بھی تکلیف نہیں ہوگی، میں نے ان کے نہانے کے لیے گرم پانی رکھ دیا ہے۔ پوچھا کے لیے تمام انتظامات اور ضروری چیزیں بھی لے آیا ہوں۔ اور پوچھا کے بعد انھیں چائے ناشتا تیار ملے گا۔“

رحمان لوانی کی تیاریاں سن کر رانی ماں کو بڑی حیرت ہو رہی تھی۔ بنسی کے اندر چلے جانے کے بعد اس نے اس نوجوان سے پوچھا ”تم نے تو ہر بات مجھ سے چھپا رکھی ہے۔ لیکن اپنا نام بتانے میں تمھیں کوئی حرج تو نہیں ہوگا؟“

”اوہ، یہ تو میں بالکل ہی بھول گیا۔“ گنگا نے ایک بار پھر مرد کی طرح بھاری آواز میں بولنے کی کوشش کی ”میرا نام شہدھاکر ہے لیکن میری پتی آواز کی وجہ سے میرے بے تکلف دوست مذاق میں مجھے صرف شہدھاکر ہی کہتے ہیں... ویسے آپ تو میری ماں کی طرح ہیں آپ مجھے صرف بیٹا، کہیں گی تب بھی چلے گا۔“

اتنا کہ گنگا ہنستی ہوئی مکرے سے باہر چلی گئی... اور رانی ماں دیر تک اس دروازے کو دیکھتی رہی جس سے گزر کر وہ باہر گئی تھی۔



”ڈاکو گنگا درگا پوری رانی ماں کو اٹھا کر لے گئی؟“ درگیش نے اخبار میں یہ خبر پڑھی تھی۔ وہ ایک عجیب سی بے حیئہ عسوس کر رہا تھا۔ تین دن سے وہ غصے میں بیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب گنگا کے دل میں کس بات کا انتقام لینا باقی رہ گیا ہے؟ اسے یہ بات تو معلوم ہو چکی تھی کہ ٹھاکر رام سنگھ کا کلوتا بٹیا سورج یعنی کہ میں زندہ ہوں... یہ جان لینے کے بعد اسے چاہیے تھا کہ وہ درگا پوری کی حویلی والوں سے اپنی دشمنی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیتی لیکن ایسا کرنے کی بجائے اس نے رانی ماں جیسی نیک اور رحم دل عورت کو اغوا کر لیا تھا؟ کیا ہتھیار کی دوستی انسان کو انسانیت کی سطح سے اس قدر نیچے گرا دیتی ہے۔ لوگوں کے دلوں میں اپنی دھاک بٹھانے کے لیے انسان اتنا جنونی بھی بن سکتا ہے؟ شاید گنگا بھی اسی جنون میں مبتلا ہو گئی تھی۔ اسے یقین سا ہو گیا تھا کہ گنگا کو اب اس کا پیار بھی دوبارہ پہلے دلے راستے پر نہیں لاسکے گا۔

دروازہ قبل اس نے گنگا سے ملنے کا ارادہ کیا تھا تا کہ وہ اس کو بتا دے کہ اب دونوں کے مابین تعلقات ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکے ہیں۔ وہ گنگا کو جس روپ میں دیکھنا چاہتا تھا اس کا عکس بھی اس میں نظر نہیں آتا تھا جس رانی ماں کی مہربانیوں سے وہ بڑھ کر ڈاکٹر بنا، اسی عورت کو تڑپانے والی گنگا کو وہ عورت نہیں ڈاکٹر سمجھتا تھا۔

درگیش اندرونی غصے سے پاگل ہو جا رہا تھا۔ گنگا کے پاس جانے کے لیے اس کی ہمت جواب دے چکی تھی اسے یہ بھی ہڈی تھکا کہ اس کا تعاقب کر کے پولس والے کہیں گنگا کے ٹھکانے کا پتا نہ معلوم کر لیں... یہی خوف تھا جس نے اس کے قدموں کو روک رکھا تھا اور اب تو اچانک ہی گنگا یا اس کے کسی ساتھی کی اس سے ملاقات ہو جائے تو سلسلہ آگے چل سکتا تھا۔ اسی کا اسے انتظار تھا۔ اس کے علاوہ کوئی اور راستہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ انتظار کی اس کوفت نے درگیش کے دماغ میں جھنجھلاہٹ سی پیدا کر دی تھی۔ دن رات سائیکل پر بیٹھ کر گاؤں کے قریب لوگوں کی خدمت کرنے کے جذبے پر گنگا کے خیالات حاوی ہوتے جا رہے تھے...

پھر ایک دن وہ اتفاقی حادثہ پیش آیا گیا جس کا اسے انتظار تھا۔ ”ڈاکٹر بالو! میں آپ ہی کی تلاش میں تھا“ ایک اجنبی شخص اچانک اس کی سائیکل کے سامنے آ کر بولا ”میرا نام بنسی

ہے اور میرے صاحب کے ایک مہمان بیمار ہو گئے ہیں۔ دراصل وہ مرد نہیں اس لیے میرے ساتھ آنے پر آمادہ نہیں ہوئیں آپ کی کریا ہوگی جو چاہیں گے انھیں دیکھ لیں“ اتنا کہ اس اجنبی شخص نے انگلی اٹھا کر ایک گھر کی طرف اشارہ کیا۔

درگیش اپنی ہی آنکھوں میں گھرا ہوا تھا لیکن مریض کا نام سن کر وہ انکار نہیں کر سکا، اور وہ اس شخص کے ساتھ چل پڑا۔ بنسی، درگیش کو لے کر گھر میں داخل ہوا۔ اس کی سائیکل اندر رکھ کر اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا یہ دیکھ کر درگیش کو اچانک خطرے کا احساس ہوا لیکن کمرے میں آ کر جب اس نے پلنگ پر پڑے ہوئے مریض کو دیکھا تو اس کی آنکھیں حیرت سے کچھ اور پھیل گئیں۔ ”اے رانی ماں آپ؟“ بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔ رانی ماں جب سمجھتی سمجھتی اس کے اس کی طرف دیکھنے لگی تو وہ پھر بول پڑا ”رانی ماں! آپ نے مجھے نہیں پہچانا؟ میں درگا پور کا درگیش ہوں ڈاکٹر درگیش... دین دیال کا بیٹا...“

رانی ماں کا ذہن کچھ اور سوچ رہا تھا اسے مہمان بنا کر اس گھر میں چھوڑ جانے والا تو جوان دو دونوں سے اس کے پاس نہیں آیا تھا اکیلے گھر میں پڑے پڑے اسے وحشت کے ساتھ ساتھ خوف بھی آنے لگا تھا۔ گھر کا ملازم بنسی تو ہر طرح سے اس کی دیکھ بھال کر رہا تھا لیکن اس کے کچھ پوچھنے پر وہ خاموش ہی رہا کرتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ وہ رانی ماں کو مکان سے باہر بھی جانے نہیں دیتا تھا۔ یہی سب باتیں تھیں جن کے پیچھے چھپے ہوئے راز کو جاننے کے لیے اس کا دل بڑی طرح بے قرار تھا اس نے کئی بار سوچا تھا کہ اس گھر سے فرار ہو جائے لیکن بنسی بہت چالاک ثابت ہو رہا تھا وہ ایک لمحے کے لیے بھی رانی ماں کی طرف سے غافل نہیں رہتا تھا اس معاملے میں وہ بڑا ہی سخت بہرے دار تھا۔ رانی ماں اس کو بھانپ گئی کہ یہ شخص روپے پیسے کے لالچ میں بھی نہیں آئے گا۔ اچانک ایک خیال اس کے ذہن میں آیا تھا... بس میں سخت درد کا بہانہ بنا کر اس نے بنسی کو پریشان کر دیا تھا۔ خود ساختہ درد کے بہانے اس نے کرنا بھی شروع کر دیا تھا۔ مجبوراً بنسی کو ڈاکٹر کے انتظام کے لیے باہر نکلنا پڑا۔

بنسی کو گنگا نے تنبیہ کر دی تھی کہ وہ رانی ماں کا اچھی طرح خیال رکھے۔ اسے رانی ماں کی حالت دیکھ کر خیال آیا کہ اگر مرض یونہی بڑھتا رہا تو وہ گنگا کو کیا جواب دے گا؟ رانی ماں کو کچھ ہو گیا تو



لنگا اسے زندہ نہیں چھوڑے گی... اس خیال کے آنے ہی اس کے ذہن میں ایک ترکیب آگئی کہ وہ لنگا کے ڈاکٹر یا لوبو کو ڈھونڈ کر لے آئے اس طرح کام بھی بن جائے گا اور بات بھی باہر نہیں جائے گی۔ رانی ماں نے سر درد کا بہانہ ایک خاص منصوبے کے تحت بنایا تھا اس کا خیال تھا کہ اس بہانے سے کوئی بھی ڈاکٹر گھر میں دیکھنے آجائے تو اپنے بارے میں چپکے سے اسے بتا کر پولس کو خبر دے دی جائے، اس نے سوچ رکھا تھا کہ وہ ڈاکٹر کو سمجھا دے گی کہ گھر کا یہ نوکر بھی ان لوگوں سے ملا ہوا ہے جنہوں نے اسے ٹرپ سے اٹھا کر یہاں قید کر رکھا ہے۔

لیکن اب درگیش کو اپنے سامنے دیکھ کر اسے لگ رہا تھا کہ اس کا سارا منصوبہ جو پٹ ہو گیا ہے... کام بگڑ جانے کے ساتھ ساتھ رانی ماں کو اس بات کا بھی احساس تھا کہ درگیش کی وجہ سے اس کے لیے خطہ کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا ہے... ممکن ہے درگیش بھی اپنے ساتھ ہونے والی بے عزتی کا بدلہ اس سے لینے کے لیے سوچ رہا ہو؟ اس کے بیٹے شمشیر سنگھ نے اسے قتل کے جھوٹے کیس میں پھنسا یا تھا اسی کی وجہ سے اس کی منگنی لنگا کو ڈاکو بنا پڑا تھا۔ یقینی طور پر وہ ان باتوں کو بھولا نہیں ہوگا۔

”آپ نے مجھے اب بھی نہیں پہچانا رانی ماں“ درگیش اسے سوچ میں ڈوبا ہوا دیکھ کر قدرے زور سے بولا ”باہر تو یہ خبر پھیلی ہوئی ہے کہ آپ کو لنگا ڈاکو اٹھا کر لے گئی ہے مگر یہاں تو...“

”ہاں بیٹا“ رانی ماں اس کی ہمدردی حاصل کرنے کی غرض سے اپنے لہجے میں درد پیدا کرتی ہوئی بولی ”لنگا مجھے اغوا کرنا چاہتی تھی لیکن عین وقت پر ایک پھلے آدمی نے مجھے اس کے پیچھے سے چھڑا لیا اور اسی نے مجھے یہاں چھپا رکھا ہے۔ اب مجھے ماننا یا زندہ رکھنا تمہارے ہاتھ میں ہے“

”زندہ رکھنا اور مارنا بھگوان کے ہاتھ میں ہے رانی ماں!“ درگیش نرم لہجے میں اس کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا ”آپ کو یہاں دیکھ کر مجھے کتنی راحت محسوس ہوئی ہے بتائیں سکتا“

”کیا تم سچ کہہ رہے ہو درگیش؟“ رانی ماں کو جیسے اس کی بات کا یقین نہیں آ رہا تھا۔ ”میں تو کچھ اور ہی سوچ رہی تھی۔ میرے بیٹے شمشیر سنگھ نے ناگرمہا جن کے قتل کے جھوٹے الزام میں پھنسا کر تمہیں بدنام کیا تھا، اس وجہ سے تم گاؤں چھوڑ کر چلے گئے تھے... لیکن پھر بھی...“

”نہیں رانی ماں! آپ ایسی باتیں نہ سوچیں“ درگیش دھیمی آواز میں بولا ”سچائی کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا میں نے قصور تھا، اس لیے چھوٹ گیا اور مجھے گاؤں چھوڑنا پڑا اس میں بھی مجھے بھگوان کی مڑی تھی ہے نہیں تو گاؤں گاؤں گھوم کر غریب لوگوں کے علاج و معالجہ کا خیال سمجھی نہیں آتا“

”تم کچھ بھی کہو درگیش!“ رانی ماں اس کے دل کی بات ٹھونسنے کی غرض سے بولی ”مگر لنگا میرا بیٹھا چھوڑتی نظر نہیں آتی۔ اس نے عہد کیا ہے کہ ہمارے خاندان کو ختم کرنے والے ٹھاکر رام سنگھ کے ارادوں سے کام اب وہ خود پورے کرے گی“

درگیش اس بات پر چونک کر تھوڑی دیر کے لیے چپ ہو گیا وہ سوچ رہا تھا کہ رام سنگھ کا بھید رانی ماں کے سامنے کھولنا چاہیے یا نہیں؟ کیونکہ ابھی تک باہر کے کسی آدمی کو اس کی اصلیت معلوم نہیں ہوئی تھی کہ وہی رام سنگھ کا بیٹا سورج ہے... کچھ توقف کے بعد وہ بولا ”ٹھاکر رام سنگھ کی آپ کے خاندان سے ہونے والی تھی، وہ اس کی چٹا کے ساتھ چل کر راکھ ہو گئی ہے۔ آپ کے شوہر نے اس کے بیٹے کو قتل کر دیا تھا، لیکن یہ بات مرنے سے پہلے اس کے دل سے نکل گئی تھی“

”کیا سچ کہہ رہے ہو؟“ رانی ماں اچھل پڑی اور جھٹکے سے پلنگ پر بیٹھ گئی۔ ”تو کیا تھا کہ رام سنگھ کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ اس کے بیٹے سورج کو مارنے میں درگا پور کے ٹھاکر کا ہاتھ نہیں تھا؟“

”نہیں، اس کا ہاتھ تو تھا...“ کہتے کہتے درگیش کی آواز بھر ا گئی ”لیکن مارنے والے سے بچانے والے کا ہاتھ بڑا ہوتا ہے۔ یہ بات آپ کے شوہر اور ٹھاکر رام سنگھ دونوں ہی بھول گئے تھے“

”کیا مطلب؟“ رانی ماں حیرت زدہ لہجے میں بولی ”کیا ٹھاکر رام سنگھ کا بیٹا سورج زندہ ہے؟“

”ہاں سورج زندہ ہے اور اس وقت وہ آپ کے سامنے بیٹھا ہے... میں ہی تھا کہ رام سنگھ کا بیٹا سورج ہوں“ درگیش نے کہا ”یہ رہا ہمارا خاندانی نشان، جو میرے بازو پر موجود ہے“ درگیش نے اپنی قمیص کی آستین اونچی کر کے اٹھتے ہوئے سورج کا نشان برہنہ کر دیا۔

رانی ماں کی پھٹی پھٹی آنکھیں اس نشان پر چپک کر رہ گئی تھیں۔ اسے درگیش کی باتوں میں کوئی بناوٹ محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ یہاں تک کہ ایک اپنا چملا ہونٹ اس نے اپنے دانتوں میں اس طرح دبا لیا جیسے وہ کسی اندرونی تکلیف کو روکنے کی کوشش کر رہی ہو۔

اور پھر اس کی آنکھیں بھیگ گئیں اور نظروں کے سامنے برسوں پہلے کا ایک ناگوار منظر گھومنے لگا۔ وہ اپنے شوہر کی لاش کے پاس بیٹھی تھی اور اس کے دونوں بچے شمشیر سنگھ اور وکرم سنگھ اس سے لپٹ کر رو رہے تھے۔ مگر ٹھاکر رام سنگھ بدوق تانے اپنی پاٹ دار آواز میں اس سے کہہ رہا تھا ”میں اپنے بیٹے کی موت کا بدلہ لینے بغیر نہیں رہوں گا جب تمہارے یہ دونوں بیٹے جوان ہو جائیں گے تو میں انہیں نرگ میں پہنچانے یہاں ضرور آؤں گا“

رانی ماں کے آنسو دیکھ کر درگیش کو بھی دکھ محسوس ہوا۔ اس نے آگے بڑھ کر اپنی انگلیوں کی مدد سے اس کے آنسو پونچھ دیے۔ اور جذباتی لہجے میں بولا ”میرے باپ نے غصے میں آکر آپ کے شوہر کی جان لی تھی۔ اس نے آپ کی دنیا ویران کر دی تھی... اگر اس کی کوئی تلافی ہو سکتی ہے تو میں اسے کرنے کے لیے تیار ہوں رانی ماں... آپ حکم کریں“

یہ سن کر رانی ماں نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیے اور بڑی محبت سے اسے دونوں بازوؤں میں سمیٹ لیا، پھر سکتے ہوئے بولی ”بیٹا درگیش! کون کس کی تلافی کر سکتا ہے؟ شمشیر کے باپ کے گناہ بھی تو کم نہیں تھے... میں نے ٹھاکر رام سنگھ کے دل میں کبھی مکاری نہیں دیکھی... اکلوتے بیٹے کے چھین جانے کا غم بھلا کون راجپوت برداشت کر سکتا ہے؟“

”بھگوان کے کھیل بھی نیارے ہوتے ہیں“ درگیش پرجوش لہجے میں بولا ”جس نے آپ کو دردوا کیا تھا اسی ٹھاکر رام سنگھ کے بیٹے کو ڈاکڑی پڑھنے میں آپ نے مدد کی“

”ہاں درگیش! بھگوان کے کھیل بھی نیارے ہیں اپنے ماں باپ کی گود سے پھڑک کر تمہیں ایک غریب برہمن کی گود میں پرورش پانا پڑا، پھر تعلیم کے لیے تمہیں دوسرے کی مدد لینا پڑی“

”میں تو اسے بھی بھگوان کی کرپا سمجھتا ہوں رانی ماں...“ رحم دل دین حیاں کی گود میں پل کر مجھے تعلیم کا یہ بیش بہا خزانہ ملا ہے، جس کی وجہ سے ڈاکٹر بن کر غریبوں کی خدمت کرنے کا جذبہ میرے دل میں پیدا ہوا ہے... درنہ کیا معلوم کہ راجپوت ٹھاکر کا بیٹا ہو کر میں بھی انتقام کی راہ پر چل نکلتا“

”بیٹے! تمہاری باتیں سن کر مجھے وکرم یاد آ جاتا ہے... جب اس نے یہ خبر پڑھی ہوگی کہ مجھے لنگا اٹھا لے گئی ہے تو اس کے دل پر کیا گزری ہوگی؟“

”بہر حال پہلے آپ کی طبیعت دیکھ لوں، میں تو بھول ہی گیا تھا کہ یہاں کس کام سے آیا ہوں؟“ درگیش نے اس کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”نہیں، درگیش! طبیعت کی خرابی کا تو بہانہ تھا“ رانی ماں نے آہستہ سے کہا ”یہ ملازم مجھے گھر کے باہر جھانکنے بھی نہیں دیتا۔ مجبوراً مجھے یہ ترکیب آزمانی پڑی کہ اس بہانے کوئی ڈاکٹر یہاں آجائے تو اسے اپنے متعلق بتا کر پولس تک خبر پہنچا دوں... میں یہ جاننے کے لیے بھی بے قرار ہوں کہ باہر میرے بارے میں کیا کیا باتیں پھیلی ہوئی ہیں لیکن بھگوان نے میری ملاقات تم سے کر دی“

”تو پھر چلیے میں آپ کو درگا پور پہنچا دوں“ درگیش اپنا بیگ بند کرنا ہوا بولا ”آپ کو اس گھر میں بند رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اگر آپ میرے ساتھ ہوں گی تو لنگا یا اس کا کوئی ساتھی بھی آپ کا کچھ نہیں رگڑ سکتا“ اتنا کہہ کر اس نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا اور بولا ”ایک گھنٹے بعد درگا پور کی ٹرین مل جائے گی چلیے اٹھیے...“

رانی ماں فیصلہ کرنے میں ہچکچا رہی تھی... اسے یہ بات اچھی محسوس نہیں ہو رہی تھی کہ اپنی جان بچانے والے دشمن سے ملے بغیر وہ یہاں سے چلی جائے... ابھی وہ کوئی فیصلہ کر بھی نہ پائی تھی کہ اچانک باہر کے دروازے پر کسی نے دستک دی۔

آواز سننے ہی باورچی خانے میں سے ہنسی نکل کر دروازے کی طرف لپکا ”لگتا ہے صاحب آگئے“ اس نے زبردست لہجہ سے دروازہ کھول دیا۔

ہنسی کی زبان سے اس کے صاحب کا نام سن کر رانی ماں نے سکون کا سانس لیا اور وہ درگیش سے بولی ”بس، میں اس سے مل لوں پھر تمہارے ساتھ درگا پور چلوں گی“

لیکن دروازہ کھلنے کے بعد پانچ سات منٹ تک جب کوئی اندر نہیں آیا تو درگیش کچھ بے چین سا ہو گیا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر وہ کمرے سے باہر نکل آیا اور دروازے سے باہر جھانکا اور پھر چونک اٹھا۔ مردانہ لباس میں لنگا کو اندر رکتے دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں تھیں۔ تین روز سے وہ جس غصے کو اپنے اندر دبائے ہوئے تھا وہ لنگا کو دیکھتے ہی ابل پڑا ”کون لنگا؟“ وہ غصیلی آواز میں بولا۔

لنگا کا نام جب رانی ماں کی سماعت سے حکم آیا تو وہ مہرے

”تم کیوں رانی ماں کے پیچھے بڑی ہو؟ کیا بگاڑا ہے انھوں نے تمھارا؟“ درگیش کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ گنگا کو آگے بڑھنے سے روکنا چاہتا تھا ”جب تم چلتی ٹہرن میں سے رانی ماں کو اٹھالے جانے میں کامیاب نہیں ہوئیں تو یہاں دوڑی چلی آئیں، افسوس ہے تمھاری زندگی برباد کر دیا ہے“

گنگا جواب دینے کی بجائے مسکراتی ہوئی آگے بڑھی۔ رانی ماں ابھی تک اسے دیکھ نہیں سکی تھی لیکن درگیش کی غصے سے بھری ہوئی آواز وہ صاف سن رہی تھی ”رک جاؤ گنگا! خبردار جو تم نے کمرے میں قدم رکھنے کی کوشش کی“ ہمیشہ دھیمے اور پرسکون لہجے میں باتیں کرنے والے درگیش کی آواز میں اس وقت راجھوئی غصے کی جھلک نظر آ رہی تھی ”کمرے کے اندر جانے سے پہلے تمھیں میری لاش پر سے گزرنا پڑے گا“ درگیش کی آواز غصے سے بھی بڑھ رہی تھی۔

درگیش کی دھمکی سن کر گنگا ایک جھٹکے سے رگ گئی۔ اب وہ ایسی نظروں سے درگیش کو دیکھ رہی تھی جیسے اس کا یہ روپ اسے بہت ہی اچھا لگ رہا ہو... لیکن اندر کمرے میں رانی ماں کی گھبراہٹ بہت بڑھ گئی تھی... وہ سوچ رہی تھی کہ اس کی وجہ سے کہیں درگیش کسی مصیبت میں نہ پڑ جائے کیونکہ ڈاکو عورت سے کوئی بے خبر نہیں کہ وہ گولی چلا دے۔ اس خیال کے آنے ہی وہ جلدی سے بنگ پر سے اٹھی اور دروازے کی جانب لپکی ”نہیں درگیش، تمھیں پتہ میں آئے کی ضرورت نہیں ہے میں خود دیکھوں گی کہ یہ میرے ساتھ کیا کرتی ہے؟“

وہ جیسے ہی درگیش کے فریب پہنچی تو اپنے سانسے کھڑے ہوئے نوجوان کو دیکھ کر اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا ”ارے یہ تو میری جان بچانے والا ہی نوجوان ہے۔ یہ کہہ کر وہ درگیش کی طرف مڑی ”تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا“ اس نوجوان میں تمھیں گنگا کہاں سے دکھائی دے گئی؟“

درگیش سمجھ گیا کہ رانی ماں ابھی تک بہت بڑے مبالغے میں مبتلا ہے... گنگا ٹہرن میں سے اٹھا کر اسے یہاں لے آئی ہے اور اس نے اس گھر میں اسے قید بھی کر رکھا ہے... لیکن پھر بھی یہ سمجھ رہی ہے کہ اس نوجوان نے اس کی زندگی بچالی ہے... درگیش نے رانی ماں کی اس غلط فہمی کو دور کرنے ہوئے کہا ”نہیں رانی ماں، جس نے آپ کو بچایا ہے اسے آپ ابھی تک پہچان نہیں پائی ہیں“

اتنا کہہ کر وہ طنز پر لہجے میں بولا ”گنگا کو اس لباس میں پہلے بھی دیکھ چکا ہوں اس لیے اس کے مکر و فریب میں نہیں آسکتا“

یہ سن کر رانی ماں کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا وہ درگیش کو ایک طرف ہٹا کر گنگا کے سامنے گئی اور بولی ”تمھیں میری جان بچانے کا ڈراما رچانے کی کیا ضرورت تھی؟ تمھیں بدلہ ہی لینا ہے نا؟ میرے بیٹے کو تو قتل کر ہی چکی ہو میری حویلی بھی مجھ سے چھوٹ چکی ہے۔ میرا سب کچھ تو لوٹ لیا ہے تم نے اب صرف یہ جان باقی رہ گئی ہے، اگر اس کی بھی تمھیں ضرورت ہے تو چلاؤ گولی اور لے لو اپنا بدلہ...“

رانی ماں کی باتوں کا گنگا پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ انتہائی پرسکون لہجے میں بولی ”آپ نے جو کہنا تھا کہ لیا اور اب میری بھی سن لیں۔ میں واقعی اپنا بدلہ لینے ہی آئی ہوں“

اتنا کہہ کر اس نے دوبار تالی بجائی۔ آواز سننے ہی باہر کا دروازہ کھل گیا۔ درگیش اور رانی ماں چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔ کھلے ہوئے دروازے سے گنگا کا ایک ساتھی لاکھن اجیت سنگھ کو دھکے مار کر اندر لاتا ہوا نظر آیا۔ لاکھن نے اجیت سنگھ کو گردن سے پکڑ کر آگن میں دھکیل دیا۔ اجیت سنگھ کے منہ پر کپڑا بندھا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں سے خوف کا شدید احساس جھلک رہا تھا اور اس کے دونوں ہاتھ بھی پیچھے سے بندھے ہوئے تھے۔

اس کی یہ حالت دیکھ کر رانی ماں بے قابو ہو کر یوں بڑی بولی کہ تو تمھیں مجھ سے لینا ہے گنگا! پھر اس بے چارے کو کیوں پکڑ لائے ہو؟ اس نے تمھارا کیا بگاڑا ہے؟ چھوڑ دو اسے“

”میرا کچھ بگاڑنے سے زیادہ اس نے آپ کا بگاڑا ہے رانی ماں“ گنگا نے اجیت سنگھ کی گردن پکڑ کر اسے رانی ماں کی طرف دھکیل دیا ”اگر آپ کو یقین نہیں آتا تو خود اس سے ہی پوچھ لیں“

تکلیف سے کہتا ہوا اجیت سنگھ گنگا کے دھکے سے رانی ماں کے پیروں کے پاس آ کر گر پڑا۔ برآمدے کے زینے سے جب اس کا سر ٹکرایا تو درگیش خاموش نہیں رہ سکا ”گنگا تم میں رحم کا جذبہ رہی پھر بھی موجود نہیں ہے تم عورت نہیں ہو...“ کہتے کہتے اس نے اجیت سنگھ کو کندھوں سے پکڑ کر اٹھا لیا جب وہ کھڑا ہو گیا تو اس کی پیشانی پر سے جھٹے ہوئے لہو کو دیکھ کر درگیش کی آنکھوں میں نفرت کا ایک سیلاب سا آئندہ آیا اس نے غصے سے گنگا کی طرف دیکھا یوں لگ رہا تھا جیسے وہ گنگا سے اب بات کرنا بھی نہ چاہتا ہو... اپنے غصے کو ضبط

کرنا ہوا وہ اجیت سنگھ کو کمرے کے اندر لے جاتا ہوا بولا ”جلوس تمھاری چوٹ پر دو انگا دوں“

رانی ماں کو خدشہ تھا کہ گنگا یہ سن کر ناراض ہو جائے گی، لیکن درگیش کسی ڈر کی پروا کیے بغیر اجیت سنگھ کو کمرے کے اندر لے گیا۔ اس دوران گنگا خاموش رہی تو رانی ماں کو حیرت ہوئی کہ گنگا نے درگیش کو نہیں روکا۔ جس عورت سے اس وقت سارا راستہ کاپ رہا تھا، اس عورت کے سامنے درگیش نے اپنا سر نہیں جھکایا تھا۔ اس بات پر رانی ماں کو غر سا محسوس ہوا تھا۔ اس نے سوچا کہ درگیش جیسے باہمت نوجوان سے گنگا خوفزدہ ہے... تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد وہ خود درگیش کے پیچھے اس کمرے میں چلی گئی جہاں وہ اجیت سنگھ کو لے کر گیا تھا۔ درگیش، اجیت سنگھ کے بندھے ہوئے ہاتھوں کو کھولنے کی کوشش کر رہا تھا... یہ دیکھ کر رانی ماں بھی اس کی مدد کرنے لگی۔

اجیت سنگھ کے منہ پر بندھا ہوا کپڑا ہٹانے کے بعد درگیش نے اس کے ماتھے کے زخم پر دو انگا دی۔ ٹھیک اسی وقت گنگا اپنے ساتھیوں کے ساتھ کمرے میں آتی ہوئی دکھائی دی اسے دیکھتے ہی اجیت سنگھ کا چہرہ ایک بار پھر سیاہ پڑ گیا اور آنکھوں سے خوف پھیلنے لگا۔ وہ جلدی سے درگیش سے الگ ہو گیا اور سر کٹا ہو کر رے کی دیوار سے جا لگا۔ اس کی خوف زدہ نگاہیں گنگا کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور ہونٹ تھر تھرا رہے تھے ”رانی... ماں... ڈاکٹر بالو! یہ مجھے مار دینا چاہتی ہے... مجھے... بچاؤ“ خوف و دہشت کی زیادتی سے اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور آواز بھی ٹھم گئی۔

رانی ماں نے پلٹ کر گنگا کی طرف دیکھا اس کے ساتھ گویاں اور گونگے موہن کو پھٹان کے بھیس میں دیکھ کر وہ چونک پڑی ”یہ ان دونوں چوکیداروں کو تم کیوں اٹھا لائی ہو؟“ رانی ماں نے سر دھچکے میں کہا۔

”یہ آپ کے چوکیدار نہیں ہیں... یہ میرے ساتھی ہیں“ گنگا نرم لہجے میں بولی۔

رانی ماں کے ماتھے پر شکنیں ابھراٹھیں، پھر وہ تفکر آمیز لہجے میں بولی ”آخر یہ سب کیا ہے؟ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کیا کر رہی ہو؟“

”ابھی آپ سب کچھ سمجھ جائیں گی“ گنگا پھر سکون لہجے میں بولی ”لیکن میرے سمجھانے سے بہتر یہ ہے کہ آپ اجیت سنگھ کو موقع

دیں کہ وہ آپ کو ساری بات سمجھا دے“

”اجیت! تم ہی بتاؤ، آخر قصہ کیا ہے؟“ رانی ماں اس پراسرار خاموشی سے گھبرا کر بولی ”یہ سب کیا ہو رہا ہے؟“

”مجھے معاف کر دیجیے رانی ماں!“ اجیت سنگھ دونوں ہاتھ جوڑ کر تھر تھرا کانپنے لگا ”میں آپ کا گناہ گام ہوں... گنگا کی طرف سے وہ دھمکی آمیز خط میں نے آپ کو لکھا تھا۔ ڈرا دھمکا کر آپ کو حویلی کے باہر نکالنا بھی میں چاہتا تھا۔ آپ کے قتل کی سازش میں نے ہی نیار کی تھی اور آپ کے ساتھ سفر کرنے والا زور اور سنگھ میرا ہی آدمی تھا۔ میں نے ہی اسے یہ کام سونپا تھا کہ چلتی ٹہرن میں وہ آپ کے ڈبے میں داخل ہو کر آپ کو بے ہوش کر دے، پھر اٹھا کر آپ کو بلی سے نیچے ہتی ندی میں پھینک دے۔ یہ کہہ کر وہ ہانپتا ہوا فرش پر بیٹھ گیا۔

ایک لمحے کے لیے تو رانی ماں ستائے میں رہ گئی تھی۔ اجیت کی زبان سے اپنے جرم کا اقرار سن کر درگیش بھی لو کھلا گیا تھا۔

”اور کچھ نہیں بتاؤ گے؟“ گنگا، اجیت کے پاس آ کر غصے سے بولی ”جس ڈاکٹر بالو نے ابھی ابھی تمھارے سر کے زخم پر دوا لگائی ہے... اسی ڈاکٹر کو بدنام کرنے کے لیے کیا تم نے ناگرمہا جن کو زہر نہیں دیا تھا؟ مجھے اسٹیشن کے راستے پر سے زہر دستی اٹھا کر لے جانے میں تم ٹھاکر شمشیر سنگھ کے ساتھ تھے، یہ بات رانی ماں کو تم نے کیوں نہیں بتائی؟ اور پھر ٹھاکر شمشیر سنگھ کی موت کے بعد اس کی تجویز بھی تم نے ہی خالی کر دی تھی یہ سب کتنے ہوئے تمھیں شرم آ رہی ہے کیا؟“ گنگا نے نیچے بیٹھے ہوئے اجیت سنگھ کی پسلی میں لات مارتے ہوئے کہا۔

اجیت سنگھ بڑھک کر رانی ماں کے پیروں پر جا گرا۔ وہ ہچکیاں لیتا ہوا بولا ”رانی ماں! بس ایک بار مجھے معاف کر دیجیے... آئندہ میں ایسا کام کبھی نہیں کروں گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک زندہ رہوں گا آپ کو اپنی صورت بھی نہیں دکھاؤں گا“ پھر وہ اٹھ کر درگیش کے پیروں پر جا گرا ”ڈاکٹر بالو! آپ رانی ماں کو سمجھائیں... میری مدد کریں ڈاکٹر بالو... مجھ پر رحم کریں... گنگا سے معافی دلوادیں۔ آپ تو رحم دل آدمی ہیں ڈاکٹر بالو... دیوتا سامان ہیں“ وہ ہاتھ جوڑ کر منت کرنے لگا۔

درگیش نے گنگا کی طرف دیکھا اور جذباتی لہجے میں بولا۔ ”انسان اگر سچے دل سے معافی مانگے تو اسے معاف کر دینا چاہیے“

”لیکن اب مجھ میں رحم کا جذبہ نہیں ہے۔“ گنگا بھاری آواز میں بولی ”اس نیک حرام نے تمہیں دیوتا سنان کہہ دیا تو تم بچھل گئے؟ اس کے جھوٹے کو تم نے سچ سمجھ لیا۔ یہ معافی کا مطلب کیا جانے؟“ درگیش کے خواب دینے سے پہلے ہی رانی ماں نے کہا ”میں تم سے نہیں کہوں گی کہ تم اسے معافی کر دو گنگا؟“ پھر رانی ماں نے نفرت سے اجیت سنگھ کی طرف دیکھا اور غصیلے لہجے میں بولی ”تو نے بہتوں کی زندگی برباد کی ہے... اب میں تجھے پولس کے حوالے ضرور کروں گی۔“ پھر وہ بھڑائی ہوئی آواز میں گنگا سے مخاطب ہوئی ”اس کیسے کی وجہ سے میں نے تمہیں کیسی بائیں سنا دی ہے؟“ بیٹے نے تمہاری زندگی برباد کر دی لیکن اس کے باوجود بھی تم نے مجھے اس شیطان کے پنجے سے بچایا... میں تمہاری گناہ گار ہوں بیٹی گنگا۔“

گنگا نے ایک گہرا سانس لیا اور بولی ”رانی ماں! آپ کے لیے تو میں نے کچھ بھی نہیں کیا ہے... مجھے تو اس سے بدلہ لینا تھا اسی لیے مجھے اپنے ان دونوں ساتھیوں کو جو ملی کے جو کیداروں کی حیثیت سے بھیجا پڑا تھا۔ اجیت سنگھ میری آڑ لے کر آپ کو موت کی نیند سلا دینا چاہتا تھا۔ جب مجھے اس کے عزائم کے بارے میں معلوم ہوا تو آپ کی جان بچانے کے لیے برقع پہن کر ٹرین میں آپ کا ہمسفر بننا پڑا۔“

”تو وہ تم ہی تھیں؟“ رانی ماں حیرت سے بولی ”میں تو تمہیں پہچان ہی نہیں سکی تھی۔ غضب کی اذکار کی تھی تم نے!“

”ہاں رانی ماں! جس کی زندگی کے راستے بدلتے رہتے ہوں... اسے اس قسم کی اذکار کی کرنی ہی پڑتی ہے۔“ یہ کہہ کر گنگا پھر اصل بات پر آگئی ”آپ کا وہ نیک حرام ملازم جب چلتی ٹرین میں ہمارے ڈبے میں داخل ہوا، میں پلکوں کی جھری سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ شاید یہ بات اجیت سنگھ کو معلوم نہیں تھی کہ میرا گنگا ساتھی نہیں سب کچھ سن سکتا ہے۔ آپ کو چلتی ٹرین سے نیچے پھینک دینے والا منصوبہ اسے اجیت کی زبانی معلوم ہو چکا تھا اور پھر اس نے اس کی اطلاع مجھے پہنچا دی... ٹرین میں زور آور نے دوا سنگھ کو آپ کو بے ہوش کر دیا، پھر جب وہ آپ کو اٹھانے لگا تو مجھے مجبوراً کسی کو چلتی ٹرین سے نیچے پھینکنا پڑا،“ تھوڑی دیر تک ماحول ساٹاٹا طاری رہا اس درمیان اجیت سنگھ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ اگر یہ لوگ اسی طرح بائیں کرتے رہے تو وہ یہاں سے

موقع ملتے ہی بھاگ نکلے گا۔ لیکن گنگا نے ایسی نظروں سے اس کی طرف دیکھا جیسے وہ اس کے دل کی بات سمجھ گئی ہو وہ جلدی سے بولی ”اب اس نیک حرام کا آخری کارنامہ بھی آپ لوگ دیکھ لیں۔“ یہ کہہ کر اس نے اپنے ساتھی کو آواز دی ”لاکھن! اس نے مولیٰ میں سے جو نو زیورات چرائے ہیں وہ لے آؤ۔“

آواز سنستے ہی لاکھن بغل میں صندوق اور ہاتھ میں رائفیل لیے ہوئے اندر داخل ہو گیا ”بیٹی سامنے رکھ کر کھولو“ گنگا نے اسے حکم دیا۔ اپنی بندوق کو دروازے کے سہارے کھڑی کر کے لاکھن نے بیٹی فرش پر رکھ دی اور اپنے کھول دیا۔

اندر رکھ رہے ہوئے ہیبرے خیمات دیکھ کر رانی ماں کی آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئیں۔ ”یہ تو ہمارے خاندانی زیورات ہیں؟“ وہ آہستہ سے بولی۔ کمرے میں موجود ہر فرد کی نگاہیں بیٹی میں رکھے ہوئے زیورات پر جم رہی تھیں۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اجیت سنگھ نے لپک کر لاکھن کی بندوق اٹھالی، جو اس نے دیوار کے سہارے کھڑی رکھ دی تھی۔

”خبردار!“ اس نے بندوق تان کر اس کی جلیبی پر انگلی رکھ دی اور غضب ناک لہجے میں بولا ”گنگا! اپنے آدمیوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے ہتھیار چھینک دیں، اگر کسی نے ذرا بھی حرکت کی تو میں اس کی کھوپڑی میں سوراخ کر دوں گا۔“

اس اچانک حادثے سے سب بوکھلا گئے تھے۔ ایک لمحے کو تو گنگا بھی سٹیپاسی گئی تھی۔

لاکھن کی ذرا سی غفلت نے ان سب کو موت کے منہ میں دھکیل دیا تھا۔ اجیت سنگھ اس کی بوکھلاہٹ پر مسکراتے ہوئے بولا ”تم لوگ شاید یہ بھول گئے کہ میرا نام اجیت سنگھ ہے اور آخری جیت بھی میری ہی ہوگی۔“

سب اپنی اپنی سانس روکے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ایک ایک اجیت سنگھ ادھر ادھر نگاہ ڈالتا ہوا دوبارہ بولا ”گنگا! اپنے اس نوکر کو بھی اندر بلا لو۔“

اس کا حکم بجالانے میں گنگا کو تامل محسوس ہو رہا تھا لیکن وقت کی نزاکت کا تقاضا تھا کہ خود اسے اس پر بلا ناخبر عمل کیا جائے۔ اس نے تالی بجائی تو منشی دروازے کے پاس آگیا۔ اجیت کے ہاتھ میں بندوق دیکھ کر وہ بھی سٹپا سا گیا، اجیت اسے دیکھ کر کمر دکھانے لہجے میں بولا ”لاکھن! اب تم زیورات کی اس بیٹی کو بند کر کے میرے حوالے کر دو۔“

”اسے لے کر بھی تم فائدے میں نہیں رہو گے۔“ اجیت! رانی ماں خاموش نہیں رہ سکی ”شاید اس وقت تو بندوق دکھا کر تم کامیاب ہو جاؤ گے لیکن پولس کے ہاتھ بہت لمبے ہوتے ہیں۔ ایک یا ایک دن ضرور گرفت میں آؤ گے۔“

”اس کی فکر آپ کیوں کرتی ہیں رانی ماں!“ اجیت سنگھ طنز پر لہجے میں بولا ”میرے غلاف پولس کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے اور آٹھ دس لاکھ کے زیورات کچھ کم نہیں ہوتے۔ سارے مسائل دولت کے بل بوتے پر حل ہو جاتے ہیں۔“

درگیش سوچ رہا تھا کہ وہ اجیت کو باتوں میں الجھالے تاکہ کوئی مناسب کارروائی نہ کی جائے۔ ہو شاید اجیت سنگھ نے اسے موقع ہی نہیں دیا ”لاکھن میں نے تم سے کیا کہا تھا؟ سنا نہیں۔ اٹھاؤ بیٹی اور میرے ہاتھ میں دے دو... کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں جھک کر بیٹی اٹھاؤں اور تم مجھ پر چھلانگ لگا دو۔ یہ تمہاری بے وقوفی ہوگی ایسی کوئی حماقت بھی مت کرنا۔“

مجبوراً لاکھن کو بیٹی اٹھانے کے لیے جھکنا پڑا۔ اپنی کی ہوئی غلطی کا الزام کرنے کا یہی ایک آخری موقع اس کے پاس تھا اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے وہ اپنی موت سے لڑنے کے لیے بھی تیار تھا، لیکن اجیت سنگھ اس طرح پیچھے ہٹ گیا جیسے وہ اس کا ارادہ سمجھ چکا ہو۔ پیچھے ہٹنے کے بعد وہ دانت پیس کر بولا ”خیال رہے کہ کوئی حماقت نہ ہو یہ میری پہلی اور آخری وارننگ ہے۔“

لاکھن نے خاموشی سے بیٹی اٹھالی۔ وہ اب بھی کسی موقع کی تلاش میں تھا اس نے دونوں ہاتھوں سے بیٹی اٹھائی اور اجیت سنگھ کے سامنے پہنچ گیا۔ لاکھن اس بات کا منتظر تھا کہ جب اجیت سنگھ بیٹی لینے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھائے تب ہی وہ اس پر ٹوٹ پڑے۔

چالاک اجیت نے شاید اس کے اس ارادے کو بھی بھانپ لیا تھا۔ وہ بولا ”اسے اپنے ہی ہاتھ میں رکھو اور میرے آگے آگے چلو۔“ مجبوراً لاکھن کو بیٹی اٹھا کر دروازے کی جانب بڑھنا پڑا۔ ہاتھ سے نکلے ہوئے شکار کو دیکھ کر گنگا نے بے بسی سے ہونٹ پیچھ لیے تھے وہ اس لمحے کی منتظر تھی جب اجیت سنگھ کی توجہ ایک پل کے لیے اس کی جانب سے ہٹنے والی تھی۔ اس کا ہاتھ اپنی جیب کی طرف سرکنے لگا تھا... دروازے کے پاس پہنچ کر اجیت سنگھ پھر زور انداز میں ان سب کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ اس وقت وہ لاکھن کی آڑ میں پیچھے ہٹ رہا تھا اس لیے گنگا کی طرف سے حملے کا اسے خوف نہیں تھا۔

”اب تم لوگ اس کمرے میں آرام کرو۔“ اجیت سنگھ نے لاکھن کی پسلی سے بندوق کی نال ڈنگاٹے ہوئے کہا۔ ”لاڈ بیٹی میرے حوالے کر دو۔“

پسلی میں اچانک چبھنے والی بندوق کی نال سے گھبرا کر لاکھن سنگھ نے بیٹی کو اپنے ہاتھوں سے چھوڑ دیا۔ زمین پر گر گئی ہی بیٹی کھل گئی اور اس کے اندر رکھے ہوئے جواہر اچھل کر فرش پر پکھڑ گئے۔ یہ دیکھ کر اجیت کا چہرہ غصے سے اور زیادہ تھمتانے لگا وہ چیخ کر بولا ”بے وقوف اگر بندوق کے جھٹکے سے آنا ہی ڈر لگتا ہے تو تجھے ڈاکو بننے کی کیا ضرورت تھی؟“ یہ کہہ کر اس نے بندوق کی نال سے اس کی پسلی میں ٹھوکہ ماری ”چلو جلدی سے مال اٹھا کر بیٹی میں رکھو۔ آؤ وہ منٹ سے زیادہ وقت ہو تو زیادہ رکھنا اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔“

لاکھن زیورات اٹھانے کے لیے نیچے جھکا اور پھر ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر اچھلا اور اجیت پر ٹوٹ پڑا۔ اجیت اس اچانک حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔ لاکھن کے طاقتور گھونسے نے اسے جکڑا دیا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا زمین پر گر گیا، لیکن بندوق ابھی تک اس کے ہاتھ سے چھوٹی نہیں تھی۔ زمین پر گر گئے ہی وہ زخمی درندے کی طرح پلٹا اور بندوق کا رخ رانی ماں کی جانب موڑ کر گولی چلا دی۔ لیکن اس کی چلائی ہوئی گولی رانی ماں کے سینے کی بجائے سامنے والی دیوار میں دھنس گئی تھی۔ کیونکہ اسے گولی چلانے میں ایک لمحے کی تاخیر ہو گئی تھی اور اس دوران گنگا نے اس پر چھلانگ لگا دی تھی۔ بندوق کی نال کا رخ ایک جھٹکے سے تبدیل ہو گیا تھا۔ اجیت سنگھ کو دوبارہ بندوق کو سیدھا کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ پلک جھپکتے ہی گنگا اس کے سینے پر سوار ہو کر اس کی گردن پر اپنے ہاتھوں کا دباؤ ڈال چکی تھی۔

لاکھن نے محسوس کیا کہ اجیت کسی بھی لمحے گنگا کو اپنے اوپر سے اچھال کر بندوق سے فائدہ اٹھائے گا لہذا جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے بندوق چھین لی اور اس کا ہٹ اجیت کے سر پر دے مارا۔ ”کھٹاک“ کی آواز ہوئی۔ جیسے ناریل ٹوٹا ہو۔ اجیت سنگھ کی آنکھوں کے آگے اندھیرا اچھا گیا۔ لاکھن اس کے سر پر ایک اور وار کرنا چاہتا تھا لیکن گنگا نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا ”بس کافی ہے لاکھن! اسے اسی طرح پڑا رہنے دو اور پہلے ان زیورات کو بیٹی میں ڈال کر بیٹی رانی ماں کے حوالے کر دو۔“

لاکھوں زیورات پیٹی ہیں رکھنے لگا تو رانی ماں گنگا کی جانب بڑھتے ہوئے بولی "بیٹی! تم نے دوسری بار میری جان پائی ہے۔ ایک بار پھر تم نے میری خاطر اپنی جان کی بازی لگا دی میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی" یہ کہہ کر اس نے گنگا کو اپنے سینے سے لگا لیا "اب تم دونوں کو میری ایک بات ماننی پڑے گی۔ میرے بیٹے شمشیر سنگھ کی وجہ سے ہی تم دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تھے لیکن اب میں اپنے ہاتھوں سے تم دونوں کی شادی کروں گی۔ جب تم دونوں ایک ہو جاؤ گے تب ہی میرے شمشیر کی آتما کو سکون ملے گا۔"

رانی ماں کی بات سنتے ہی درگیش اور گنگا نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ان دونوں کی آنکھوں میں یاس انگیز حسرت صاف نظر آرہی تھی۔ گنگا نے اپنی نگاہیں نیچے کرنے ہوئے ایک گہری سانس لی اور بولی "اس بارے میں ہم کبھی اطمینان سے بات کریں گے رانی ماں! آپ اس وقت ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ویدگا پور پہنچ جائیں پڑیں کا وقت ہو چکا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے جیب سے ایک نفاذ نکال کر رانی ماں کی طرف بڑھا دیا اور بولی "ٹھاکر دکر کا تارا آیا ہے۔ وہ کل صبح تک ویدگا پور پہنچ جائیں گے۔ آپ کو ان کے پہنچنے سے پہلے حویلی میں موجود ہونا چاہیے۔" رانی ماں تار کی جانب دیکھتی رہی پھر حیرت سے کہنے لگی۔ "دکر کا تارا؟ لیکن یہ تمہارے پاس کیسے آگیا؟"

"یہ مجھے اجیت سنگھ کے پاس سے ملا ہے۔" گنگا نے کہا۔ "یہ تارا آج دوپہر کو ہی آیا تھا۔ اجیت کو جب دکر سنگھ کے آنے کا علم ہوا تو اس نے آپ کے زیورات لے کر بھاگ جانے کا منصوبہ بنایا۔ لیکن میرے ساتھیوں نے اسے فرار ہونے نہیں دیا۔" رانی ماں اجیت کی ساری مکاری سمجھ چکی تھی۔ اس نے پوچھا "گنگا... تم اجیت کا کیا کرو گی؟"

"اس کی فکر آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔" گنگا نے رانی ماں کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا "چلیے میں آپ کو دروازے تک چھوڑ آؤں۔ باہر جینپ کھڑی ہے لاکھن اسٹیشن تک آپ کے ساتھ جائے گا۔"

کسی انجانے خیال سے رانی ماں کی آنکھیں پھر آئیں جس گنگا کو انھوں نے بددعاؤں دی تھیں۔ نہ جانے کتنی بار برا بھلا کہا تھا، اسی گنگا سے جدا ہونے کو اب اس کا جی نہیں چاہتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو گنگا کے احسانوں کے بوجھ تلے دبا ہوا محسوس کر رہی تھی لیکن

ان احسانوں کا بدلہ چکانے کی کوئی راہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ درگیش کی حالت تو رانی ماں سے بھی زیادہ خراب تھی۔ اس نے تھوڑی دیر قبل گنگا کو بے رحم اور نہ جانے کیا کیا کہہ دیا تھا۔ اب اس بات کی معافی مانگنے کی بھی اس میں ہمت نہیں تھی۔ ہزار کوشش کے باوجود اس کے منہ سے آواز نہیں نکلی، پھر بھی نگاہوں ہی نگاہوں میں جو کچھ وہ کہہ سکتا تھا کہہ چکا تھا۔ پھر وہ بھی رانی ماں کے ساتھ گھر سے باہر نکل گیا۔

دروگا پور حویلی کی رونق ایک بار پھر لوٹ آئی تھی... سننے رنگ دروغن اور نت نئی سجاوٹوں سے اس کی کایا پلٹ چکی تھی۔ رنگ برنگ پھولوں سے سجے ہوئے باغ میں خوبصورت فوارے اچھل رہے تھے، ان فواروں کی طرح رانی ماں کا دل بھی خوشی سے اچھل رہا تھا۔ آج کئی برسوں بعد ان کی حویلی پر سے رنج و غم کے بادل چھٹ گئے تھے۔ اس کو اپنے صبر و تحمل کا پھل مل گیا تھا۔ بڑی ہمت سے شوہر کی موت کے بعد اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو جوان کیا تھا، لیکن جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی بڑا بیٹا موت کی گہری نیند سو کر اس سے چھڑ گیا... شمشیر سنگھ کی موت کے بعد اس کا ایک ہی سہارا رہ گیا تھا اور وہ تھا چھوٹا بیٹا دکر سنگھ۔ جب دکر سنگھ فوج میں شامل ہو کر سرحد پر گیا تو رانی ماں کے دل میں یہ خوف گھر گھر نے لگا کہ کہیں موت کا ظالم پنجہ اس کے دوسرے بیٹے کو بھی دچھین لے... وہ دن رات جھگڑان سے اس کی زندگی کی دعائیں مانگا کرتی... اس کے ساتھ ساتھ یہ خوف بھی اس کے دل میں موجود رہتا کہ سرحد پر سے صحیح سلامت واپس آ جانے کے بعد بھی اس کی زندگی خطرے میں گھری رہے گی... رام سنگھ یاد آؤ رانی گنگا اس کے واپس آتے ہی کہیں اپنے بدلے کی پیاس بجھانے کے لیے نہ آجائیں؟ لیکن یہ خوف اب اس کے دل سے دور ہو گیا تھا۔ برسوں سے جو بھاری پتھر اس کے سینے پر رکھا ہوا تھا وہ ہٹ گیا تھا کہ دشمن نظر آنے والی گنگا نے اس کی جان بچا کر اسے نئی زندگی دی تھی اور جس کو بیٹے کی طرح پال پوس کر اس نے جوان کیا تھا وہی اجیت سنگھ اس کی جان کا دشمن نکلا... اب سارے خطرے ٹل گئے تھے۔ رام سنگھ کی موت نے درگا پور کی حویلی اور ویدگا پور کے ٹھاکر خاندان پر سے غم و غم کے سائے دور کر دیے تھے اور اب تو دکر سنگھ بھی خیر سے واپس آ رہا تھا... رانی ماں کو یقین تھا کہ

اب بڑے بڑے گھرانوں سے اس کے دکر سنگھ کے لیے رشتا آنے لگے گا... رانی ماں کو یقین تھا کہ جھگڑان اس کا اور امتحان نہیں لے گا، اب جھگڑان کو دینے کے لیے دکھ نہیں ہیں بلکہ وہ رحم ہے جس کے لیے وہ برسوں سے بھیک مانگ رہی تھی۔

اس کے بیٹے کے آنے سے پہلے ہی حویلی میں ایک ٹیلیفون لگ چکا تھا اور درگا پور کے پولس افسر پہلے سے بھی زیادہ اس کی عزت کرنے لگے تھے، گاؤں والوں کی نگاہوں میں بھی حویلی کی عزت بڑھ گئی تھی۔ درگا پور کے چھوٹے بڑے زمیندار اپنے علاقے کے لوگوں کے ساتھ ایک جلوس کی شکل میں ٹھاکر کر نل دکر سنگھ کا استقبال کرنے اسٹیشن پہنچ چکے تھے۔ اور حویلی میں رانی ماں اپنے بیٹے کو گلے سے لگانے کے لیے بے چینی سے ٹھل رہی تھی باہر بار اس کی نظریں دیوار پر لگی ہوئی دکر سنگھ کے باپ کی تصویر سے ٹکرا رہی تھیں۔ وہ دل ہی دل میں اپنے شوہر کی تصویر سے باتیں کرنے لگتی "ٹھاکر! میں جانتی ہوں کہ آج تمہاری آتما کتنی خوش ہو رہی ہوگی... تمہاری سب سے بڑی خواہش آج پوری ہو گئی ہے۔ ہمارا بیٹا دکر! آج کر نل بن گیا ہے... اب اس گھر میں تمہاری بہو کے قدم آئیں گے خوشی کے دیپ جلیں گے... گیت گاؤں جائیں گے۔ پھر بیس برسوں سے سوئی پڑی ہوئی ہماری حویلی کسی ننھے ننھے بچے کی کلاہلیوں سے گونج اٹھے گی۔"

اچانک وہ جیب کے ہارن کی آواز سن کر چونک پڑی، پھر تیزی سے برآمدے میں آکر کھڑی ہو گئی۔ خاکی وردی میں ملبوس دکر باہر کھڑے ہوئے لوگوں کے سلام کا جواب دیتا ہوا حویلی کے پھاٹک میں داخل ہوتا دکھائی دیا۔ اس کے پیچھے گاؤں کے خینڑ اور مرماجنوں کی دو چار گاڑیاں بھی آکر رک گئی تھیں حویلی کے درگزر ملازمین ادب سے اپنی اپنی جگہ کھڑے تھے۔ دکر سنگھ کے جیب سے اترتے ہی رانی ماں برآمدے کے زینے سے اتر کر آگے بڑھ گئی۔ بیٹے کو سینے سے رگانے کے لیے اس کا دل بڑی طرح بے چین ہو رہا تھا۔

دکر قریب آکر اس کے قدموں پر جھک گیا تو رانی ماں کی آنکھیں خوشی سے بھیک گئیں۔ بیٹے کو اٹھا کر اس نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ ختم لیا اور دل ہی دل میں اسے دعائیں دینے لگی۔ دکر سنگھ کا ہاتھ ختم کر رانی ماں نے مہمانوں کو خوش آمدید

کہا۔ ماں کے ساتھ چلتا ہوا کر نل دکر سنگھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو اس کی نظر دیوار پر لٹکی ہوئی اپنے باپ کی تصویر پر پڑی۔ اس نے دیکھا کہ اس کی ماں نے پھولوں کا ایک بہت بڑا گچرا اس تصویر پر چڑھا رکھا تھا... وہ چند لمحے اپنا سر جھکائے اپنے باپ کی تصویر کو پر نام کر تا رہا۔ یہ دیکھ کر پیچھے کھڑے ہوئے مہاجن نے آہ بھر کر کہا "آج بڑے ٹھاکر زندہ ہونے تو وہ اپنے بیٹے کی کامیابی پر کتنے خوش ہوتے..."

شریت وغیرہ اپنے اور دکر سنگھ سے ملنے کے بعد جب سب مہمان چلے گئے تو ماں، بیٹے کو تنہائی میں بائیں کرنے کا موقع مل گیا۔ رانی ماں اپنے بیٹے سے بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی اور دکر سنگھ بھی رانی ماں سے بہت کچھ جاننے کے لیے بے چین تھا۔ "ماں جی! آپ نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ جس شخص نے ٹرین میں آپ کی جان بچائی تھی، اس سے آپ مجھے ملائیں گی..." اس کا نام پوشیدہ رکھ کر آپ نے میری بے چینی بڑھا دی ہے۔ اب تو اس راز پر سے پردا ہٹا دیں میں اس سے مل کر اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں... اپنی ماں کی جان بچانے والے نوجوان کی طرف میں زندگی بھر کی دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہتا ہوں" دکر نے کہا۔ "وہ شخص ایسا ہے، جو کسی وقت بھی اچانک آ سکتا ہے" رانی ماں ہولے سے سکرانے ہوئے بولی "دو چار دن میں ہی تم سے ملنے کے لیے وہ آئے گا۔"

"تب تو شاہد میں اس سے رمل سکوں" دکر سنگھ نے کہا۔ "دو چار دن بعد تو میں درگا پور سے چلا جاؤں گا۔" "لیکن تم نے تو خط میں لکھا تھا کہ اب تم درگا پور میں ہی رہو گے" رانی ماں نے دکر کو دیکھتے ہوئے کہا "اور اب آنے کے ساتھ ہی جانے کی بات کرنے لگے۔ پورے آٹھ دنوں سے میں پاگلوں کی طرح تمہارے انتظار میں بیٹھی تھی... میں نے کیا کچھ نہیں سوچ رکھا تھا... میں تو گھر میں بہو لانے کی تمنا بسائے بیٹھی ہوں اور تم اتنی جلدی جانے کی بات کر رہے ہو۔"

دکر سنگھ ماں کے جذبات سمجھ رہا تھا مگر وہ جلد بازی میں وہ کہہ بیٹھا تھا جو ابھی اسے نہیں کہنا چاہیے تھا۔ ماں کی حالت دیکھتے ہوئے اسے اصل بات بتانا پڑی "رانی ماں! آپ تو بے کاری پریشان ہو گئیں میں تو درگا پور میں آپ کی نظروں کے سامنے ہی رہوں گا۔" ماں کے چہرے پر اسے خوشی کی چمک ابھر آئی تو وہ دھیمے



لیجے میں بولا۔ "لیکن میں یہاں آرام کرنے کے لیے نہیں آیا ہوں ایک بڑی ذمہ داری سونپ کر مجھے یہاں بھیجا گیا ہے۔ بس اسی سلسلے میں اکثر مجھے درگاہ پور سے باہر رہنا پڑے گا۔ میری اس نئی اور اہم ذمہ داری کا سن کر آپ کو بے حد خوشی ہوگی۔"

"خوشی ہوگی۔ وہ کیسے؟" رانی ماں نے کہا۔  
"میں نے جان بوجھ کر اپنے خط میں اس کے متعلق آپ کو نہیں لکھا تھا۔۔۔ یہاں پہنچنے سے پہلے میں اس بات کو راز رکھنا چاہتا تھا اور اب بھی میں سب سے پہلے آپ ہی کو یہ بات بتا رہا ہوں۔" وکرم سنگھ دھیمے لہجے میں بولا۔

رانی ماں بڑی بے چینی سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔  
"آپ کو تو معلوم ہی ہے ماں جی! راجستھان کا یہ سارا علاقہ ڈاکوؤں کی سرگرمیوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔ یہاں ان کا زور اس قدر بڑھ گیا ہے کہ پولیس کا حکم بھی ان کا زور توڑنے میں ناکام رہا ہے۔۔۔ دن بدن جان و مال کا خطرہ بڑھتا جا رہا ہے۔ ان خطرناک ڈاکوؤں کے ہاتھوں کسی کو بھی اپنی جان محفوظ نظر نہیں آتی۔ اگر ان ڈاکوؤں کا جلد سے جلد قلع قمع نہ کر دیا گیا تو حکومت کی بڑی بدنامی ہوگی اور اسی لیے حکومت نے ملٹری کو یہ ذمہ داری سونپی ہے کہ وہ بغیر ہیراں ڈاکوؤں کا خاتمہ کرے۔" وکرم سنگھ نے رانی ماں کو پوری تفصیل سے آگاہ کر دیا۔

اس کی زبان سے یہ ساری باتیں سن کر تو رانی ماں سناٹے میں رہ گئی۔ وہ ایک ملک وکرم سنگھ کو دیکھے جا رہی تھی اور وکرم سنگھ پُر عجز آدمی کے جوار ہاتھ "جب ملٹری کے بڑے افسران کو بتا چلا کہ میں درگاہ پور میں ہی رہنا ہوں تو انھوں نے یہ کام میرے سپرد کر دیا۔ اب مجھے سب سے پہلے خطرناک ڈاکو رانی گنگا کو ختم کرنا ہے۔"

گنگا کے خاتمے کا سن کر تو رانی ماں کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ آنکھوں میں حسرت اور اداسی کے سائے تیرنے لگے۔ یہ دیکھ کر وکرم سنگھ کو لگا کہ ماں آخر ایک ماں ہوتی ہے۔ اپنے بیٹے کا ڈاکوؤں سے مقابلے کا سن کر اس کے دل میں یقیناً بڑے بڑے خیالات اٹھ اٹھے ہیں۔  
"ارے ماں! آپ اتنا گھبرا گئیں؟ ایک فوجی جوان کے بارے میں کہیں آپ یہ تو نہیں سوچ رہیں کہ وہ ایک ڈاکو عورت کے ہاتھوں نقصان اٹھائے گا؟"

رانی ماں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ چپ چاپ بیٹھی وکرم سنگھ کو دیکھ رہی تھی اپنے سوال کا جواب نہ پا کر وکرم سنگھ پھر بولا "میں

جانتا ہوں ماں! گنگا کا نام سننے ہی آپ کو میرے بڑے بھائی کی موت کی یاد آ جائے گی۔۔۔ مگر وہ حادثہ ہو جانے کے بعد یہ بات کسی معلوم تھی کہ گنگا کو ختم کرنے کی ذمہ داری مجھے سونپی جائے گی؟ بڑے بھائی کی موت کے بعد تو میں گنگا کی ہی طرف داری کرتا تھا۔ اسے بے قصور اور بڑے بھائی کو قصور وار ٹھہراتا تھا، لیکن یہ لڑکی اس حد تک خطرناک ہو جائے گی، اس کا تو میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔۔۔ ماں جی! آپ کی دعائیں اگر میرے ساتھ رہیں تو میں اپنے اس مقصد میں بھی کامیاب رہ کر آپ کی حویلی کی عزت کو اور بھی چار چاند لگا دوں گا۔"

بالآخر رانی ماں کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا اور وہ گھبر لہجے میں بولی "لیکن تمھیں میرا آشیرداد نہیں ملے گا وکرم۔۔۔ تمھیں یہ ذمہ داری قبول کرنے سے پہلے مجھے خبر کرنی تھی۔"

وکرم کو اپنی ماں کی یہ بات کچھ عجیب سی لگی اس لیے وہ ذرا نیکیے لہجے میں بولا "رانی ماں! میں ایک فوجی ہوں۔ فوجی کی حیثیت سے مجھے کوئی بھی ذمہ داری سونپی جائے تو میرا فرض ہے کہ میں وہ ذمہ داری قبول کر لوں۔۔۔ فوجی فیصلے ماں سے پوچھ کر نہیں کیے جاتے۔ اور یہ تو رعایا کی حفاظت کا کام ہے۔ ہم راجپوت تھا کر تو پہلے ہی سے اپنی رعایا کے لیے جان کی بازیاب لگاتے آئے ہیں، اور آپ نے بھی مجھے یہی سبق سکھایا ہے۔۔۔ مگر اب سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے نازک وقت پر آپ کا رویہ الجھن زدہ کیوں ہے؟ آپ کو تو اس بات سے خوش ہونا چاہیے کہ اس بہانے آپ کے بڑے بیٹے کی موت کا بدلہ بھی لے لیا جائے گا۔"

"بدلہ؟" رانی ماں کے ہونٹ کھلے لیکن ان کی آنکھوں میں انگارے سلگ اٹھے "اپنے بڑے بھائی کی موت کے بدلے کی بات بعد میں کرنا پہلے تم اپنی ماں کی جان بچانے والے کو بدلہ دینے کی بات سوچو۔" رانی ماں کی سخت لہجے میں بولی۔

"اس معاملے میں اس شریف نوجوان کا کیا ذکر؟" وکرم سنگھ نے کہا "میں نے تو یہ پہلے ہی کہا ہے کہ آپ کی جان بچانے والے کا ممنون ہی نہیں بلکہ عمر بھر دوستی کرنا چاہتا ہوں۔"

"نہیں وکرم جس طرح درگاہ پور میں ایک پیام میں نہیں رہ سکتیں اس طرح دو باتیں بھی ایک ساتھ نہیں ہو سکتیں۔" رانی ماں نے قدرے سخت لہجے میں کہا "جیسے تم اپنے بڑے بھائی کا قاتل سمجھتے ہو اور جسے ختم کرنے کے لیے تم خاکی دردی پہن کر وہاں آئے ہو۔ اسی گنگا نے میری جان بچائی ہے۔ اور وہ بھی ایک بار نہیں

دو دو بار۔"

"کیا مطلب؟" وکرم سنگھ چونک پڑا "نہیں ماں۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یقیناً آپ سے بھول ہو رہی ہے۔ لوگوں کا خون بہانے والی گنگا، بھلا آپ کی جان کیونکر بچا سکتی ہے؟ شاید آپ گنگا کو نہیں جانتیں۔۔۔ اس کے بارے میں آپ نے اخباروں میں کچھ نہیں پڑھا۔۔۔؟"

"مجھے اس سے مطلب نہیں ہے کہ اخبار والے اس کے متعلق کیا لکھتے ہیں اور لوگوں نے اس کے بارے میں کیا کیا بائیں مشہور کر رکھی ہیں؟ میں تو صرف یہ جانتی ہوں کہ میں جتنی اچھی طرح سے گنگا کو جانتی اور سمجھتی ہوں اتنا کوئی اور نہیں جانتا۔" رانی ماں بے حد سنجیدہ لہجے میں ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی "وکرم! تمھارا قانون اور قاعدے قانون کی باتیں کرنے والے، اخبار والے اور تم خود ملٹی رائے گنگا کا صرف ایک رخ دیکھتے ہو۔ میں تو کچھ روز اس کے پاس رہ کر آئی ہوں۔ ہم نے جس کو آسرا دیا تھا جس کو پال پوس کر رکھا تھا اس آستین کے سانپ اجیت نے مجھے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اور ہماری دولت لوٹنے کی تیاری کی تھی۔۔۔ اس وقت تم تو سرحد پر کسی چوکی پر پڑے ہوئے تھے۔ اور تمھاری ماں کی جان بچانے کے لیے جب کوئی مرد گار نہیں تھا تو یہی خطرناک عورت اس کی مدد کے لیے میدان میں کود پڑی تھی۔"

"تب تو ضرور اس کی کوئی چال بازی ہوگی۔" وکرم سنگھ کو ابھی بھی اپنی ماں کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا "بڑے بھائی کے قتل کے بعد ہی اسے ڈاکو بن جانا پڑا تھا اور پھر فائدان کے سب سے بڑے اور کٹر دشمن رام سنگھ کے گروہ میں شامل ہو گئی تھی۔ ہمارے دشمن رام سنگھ کے ساتھ رہ کر بھی وہ یکایک آپ پر رحم کیوں کھانے لگی؟ کیوں ہمدردی کرنے لگی؟ دوسروں کی جان لینے سے ذرا بھی نہ گھبرائے والی خونی عورت آپ پر مہربان کیسے ہو گئی؟ ماں جی! یقیناً آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے۔"

"غلط فہمی مجھے نہیں ہو رہی ہے،" رانی ماں تلخ لہجے میں اور بڑی آواز سے بولی "تم گنگا کو خونی کہہ رہے ہو لیکن یہ تو سوچو کہ تمھارے بھائی کا خون اس کے ہاتھوں سے کیوں ہوا؟ اس لڑکی نے اپنی عزت بچانے کے لیے تمھارے بھائی کا خنجر اٹھا لیا تھا۔ اس نے ایسا کیوں کیا تھا یہ جاننے کے لیے تمھیں پہلے سچائی کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔۔۔ جس گنگا کو تم قاتل اور ڈاکو کہہ رہے ہو، اسی گنگا

نے راجستھان میں کتنے غریب لوگوں کے گھر آباد کیے ہیں۔ اس نے ظالم زمینداروں کے ظلم سے کتنے ہی غریب کسانوں کو نجات دلائی ہے۔ علاقے کے لوگ اس کے نام کی 'جے جے کار' کر رہے ہیں۔ وہ اسے ڈاکو نہیں دیتی سمجھتے ہیں۔ وکرم تمہیں یاد ہے؟ کبھی تم گنگا کی طرف داری کیا کرتے تھے۔ اسے بے قصور اور معصوم سمجھتے تھے لیکن آج۔۔۔ آج تم ہی اس کی جان لینے پر تلے ہوئے ہو۔"

ماں کا غصے سے سرخ چہرہ دیکھ کر وکرم سنگھ نرم پڑ گیا۔ وہ سر جھکا کر بولا "مجھے یاد ہے ماں۔۔۔ لیکن اس وقت گنگا ڈاکو نہیں بنی تھی۔۔۔ قتل کے خوف سے ڈر کر اس نے ندی میں جھلانگ لگا دی تھی۔۔۔ اسی لیے مجھے اس سے ہمدردی ہو گئی تھی۔۔۔ لیکن اب تو وہ ایک خطرناک ڈاکو بن چکی ہے قانون کو ہاتھ میں لے کر وہ ہمارا مذاق اڑا رہی ہے۔ جو جی میں اتنا بے کرتی ہے۔ جس کو چاہے لوٹ لیتی ہے۔۔۔ جو سامنے آئے اسے گولیوں سے اڑا دیتی ہے۔۔۔ ایسی خطرناک عورت کو زندہ یا مردہ گرفتار کرنے کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس نے آپ کی جان بچائی ہے لیکن اس کے احسان سے مجھ پر ہو کر اس کے جرموں کی طرف سے آنکھیں نہیں پھیر سکتا۔۔۔ یہ ناممکن ہے رانی ماں۔"

"میں اگر تمھیں منع کروں، تب بھی نہیں؟" رانی ماں نے گھبر آواز میں کہا "تم یہ ذمہ داری کسی اور کو سونپ دو۔۔۔ اپنی ماں کی خاطر میرے بیٹے! اپنے کندھوں پر سے یہ بوجھ اتار پھینکو۔"

"نہیں ماں جی! یہ مجھ سے کبھی نہیں ہوگا۔" وکرم سنگھ پُر اعتماد لہجے میں بولا "پچھے بٹھنے کی بجائے آپ مجھے آشیرداد دیں کہ میں یہ ذمہ داری پوری کر کے کامیاب واپس آؤں۔" وکرم سنگھ کا خیال تھا کہ اس کی یہ بات سن کر رانی ماں پگھل جائے گی۔ اس نے اس کا آشیرداد لینے کے لیے اپنا سر بھی جھکا دیا اور دس پندرہ سیکنڈ تک اس امید پر سر جھکاٹے کھڑا رہا کہ ماں کا ہاتھ اس کے سر پر آٹکے گا۔

لیکن ایسا نہیں ہوا۔ رانی ماں کی سپاٹ اور بھاری آواز اس کی سماعت سے ٹکر آ گئی "نہیں، تم اگر اپنے ارادے پر قائم ہو تو میں بھی اپنی ضد پر اڑی ہوئی ہوں۔۔۔ میں بھی نہیں جھکوں گی۔۔۔ جاؤ تمھیں میرا آشیرداد نہیں ملے گا۔" بولتے بولتے رانی ماں کی آواز بھرا گئی اور اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔

کرے میں چھائی ہوئی موت کی خاموشی کو ٹیلیفون کی گھنٹی

نے توڑ دیا۔ دکر م نے چونک کر ٹیلیفون کی طرف دیکھا اور ریسپور  
اٹھانے کے لیے آگے بڑھ گیا۔ "ہیلو... ہاں، میں دکر م سگھ ہوں..."  
وہ بولا اور دوسری طرف سے کچھ سن کر بری طرح اچھل پڑا "کیا کہا؟"  
ڈاکو رانی گنگا نے قتل کر دیا ہے زمیندار کو؟ میں ابھی آ رہا ہوں"  
ریسپور رکھنے کے بعد وہ رانی ماں کی جانب دیکھتا رہا۔ فرض کے آگے  
اس نے ماں کی محبت اور جذبات کو کھیل دیا اور منہ پھیر کر بولا "میں  
جادو ہوں ماں جی! مجھے یقین ہے آپ کا آئینہ دادر سے ساتھ ہی  
رہے گا۔"

جواب میں رانی ماں ایک گہرا سانس لے کر رہ گئی... دکر م  
وہاں سے جا چکا تھا۔

لاکھن انتظار میں کھڑا تھا کہ کب گنگا پوچھا کر کے لٹھ اور وہ  
اس بات کو کہہ دے جس کو کہنے کے لیے وہ بڑی دیر سے بیٹھیں کھڑا  
تھا۔ تھوڑی دیر بعد جب گنگا نے پوچھا سے فارغ ہو کر اس کی طرف  
دھیان دیا تو وہ بغیر پوچھے ہی بول پڑا۔

"دیڈی! غدار اور بے ایمان بہاری اب حد سے بڑھ گیا ہے  
اس نے ہم باغیوں کے نام پر بڑے لگا دیا ہے... اس کا کوئی کر کوئی  
انتظام ہونا ہی چاہیے۔"

اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر گنگا سمجھ گئی کہ اس کے دوسرے  
ساتھیوں کی طرح لاکھن بھی بہاری کی غداروں کا بدلہ لینے کے لیے جہیں  
ہے... شاید اسے یاد تھا کہ مرنے وقت رام سگھ نے بہاری کی طرف  
اشارہ کیا تھا اور وہ ادھر وہاں کام اب پورا کرنا باقی تھا۔

"دیڈی! وہ بد معاش ایک مسلمان بیوہ عورت کے اکلوتے بیٹے  
کو اٹھا کر لے گیا ہے، جس کی رہائی کے لیے اس نے بیوہ عورت  
سے پچیس ہزار روپے مانگے ہیں۔ اس عورت کی مالی حالت اچھی نہیں  
ہے۔ سارا گاؤں اس پر رحم کھاتا ہے، لیکن پچیس ہزار کی رقم کم  
نہیں ہوتی وہ بے چاری کہاں سے رقم لاکر دے گی؟ وہ مسلسل دو  
روز سے رو رہی ہے۔ اس نے اپنے بچے کے غم میں کچھ کھایا یا پیا بھی  
نہیں ہے۔" بہاری غصے سے بولا۔

یہ سننے کے باوجود جب گنگا جواب میں کچھ نہ بولی تو لاکھن جھنجھلا  
گیا اور بولا "بہاری نے اس عورت کو جھپٹی بھیجی ہے، جس میں  
اس نے آج شام تک کی مہلت دی ہے... اس بیوہ نے اپنا  
گھر گروی رکھ کر بڑی مشکل سے بارہ ہزار روپے جمع کر لیے ہیں۔ لیکن

بقیہ روپوں کے لیے وہ مہاجنوں اور ساہوکاروں کے دروازوں پر  
سر ہٹاتی پھر رہی ہے... لیکن..."

گنگا نے تنگی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ آج تک وہ خود  
زمینداروں، پولیس اور مہاجنوں کے قلم کے آگے اپنا سراٹھا کر چلتی  
آئی تھی، وہ صرف دولت مندوں اور ساہوکاروں کو ہی کوٹتی رہی  
تھی۔ یہ رام سگھ داڈ کا اصول تھا، جس پر وہ خود بھی سختی سے  
عمل کر رہی تھی۔ لیکن غریبوں کو لوٹنے والے غدار بہاری کو ان اصولوں  
سے سروکار ہی کیا تھا؟ ایک باغی کو دوسرے باغی کے معاملے میں نہیں  
پڑنا چاہیے... رام سگھ جب تک زندہ تھا اپنے اس قانون پر وہ  
اٹل رہا تھا، اسی لیے وہ بہاری یا کسی اور گروہ کے معاملات میں  
داخل انداز ہی سے گریز کرتی رہی۔ آپس میں دشمنی پیدا کرنے والی  
گھڑی کو وہ ہمیشہ ٹالتی رہی تھی۔ لیکن کسی بیوہ کے معصوم بچے کو اغوا کر  
کے لے جانا اور اس کی رہائی کی قیمت مانگنے والا آدمی باغی کیسے کہا  
جا سکتا تھا؟ باغی تو بہادر ہوتا ہے جو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر  
مقابلہ کرتا ہے اور جرح کام بہاری نے کیا تھا وہ تو بزدل لوگ کرتے  
تھے... ایک معمولی سا بد معاش بھی یہ کام کر سکتا تھا۔

"مجھے لگتا ہے کہ بہاری کا پچھلا حساب ہمیں صاف کرنا ہی  
بڑے گا۔" بالآخر گنگا نے اپنا فیصلہ سنایا تو لاکھن کا چہرہ کھل اٹھا  
"تم ایک کام کرو،" گنگا نے اپنا منصوبہ بتاتے ہوئے کہا "گاؤں  
سے باہر اس بچے کی ماں سے میری ملاقات کر دو۔ اس بات کا کسی  
کو بھی علم نہ ہونے پائے... ممکن ہے بہاری کے کسی آدمی نے اس  
عورت پر نظر رکھی ہو، اس لیے تمہیں وہاں بھیس بدل کر جانا ہوگا۔"  
"اس کی آپ ذرا بھی فکر نہ کریں دیڈی! درانیتا کے ساتھ والے  
گاؤں میں ہمارے مخبر انوپ کا گھر ہے۔ میں صرف دو گھنٹے میں اس  
عورت کو وہاں لا سکتا ہوں۔ آج دن بھر کے لیے میں اس عورت  
کے ماموں کا لڑکا بن جاتا ہوں اور اپنا نام جمال رکھ لیتا ہوں۔"  
لاکھن اس طرح بولا جیسے اس نے پہلے سے ہی سارا منصوبہ سوچ  
رکھا ہو۔ اس کی باتیں سن کر گنگا مسکرائی، وہ جانتی تھی کہ بھیس  
بدل کر خطروں سے کھیلنے کا موقع اگر لاکھن کو مل جائے تو اس کا خوش  
و خوش بڑھ جاتا تھا اس کا جذبہ دیکھ کر اکثر وہ اس سے  
کہہ دیا کرتی تھی کہ تم اگر باغی نہ بنے ہو تو آج زبردست اداکار ہوتے۔  
"ٹھیک ہے جمال میاں، اب تم جاؤ،" گنگا مسکراتے ہوئے "دو  
گھنٹے بعد بہاری ملاقات ہوگی" گنگا نے اسے رخصت کر دیا،

لاکھن ڈھالی گھنٹے میں اس مسلمان عورت فاطمہ کو لے کر  
اپنے مخبر انوپ کے گھر پہنچ گیا۔ جہاں گنگا اس کے انتظار میں بیٹھی  
تھی لاکھن نے گنگا کو بتایا "دیڈی! اپنے بیٹے کے غم میں اس  
بے چاری کا دماغ الٹ گیا ہے اسے پہلے تو میری بات کا یقین ہی  
نہیں آیا۔ آپ کا نام لے کر میں نے بڑی مشکل سے اسے سمجھایا ہے مگر  
پورے راستے یہ بڑبڑاتی رہی ہے کہ اگر تم جھوٹ بول کر مجھے لے جا  
رہے ہو تو تم پر خدا کا عذاب گرنے کا۔ تمہارے بیوی بچے بھی خیر سے  
نہیں رہیں گے۔"

گنگا نے ہاتھ بڑھا کر دھیرے سے اس عورت کے منہ پر پڑا  
ہوا نقاب ہٹایا تو اس کی سوجی ہوئی آنکھوں کو دیکھنے ہی وہ اندر  
ہو گئی اس وقت اس قابل رحم عورت کو دیکھ کر بہاری اسے جلد  
نظر آنے لگا تھا۔ ایک بے سہارا عورت کی مانتا کو وہ بد معاش  
کس بے رحمی سے اپنے پیروں تلے کچل رہا تھا؟

"میرے بچے کو بچاؤ گنگا بیٹی!" وہ عورت اس کے پیر تھا  
کہہ دیتے ہوئے کہنے لگی "مجھے دولت پیاری نہیں ہے میں نے  
اپنا گھر گروی رکھ کر بارہ ہزار روپے اکٹھے کر لیے ہیں، لیکن بہاری ڈاکو  
پچیس ہزار سے ایک پانی بھی کم لینے پر تیار نہیں ہے۔" اس کے  
آنسو دیکھ کر گنگا کی پلکیں بھی جھپک گئیں "شام تک اگر میں نے اسے  
پچیس ہزار روپے نہ پہنچائے تو وہ میرے بچے اور کو مار ڈالے گا۔"  
لوڑھی عورت روتے ہوئے بولی۔

"نہیں ماں، ایسا مت کرو،" گنگا اس کے برابر بیٹھ کر اسے  
دلاسا دیتے ہوئے بولی "مارنے والا اور زندہ رکھنے والا اور پیر پٹھا  
ہے۔ تمہارے اندر کو جھگوان نے جا ہا تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔"  
پہلی بار ایک سسکتی ہوئی ماں کو ایسا دلاسا ملا تھا لیکن پھر  
بھی جو وہ ہم اس کے دل میں بیٹھ چکا تھا وہ کم نہیں ہوا وہ بولی "اگر  
بہاری نے تمہاری بات بھی نہیں مانی تو تم اس معاملے میں پڑ گئیں تو  
کہیں وہ خفا ہو کر کہیں میرے نور کو..." بولتے بولتے اس کی آواز  
رندھ گئی۔

گنگا اس سے کہنا نہیں چاہتی تھی کہ بہاری کو منا کر یا بھیک  
مانگ کر وہ اس کے بیٹے کو نہیں لائے گی... بلکہ وہ تو بہاری سے اس  
کے بیٹے کو جہیں کرواپس لانے والی ہے... یہ بات اگر وہ کہہ دیتی تو  
یہ لوڑھی بے چاری بے ہوش ہو جاتی۔  
"ماں جی! بہاری نے جو چھٹی آپ کو بھیجی تھی وہ آپ ساتھ

لائی ہیں؟"

"ہاں" کہہ کر فاطمہ نے دوپٹے کے آئینل میں بندھ رہے ہوئے کاغذ  
کو نکال کر گنگا کے ہاتھ میں دے دیا۔

بہاری نے کھانا... بدھ کی شام تک پرانے کھنڈرات کے پاس  
پچیس ہزار روپے دے کر اپنے بیٹے کو واپس لے جانا، اگر پولیس کی مدد لینے  
کی کوشش کی تو یاد رکھو تم اپنے بیٹے کی لاش ہی دیکھ کر گئی... ڈاکو بہاری  
بہاری کی جھپٹی پڑھ کر گنگا سوچ میں پڑ گئی کئی دوسرے تھے

جو اسے سوچنے پر مجبور کر رہے تھے۔ وہ بہاری کی اس حرکت پر ہر پہلو  
سے غور کر لینا چاہتی تھی۔ وہ بہاری اور پولیس کی گھٹ پھوٹ پر بھی سوچ  
رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ جس بات کو بہاری نے پولیس سے چھپا رکھا  
کی دھمکی دی ہے، وہ بات تو سارے گاؤں کو معلوم ہے کہ بہاری فاطمہ  
کے بیٹے اور کو اٹھا لے گیا ہے۔ اور اس کی رہائی کے لیے اس نے  
پچیس ہزار روپے طلب کیے گئے ہیں۔ چونکہ گاؤں والے یہ بات جان  
چکے ہیں اس لیے پولیس کو بھی اس کی خبر ہو گئی ہوگی... تو کیا بہاری  
گاؤں کی پولیس سے مل گیا ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ پچیس ہزار کی  
رقم دونوں آدمی آدھی آدھی بانٹ لیں؟ یا پھر بہاری اور پولیس نے مل  
کر خود اس کے خلاف سازش کی ہو؟ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ بیوہ عورت  
پچیس ہزار کی خطیر رقم انھیں نہیں دے سکے گی۔ اور جب گنگا اس  
کی مدد کو آئے گی تو پولیس اس کے گرد اپنا گھیرا تنگ کر دے گی۔

اس خیال کے آتے ہی گنگا نے غصے سے دانت پیسے وہ پولیس  
سے نہیں ڈرتی تھی۔ اس عورت کے بیٹے کو واپس لانے کے لیے اسے  
اپنی جان پر کھیلنا پڑتا تو وہ ایسا ضرور کرتی... وہ ہر خطرے کے  
باوجود یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ وہ اس نیک کام سے پیچھے نہیں ہٹے گی...  
کافی دیر سوچنے کے بعد اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "ٹھیک ہے  
ماں جی! اب میں خود جا کر تمہارے بیٹے کو لے کر آؤں گی لیکن آپ کو  
مجھے اپنی ایک چیز دینی ہوگی۔"

"کیا؟" فاطمہ نے بغیر سوچے ہی کہہ دیا "بیٹی! میرے بچے کی  
خاطر تم جو مانگو گی میں دے دوں گی... لیکن میرے پاس پچیس ہزار  
روپے نہیں ہیں۔"

"میں روپے کی بات نہیں کر رہی ہوں،" گنگا نے کہا "آپ  
اپنا یہ برقع مجھے دے دیں۔"

یہ سن کر فاطمہ کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی ہی رہ گئیں کہ  
گنگا اس کا یہ چھٹا پرانا برقع لے کر کیا کرے گی؟

”آپ کو حیرت ہو رہی ہے نا؟“ گنگا اس کی انھیں سمجھ گئی۔  
 ”یہ برق نہیں کمر آپ کی جگہ میں الود کو لینے جاؤں گی۔ اس کے سوا  
 بہاری کے پاس پہنچنے کا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ آپ کے بیٹے  
 کے ساتھ یہ برق بھی آپ کو واپس مل جائے گا، یہ میرا وعدہ ہے  
 ماں جی!“

”بیٹی، اس برق کی قیمت تو دو کوڑی بھی نہیں ہے“ فاطمہ  
 نے برق اتار کر اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا ”میرا بچہ صحت سلامت  
 واپس آجائے تو میں ہزار دو ہزار کی خیرات بھی کروں گی“  
 ”ایک بات اور بھی ہے“ گنگا کا دماغ تیزی سے منھوس ہو رہی  
 کمر ہاتھ ”شام تک آپ کو اسی گھر میں رہنا پڑے گا۔ یہ بات کسی  
 کو معلوم نہیں ہونی چاہیے کہ آپ کی جگہ میں وہاں گئی ہوں، نہیں  
 تو بڑی دشواری ہو جائے گی“

”تم جو کوئی میں وہ کرنے کے لیے تیار ہوں بیٹی!“ پہلی  
 بار فاطمہ کی آواز پُر امید سنائی دی ”خدا تمہاری ساری مراد پوری  
 کرے گا۔ میں نہ ملے گی بھر تمہارا احسان نہیں بھولوں گی بیٹی!“  
 وہ دعائیں دیتی رہی اور گنگا نے برق پہن لیا پھر لاکھن کے  
 ساتھ گھر سے باہر نکل گئی جو اس وقت ایک مسلمان چال میاں کے گھس  
 میں تھا، گنگا کے جانے کے بعد فاطمہ سجدے میں گر کر بڑی دیر تک  
 روتی رہی اور خدا کے حضور گڑ گڑا کر دعائیں مانگتی رہی۔

دس سالہ الود کو اٹھا کر لے جانے کے بعد بہاری چار دن  
 سے پریشان تھا۔ رام سنگھ سے جھوٹ بولنے کے بعد وہ اس کے  
 اڈے سے بھاگ نکلا تھا، پھر اپنی جان بچانے کے لیے تھوڑے  
 دنوں تک وہ ادھر ادھر چھپتا پھرا۔ وہ رام سنگھ کے غصے سے خوب  
 اچھی طرح واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ رام سنگھ اسے پاتال کے اندر  
 سے بھی کھینچ لائے گا اور اپنے تمام ساتھیوں کے سامنے اس کے جرم  
 کی اسے سزا دے گا۔ بس یہی خوف تھا جو اسے جین نہیں لینے  
 دیتا تھا۔ اسی خوف سے وہ راجستھان کی سرحد پار کر کے مدھیہ  
 پردیش میں جا کر روپوش ہو گیا تھا۔ مدھیہ پردیش میں اسے چند  
 ہی روز ہوتے تھے کہ اچانک ایک دن اسے خبر ملی کہ رام سنگھ درجہ  
 ہے۔ اس کی موت کی خبر سن کر اس نے کچھ سکون محسوس کیا تھا پھر  
 ہمت کیسے وہ راجستھان واپس آ گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ جب تک  
 گنگا رام سنگھ کا سوگ منا کر اپنی جگہ مضبوط کرے گی اس سے پہلے

وہ اپنی دھاک جاکر اپنا ایک نیا گروہ بنالے اور اپنے بیرون پر کھڑا ہو جائے۔  
 گروہ جب چھوٹا ہوتا ہے تو وہ بڑے بڑے ڈاکے ڈالنے سے  
 گریز کرتا ہے کیونکہ اتنے چھوٹے گروہ میں پولس سے مقابلے کی ہمت  
 نہیں ہوتی۔ اس کے لیے بہت باہمت ساتھیوں اور کافی ہتھیاروں  
 کی ضرورت ہوتی ہے اور کسی مالدار مہاجن یا زمیندار کی پشت پناہی  
 حاصل ہونا ضروری ہوتا ہے۔ لیکن رام سنگھ جیسے بڑے ٹھکانے کی  
 طرح بہاری جیسا معمولی آدمی اتنی اونچائی تک کیسے پہنچ سکتا  
 تھا؟ بہت سوچنے کے بعد ایک ترکیب اس کے ذہن میں آئی وہ بھی  
 پردیش کے چھوٹے چھوٹے ڈاکوؤں کی نئی ریت اسے یاد آگئی تھی۔  
 وہ لوگ کسی مالدار گھرانے کے بچے کو اٹھا کر لے جاتے تھے اور پھر  
 ان سے منہ مانگی رقم لے کر بچان کے حوالے کر دیتے تھے۔ یہ کام  
 بے حد آسان تھا اور اس کے لیے کسی بہت بڑے گروہ کی ضرورت  
 بھی نہیں ہوتی تھی۔ آٹھ دس برس کے بچے کو اغوا کر کے لے جانا  
 زیادہ محنت طلب بھی نہیں تھا اس خیال کے لئے ہی بہاری نے  
 اس پر عمل کرنے کا ارادہ کر لیا تھا مگر اس کام کے لیے اسے بہت سوچنا  
 پڑا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ کسی ایسے گھر کے بچے کو اٹھا لیا جائے جن  
 کے گھر میں کوئی مرد نہ ہو، تاکہ بچے کے جانے کا خطرہ بالکل ہی نہ ہو۔  
 لڑکا غائب ہو جانے کے بعد اس کی اکیلی ماں اپنے بچے کے لیے سب  
 کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہو جائے گی اس طرح اپنے کمزور شکار  
 پر وہ آسانی سے قابو پاسکے گا۔ بہاری کے ساتھی شکر نے اپنے ہی  
 گاؤں کی ایک بیوہ عورت کی طرف اشارہ کیا اور اس کے گھر سے بچے  
 کو اٹھا لے گا بیڑہ بھی اسی نے اٹھایا۔ اس کام میں شکر کے ایک  
 دوست نے اس کے لیے خبری کی تھی۔ اس نے شکر کو بتایا تھا کہ کم  
 سے کم پچیس ہزار روپے تو انھیں اس بیوہ عورت فاطمہ سے ضرور مل  
 جائیں گے۔ بس اسی لالچ میں بہاری نے الود کو اغوا کر لیا تھا۔  
 پھر اس نے فاطمہ کو بدھ کی شام تک رقم لے کر آنے کی ہمت دی تھی  
 اور اپنی چھٹی میں اس نے یہ دھمکی بھی دی تھی کہ اگر پولس کو خبر دی  
 گئی تو وہ لڑکے کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔

الود کو اٹھانے کے تین دن بعد ہی سے بہاری پر چھوٹا ہٹ  
 سوار ہو گئی تھی اس نے فاطمہ کو جتنا مالدار سمجھا تھا وہ اتنی مالدار  
 ثابت نہیں ہوئی۔ جب یہ بات اسے معلوم ہوئی تو اسے لگا کہ اس کی  
 پہلی بازی ہی چوہٹ ہو گئی۔ اس کا سچا چاہا کہ غلط اور چھوٹی خبری  
 پر وہ شکر پر برس پڑے، لیکن شروع ہی شروع میں ساتھیوں پر

جمانا اسے مناسب نہیں لگا۔ کیونکہ اس میں خطرہ تھا کہ اس کا  
 ناش رہ جائے۔ اسی لیے وہ اندر ہی اندر تیج و تاب کھاتا  
 اس دوران ایک اور خیال اس کے ذہن میں آیا تھا کہ وہ فاطمہ  
 پچیس ہزار کے بدلے صرف پندرہ ہزار پر سودا کرے۔ لیکن  
 میں اسے اور زیادہ خطرہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اپنے متعلق  
 ایسی افواہ پھیلاتا نہیں چاہتا تھا کہ بہاری ایسے کاموں میں  
 بے بازی کرتا ہے۔ اپنی کمزوری کا اظہار کرنے کی بجائے اس نے سوچ  
 لیا کہ ضرورت پڑنے پر وہ الود کو ختم کر دے گا لیکن سودے بازی  
 پر میں نہیں پڑے گا۔

بدھ کی دسویں کو شکر کے دوست نے انھیں خبر دی تھی کہ فاطمہ  
 پچیس دوسرے رشتہ دار جمال میاں کے ساتھ گھر سے نکل گئی ہے۔  
 خبر سے بہاری کی پریشانی ذرا کم ہو گئی تھی اس کا خیال تھا کہ فاطمہ  
 غریبے کا ہندو بیٹ کر گئی ہے اور شام تک اسے پچیس ہزار  
 بے مل جائیں گے۔ اس دوران دس سالہ الود نے بھی اسے تنگ  
 لگایا تھا۔ ”ات کو امی... امی“ چلاتا ہوا وہ فینڈ سے جاگ پڑا  
 اسے چپ کرنے کے لیے بہاری اسے دو تین تھپڑ لگا دیتا تو وہ اور  
 زور سے رونے لگتا۔ یہ دیکھ کر بہاری دل ہی دل میں جھنجھلا کر  
 بڑے گتا ”اس کم بخت کو لڑکے میں نے ایک مصیبت مول لی ہے“  
 اس وقت بھی پرانے کھنڈرات کے پیچھے چھپ کر بیٹھا ہوا بہاری  
 چہرے پر سورج کو غصے سے دیکھ رہا تھا جیسے کہ رہا ہو ”تم  
 آت اپنی دھیمی چال دکھانے پر تلتے ہوئے ہو۔۔۔“  
 ”سائے دیکھو کوئی دور سے آنا دکھائی دے رہا ہے۔“ شکر  
 لڑکی ٹوٹی دلیوار کے پیچھے سے سر اٹھا کر دھیرے سے بولا۔ اس کی  
 آواز سے بہاری چونکا ہو گیا ”برقع والی ایک عورت کے ساتھ  
 دھیمی والا ایک مرد بھی ہے“

بہاری نے بیڑی پھینک کر دوڑ بین آنکھوں سے لگائی۔ اسے  
 ہوش عورت کی چال دھیمی ہوتی دکھائی دی مگر دائرہ بھی والے  
 ہار کے ہاتھ میں کپڑے سے بندھی ہوئی ایک پٹلی دیکھ کر اس کے  
 دل پھیل گئے اور دل ملنے والی دولت کی وجہ سے خوشی سے جھوم  
 لگا جوش مسرت میں اس نے دس سالہ الود کے گال پر زور سے جھکی  
 اور ہنستے ہوئے بولا ”دیکھ، وہ تیری ماں آ رہی ہے“  
 الود کا گال سرخ ہو گیا مگر پھر بھی وہ جھکی کی تکلیف سے بچ  
 سکا۔ ماں کا نام سننے ہی وہ ہر تکلیف بھول گیا تھا۔ اپنی

آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر وہ دوڑک دیکھنے کی کوشش کرنے لگا پہلے  
 تو اونچے نیچے آڑے ترچھے ٹیلوں کے درمیان اسے کچھ بھی دکھائی  
 نہیں دیا۔ اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا اور رونے کے لیے اس  
 نے منہ کھول دیا۔ لیکن بہاری نے بڑی پھرتی سے اس کے کھلے ہوئے  
 منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور دانت پس کر بولا ”خبردار ذرا بھی آواز  
 نکالی تو۔۔۔“

تھوڑی دیر بعد جب الود کی کھلی ہوئی آنکھوں میں برق پوش  
 ماں کی پرچھائیں دکھائی دی تو اس کے دل میں ماں کی محبت نے  
 جوش مارا۔ اس نے اپنے منہ پر رکھی ہوئی بہاری کی ہتھیلی پر دانت  
 گاڑ دیے۔

بہاری اس اچانک آفت سے گھبرا گیا اور اس دوران الود اس  
 کی گرفت سے نکل کر ”امی... امی“ پکارتا ہوا اس طرف دوڑنے لگا۔  
 لیکن بہاری کے ایک ساتھی نے اسے پکڑ لیا۔  
 ”اس بد معاش کا منہ باندھ کر دیوار کے پیچھے چھپا دو“ بہاری  
 اپنی ہتھیلی سہلا تا ہوا غصے سے بولا ”تمہارا کو دیکھ کر کبھی شیر ہو گیا تھا۔“  
 الود کی ماں اور دائرہ صبی والا جوں جوں قریب آتے گئے بہاری  
 خوشی سے سرشار ہوتا گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ پچیس ہزار کی رقم ہاتھ آتے  
 ہی وہ سب سے پہلے اسلحہ فروخت کرنے والے کے پاس پہنچ جائے  
 گا، پھر اس بندوق کو دوسرے ساتھی کے حوالے کر کے خود شین گن  
 خریدے گا۔ تاکہ پولس والوں سے مقابلہ ہو تو وہ ایک ایک کو بھون  
 کر رکھ دے۔ اس طرح تھوڑے ہی دنوں میں اس کے نام کا ڈنکا بجے  
 سکے گا پھر گنگا کو بھی خیال آئے گا کہ بہاری اتنا بزدل اور کمزور بھی  
 نہیں ہے۔ میری محبت کو ٹھکرا کر اسے اپنی غلطی کا شدید احساس  
 ہوگا۔ پھر وہ مجھ سے ملنے کے لیے تڑپے گی۔

”سردار وہ دونوں اب اوپر آ رہے ہیں“ یکا یک شکر کی آواز  
 سن کر وہ اپنے تصورات سے چونک پڑا۔ اس نے ایک بار پھر دوڑ بین  
 کو آنکھوں سے لگا لیا، الود کی ماں اپنے برقع کو سیٹھے اس طرح منہ  
 منہ لٹک رہی تھی کہ ہوا کے زور سے اس کا نقاب الٹ نہ جائے  
 اسے اس قدر محتاط دیکھ کر بہاری کو لگا یقیناً الود کی ماں ابھی  
 جوان ہوگی۔ جس طرح وہ اس وقت اس کے پاس کھینچی چلی آ رہی ہے  
 بالکل اسی طرح ایک دن گنگا کو بھی اس کے پاس آنا پڑے گا۔  
 سوچتے سوچتے اس نے محسوس کیا کہ الود کی ماں اور دائرہ صبی والا جمال  
 میاں چلتے چلتے ایک جگہ رک گئے ہیں۔ اس نے شکر کو آواز دی۔

”شکر اتم نیچے اتر آؤ اور اپنے ساتھیوں سے کہہ دو وہ اپنی اپنی جگہ چھپ کر بیٹھ جائیں۔ میں اس لڑکے کو لے کر آگے جاتا ہوں۔“ اتنا کہنے کے بعد وہ چار پانچ منٹ تک چپ چاپ بیٹھا رہا پھر اپنی جگہ سے اٹھا اور لڑکی کلائی پر کھڑے ہوئے دیوار کی اوٹ سے باہر نکل آیا اور غراہٹ بھرے لہجے میں انور سے بولا ”میں جو کہوں وہی کرنا نہیں تو تیری ماں کا جسم گولیوں سے چھلنی کر دوں گا۔“

وہ اس کا ہاتھ تھامے آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا پانچ دس قدم چلتے ہی اسے محسوس ہوا کہ برقع پوش عورت کی چال میں ذرا تیزی آگئی ہے... شاید اپنے نیچے کو دیکھ کر اس میں ہمت آگئی تھی۔ لیکن اچانک بہاری کی تیز آواز نے اس کے قدم روک دیے ”بس وہیں رک جاؤ“ ایک ہاتھ میں انور کی کلائی اور دوسرے ہاتھ میں بندوق تھامے بہاری ایک بڑے پتھر کے پاس پہنچ گیا۔ وہیں سے اس نے چاروں طرف نظریں گھما کر یہ اطمینان کر لیا کہ اس کے چاروں ساتھی بھی بڑے بڑے پتھروں کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ چکے ہیں۔ ان سب کی جانب سے مطمئن ہونے کے بعد اس نے پوچھا ”رقم لے آئی ہو؟“ جواب میں دائرہ صلی ولے شخص نے اقرار میں سر ہلایا تو بہاری نے پھر پوچھا ”پورے پچیس ہزار ہی ہیں نا؟“

اس سوال پر دائرہ صلی ولے شخص کے ساتھ اس برقع پوش عورت نے بھی سر ہلایا کہ ہاں میں جواب دیا۔ ماں سے ملنے کی خوشی میں انور کی آنکھوں میں ایک خوشی کی چمک لہرائی گئی تھی۔ وہ باہر دوسرے ہاتھ سے ان بہنے آنسوؤں کو پونچھنے لگا تھا پھر تھوڑی دیر بعد جب وہ بہاری کے ہاتھ سے اپنی کلائی چھڑانے کی کوشش کرنے لگا تو بہاری نے بندوق کی نال اس کی پسلی میں لگا دی اور دبلی ہوئی مگر بھاری آواز میں بولا ”سیدھے کھڑے نہ ہو میں تمہاری ماں کو یہاں بلاتا ہوں۔“

برقع میں لپٹی ہوئی گنگا آنے والے خطرناک لمحوں سے نشے کے لیے پوری طرح تیار ہو چکی تھی۔ کمر میں چھپے ہوئے ریو اور کو دیکھ کر اس نے اپنے ساتھی لاکھن کی طرف دیکھا۔ لاکھن نے روپوں کی پوٹلی اس کی جانب بڑھا دی، گنگا نے اس طرح اس کے ہاتھ سے پوٹلی چھین لی جیسے اب ایک منٹ کی تاخیر بھی اسے گوارا نہ ہو اس کے بڑھتے ہوئے قدموں سے احساس ہوا تھا کہ وہ اپنے پیٹے کو گلے سے لگانے کے لیے بری طرح بے چین ہے۔

اسے بہاری کی جانب بڑھتے دیکھ کر لاکھن کو ایک جھٹکا لگا

کہ گنگا کا اس طرح اکیلے بہاری کے قریب جانا خطرے سے خالی نہیں ہے... اس بات کا احساس ہوتے ہی اس نے اس کے ساتھ چلنے کے لیے قدم اٹھائے لیکن بہاری پوری طرح چوکتا تھا وہ فوراً ہی بولا ”نہیں میان! تم وہیں کھڑے رہو۔ ماں بیٹے کے ملاپ میں تمہاری ضرورت نہیں ہے۔“

یہ سن کر لاکھن رک گیا اور چاروں طرف بکھرے ہوئے ادبے نیچے پتھروں کی طرف دیکھنے لگا۔ ایک دو پتھروں کے اوپر سے اسے بندوق کی نالیں جھانکتی ہوئی دکھائی دے گئیں۔ یہ دیکھ کر اس نے اس طرح اپنے سینے پر ہاتھ رکھ دیا جیسے اس کی طبیعت اچانک خراب ہونے لگی ہو وہ اسی طرح سینے پر ہاتھ رکھے جیکٹ میں چھپے ہوئے پسٹول کو ٹٹولنے لگا۔

”پہلے اس پتھر پر مال رکھ دو“ بہاری نے بڑی رعب دار آواز میں برقع پوش عورت سے کہا۔ گنگا نے وہ پوٹلی پتھر پر رکھی۔ وہ نقاب کے اندر سے انور کو گھورتی ہوئی چپ چاپ کھڑی رہی۔ اس کی خاموشی دیکھ کر بہاری سمجھ گیا اس نے کہا ”گنگا! تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں ہے؟“ اتنا کہہ کر وہ منہ سے بولے ”ٹھیک ہے، میں تمہارے بیٹے کے منہ پر سے کپڑا اٹا دیتا ہوں۔“ اس نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا ”مال رکھ دو پھر میں اسے تمہارے حوالے کر دوں گا۔“

گنگا نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا پھر کانپتے ہاتھ سے پوٹلی پتھر پر رکھ دی۔ اس کے ساتھ ہی بہاری نے انور کا ہاتھ بھی چھوڑ دیا۔ رونا ہوا ”امی... امی“ کی آواز لگتا ہوا دوڑا اور برقع میں ملبوس گنگا کو اپنی ماں سمجھ کر اس سے لپٹ گیا گنگا نے اسے فوراً ہی اپنی کمر سے چپکا لیا لیکن اس کی توجہ بہاری کی ایک ایک حرکت پر لگی ہوئی تھی۔ اور دوسری طرف اسے اس بات کا بھی ڈر تھا کہ کہیں انور جوش میں آکر اس کا نقاب نہ اٹھا دے۔ اگر اس نیچے نے اچانک ایسا کر دیا تو اس کا راز کھل جائے گا۔ اس درمیان لاکھن دھیرے دھیرے سر کٹا ہوا گنگا کے پاس پہنچ گیا اور اس نے بڑی ہوشیاری سے انور کو اپنی اوٹ میں لے لیا۔

بہاری نے پوٹلی کھول کر نوٹوں کی گڈیوں کی طرف سے اپنا اطمینان کرنے کے لیے اپنی بندوق کو پتھر سے لٹکا کر رکھ دیا تھا۔ اس کی تمام توجہ اس پوٹلی پر دیکھ کر گنگا نے برقع کے اندر بڑی تیزی سے اپنا ہاتھ ڈالا اور کمر سے ریو اور باہر نکالتے ہوئے چینی ”بہاری!“

بہاری اس نے اپنے دشمن کے ہتھیار پر چھلانگ لگائی۔ بہاری کی رون پتھر پر سے اچھل کر دور جا گری۔

”خبردار اس رقم کو اپنے گندے ہاتھ سے چھونا بھی مت۔“ اس کی آواز بچان کر بہاری نے ایک جھٹکے سے گردن گھمائی۔ اس نے ہاتھ دھو کا ہوا ہے یہ جان کر اس کا چہرہ خوف سے سیاہ پڑ گیا۔ گنگا کے ریو اور کو دیکھ کر تو اس کے ہوش ہی اڑ گئے۔ سہمی سہمی نظروں سے اپنی جانب اٹھے ہوئے ریو اور کو دیکھنے کے بعد ہی حسرت سے اس نے دور پڑی ہوئی اپنی بندوق کو دیکھا، پھر ایک گردن اٹھا کر ٹوک دار آواز میں بولا ”گنگا! میں نے تمہیں کی بہادر عورت سمجھا تھا۔ میرے پاس آنے میں تمہیں ایسے دھوکے بازی کی کیا ضرورت تھی؟“

گنگا نے بڑی ہوشیاری سے پتھروں کے اوپر سے جھانکتی ہوئی بندوق کی نالوں کو دیکھ کر بہاری کے ساتھیوں کی تعداد کا اندازہ لگا لیا تھا۔ اسے باتوں میں لگا کر غدار بہاری کوئی چالاکی باز مانتے اس کی طرف سے بھی اسے ہوشیار رہنا تھا۔ وہ چاروں طرف نگاہیں گھمانے کے بعد بولی ”بہاری! تم کچھ عرصے پہلے ہم سنگھ داڑ کے ایک قابل اعتماد ساتھی تھے اور آج تمہیں یہ اولاد کا کام کرتے درابھی شرم نہیں آئی؟ تمہیں کوئی اور نہیں ملا تھا کہ تم نے ایک غریب بیوہ کو اپنا شکار بنایا؟“

موجودہ حالات کے تحت لاکھن محسوس کر رہا تھا کہ گنگا اس بے کار بحث میں وقت ضائع کر کے اپنے لیے خطرہ بڑھاتی جا رہی ہے۔ انور بھی ماں کی بجائے برقع میں سسی دوسری ریو اور والی عورت کو دیکھ کر گھبرا گیا تھا۔ لاکھن اس بات سے ڈر رہا تھا کہ غصے اور جوش کی حالت میں کہیں یہ معصوم بچہ کسی کی گولی کا نشانہ نہ بن جائے۔ ”گنگا!“ اچانک بہاری کی آواز گونجی ”مجھے اب بھی تم سے پیار ہے۔ میں اب بھی تمہیں دل و جان سے چاہتا ہوں... ہم دونوں کا راستہ ایک ہے اور بہاری منزل بھی ایک ہی ہے... میں نے ایک بار تمہاری جان بچائی تھی تمہیں نئی زندگی دی تھی اور اب بھی میں تمہیں یہاں سے صحیح سلامت جانے دینے کے لیے تیار ہوں۔“

”جھوٹ!“ گنگا نے ریو اور والا ہاتھ اس کی جانب تان دیا اور بولی ”میری نہیں اب تم اپنی سلامتی کی فکر کرو بہاری... اپنے ساتھیوں سے کہہ دو کہ جھیل سے بھی بندوق نہ چلائیں نہیں

تو میری پہلی گولی تمہارے سینے کے پار ہو جائے گی۔“

دھمکی سن کر بہاری کو فوراً ہی حالت کی نزاکت کا احساس ہو گیا۔ اس نے دیکھ لیا کہ گنگا ایسی جگہ کھڑی تھی جہاں اس کا کوئی بھی ساتھی سیدھی طرح اس کا نشانہ نہیں لے سکتا تھا۔ البتہ لاکھن کو ڈھکی چھپی دینا آسان تھا۔ بہاری جاننا تھا کہ لاکھن کو گولی لگتے ہی گنگا اپنا ریو اور اس پر خالی کر دے گی۔

”خبردار کوئی گولی نہ چلائے،“ بہاری نے اونچی آواز میں اپنے ساتھیوں سے کہا پھر گنگا کی طرف مسکرا کر دیکھتا ہوا بولا ”جلاؤ اب ہم دونوں دوستی کر لیں۔“

گنگا نے بہاری کے بڑھے ہوئے ہاتھ پر مسکراتے ہوئے نظر ڈالی، پھر اپنے پیچھے کھڑے ہوئے لاکھن کو آنکھ کے پلکے سے اشارے میں سمجھا دیا کہ وہ ہوشیار رہے۔ اس کی آنکھوں کی جنبش دیکھ کر لاکھن نے انور کو اپنے اور زیادہ قریب کر لیا۔

گنگا کی طرف سے اپنی پیش کش کا جواب نہ پاکر بہاری پھر بولا ”دوستی کا ہاتھ بڑھانے کے لیے تمہیں اس قدر کم ہونا پڑ رہا ہے؟“ اس کا ارادہ تھا کہ گنگا اس سے ہاتھ ملائے گی تو وہ اسے کھینچ کر اپنے قبضے میں لے لے گا تاکہ لاکھن اس پر گولی چلانے کی ہمت نہ کر سکے اور اس طرح ہاری ہوئی بازی جیت میں بدل جائے گی۔

”تمہاری دوستی پر اعتماد کرنے کے لیے سوچنا پڑے گا۔“ گنگا دو قدم آگے آگئی۔ بہاری کی آنکھیں چمکے لگیں، وہ انتظار میں تھا کہ گنگا کب اپنا ریو اور اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ میں منتقل کرتی ہے؟ لیکن گنگا نے ریو اور بائیں ہاتھ میں لینے کی بجائے اپنا داہنا پاؤں اٹھا کر اس پر چھلانگ لگا دی۔ بہاری اس کے اس حملے کے لیے قطعاً تیار نہیں تھا۔ وہ گنگا کے جسم کے جھٹکے سے زمین پر گر پڑا۔ عین اسی لمحے بہاری کے ساتھی شکر نے گنگا پر گولی چلا دی۔ گنگا اچھل کر ایک پتھر کی اوٹ لے چکی تھی۔ لاکھن نے بھی انور کو دوپچ کر پیٹ کے بل زمین پر لپٹ جانے میں دیر نہیں لگائی۔ شکر کی دوسری گولی اس کے دائیں ہاتھ کے پاس سے گزر گئی تھی۔

ایکایک بہاری کے ایک ساتھی نے گنگا کے عقب سے اس کا نشانہ لینے کے لیے اپنا سر پتھر کے اوٹ سے باہر نکالا۔ اس سے پہلے کہ اس کی انگلی حرکت میں آئی لاکھن نے لیٹے ہی لیٹے اپنے



ہسپتال سے اس پر گولی چلا دی۔ لاکھن کی گولی بہاری کے سامنے  
کے کندھے کو چیرتی ہوئی نکل گئی تھی۔ بہاری کا ساتھی چیخ مار کر  
اچھلا اور زمین پر لڑنے لگا۔ اس درمیان گنگا نے دوسرے  
پتھر کی اوٹ سے جھانکتے ہوئے شکر کا نشانہ لے لیا۔ آخری لمحے  
میں ہوشیار ہو کر اس نے اپنا سر اندر کھینچ لیا تھا۔ ہندو کے بغیر  
بہاری نے آٹے سامنے کی اس فائرنگ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے  
ایک دوسرے پتھر کے پیچھے کود گیا۔ اب گنگا کو اس بات کا انتظار تھا  
کہ اپنی ہندو لڑنے کے لیے بہاری ضرور کوشش کرے گا۔ اس کا یہ  
اندازہ غلط ثابت ہوا۔ مجبوراً گنگا خطرہ مول لینے پر تیار ہو گئی۔  
وہ دھیرے دھیرے پتھر کی دوسری جانب سرکنے لگے۔ پھر ریلوے  
والا ہاتھ پتھر کی اوٹ سے باہر نکال کر اس نے بہاری کا نشانہ لیا،  
اس نے فائر کیا مگر بہاری بچ گیا۔ اور گنگا کو اپنا ہاتھ واپس کھینچنے  
میں دیر ہو گئی جس کا نتیجہ اسے بھگتا ہوا ایک بڑے شکر کی چلائی  
ہوئی گولی اس کی کلائی کو لگتی ہوئی گزر گئی تھی گنگا کا ریلوے  
اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر کچھ دور جا کر اٹھا اور اس کی زخمی کلائی  
سے خون بہہ نکلا تھا۔

لاکھن نے جب یہ دیکھا کہ گنگا بہاری کے آدمی کی گولی سے  
گھائل ہو چکی ہے تو وہ اپنے غصے کو قابو میں نہ رکھ سکا جوش  
میں آکر وہ دشمنوں کی گولیوں کی پروا کیے بغیر دوڑتا ہوا گنگا کے  
پاس پہنچ گیا "دیر چوٹ زیادہ تو نہیں لگی ہے؟" کہہ کر اس  
کی کلائی کو اپنے ہاتھ سے سختی سے دبا دیا تاکہ ہتھکڑیاں خون رک  
جائے۔ "میں ایک ایک کو زندہ نہیں چھوڑوں گا دیر!" وہ غصے  
میں غمراہا، پھر یکایک اس نے گنگا کی کلائی چھوڑ دی اور ہسپتال کو  
سیدھا کر کے اندر اوندھ شکر کی طرف فائر کرنے لگا۔... پانچ  
گولیاں چلانے کے بعد بھی اسے یہ خیال نہیں آیا کہ اس کا جواب  
اسے مل نہیں رہا ہے۔

دوسری طرف کی فائوشی نے گنگا کو شکر میں مبتلا کر دیا۔  
اس نے لاکھن سے کہا "مجھے زیادہ گہری چوٹ نہیں آئی ہے تم  
میری شکر چھوڑ کر بہاری کو پھرنے کی کوشش کرو" گنگا نے برف سے  
کپڑے کا ایک ٹکڑا اچھا کر اپنی کلائی پر باندھ لیا اور بولی "میں  
الوڑ کو سنبھالتی ہوں" اتنا کہہ کر وہ سرکتے سرکتے آگے بڑھی پھر  
ہاتھ بڑھا کر اس نے اپنا ریلوے اٹھا لیا اور پتھروں کا سہارا لیتی  
ہوئی اس پتھر کے پیچھے پہنچ گئی جہاں الوڑ گولیوں کی آواز سے

ڈر کر بے ہوش ہو گیا تھا۔

لاکھن ہمت کر کے اس پتھر کی طرف بڑھا جہاں بہاری پھپھا  
ہوا تھا لیکن اسے بھی دیر ہو چکی تھی بہاری موقع پا کر وہاں سے  
نکل بھاگا تھا۔

"لاکھن اسے نکل بھاگنے کا موقع مت دینا" گنگا کلائی کی  
تکلیف کو دبا کر دوسرے بولی "اس کا پیچھا کرو۔ جلدی..."  
گنگا کا حکم سننے ہی لاکھن نے کھنڈرات کی جانب دوڑ لگا دی  
وہ بہت تیزی سے اونچائی پر پہنچ گیا، لیکن بہاری اور اس کے  
ساتھی غائب ہو چکے تھے۔ اس کی نظر اچانک ٹیلے سے نیچے چلی گئی  
جہاں اسے بہاری اپنے گھوڑے پر سوار ہونے دکھائی دیا۔ اس نے  
فوراً ہی گولی چلا دی لیکن اس کا نشانہ چوک گیا۔ البتہ دھماکے سے  
بہاری کا گھوڑا بڑک گیا اور پوری رفتار سے بھاگا۔ چند ہی لمحوں  
میں وہ لاکھن کی نظروں سے غائب ہو چکا تھا۔

مجبوراً لاکھن منہ شکستے ہوئے گنگا کے پاس آ گیا۔ اس کا  
افسردہ چہرہ دیکھ کر گنگا سمجھ گئی کہ بہاری فرار ہو گیا ہے۔ وہ  
لاکھن کو دلاسا دیتے ہوئے بولی "میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے والے  
دشمن پر افسوس نہیں کیا جاتا، ہم پتھر بھی یہ حساب برابر کر لیں گے  
اس وقت تو تم اس لڑکے کو اس کی ماں کے پاس پہنچا دو، وہ  
بے چاری اس کے لیے ٹرپ رہی ہوگی"

"اور آپ؟"  
"میں اپنے زخم کی ڈرینک کے لیے ڈاکٹر بالو کے پاس جا رہی ہوں"  
گنگا نے بہاری آواز میں کہا "آج کی رات رادھا ماں کے پاس  
تھروں گی پھر کل دوسرے دن آڈے پر واپس آ جاؤں گی"  
لاکھن سمجھ گیا کہ گنگا کو ڈاکٹر سے ملنے کا بہانہ مل گیا ہے لیکن  
اپنے چہرے سے اس نے اس کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ وہ بولا "ٹھیک  
ہے... لیکن دیر دیر دیر ہو شیار رہنا"

"کس سے؟ کیا بہاری سے؟" گنگا ہنس پڑی۔  
"نہیں رانی ماں کے دوسرے بیٹے وکرم سنگھ سے" لاکھن  
نے کہا "پولس والے جب بہاری گرفتاری میں ناکام ہو گئے تو حکومت  
نے ملٹری کے کرنل وکرم سنگھ کو اس کام پر مامور کیا ہے کہ وہ ہمیں  
زندہ یا مردہ گرفتار کرے..."

"رانی ماں کے وکرم سنگھ کو؟" کہہ کر گنگا سوچ میں پڑ گئی۔  
جس کی ماں کی جان اس نے چائی تھی کیا اس کا بیٹا ہی اس کے

سامنے آئے گا؟ اچھا تو وہ اپنے بڑے بھائی کے قتل کا بدلہ لینے  
برے مقابلے پر آیا ہے اگر ایسی بات ہے تو رانی ماں کے اس دوسرے  
بیٹے کی موت بھی لگتا ہے میرے ہی ہاتھوں میں ہوئی ہے... اس نے  
دل ہی دل میں کہا۔ "ٹھیک ہے لاکھن اب دیر ہو رہی ہے تم میری  
کر کرنا میں ہوشیار رہوں گی۔ ویسے ملٹری والوں کو جب اپنا زور  
آزمائے گا موقع ملے گا تو ہم بھی پیچھے نہیں رہیں گے۔ دیکھیں تو  
ہی وکرم سنگھ کیسا مقابلہ کرتا ہے؟"

لاکھن محسوس کر رہا تھا کہ وکرم سنگھ ڈاکٹر کی طرح گنگا دیر ہی بھی  
وہ سے مقابلہ کرنے میں کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔ اس میں بھی  
وہی ہمت اور ولولہ ہے جو وکرم سنگھ میں تھا۔

"اب کیا حال ہے مریض کا؟" درگیش نے بستر پر لیٹی ہوئی  
گنگا کے کمرے میں اچانک داخل ہو کر اسے چونکا دیا "تکلیف کچھ کم  
آئی یا نہیں؟"

گنگا جواب دینے کی بجائے اٹھ کر بستر پر بیٹھ گئی اور چلری  
لاری اپنی ساری ٹھیک کرنے لگی پھر مسکرا کر بولی "تم جیسا ڈاکٹر  
راج کرے تو پھر میں اچھا ہی ہوگا۔ میری تکلیف بھی غائب ہو گئی  
ہے"

بہت دن بعد درگیش نے گنگا کو ایک گھر بلو عورت کے لباس  
دیکھا تھا۔ اسے ماضی کے گزرنے ہوئے دنوں کی یاد آ گئی۔ مردوں  
کا لباس سے زیادہ ساری میں گنگا کی شخصیت نکھر آتی ہے کیا گنگا  
اصلی روپ اور اصلی حسن اسے کبھی بھی دیکھنے کو ملے گا؟  
"کس سوچ میں ڈوب گئے ڈاکٹر صاحب؟" گنگا نے درگیش  
لاری سوچ میں ڈوبا دیکھ کر پوچھا۔

درگیش اپنے خیالوں سے چونک پڑا اور بولا "میرا جی چاہتا  
ہے کہ میں تمہیں پہلی جیسی گنگا کیوں نہ بنا دوں؟"

"وہ کیسے؟" گنگا نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔  
"تم ہتھیار پھینک کر پھر سے سماج میں واپس آ جاؤ۔"  
"سماج میں یا جیل میں؟" گنگا کے جواب میں گہری کلائی تھی  
لاف کیوں نہیں کہتے درگیش کہ ہتھیار پھینک کر میں پولس کی  
ہم میں آ جاؤں؟"

"میں پولس یا سرکار کو نہیں مانتا" درگیش پر اعتماد لے لے  
"میں تو صرف سماج کو مانتا ہوں، میرے نزدیک اس کا قانون

ہی اٹل قانون ہے"

"لیکن مجھے اس میں کوئی فرق نظر نہیں آتا" گنگا کے لیے  
میں تلخی آ چکی تھی "درگیش تم مجھے ہتھیار پھینک دینے کے لیے کہہ  
رہے ہو لیکن اس کا انجام کیوں نہیں سوچتے؟ پولس اور اس کا قانون  
مجھے قاتل سمجھتا ہے اور سرکاری نظروں میں بھی گناہ گار ہوں میں  
ایک بار بھی زندہ ان کے ہاتھ میں آ گئی تو میرا کیا حال ہوگا یہ تم بہ خوبی  
جانتے ہو لیکن ہاں اگر مجھے پھانسی پر چڑھا دینے سے یا جیلوں کا  
نام و نشان مٹ سکتا ہے یا تمہاری خلش دور ہو سکتی ہے تو میں  
اپنی قربانی کے لیے تیار ہوں... چلو بلا پولس کو"

گنگا کا یہ پراسکون مگر تلخ انداز دیکھ کر درگیش بوکھلا گیا اسے  
یاد آیا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے گنگا کتنی خوش اور کتنی پراسکون دکھائی  
دے رہی تھی لیکن اس کی باتوں نے گنگا کا سارا سکون دہم دہم کر  
دیا... وہ جذبات کی رو میں بہہ جانے والا نوجوان نہیں تھا۔ اسے تو  
سوچ سمجھ کر گنگا کو اس کی اصلی زندگی کی طرف واپس لانے کی کوشش  
کرنی تھی وہ انتہائی سنجیدہ لہجے میں بولا "گنگا تم مجھے سمجھانے کی  
کوشش کرنا کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ تم سماج کو ایک نئی راہ ایک نئی سمت  
دکھا سکتی ہو؟ اس دیش میں سینکڑوں لوگ باغی بن چکے ہیں اور  
آئندہ بھی بنتے رہیں گے... اپنی دھرتی پر سے کلک ہٹانے کے لیے  
ہمیں کچھ نہ کچھ قربانی تو دینی ہی پڑے گی... تم میری بات سمجھنے کی  
کوشش کرو" درگیش کی آواز میں خلوص اور محبت کی چاشنی تھی۔

"نہیں" گنگا ہاتھ اٹھا کر بولی "پہلے تو تم اس بات کا تجربہ کرو  
کہ آدمی بغاوت پر کیوں آمادہ ہوتا ہے؟ پھر اسے باغی بننے سے  
روکنے کی کوشش کرو" گنگا زوردار دلیل پیش کرتے ہوئے بولی "مجھے  
یہ راستہ کیوں اپنا نا پڑا یہ تم جانتے ہو اس وقت میرے سامنے صرف  
دو ہی راستے تھے یا تو اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دوں یا خود کشی  
کر لوں۔ میں نے خود کو قانون کے حوالے کرنے کی بجائے خود کشی کا  
راستہ اپنا لیا تھا، لیکن درگما تانے مجھے مرنے نہیں دیا... اب تم کہتے  
ہو کہ میں اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دوں؟ مگر کیا ایسا کرنے سے  
میرے گناہ دھل جائیں گے؟ میرے پیچھے کیا میرے دوسرے ساتھی  
ہتھیار پھینک کر پھانسی کے تختے پر چڑھنے کے لیے تیار ہو جائیں گے؟  
کیا تم ان سب کو اتنا بزدل سمجھتے ہو؟"

"نہیں گنگا میں انھیں بزدل نہیں، بہادری سمجھتا ہوں اسی  
لیے یہ حل سوچا ہے" درگیش ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا "ہتھیار

ہاتھ میں اٹھانے سے زیادہ بہادری ہاتھ کا ہتھیار پھینک دینے میں ہے... گھر گھر کی لوٹ مار اور مار دھماکے سے ہر ایک باغی ایک نہ ایک دن تنگ آجاتا ہے... اسے اپنے گھر کی یاد آنے لگتی ہے، وہ دن رات خطروں میں گھری ہوئی زندگی سے بھاگ جانا چاہتا ہے... اس وقت اسے سماج میں واپس آجانے کا کوئی راستہ نظر آجائے تو وہ یقیناً ہتھیار پھینک کر واپس آنے کے بارے میں سوچنے لگے گا۔

گنگا کو درگیش کی باتوں میں سچائی کی جھلک دکھائی دی کیونکہ وہ خود بھی کبھی اس خطرناک زندگی سے تنگ آکر جہاں آسرا مل جائے وہاں چلے جانے کے متعلق سوچ چکی تھی... یہ حالات خود اس کے اوپر گزرنے لگے تھے۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے دوسرے ساتھی بھی اس کیفیت سے دوچار ہوتے رہے ہوں گے... لیکن درگیش کا بتایا ہوا راستہ محفوظ نہیں تھا یہ سوچ کر وہ بولی "تم ایک بات بھول گئے ہو درگیش! اپنے گھر بار بیوی بچوں اور رشتہ داروں کی خاطر اگر کوئی باغی ہتھیار پھینک بھی دے پھر بھی سماجی بے سکون زندگی اسے نہیں ملتی۔ اسے تو زندگی بھر جیل کی دیواروں کے پیچھے پڑا ہونا ہے یا پھانسی کے تختے پر چڑھ کر ہمیشہ کے لیے رخصت یعنی پڑتی ہے... اگر مرنا ہی ہے تو آدمی آخر دم تک آزاد زندگی کیوں نہ بسر کرے؟" لیکن اس طرح زندہ رہنے میں آزادی نہیں ہے... یہ تو صرف دل کو سمجھانے کا ایک بہانہ ہے، درگیش ایک لمحے کے لیے رکا۔ اسے اچانک ہی ایک بات یاد آگئی تھی "ہاں دوسری بات یہ ہے کہ سرکار اور پولیس بھی اب باغیوں سے تنگ آچکی ہے۔ کوئی باغی اگر خود چل کر اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دے تو سرکار اسے ضرورتاً محفوظ دے گی اور سماج بھی اسے قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائے گا۔"

"یہ صرف تمہارا خیال ہے۔" گنگا نے گفتگو کا موضوع بدلنے کی کوشش کی "ان باتوں کو چھوڑ دو ہم بہت دنوں کے بعد ملے ہیں۔ ہمیں جھگڑے سے پرہیز کرنا چاہیے اور دو گھڑی ہنس بول کر اچھا وقت گزار لینا چاہیے۔ کوئی تم شادی کب کر رہے ہو؟"

جواب میں درگیش کہنا چاہتا تھا کہ جب تم کو توبہ... لیکن اس کی آواز نکلنے سے پہلے ہی کسی کی آواز سنائی دی "شادی آج ہی ہوگی۔"

اچانک کمرے میں لام سنگھ کی بیوہ اور درگیش کی ماں رادھا کو دیکھ کر وہ دونوں بری طرح چونک پڑے، اسے دیکھ کر گنگا جلدی سے پلنگ پر سے اتر کر نیچے کھڑی ہو گئی اور اس طرح اپنے سر پر آئینل ڈال لیا جیسے اسے رادھا سے شرم آ رہی ہو۔

"میں نے ساری تیاری کر لی ہے سو راجہ رادھا، درگیش سے مخاطب ہوئی اور پھر گنگا کی جانب دیکھ کر کہنے لگی "اور گنگا! تم نے تمہاری ماں کو بھی کھلوادیا ہے؟"

"کیا؟" گنگا نے حیرت سے پوچھا۔

"یہی کہ اپنی بیٹی کا کنیا دان کرنے کے لیے اس کے ماما اور چھوٹے بھائی کو لے کر جلدی سے آجائے۔ وہ ان دونوں میں سے کسی کو بھی کچھ بولنے کا موقع دے بغیر کہنے لگی "میں نے پرہیز کر لیا کہ وہ وقت مقرر کر لیا ہے دو گھنٹے بعد تم دونوں کی شادی کی رسم پوری کرنی ہے۔"

ایک لمحے کو گنگا اور درگیش کی نظریں باہم ملیں تو گنگا کی نظریں اس طرح درگیش کے چہرے پر جم گئیں جیسے وہ پوچھ رہی ہو تو تم بھی اس سازش میں شریک دکھائی دے رہے ہو؟ مجھے بتائے بغیر تم نے سب کچھ طے کر لیا ہے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے ماں جی؟" گنگا کو احساس تھا کہ اگر وہ اسی طرح چپ کھڑی رہی تو سب لوگ سمجھیں گے کہ اس نے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا ہے۔ وہ اعتراض کرتے ہوئے بولی "اگر وہ تو سہی ایسی شادی کا قائلہ ہی کیا ہے؟ میرے لیے نہ تو اب کوئی بیک اپ ہے اور نہ ہی سسرال کا آئگن، شادی کے بعد بھی میں آپ کی بیٹی بن کر آپ کے گھر میں رہ سکوں گی اور نہ ہی میں آپ کے بیٹے کو کوئی سکھ دے سکتی ہوں... میرے لیے تو..."

گنگا کی بات اور دھوری ہی تھی کہ باہر کوئی اجنبی شخص اندر داخل ہونے کے لیے گھر کے بوڑھے نوکر سے جھگڑنے لگا تھا۔ آواز اس قدر بلند ہوئی کہ گھر کے باہر کافی دیر تک وہ گم سم کھڑے رہے اور آخر رادھا کمرے تک آکر ہی تھی وہ کہہ رہا تھا "مجھے گنگا دیوی سے ملنا ہے۔" ان سے ایک بے حد ضروری کام ہے۔ مجھے اندر جانے دو۔"

یہ سن کر گنگا اور درگیش چونک پڑے۔ پھر ان کے ساتھ رادھا بھی آگن کی جانب بڑھی... گنگا پر نظر پڑتے ہی درگا پورہ چلنے کے راجپوت ملازم نے اسے پہچان لیا وہ جلدی سے آگے بڑھ کر گنگا کو لایا "دیوی میں تمہارے لیے ایک ضروری پیغام لایا ہوں۔"

درگیش اور رادھا کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا لیکن آنے والے راجپوت بوڑھے کے چہرے پر کچھ ہونے لگا تھا۔ گنگا نے اس کا بازو پکڑا اور اسے اندر کمرے میں لے گئی۔ اندر داخل ہوتے ہی اس نے پوچھا "تمہیں شاید رانی ماں نے بھیجا ہے؟"

"ہاں" بوڑھا راجپوت ہانپتے ہوئے بولا "ان کا بیٹا درگم سنگھ..."

نے کی پوس کے ساتھ تمہیں گرفتار کرنے کے لیے ابھی یہاں پہنچنے والی ماں نے مجھے اسی لیے یہاں بھیجا ہے کہ اس کے پہنچنے قبل میں تمہیں ہوشیار کر دوں۔"

"رانی ماں نے؟" گنگا کی آنکھیں پھیل گئیں "انہیں کیسے بلو ہوا کہ میں یہاں..."

"تم یہاں آئی ہوئی ہو یہ بات کسی نے رات کو ٹیلیفون پر بتائی۔ اس بات پر رانی ماں اور درگم سنگھ میں تکرار بھی ہوئی تھی رانی ماں نے انہیں بھجانا چاہا، ہستی تمہیں لیکن فرض کے ہاتھوں مجبور ہو کر درگم سنگھ نے ماں کی بات ٹھکرا دی اور وہ تمہاری گرفتاری کی تیاریاں کرنے لگا۔ رانی ماں نے مجھے تمہارے پاس دوڑایا ہے کہ تم غفلت میں نہ رہو۔ بیٹے کی ناراضگی کی پروا کیے بغیر رانی ماں نے یہ قدم تمہاری جان کے لیے اٹھایا ہے دیوی... اب تم فوراً یہاں سے نکل جاؤ۔"

بوڑھے راجپوت کی گفتگو درگیش اور رادھا نے بھی سنی تھی۔ انہیں گنگا کو کچھ بتانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ رادھا سے اجازت لے کر وہ بولی "ماں جی! شادی کے لیے میں جس وجہ سے پچکا تھا اس کا مطلب تو اب آپ کی سمجھ میں آ ہی گیا ہوگا۔ قدرت بھی یہ منظور نہیں ہے کہ میرا اور درگیش کا ملاپ ہو سکے، اتنا کہ اس نے اپنی بددعویٰ اٹھالی اور کپڑے بدلنے میں وقت ضائع کر لیا۔ پھر وہ گھر کے پچھوڑے والی جھاڑیوں میں کود گئی۔ جب تک وہ جھاڑیوں میں پوری طرح غائب نہیں ہو گئی تو درگم سنگھ نے گنگا کو لے کر کافی دیر تک وہ گم سم کھڑے رہے اور آخر رادھا کی آواز سن کر اسے ملنے آئے۔

گنگا نے ایک مہینے کے اندر اندر متواتر تین زبردست ڈاکے مارے۔ اس کی اس اندھا دھند لوٹ مار سے یہی اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ پالک ہوئی ہے یا پھر اپنی زندگی سے تنگ آچکی ہے یا پھر آنے والے راجپوت بوڑھے کے چہرے پر کچھ ہونے لگا تھا۔ گنگا نے اس کا بازو پکڑا اور اسے اندر کمرے میں لے گئی۔ اندر داخل ہوتے ہی اس نے پوچھا "تمہیں شاید رانی ماں نے بھیجا ہے؟"

"ہاں" بوڑھا راجپوت ہانپتے ہوئے بولا "ان کا بیٹا درگم سنگھ..."

ڈال کر اپنی زندگی کو موت سے قریب تر کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ کچھ بھی ہو اس کے اس جنون نے کرنل درگم سنگھ کی نیند حرام کر رکھی تھی۔ میدان جنگ میں دلیری اور بہادری سے لڑ کر سونے چاندی کے تمغے حاصل کرنے والا کرنل، جس نے ملک کے دشمنوں کو سرحدوں پر شکست دی تھی اسی کو ایک معمولی عورت ڈاکو جھگڑ پر چڑھتی رہے یہ بات اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ صرف پچیس تیس ڈاکوؤں کی لڑائی کے مقابلے میں پورے راجستھان کی پولیس فورس کے ہمراہ اس جیسا ملٹری افسر فیری طرح زہر ہو رہا تھا۔ بہادری کے ساتھ ہونے والی جھڑپ میں گنگا زخمی ہو کر گھر کا درام سنگھ کی حویلی میں رات بسر کرنے لگی ہے۔ یہ اطلاع جب اس کے غریب دی تھی تو وہ دل ہی دل میں کتنا خوش ہو گیا تھا اپنے پہلے ہی حملے میں گنگا کو گرفتار کر لینے کا خیال اس کے ذہن و دل کو عجیب سی شرمیلی میں مبتلا کیے ہوئے تھا۔ اپنی پہلی ہی کوشش میں اسے اپنی کامیابی کا سو فیصد یقین تھا جب ہی تو وہ پولیس کی بڑی لفی کے ساتھ وہاں پہنچ گیا تھا لیکن پولیس کے حکم سے زیادہ ڈاکوؤں کے خبر تیز ہوتے ہیں اس کا پتا اسے اس وقت چلا، جب گنگا اس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر وہاں سے غائب ہو چکی تھی۔ اس کے فرار کا غصہ اس نے درگیش پر اتار دیا تھا۔

"تم جیسا پڑھا لکھا اور سمجھ دار ڈاکو ایک ڈاکو کو اپنے گھر میں پناہ دے یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ مجرم کو پناہ دینے والا بھی اس کا شریک سمجھا جاتا ہے یہ تو تم جانتے ہو گے،" اس نے غصے سے آگ بگولا ہو کر کہا تھا۔ درگیش نے کوئی جواب نہیں دیا تو اس کا پارہ اور چڑھ گیا وہ پوری طرح پھٹ پڑا "ڈاکو! کل رات گنگا زخمی حالت میں یہاں آئی تھی تم نے اس کے زخم کا علاج کیا تھا اور پھر ہمارے گھر سے پہلے ہی تم نے اسے بھگا دیا؟"

"آپ تو جانتے ہی ہیں ٹھاکر،" درگیش نے بڑے سکون سے جواب دیا۔ "گنگا تو کسی کی مرضی سے کسی کے گھر آئی ہے اور نہ ہی کسی کی مرضی سے بھاگتی ہے۔"

"لیکن تم نے اس گھر کی چھت کے نیچے اسے آسرا اپنی مرضی سے دیا تھا،" درگم سنگھ نے کہا تھا۔

"آپ بھول رہے ہیں ٹھاکر درگم سنگھ! میں ایک ڈاکو ہوں اور زخمی انسان کا علاج کرنا میرا فرض ہے۔" درگیش نے جواب دیا۔ "ٹھیک ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ مجرم کو قانون کے

حوالے کرنا ایک شریف شہری کی حیثیت سے تمھارا فرض ہے یا نہیں؟  
دکرم سنگھ نے گرفت لہجے میں کہا تھا "نہ دونوں کے نجی تعلقات خواہ  
کچھ بھی ہوں لیکن تم نے اسے اپنے گھر میں رکھا تھا تم جیسے پڑھے لکھے  
نوجوان کو قانون کا احترام کرنا چاہیے۔"

اپنی بات کا اس نے درگیش پر کچھ اثر ہوتا محسوس کیا تھا  
کیونکہ اس کے بعد درگیش کا لہجہ بدل گیا تھا اور اس نے نگاہیں  
جھکا کر کہا تھا "ٹھاکر! اس وقت مجھے اپنے ایک دوسرے فرض کا  
بھی احساس ہو رہا ہے... آپ اتنی دیر سے آئے ہیں تو دو گھنٹی  
بیٹھ جائیں۔ ہمارے گھر کی چائے پینے میں غالباً آپ کو اعتراض نہیں  
ہوگا۔ بہت عرصے سے میرے دل میں ایک بات چل رہی ہے آپ  
اگر سنا چاہیں تو کہہ دوں۔"

"سرا یہ آدمی ہمیں باتوں میں پھنسا کر یہاں سے بھاگ  
نکلنے والی گنگا کو تھوڑا اور وقت فراہم کرنے کی چالاکی کر رہا ہے۔"  
ایک پولس افسر فوراً بولا۔

پولس انسپکٹر کی یہ بات سن کر وکرم نے بڑی تیز نگاہوں سے  
اسے گھورا تھا۔ یہ دیکھ کر انسپکٹر نے بوکھلا کر اپنی غلطی کو سدھارنے کی  
کوشش کی تھی "کنٹرل صاحب مدد اصل میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ  
گنگا اگر تھوڑی دیر پہلے یہاں سے نکلی ہوگی تو ابھی وہ بہت دور  
تک نہیں جاسکی ہوگی آپ اجازت دیں تو وہ پچھلی جانب کے کھیتوں  
سے اس کا پیچھا کریں؟"

لیکن وہ جانتا تھا کہ پولس والے محض تسلی کی خاطر ہی اس  
طرح بھاگ نکلنے والے ڈاکوؤں کا پیچھا کیا کرتے ہیں کھیتوں میں  
گھس کر غائب ہو جانے والے ڈاکو شاید ہی کبھی ہاتھ آتے ہوں۔  
پھر بھی اس نے پولس انسپکٹر کو اپنی حسرت پوری کرنے کا موقع دیتے  
ہوئے کہا تھا "ٹھیک ہے تم کوشش کر کے دیکھ لو۔" پھر درگیش کو  
سنانے کی غرض سے انسپکٹر کو حکم دیتے ہوئے بولا "ادریاں انسپکٹر اگر  
مزورت محسوس ہو تو اس قاتل عورت کو گولی مارنے میں دریغ نہ کرنا۔"  
درگیش کے چہرے پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ پولس  
انسپکٹر کے جانے کے بعد اس نے کہا تھا "ٹھاکر صاحب! آپ جیسے  
سمجھ دار اور کھلے دل کے آدمی پر یہ ذمے داری آج پڑی ہے تو  
میری امید کچھ اور مضبوط ہو گئی ہے۔"

"کون سی امید؟" اس نے حیرت سے پوچھا تھا "گنگا کو  
ختم کرنے کی؟"

"مرنے مارنے کے جنون سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا اس مسئلے  
کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دینا چاہیے۔" درگیش بولا۔  
"وہ کیسے؟"

"میں آپ کو ایک مشورہ دے رہا ہوں۔" درگیش نے اس کی  
طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا "اگر ہم جیسے تھوڑے آدمی مل کر ان باغیوں  
کے خوف سے چھٹکارا حاصل کرنے کی ترکیب پر عمل کرنے لگیں تو..."  
"لیکن قانون کے پاس ایک موثر ترکیب ہے اور وہ یہ کہ ان  
کو سخت سے سخت سزا دی جائے۔" اس نے درگیش کی بات کاٹ  
دی تھی "لیکن یہ اس کا علاج نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو مسٹر کنر  
سال پہلے ہی یہ مسئلہ حل ہو چکا ہوتا۔" درگیش نے جواب میں کہا تھا۔  
"تو پھر اور کون سا حل ہو سکتا ہے ڈاکٹر درگیش؟" اس کے  
لہجے میں طنز تھا لیکن درگیش نے اس کے طنز پر کوئی توجہ نہیں دی  
تھی وہ بہ دستور سنجیدگی سے کہہ رہا تھا "ایک ہی حل ہے۔ ہمیں  
باغیوں کے دل بدلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔"

یہ سن کر وکرم نے زوردار فقہہ لگایا تھا۔ تھوڑی دیر تک  
بستے رہنے کے بعد اس نے درگیش سے کہا "جن کے پاس دل  
نام کی کوئی چیز موجود رہی نہ ہو اسے بدلنے کا سوال ہی پیدا نہیں  
ہوتا... ویسے میرا خیال ہے تم خود کسی اچھے ڈاکٹر سے اپنا علاج چیک  
کراؤ... اس طرح کا فالتر حل بنا کر تم نے میرا وقت ضائع کیا ہے۔"  
درگیش نے اس کی بات کا برا نہیں مانا اس نے بڑی خاموشی

سے اس کی بات سنی تھی۔ وکرم جانتے ہوئے اس سے سخت لہجے میں کہ  
گیا تھا۔ "ایک بات یاد رکھنا درگیش! اگر پھر کبھی اس گھر میں گنگا  
آکر ٹھہری تو اس جرم میں تمھیں اس کی سزا جگتنی پڑے گی... میں  
تمھیں گرفتار کرنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کروں گا۔"  
اس کی دھمکی کو بھی درگیش نے مسکراتے ہوئے برداشت کر لیا تھا اس  
کی مسکراہٹ دیکھ کر ہی اس نے فوراً ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اس قسم  
کا کوئی موقع ہاتھ نہ لگا تو وہ درگیش کو ضرور گرفتار کرے گا... مگر  
اب... درگیش کے جس مشورے کا اس نے مذاق اڑایا تھا وہی مشورہ  
اب اسے یاد بار یاد آ رہا تھا... جس کے سینے میں دل ہی نہ ہوا  
بدلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ درگیش سے کہے ہوئے یہ الفاظ  
اب اسے بھول جانے چاہیے تھے لیکن اس کی بجائے سوتے جاگتے ان  
لفظوں کی گونج اسے کیوں سنائی دیتی تھی؟  
اس وقت تک تو وہ بھی سمجھ رہا تھا کہ ڈاکوؤں کو لوگ

کبھی سچے دل سے نہیں چاہتے... وہ تو محض ان کے خوف سے  
ایسا سر جھکانے اور ان کے آگے ہاتھ جوڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں...  
لیکن اس مہینے میں اسے جو تجربہ ہوا تھا اس کا اندازاً تو اس کی  
سورج سے قطعی مختلف تھا... یعنی گاؤں کے لوگ پولس سے  
خوف کھاتے تھے اور ڈاکو رانی گنگا کو چاہتے تھے۔ پولس والوں کو  
لوگ چھپ چھپ کر گایاں بکتے تھے، جبکہ گنگا کو دیر ہی کہہ کر دل  
سے اس کی عزت کیا کرتے تھے... جیسے جیسے وکرم سنگھ ان باتوں  
کی گرفتاری میں اترتا جاتا تھا ویسے ویسے اسے اپنے سارے خیالات  
سارے تصورات اور ساری سوچی ہوئی باتیں جھوٹی اور بے بنیاد  
نظر آنی جا رہی تھیں۔

خود اپنے گھر میں اس کی ماں بھی گنگا کے خلاف ایک لفظ  
اپنی زبان سے نہیں کہتی تھی اور جب وہ گنگا کو قاتل کہتا تو رانی  
ماں جھنجھلا اٹھتی اور جواب میں کہتی "بیٹے قانون قتل کیے ہوئے  
جسم سے بہتے ہوئے خون کو دیکھ کر قاتل کی قسمت کا فیصلہ سنا دیتا ہے  
لیکن قاتل کے دل کو بھی جو قتل کیا جا چکا ہے یہ وہ نہیں دیکھتا۔  
وہ تو جسم کو بے جان کر دینے کو ہی قتل سمجھتا ہے۔ جس کے دل  
کا قتل کیا گیا ہو، جس کے جذبات کا خون بہایا گیا ہو، اس ان  
دیکھتے قتل پر وہ کوئی توجہ نہیں دیتا۔"

وکرم سنگھ رانی ماں کو بولنے سے روک نہیں پاتا تھا۔ گنگا  
کی طرف داری کے لیے نہ جانتے وہ کہاں کہاں سے دلائل ڈھونڈ  
لاتی تھی "میری باتیں یقیناً تمھیں کڑوی لگتی ہوں گی بیٹے...  
لیکن تم اپنے پتا جی کی یہ تصویر دیکھ رہے ہو؟ ہم اس تصویر پر  
روزانہ عقیدت کے پھول چیرٹھاتے ہیں، لیکن انھوں نے ہی ایک بار  
ٹھاکر رام سنگھ کے اکلوتے بیٹے سورج کی جان لینے کی سازش کی  
تھی... لیکن بھگوان نے رام سنگھ کے سورج کو غروب نہیں ہونے  
دیا... بیٹے کی حیرانی میں رام سنگھ دیوانہ ہو گیا... انتقام کی آگ  
نے اسے انسان سے درندہ بنا دیا... پھر عمر کی آخری گھڑی میں  
قدرت نے اس کا بیٹا اسے واپس دے دیا... اس سے تمھارے  
باپ کا گناہ کم تو نہیں ہوا... تمھارے پتا جی کی اس ایک لغزش  
نے ٹھاکر رام سنگھ کو قاتل اور پھر ڈاکو بنا دیا تھا۔ اس کے باوجود  
کیا تم اپنے پتا جی کو قصور وار... مجرم یا قاتل سمجھ رہے ہو؟ نہیں  
کیونکہ ان کی حرکتوں کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔ کسی نے انھیں قتل  
کرتے نہیں دیکھا تھا... حالانکہ انھوں نے رام سنگھ کے بیٹے کو

اغوا کر کے رام سنگھ کے دل کے جذبات کو قتل کر دیا تھا..."  
"لیکن ماں جی! وکرم سنگھ نے اپنی دلیل پیش کی "پتا جی کو  
اپنے کیے کا بدلہ مل گیا اور وہ رام سنگھ کی گولی سے ڈھیر ہو گئے پھر..."  
"پھر اس رام سنگھ کی کیا حالت ہوئی؟" رانی ماں نے  
درمیان میں ہی اس کی بات کاٹ دی "اس کی بیوی پاگل ہو گئی  
اور ٹھاکر کو ڈاکو بن جانا پڑا... تمھارے پتا جی کے ایک غلط قدم  
نے کنٹون کی زندگیوں پر باد کر دیں، لیکن پھر میں... یا تم انھیں  
دھتکار نہیں سکتے آخر کیوں؟"

"گنگا کے معاملے میں آپ پتا جی کی بات درمیان میں کیوں  
لا رہی ہیں ماں جی! وکرم متہ بناتے ہوئے بولا۔  
"اس لیے کہ جو تمھارے پتا جی نے کیا تھا بالکل اسی طرح  
تمھارے بڑے بھائی کی بھول کا نتیجہ بھی سامنے آ گیا۔" رانی ماں  
کی آواز میں سچائی کی جھلک تھی "شمشیر تمھارا بڑا بھائی تھا یا برا  
بڑا بیٹا تھا، اس بات کو بھول کر سوچا جائے تو پتہ چلے گا اور جھوٹ کا فیصلہ  
ہم کر سکتے ہیں... کہتے اجیت سنگھ نے آخر کار کرتے ہوئے کہا تھا کہ  
ناگربھائی کی موت درگیش کے دیئے ہوئے انجکشن سے نہیں  
بلکہ اس کے دیئے ہوئے زہر سے واقع ہوئی تھی... یہ زہر چاہے  
اجیت نے ہی کیوں نہ دیا ہو لیکن اس سازش میں تمھارا بڑا بھائی  
شمشیر سنگھ برابر کا شریک تھا۔ درگیش کو قتل کے الزام میں پھنسا کر  
شمشیر سنگھ گنگا کو اپنا شکار بنانا چاہتا تھا، اپنی شیطانی خواہش  
کی تکمیل کے لیے ہی اس نے گنگا کو زہر دیتی اپنی بھتیجی میں ڈال  
لیا تھا... پھر اس کی عزت لوٹنے کے لیے وہ اسے بنگلے میں لے گیا۔  
ایک لڑکی اپنی آبرو بچانے کے لیے ظالم کے بیٹ میں شہر بھونک  
دے تو وہ قاتل نہیں کہلائی جا سکتی۔ گنگا ڈاکو بنی تو اس کا  
ذمہ دار کون ہے؟ صرف اور صرف تمھارا بڑا بھائی ٹھاکر شمشیر سنگھ..."  
وکرم سنگھ سے یہ سچائی برداشت نہیں ہوئی۔ وہ ہاتھ اٹھا  
کر جلدی سے بولا "بس بس رانی ماں! گنگا کو بے قصور کہنے کے لیے  
خود اپنے ہی بیٹے کو شیطان کہہ دیا۔ اس سے گنگا کے جرم میں کوئی  
کمی نہیں ہوگی میں اپنے فرض سے عبور ہو کر بالآخر اسے کیفر کردار  
تک پہنچاؤں گا۔"

"فرض...؟" رانی ماں نے طنز لہجے میں کہا "تمھیں  
سچے فرائض کی پہچان کرانے کے لیے ہی یہ سب کچھ بتا رہی تھی...  
گنگا کو مار دینے سے تمھارا فرض پورا نہیں ہوتا ایک بھائی کے کیے

ہوئے ظلم کو دوسرا بھائی دھو ڈالے یہی سچا فرض ہے مگر اس کی بجائے تم لو اس کی جان لینے کے لیے بے چین ہو رہے ہو۔  
 ”آپ کا مطلب ہے کہ گنگا ڈاکے ڈال رہی ہے، لوگوں کو قتل کرتی رہے، رعایا کی زندگی برباد کرتی رہے اور میں چپ چاپ دیکھتا رہوں؟“ وکرم سنگھ غصے سے پھٹ پڑا۔  
 ٹھیک اسی وقت ٹیلیفون کی گھنٹی بجی تھی... گنگا نے ایک مہینے کے اندر دوسرا بڑا ڈاکا ڈالا تھا اس خبر کو سن کر وکرم سنگھ کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی تھی۔ وہ ریسیدر سٹج کمر چچا ”سن لیجئے رانی ماں! جس کی طرف داری کرتے آپ تھک نہیں رہی ہیں، اسی گنگا نے پھر افراتفری پھیلا دی ہے اس نے ایک شخص کو بھی قتل کر دیا ہے۔“ اتنا کہہ کر اس نے اپنا رولور اٹھا کر اپنی ہیڈ ٹیبل میں اڑس لیا اور تلخ لہجے میں دوبارہ بولا ”گنگا میرے غصے کو لگا رہی ہے تاکہ تمہارے بیٹے کی بے عزتی ہو۔ لوگ اس کی ہنسی اڑائیں لیکن افسوس ہے ماں جی! اس کے باوجود بھی آپ اسے بے قصور سمجھتی ہیں؟“ رانی ماں اپنے بیٹے کے جوش کو دیکھ کر آبدیدہ سی ہو گئی تھی... اس نے دروازے کے پاس آکر وکرم سنگھ کا ہاتھ تھام لیا اور جذباتی لہجے میں بولی ”بیٹے میں تم سے ایک چیز مانگ رہی ہوں تم اپنے فرض کی راہ سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہتے ہو تو نہ ہٹو، لیکن میری یہ بات مان لو... گنگا کو اپنی گولیوں کا نشانہ بنانے کی ضد چھوڑ دو... اسے مردہ گرفتار کرنے کی بجائے زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کرو۔ ایسا کرنے سے بھی تو تمہارا فرض پورا ہو سکتا ہے؟“  
 ”لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے ماں جی؟“ وکرم سنگھ کچھ سوچ کر نرم پڑ گیا۔ لیکن پھر فوراً ہی اپنے فرض کا خیال آئے ہی وہ پہلے کی طرح پرجوش لہجے میں بولا ”وہ زندہ گرفتار ہو جائے اس بات کا خیال رکھتے ہوئے تمہارا اکلوتا بیٹا اس کی گولی کا نشانہ نہ بن جائے۔“  
 وکرم سنگھ کی یہ بات سن کر رانی ماں کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور اس کے ساتھ ہی پہلی بار اس کے دل میں یہ خدشہ پیدا ہوا کہ اگر گنگا کے ہاتھ سے اس کے دوسرے بیٹے کی زندگی کا چہرہ بھی گل ہو گیا تو کیا ہوگا؟

اختیاروں کے ذریعہ اس بات کا اعلان کیا ہے کہ اگر دو مہینے تک میں گنگا اور اس کے گروہ کا خاتمہ نہ کر سکا تو اپنی فوجی دلدی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اتار دوں گا۔“  
 لاکھن کی زبانی یہ بات سن کر گنگا چونک پڑی تھوڑی دیر تک تو وہ لاکھن کو دیکھتی رہی پھر اس نے پوچھا ”تمہیں یہ بات کس نے بتائی ہے؟“  
 ”ہمارا مخبر زارا شی یہ خبر لایا تھا۔ آپ پر جان میں مصروف نہیں اس لیے میں نے اس کی باتیں سن کر اسے رخصت کر دیا تھا۔“ لاکھن نے کہا۔  
 گنگا سوچ میں پڑ گئی تھی۔ وکرم سنگھ کو اس طرح قسم کھانے اور اتنا سنگین عہد کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ابھی تو ڈاکوؤں کا قلع قمع کرنے کی ذمہ داری نبھانے سے پورے دو مہینے بھی نہیں ہوئے ہیں اور وہ ابھی سے قلابازیاں کھانے لگا شاید وہ یہ بات نہیں جانتا کہ باقیوں کا سر کچلنے کے لیے مہینے تو کیا برسوں گزار جاتے ہیں۔ رام سنگھ داؤ کی مثال اس کے سامنے نہیں تھی، جو پورے بیس سال تک ایک بھیانک طوفان کی طرح راجستھان کے آسمان پر چھایا رہا لیکن پورس اس کی طرف آنکھ اٹھانے کی بھی ہمت نہیں کر سکی تھی۔ کیا وکرم سنگھ نے مجھے ایک کمزور عورت سمجھ کر یہ بیڑہ اٹھایا ہے؟ لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیونکہ اس مہینے میں تین بار اسے ہماری طاقت کا اندازہ ہوا تھا۔  
 ”دیدہ... پھر کیا سوچنے لگی ہو؟“ لاکھن نے بڑی بے چینی سے پوچھا ”اس شیخی خور چٹا کر کی شیخی نکالنے کا موقع تو اب ہمارے ہاتھ آیا ہے۔ ہم بھی دیکھیں گے کہ وہ کتنے پانی میں ہے پچھلے مہینے تو ہم نے تین ڈاکے ڈالے تھے۔ لیکن اس مہینے تو چار بار آگ برے گی... ممکن ہے ہم میں سے دو چار ساتھیوں کی جان چلی جائے لیکن ہم وکرم سنگھ کی گولی تم تک بھی پہنچے نہیں دیں گے۔“ گنگا مسکرا دی۔ اس کے دوسرے ساتھی بھی ایک ایک کر کے اس کے ارد گرد آکر بیٹھ چکے تھے۔ وکرم سنگھ کے چیلنج کا خوف ان میں سے کسی ایک کے چہرے پر بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ سب کے سب اس وقت اپنی سرواڑ کا ارادہ جاننے کے لیے بے چین نظر آ رہے تھے۔ انھیں صرف گنگا کے جواب کا انتظار تھا۔  
 ”ساتھیو! گنگا نے تمام ساتھیوں کے چہروں پر اچھٹی نظر ڈالتے ہوئے بولی ”وکرم سنگھ کی لٹکار کو اس کی شیخی سمجھ کر

میں نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ وہ بھی تمہاری طرح راجپوت ہے۔ اس کے علاوہ وہ فوجی بھی ہے... اور پورس انٹروں کی طرح وہ گھر میں بیٹھ کر باغیوں کی گرفتاری کے منصوبے نہیں بنائے گا۔ وہ خود میدان میں آئے گا۔ اس میں ہمت ہے کہ وہ ہمارے ہاتھ پر ڈٹ سکے۔“  
 ”تو ہم بھی بزدل نہیں ہیں دیدہ!“ لاکھن جلدی سے بولا۔ اگر وہ دو مہینے میں ہمیں ختم کر دینے کا دعویٰ کر رہا ہے۔ کیوں نہ اس سے پہلے اسے ہی ختم کر دیں؟“  
 یہ سن کر گنگا نے اپنے جسم میں ہلکی سی سنناہٹ محسوس کی۔ اس میں ایک بات تھی جو اسے کھٹکتی تھی... رانی ماں کے بڑے بیٹے شمشیر سنگھ کی بے وقت موت کی ذمہ دار تو وہ خود ہی تھی۔ اور اب اس کے دوسرے بیٹے کا قتل بھی اس کے ہاتھ؟... اس بات کا تصور ہی اس کی روح کو جھنجھوڑ دیتا تھا۔ جس رانی ماں نے بھری جوانی میں بیوگی کا جوڑا پہنا تھا اور رام سنگھ جیسے باغی کے فوف کے سامنے میں اپنے دونوں بیٹوں کو جان کیا تھا... ایسی عورت کی زندگی کو اپنے ہاتھ سے برباد کر دینے کے خیال سے بھی وہ کانپ مانی تھی کتنا بھیانک تھا یہ تصور... یہ ساری باتیں ایک فلم کے منظر کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے گھومتی رہیں پھر کافی دیر تک سوچنے کے بعد وہ بولی ”میں وکرم سنگھ کو ایک موقع دینا چاہتی ہوں۔“  
 ”کیا موقع؟“ ایک ساتھ کئی ساتھیوں کی آواز سنائی دی۔ اس سوال میں جواب کی طلب نہیں تھی بلکہ ایک طرح کی حیرت پر مشیدہ تھی۔  
 ”دیدہ... تم نے رانی ماں کی جان بچا کر اس پر احسان کیا تھا لیکن وکرم سنگھ اس احسان کو بھول گیا ہے اور ہمارے خلاف اختیار اٹھائے ہوئے ہے۔ تو ہم کیوں خاموش رہیں؟ وہ احسان زبردستی ہے۔ ہمیں اس کا منہ توڑ جواب دینا ہوگا۔“ گوبال نے کہا۔  
 ”گوبال ٹھیک کہتا ہے دیدہ!“ کشن نے گوبال کی تائید کی۔  
 ”مگر دیدہ تم اسے کیا موقع دینا چاہتی ہو؟“ لاکھن نے پوچھا۔  
 ”ایک بار اسے اپنے سامنے لا کر سمجھانا چاہتی ہوں۔“ گنگا پرسکون لہجے میں بولی مگر وہ وکرم سنگھ کو کیا سمجھانا چاہتی ہے یہ بات تو خود اس کے ذہن میں بھی صاف نہیں تھی۔ پھر بھی منہ سے نکلی ہوئی بات کو ادھورا چھوڑ کر وہ اپنے ساتھیوں کو بحث میں الجھنے کا موقع دینا نہیں چاہتی تھی۔ بات چل نکلی تھی۔ تو اسے پوری کمرناہی

تھا۔ اسی خیال سے وہ بولی ”لٹکارنے والے کو ہم خود آگے بڑھ کر لٹکاریں گے ہم اسے اس کے سوال کا جواب بہت خوش اسلوبی سے دیں گے۔“ گنگا کی آواز اب بھی پُرسکون تھی ”اپنے تیس ساتھیوں کی اس ٹوٹی کے درمیان لا کر مجھے اس سے اتنا کہتا ہے کہ یہ سرحدی فوجی مقابلہ نہیں ہے۔ اب بھی وقت ہے تم اس راستے سے واپس چلے جاؤ... جا کر اپنی ماں کی خدمت کرو... پولیس کے ساتھ ہماری جو دشمنی چل رہی ہے تم اس کے درمیان میں مت کودو... بس اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔“ گنگا پرجوش لہجے میں بولتی رہی، اپنی بات مکمل کر کے جیسے ہی وہ خاموش ہوئی، لاکھن نے کہا۔  
 ”لیکن دیدہ صرف اتنی سی بات کہنے کے لیے اسے یہاں تک لانے کا خطرہ کیوں مول لیا جائے۔ یہ بات کہنے کے لیے ایک چٹھی ہی کافی ہے... تمہارے ہاتھ کی تحریر پڑھتے ہی اس کا جوش ٹھنڈا ہو جائے گا۔“  
 گنگا کو لاکھن کی یہ تجویز پسند نہیں آئی ”میں لاکھن! اس قسم کی دھکی آئیز چٹھی کا مطلب دوسرا ہوتا ہے۔ وہ چٹھی پڑھ کر یہ سمجھے گا کہ ہم اسے دھکی دے رہے ہیں اور میں یہ نہیں چاہتی... میں اسے آمتے سامنے لا کر لٹکارنا چاہتی ہوں... اس کے علاوہ میں کمرل وکرم سنگھ کو ایک بار اپنی آنکھوں سے دیکھنا بھی چاہتی ہوں۔“ گنگا کے لہجے میں ہلکا سا طنز تھا ”ہم باغی لوگ دھوکے باز، فرتی اور مکار نہیں ہوتے ہم پیٹھ پیچھے سے وار نہیں کرتے۔ میں اس کا ثبوت اسے دینا چاہتی ہوں۔“  
 ”اگر وہ نہ مانا تو؟“ کشن نے پوچھا ”کیا تم اسے یہاں سے زندہ واپس جانے دو گی؟“  
 کشن کے اس سوال نے گنگا کو سوچ میں مبتلا کر دیا تھوڑی دیر تک اس کی نگاہیں کشن کے چہرے پر جمی رہیں پھر اس کے ہونٹ ہلے ”ہاں... اسے زندہ واپس جانے کی اجازت دے کر ہی ہم اس پر یہ ثابت کر سکیں گے کہ ہم برابر کی کامقابلہ کرتے ہیں... تنہا اور نہتے آدمی کی جان لینا ہم گناہ سمجھتے ہیں... اس وقت تک جب تک وہ گناہ گار نہ ہو۔“ اتنا کہہ کر وہ اپنے ساتھیوں کے چہروں کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتی رہی۔ تھوڑی دیر تک سناٹا چھایا رہا... گنگا کو لگ رہا تھا کہ اس کے ساتھی اس کے ارادے سے متفق نہیں ہیں... شاید وہ اچھی طرح سے اپنے ساتھیوں کو اپنی بات سمجھا نہیں سکی ہے یا وہ اس کے ارادے کو سمجھ کر انھیں میں پڑے



ہوئے ہیں۔ میں چونکہ رانی ماں کے بیٹے وکرم سنگھ کو ختم کرنے میں ہیکچا رہی ہوں... ممکن ہے یہ بات بھی انھوں نے عسوس کر لی ہو؟ اس کا ذہن متفاد خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

دفعۃً لاکھن کی آواز نے اسے چونکا دیا "دیدری! ہمیں یقین ہے تم نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہوگا، اس لیے ہم تمھارا یہ فیصلہ قبول کرتے ہیں؟" لاکھن نے ہوشیاری سے اس کی اور اپنے ساتھیوں کی آنکھیں دور کر دی تھیں۔ "یہ تو اچھی بات ہے کہ ایک بار وکرم سنگھ کو بھی یہ خیال آجائے کہ رام سنگھ دائرے کے ساتھی بھی اس کی طرح کھلے دل کے اور صاف آدمی ہیں۔ وہ اس معاملے میں بھی پیچھے ہٹنے والے نہیں ہیں۔"

لاکھن کی بات سن کر گنگا اس طرح مسکرائی جیسے اس نے ایک بڑی مشکل حل کر دی ہو، پھر اس نے ساتھیوں کی طرف دیکھا تو ان کے چہروں پر بھی ایسے ہی آثار تھے کہ انھیں یہ بات منظور ہو۔ ان سب کی جانب سے مطمئن ہونے کے بعد گنگا نے اس کام کی ذمہ داری لاکھن کو سونپتے ہوئے کہا "تو پھر لاکھن... تم تین چار ساتھی مل کر وکرم سنگھ کو میاں لانے کا بیڑا اٹھاؤ لیکن یہ بات یاد رہے کہ ہماری اس بات کی خبر اور کسی کو بھی نہ ہونے پائے..."

جب گنگا یہ کہہ رہی تھی اس وقت وہ اس بات سے بالکل بے خبر تھی کہ سال بھر پہلے ہماری، رام سنگھ کے گروہ سے بغاوت کر کے بھاگ نکلا تھا اس کا ایک دور کار شتے دار جیون بھی گنگا کی ٹوٹی سے بھاگ نکلنے کی تیاری کر چکا ہے۔

۱۶

اگلے دن جیون نے ہماری گنگا کے سامنے منصوبے کی تفصیل آکر بتادی۔ ہماری آنکھوں میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔ گنگا جب سے اس مسلمان بیوہ عورت کے بچے کو اس کے قہقہے سے چھڑا کر لے گئی تھی تب سے وہ دل ہی دل میں بیچ و تاب کھا رہا تھا۔ باہر تو باہر خود اس کے ساتھیوں کی نظروں میں بھی اس کی بے عزتی ہوئی تھی۔ اسی وقت سے وہ گنگا سے بدلہ لینے کے لیے موقع کی تلاش میں تھا، پھر جب جیون نے اسے آکر گنگا کی سازش کے بارے میں بتایا کہ وہ وکرم سنگھ کو اٹھالے جانے کا منصوبہ بنا رہی ہے۔ تو یہ بات اس کے دل کو نہیں لگی۔ پہلے تو وہ بھی سمجھا تھا کہ جیون اس سے مذاق کر رہا ہے۔ جیون نے ان ساری باتوں کی تفصیل اسے سادی جو گنگا اور اس کے ساتھیوں کے درمیان

ہنسی آگئی۔ وہ سوچنے لگا آخر تو گنگا عورت ہی ہے۔ سوئے ہوئے ہوئی عورتیں ساری تفصیل سننے کے بعد اسے گنگا کی بے وقوفی پر شیر کو جگانا خطرناک ہے۔ وہ اس بات سے ابھی واقف نہیں ہے۔ لیکن اسے فوراً ہی اپنے اس خیال کی نفی کرنی پڑی اور اسے گنگا کی چالاکی کا خیال آگیا۔ کہیں وہ اس بہانے وکرم سنگھ پر اپنی بہادری کا رعب تو نہیں ڈالنا چاہتی؟ ممکن ہے کہ وکرم سنگھ نے دو مہینے میں گنگا کے گروہ کو ختم کرنے کا جو عہدہ کیا ہے وہ اس کے رعب میں آکر اپنے عہدے سے پھر جائے... اس خیال کے آتے ہی اسے گنگا کی یہ چال بازی سمجھ میں آگئی... لیکن پھر بھی وہ سخت الجھن میں نظر آ رہا تھا کبھی تو گنگا کے اس فیصلے میں اسے اس کی چالاکی نظر آتی تھی اور کبھی وہ اسے بے وقوف سمجھنے لگتا تھا۔

وہ تو اس بات پر غور کر رہا تھا کہ مہینے دو مہینے میں یا تو وکرم سنگھ گنگا کو گرفتار کر لے گا یا اسے ختم کر دے گا۔ اس طرح گنگا کا گروہ بغیر سردار کا ہو کر بکھر جائے گا اور وہ ان میں سے کچھ لوگوں کو اپنی ٹوٹی میں شامل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس کے سامنے پہلے تو اسی وقت بکھرنے لگے تھے جب اس نے یہ سنا کہ گنگا خود ہی وکرم سنگھ کو اٹھالے جانے کا پروگرام بنا چکی ہے۔ اس نئی خبر کے بعد اسے پھر اسے اپنے نفع و نقصان کے بارے میں سوچنا پڑ گیا تھا۔ گنگا کے اس منصوبے کو اپنے دائرے میں کرنے کے لیے وہ کوئی ترکیب سوچنے لگا۔ جیون کو رخصت کرنے کے بعد وہ اپنے ساتھیوں سے اسی موضوع پر گفتگو کرنے لگا۔

"کسی حالت میں بھی گنگا کا منصوبہ کامیاب نہیں ہونا چاہیے۔"

ہماری نے اپنے ساتھی شکر سے کہا "لیکن اس کے درمیان کو وکرم سنگھ کیا فائدہ ہوگا؟" اس نے کہا "گنگا کے ساتھی اگر وکرم سنگھ کو اٹھا کر لے جانے میں کامیاب ہو گئے تو بھی اتنا بڑا ملٹری آفیسر محض اس کے خوف سے اپنے فرض کو کیوں بھول جائے گا؟ اس بات سے تو گنگا اور وکرم سنگھ کے درمیان دشمنی اور بڑھ جائے گی اور یہی ہمارے لیے سب سے بڑا فائدہ ہے۔"

"تمھارا مطلب ہے کہ اتنی اہم خبر معلوم ہو جانے کے بعد بھی ہم یونہی چپ چاپ بیٹھے رہیں؟" ہماری ذرا ناراض لہجے میں بولا "جیون ایک بڑا خطرہ مول لے کر ہمیں یہ خبر دینے آیا تھا... اس کا فائدہ نہ اٹھایا تو ہم سے زیادہ بے وقوف کوئی نہیں ہوگا۔" تو پھر ایک کام کرتے ہیں "نھونے اپنا سر کھیلانے ہوئے"

کہا "ہمیں وکرم سنگھ کو یہ بات بتا دینا چاہیے کہ گنگا نے تمھارے خلاف سازش تیار کی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ ہوشیار ہو جائے گا اور گنگا ہاتھ ملتی رہ جائے گی"

نھونے کا مشورہ شکر کو خاصا معقول نظر آیا، لیکن ہماری نے اس مشورے کو مسترد کر دیا اور بولا "ایسی واہیات باتیں سوچ کر اپنا وقت مت برباد کرو نھونے! وکرم سنگھ کو گنگا کی سازش سے آگاہ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ بات تو پھر بھی نہیں بنے گی۔ ہمیں تو اس موقع سے فائدہ اٹھانا ہے۔ جب گنگا کے ساتھی وکرم سنگھ کو اٹھا کر لے جا رہے ہوں۔ ہم درمیان میں کود پڑیں گے۔ ایک لمحے کے توقف کے بعد وہ بولا۔ "بلکہ یوں کرنا چاہیے کہ گنگا اگر وکرم سنگھ کو یہ خبریت واپس بھیجنے کا ارادہ رکھتی ہو تو ہمیں ایسا نہیں ہونے دینا چاہیے۔"

"کیا مطلب؟" شکر نے اپنے ساتھیوں کی طرف سے خود ہی سوال کیا "کیا وکرم کو ہمیں اپنے قبضے میں کر لینا چاہیے؟"

"نھونے صبر کرو اور میری بات غور سے سنو!" ہماری ہاتھ اٹھا کر بولا "مجھے ایک زبردست چال سوچنی ہے۔ وکرم سنگھ جب واپس ہو رہا ہو تو ہم اسے گولی مار دیں گے۔" ہماری تھوڑی دیر تک اپنے ساتھیوں کا چہرہ دیکھتا رہا پھر بولا "تم لوگ شاید یہ سمجھ رہے ہو کہ ہمارے اس قدم سے گنگا کا راستہ صاف ہو جائے گا؟ وکرم سنگھ کی موت کی بات سن کر تم لوگ چپ کیوں ہو گئے؟ شاید تم لوگ یہ بھی سوچ رہے ہو گے کہ وکرم سنگھ کی موت کے بعد گنگا کو سکون ہو جائے گا لیکن نہیں اتنے بڑے ملٹری آفیسر کا قتل تو دہلی ناک سرکار کو ہلا کر رکھ دے گا اور پھر وکرم سنگھ کے جیسے دس دس کرنل گنگا کے خلاف میدان میں کود پڑیں گے۔ اپنی عزت بچانے کے لیے سرکار آسمان زمین ایک کر دے گی اور پھر پلک جھپکے ہی گنگا کا خاتمہ ہو جائے گا۔"

"اس کام میں ہمیں بھی تو زبردست خطرہ ہے؟" نھونے دلیل پیش کی "اگر سرکار کو یہ معلوم ہو گیا کہ یہ کام گنگا نے نہیں بلکہ ہم نے کیا ہے تو..."

"نھونے!" ہماری تلخ لہجے میں بولا "کھوکھلی دلیلیں مجھے پسند نہیں ہیں۔ وکرم سنگھ کی لاش کے ساتھ گنگا کے دو ایک ساتھیوں کی لاشیں بھی پڑی ہوں گی ایسے میں پولس کو ہم پر شک ہی کیسے ہو سکتا ہے؟ گنگا نے ہم لوگوں کی کتنی بے عزتی کی ہے۔"

اس بات کو مد نظر رکھو۔ اس لڑکے انور کو ہمارے قبضے سے چھڑانے کی اس نے کتنی ہمت کی تھی؟ وہ اپنے ایک ہی ساتھی کو لے کر ہمارے سامنے آئی تھی اور جان بھری ہمت سے کہہ رہا تھا کہ اس کے چلی گئی... اس کا حساب برابر کرنے کا ہمیں سنتری موقع ملا ہے۔ دلیلیں پیش کر کے تم لوگ اپنی بزدلی کا اقرار کر رہے ہو۔ میں اپنے فیصلے پر اٹل رہنا چاہتا ہوں... تم لوگ اگر میرا ساتھ نہیں دو گے تب بھی ہماری اپنا انتقام لینے کے لیے اکیلا ہی میدان میں جائے گا۔" ہماری کا غصہ دیکھ کر پھر کسی نے کچھ نہیں کہا... اپنے ساتھیوں کی خاموشی کو ان کی رضامندی سمجھ کر ہماری مسکرا دیا اور بولا "اب اس فیصلے کی خوشی میں آج کی یہ رات ہم مینا بائی کا محراب اس کی گزراں گے... منظور ہے؟"

اس کے سامنے ساتھی ایک آواز ہو کر بولے "منظور ہے سو بار منظور..."



پوری رفتار سے دوڑتی ہوئی چپ پر بیٹھے ہوئے کرنل وکرم سنگھ کے دماغ میں گزشتہ رات کو ٹیلیفون پر ہونے والی گفتگو کے الفاظ گونج رہے تھے۔ کرنل وکرم سنگھ فرج میں جانے کے بعد تھوڑی شراب پینے کی عادت میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اس نے دو مہینے کی مدت میں گنگا کو نیست و نابود کرنے کی ذمہ داری تو اپنے سر پر لے لی تھی، لیکن اسے لوگوں کے تعاون کی امید نہیں تھی۔ بلکہ دہلی کے ملٹری ہیڈ کوارٹر میں اس کے افسر نے اس کی اس جرات کی تعریف بڑے طنز پر انداز میں کی تھی اور ساتھ ساتھ اسے نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا "کرنل تم نے بڑی ہمت کا مظاہرہ کیا ہے۔ تم نے دو مہینے میں یہ اہم ذمہ داری پوری کرنے کا عہدہ کر کے ایک سنسنی پھیلا دی ہے... لیکن تمھیں اس کے اظہار کی ضرورت نہیں تھی... کیونکہ وعدے کرنے کا کام تو حکومت اور لیڈروں کا ہوتا ہے... ہم ملٹری والے تو دشمن پر حملہ کرنے کی بات کو کبھی کسی پر ظاہر نہیں کرتے... دو مہینے تو بہت ہیں تم تو صرف دو ہفتے میں ہی اپنا وعدہ پورا کر سکتے ہو... مگر شرط یہ ہے کہ اگر یہ کام خاموشی اور مکمل رازداری سے کیا جائے۔ ممکن ہے تمھارا یہ اعلان راجستھان کے گورنر کو ناگوار نہ رہے وہ لوگ تو یہی چاہتے ہیں کہ خطروں سے تو ملٹری والے کھیلیں لیکن نا انکار روشن ہو۔" اتنا کہہ کر افسر نے دھیرے سے کہا تھا

”تم نے چیلنج کر ہی دیا ہے تو ایسا کرنا کہ اس میں سب کا ہی نام ہو۔“ اب پولس چیف پانڈے کے ساتھ بیٹھا وہ گنگا کے گرد گھیرا تنگ کرنے کے لیے منصوبہ بنا رہا تھا۔

”کرنل صاحب! آپ نے دو مہینے کی مہلت کا اظہار کر کے اچھا نہیں کیا ہے۔ اس سے تو گنگا اور اس کے ساتھی ہوشیار ہو جائیں گے۔ اس عرصے میں وہ سرحد پار کر کے مدھیہ پردیش کے علاقوں میں روپوش ہو سکتے ہیں اور اگر وہ واقعی بھاگ گئے تو؟“ وکرم سنگھ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ”پانڈے صاحب! براہ راست کے باغیوں کے اصولوں سے ہم اچھی طرح واقف ہیں... گنگا کا تعلق نورام سنگھ کے گروہ سے ہے۔ وہ لٹکار کا جواب دینے کے لیے زیادہ جلدی ہوگی۔ اور چھپ جانے کی بجائے سامنا کرنے کو زیادہ ترجیح دے گی۔ ہمیں ایسے ہی کسی موقع کا انتظار کرنا ہے جب وہ پچیس تیس یا عی ہمارے سامنے آجائیں۔ پھر ہمیں بھی کچھ دکھانے کا موقع ملے گا۔“

پولس افسر کے چہرے کے تاثرات سے وہ سمجھ چکا تھا کہ پانڈے اس مٹے بھڑے ڈر رہا تھا۔ شاید اس کو اپنی فوری پکڑ دیا نہیں تھا۔ ادھر گھر میں رانی ماں بھی اس کے ارادے کے حق میں نظر نہیں آ رہی تھی۔ وکرم کے ساتھ لمبی بحث میں پڑنے کی بجائے رانی ماں نے دو چار باتوں میں ہی اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ رانی ماں نے اس سے کہا تھا ”وکرم کسی راجپوت کا بیٹا اگر کوئی عہد کرتا ہے تو وہ پھر پیچھے نہیں ہٹتا۔ یہ میں اچھی طرح سے جانتی ہوں اسی لیے میں تمھیں روکنے کی کوشش نہیں کروں گی بلکہ میں تو اب درگاماتا سے روز تمھاری سلامتی کے لیے دعا کروں گی... اگر تمھیں اپنے مقصد میں کامیابی نہ بھی ملے پھر بھی میری بی خواہش ہوگی کہ تم ملٹری کی دردی اٹا کر ہمیشہ میرے پاس رہو۔“

اسے رانی ماں کی یہ بات اچھی نہیں لگی تھی... اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر ہر کوئی یہ کیوں سمجھ رہا ہے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوں گا؟

انھیں سوائوں کی بھرمار سے بچنے کے لیے وہ روزانہ رات کو پینے لگا تھا۔ رانی ماں کے سو جانے کے بعد وہ پیتے پیتے گنگا کو گھیرنے کے منصوبے سوچنا رہتا تھا۔

کل رات بھی وہ اسی الجھن میں بیٹھا تھا کہ اچانک آدھی

رات کو ٹیلیفون کی گھنٹی بجی... ممکن ہے گنگا کے کسی بے ڈل کے کی اطلاع ہو...؟ اسی خیال سے اس نے ریسپونڈ کر لیا لیکن کسی نئی واردات کی اطلاع کی بجائے بات کچھ اور ہی تھی ”کرنل صاحب! آپ کو ایک اہم خبر دینی ہے“ دوسری جانب سے بولنے والے کی آواز سن کر اس نے پوچھا تھا ”لیکن تم کون ہو؟“

”گنگا کا دشمن“ دوسری جانب سے مختصر جواب ملا تھا۔

”کیا نام ہے تمھارا؟“

”اس چکر میں نہ پڑیں کرنل صاحب! بس جو میں کہہ رہا ہوں وہ آپ سن لیں“ اجنبی شخص نے جلدی جلدی کہا تھا۔

”اچھا بولو“

”آپ گنگا کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں نا؟“ بولنے والے کی آواز سے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ دانت پیس کر بول رہا ہو ”تو کل دوسرے کے وقت رتن پور کے ٹھکانے پر دہشت سنگھ کے کھیت میں پہنچ جائیں“

”کیوں کیا گنگا وہاں واردات کرنے آئے گی؟“ اس نے پوچھا تھا۔

”نہیں کرنل صاحب! وہ وہاں ہتھیاروں کا سودا کرنے آئے گی۔“ دوسری جانب سے اجنبی شخص نے کہا تو وکرم سنگھ کو اس کی بات تھوئی اور بناوٹی محسوس ہوئی لیکن اس نے اس بات کا اظہار نہیں ہونے دیا تھا بلکہ مزید کچھ جاننے کی غرض سے بولا ”لیکن میں یہ کیسے مان لوں کہ تم گنگا کے دشمن ہو؟“

”بہاری کی آواز اگر آپ پہچانتے ہوتے تو ضرور مان لیتے۔“

یہ سن کر وکرم کا دماغ روشن ہو گیا تھا اور وہ دل ہی دل میں بولا... وہ تو یہ گنگا کا جانی دشمن بہاری ہے؟... چند لمحوں تک اس معاملے پر غور کرنے کے بعد اس نے کہا ”چلو میں مان لیتا ہوں کہ تم بہاری ہو لیکن مجھے وہاں بلا کر اگر تم بھی اپنا بدلہ لینے آگئے تو...؟“

آئے گی یہ اطلاع دینے کے بدلے مجھ سے رحم کی امید مت رکھنا۔“

”صاحب مجھے تو صرف ایک ہی بدلہ چاہیے... گنگا ختم ہو جائے تو میں سمجھوں گا کہ مجھے سب کچھ مل گیا“ دوسری جانب سے بولنے والے کی آواز میں ٹھہراؤ آ گیا تھا۔

”اچھی بات ہے دیکھا جائے گا۔“ کہہ کر وہ فون بند کرنے جا رہا تھا کہ دوسری جانب سے بولنے والے نے جلدی کی ”کرنل صاحب! ایک منٹ میں یہ بتانا بھول گیا تھا کہ گنگا وہاں اپنے صرف دو ہی ساتھیوں کو ساتھ لے کر آئے گی... کیا آپ میں اکیلے آنے کی ہمت ہے؟“

”اکیلے...؟ کس لیے؟“ وہ چونک پڑا تھا۔

”کیونکہ آپ کی پولس ناقابل بھروسہ ہے۔ گنگا کے بہت سے خبرپوس میں شامل ہیں اور تو اور پولس چیف پانڈے جی کے گھر میں ہونے والی ذرا سی ہلچل کا پتا بھی گنگا کو چل جاتا ہے اسی لیے بتا رہا ہوں اگر آپ اپنے عہد کو پورا کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو اکیلے ہی یہ خطہ اٹھانا ہوگا۔ دوسروں پر بھروسہ کریں گے تو آپ ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔“

آخری الفاظ نے جیسے وکرم سنگھ کو بوکھلا دیا ہو اس نے ریسپونڈ کرتے ہوئے سے بیچ دیا تھا پھر اس نے اس اطلاع کو دماغ سے جھٹک دینے کی بڑی کوشش کی وہ یہ کہہ کر اپنے آپ کو تسلی دینے لگا تھا کہ ممکن ہے اسے غلط راہ پر چلانے کے لیے یہ گنگا کی ہی سازش ہو... پھر رات کے آخری پہر جب اس کی آنکھیں بند سے بوجھل ہونے لگیں تو اس نے ایک فیصلہ کر ہی لیا تھا کہ وہ کسی اجنبی کی دی ہوئی اطلاع پر رتن پور ہرگز نہیں جائے گا صرف ٹیلیفون پر سنی ہوئی خبر پر بھروسہ کر کے بچتر میل کا سفر کرنا مناسب نہیں ہے۔

لیکن صبح ہوتے ہی پھر ٹیلیفون کی گھنٹی نے شور کر کے اسے جگا دیا تھا گھبرا کر اس نے ریسپونڈ کر لیا تو دوسری طرف سے بولنے والی کسی عورت کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے ”سوری دانگ نمبر“ کہہ کر فون بند کر دیا پھر اس کے بعد تو وہ سو ہی نہیں سکا رات کو فون پر بہاری سے جو باتیں ہوئی تھیں اس کی گونج ابھی تک باقی تھی وہ سوچ رہا تھا ممکن ہو بہاری نے ہی اسے فون کیا ہو... کیونکہ گنگا سے اپنی عداوت کا بدلہ لینے کے لیے ہی مجھے وہ اطلاع دی ہو؟ وہ شاید اس بات سے ڈر رہا ہو کہ اگر میں پولس

ساتھ لے کر وہاں گیا تو گنگا کہیں ہاتھ سے نکل نہ جائے اور اس کا انتقام پورا نہ ہو سکے شاید اسی خیال سے اس نے مجھے اکیلا ہی وہاں بلایا ہو؟

خیالوں میں کھوئے کھوئے ہی اس نے پولس چیف کا نمبر ڈائل کر لیا دوسری جانب سے جب پانڈے جی نے ریسپونڈ کر لیا تو اس نے پوچھا ”پانڈے صاحب بہاری نام کے باغی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے... کہیں یہ وہی تو نہیں ہے جو پہلے ڈاکو رام سنگھ کے گروہ میں تھا؟“

”ہاں کرنل صاحب... یہ بہاری وہی ہے جو پہلے رام سنگھ کا دامنا بازو سمجھا جاتا تھا لیکن جب اچانک گنگا ڈاکو بن کر اس گروہ میں شامل ہو گئی تو گروہ کی سرداری بہاری کو نہیں ملی... اور وہ رام سنگھ کے گروہ کو چھوڑ کر چلا گیا... رام سنگھ سے الگ ہو کر اس نے اپنی ایک الگ ٹوٹی بنائی پھر اس نے ایک مسلمان لڑکے کو اغوا کر لیا تاکہ اس کی بیوہ ماں سے منہ مانگی رقم وصول کر سکے لیکن گنگا اس کے پیچ میں کود پڑی اور اس لڑکے کو اس کے قبضے سے چھڑا لے گئی بس اسی وقت سے دونوں کی دشمنی مضبوط ہو گئی... اس طرح بہاری گنگا کی جان کا دشمن ہو گیا ہے“ پانڈے جی کی زبانی یہ تفصیل سن کر وکرم سنگھ غصہ سے دیر تک معاملے پر غور کرتا رہا اس کی آواز جب سناؤ نہیں دی تو پانڈے جی نے اپنی ہوشیاری دکھاتے ہوئے کہا ”میں آپ کا ارادہ سمجھ گیا ہوں... شاید آپ سوچ رہے ہیں کہ اگر ہم لوگ بہاری کو ڈھونڈ کر اسے توڑ لیں تو گنگا تک آسانی سے پہنچ سکتے ہیں! کیوں یہی سوچ رہے ہیں نا آپ؟“

”نہیں پانڈے جی میں تو کچھ اور ہی سوچ رہا تھا“ وکرم سنگھ نے اس طرح بات ٹالنے کی کوشش کی کہ پانڈے جی کو اس کے اندر کی بات کی ہوا بھی نہ لگنے پائے ”ہم جب روسرو ملیں گے تو اس کے متعلق باتیں کریں گے“

”ٹھیک ہے تب میں دوپہر کو آپ کے پاس آجاتا ہوں۔“ پانڈے جی نے خوش ہو کر کہا تو وکرم سنگھ میری طرح بوکھلا گیا اس نے جلدی سے انکار کرتے ہوئے کہا تھا ”نہیں نہیں پانڈے جی آج میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے ایک دو دن آرام کر لوں پھر ہم دونوں ضرور ملیں گے“ یہ کہہ کر اس نے ریسپونڈ کر دیا تھا اس کے اسی جواب میں اس بات کی تصدیق ہو گئی تھی کہ اس نے فیصلہ کر



حافقت ہی تو کی تھی... گنگا کا کوئی بھی خیر اگر اس جیب کو دیکھ لے تو وہ اسے پہچانے میں ذرا بھی دیر نہیں کرے گا... ممکن ہے اس وقت تک وہ کسی کی نظروں میں آ بھی چکا ہو...؟  
اس خیال کے آتے ہی اس نے سوچا کہ وہ واپس چلا جائے پھر وہ سوچنے لگا کہ کیوں نہ جیب پر ہی رتن پور چلا جائے جو ہر گاہ دیکھا جائے گا... لیکن تب ہی اس کی نظر دو در ایک سایا دار درخت کے نیچے کھڑے ہوئے کچھ لوگوں پر پڑی... انھیں دیکھ کر ایک تگا اس کی سمجھ میں آ گیا وہ سب بس کے انتظار میں کھڑے تھے اس لیے اس نے سوچا کہ وہ بھی بس میں بیٹھ کر رتن پور چلا جائے تو...؟  
اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھا تو ایک نرالا نگ کی دودھی سے بس آتی ہوئی دکھائی دی اب سوچنے کا وقت نہیں تھا، جیب کو جلدی سے کنارے لگا کر اس نے چابی اپنی جیب میں رکھ لی اور

لیا ہے کہ وہ دو پہر تک چھپے چوری رتن پور پہنچ جائے گا اور اگر واقعی وہاں گنگا مل گئی تو اسے زندہ یا مردہ وہ گرنادر کر لے گا۔  
سرور کا بہانہ کر کے اس نے دوسرے تمام کام ملتوی کر دیے اور حویلی سے نکل کر بنگلے پر پہنچ گیا لیکن بنگلے پر آ کر بھی جیب اسے بھیس بدلنے کی کوئی چیز نہیں ملی تو اس نے ایک گول بگڑی اپنے سر پر باندھ لی لمبی راچیوتی قمیص اور ریشمی پاجامہ زیب تن کرنے کے بعد اس نے اپنی پیشانی پر انگلی کے برابر لمبا تنک بھی لگا لیا پھر لمبی قمیص کے نیچے کر میں اپنا پستول اور کارٹوس کی ہسٹی چھپا کر وہ رتن پور کے لیے روانہ ہو گیا... تیزی سے بھاگتی ہوئی جیب کو اسے اچانک ہی ایک جگہ روک دینا پڑا اسے اپنی حافقت پر غصہ آ رہا تھا... پہچان لیے جانے کے خوف سے تو اس نے اپنا بھیس بدلا تھا لیکن سواری کے لیے مٹری کی جیب کو ساتھ رکھ کر اس نے



باہر کو دھڑا اور ٹھٹھا ہوا درخت کے سائے میں آکر لوگوں کی بھیڑ میں کھڑا ہو گیا لیکن اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ گنگا کے دوسرا بھیڑ لاکھن اور گوپال درگا پور سے ایک دوسری جیب میں اس کا تعاقب کرتے ہوئے چلے آ رہے تھے وہ اس کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھتے ہوئے تھے... لیکن بھلا دکر سنگھ کو یہ خبر کیسے ہوئی کہ کل رات اسے خون پر اطلاع دینے والا بہاری نہیں بلکہ لاکھن ہی تھا اور وہ خود اپنے پیروں سے چل کر گنگا کے بچھائے ہوئے جال میں پھنسنے جا رہا تھا۔

رتن پور کے اڈے پر آکر بس ٹھہر گئی۔ ایک ایک کر کے لوگ اترنے لگے۔ دو چار مسافروں کے پیچھے دکر سنگھ بھی بس سے اتر آیا۔ اس نے اپنی راجپوتی پگڑی کو دونوں ہاتھوں سے ٹھیک کیا پھر ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگا۔ بس منٹ کے اس سفر میں وہ بہت بھر بھر ہو چکا تھا۔

اُس کے برابر بیٹھ ہوئے مسافر نے جب اُس سے گفتگو کرتے ہوئے پوچھا تھا کہ کھانا کھا کر آپ کہاں رہتے ہیں؟ کہاں جانا ہے آپ کو؟ تو اُسے جواب دینے میں ذرا الجھن سی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے گاؤں والے دیہاتیوں جیسا لباس تو زیب تن کر لیا تھا لیکن اس کے لہجے میں گھاؤں والوں جیسا انداز کہاں تھا؟ اسی لیے تو وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں اس کا راز بات کرتے ہی فاش نہ ہو جائے!۔ بس یہی وجہ تھی کہ اُس نے سر در دکا بہانہ بنا کر اپنے ہمسفر کو ٹال دیا تھا اور اسی ٹال مٹول میں اُس نے اونگھتے ہوئے یہیں منٹ گزار دیے تھے۔

لیکن اب اُسے اپنی اس بات پر ہنسی آرہی تھی اور وہ سوچنے لگا تھا کہ مجھ جیسا باہوش ملٹری آفیسر ایک اجنبی شخص کی باتوں پر یقین کر کے اس طرح بھیس بدل کر گنگا جیسی خطرناک عورت کو گرفتار کرنے کے لیے دُور دُور چلا آئے! یہ بات اگر کسی کو معلوم ہوگئی تو وہ اسے بے وقوف کے سوا اور کچھ ہی کیا سمجھتا ہے؟ لیکن اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تو اس کی واہ واہ کرتے نہیں تھکیں گے اور اگر ایسا نہیں ہوا تو لوگ میری اس چالاکی اور بہادری کو میری بے وقوفی سمجھ کر ہنسیں گے اور پولیس والے تو پیٹ پچڑ کر قہقہے لگائیں گے۔ اس طرح تو ملٹری والوں کی عزت خاک میں مل جائے گی!

ان سارے دوسو سول کے درمیان اس نے اپنی کمر میں چھپے ہوئے پستول کو ٹٹول کر دیکھا، پھر گرتے کی جیب میں ہاتھ ڈال کر زائد کارٹوسول کی ڈبیا بھی ٹٹول کر دیکھی۔ اس طرف سے مطمئن ہونے کے بعد اُس نے ایک مقامی دیہاتی سے رتن پور کے ٹھاکر کے کھیتوں کا پتا پوچھا اور اس طرف چل پڑا۔ بس میں بیٹھے منصوبے پر غور کر لیا تھا کہ کھیتوں میں داخل ہوتے ہی وہ سب سے پہلے اطراف کا جائزہ لے گا۔ گنگا اگر اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں نہ پہنچی ہو تو وہ اُس کے آنے سے پہلے وہاں چھپ جائے گا اور اگر وہ آچکی ہوگی تو اُس کا کوئی ساتھی کہیں چھپ کر اُس کی نگرانی کے لیے بیٹھ چکا ہوگا۔ اسی حالت میں اُسے احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ اپنی چال ڈھال سے اس بات کو ظاہر نہیں ہونے دے گا کہ وہ کوئی دیہاتی آدمی نہیں ہے اور اگر ضرورت پڑی تو بجائے سامنے کے، وہ کھیتوں کے پیچھے سے جھاڑیوں میں داخل ہو کر چھپ جائے گا اور جب وہاں ہتھیاروں کا سودا ہو رہا ہوگا تو وہ اچانک نکل کر ان سب کو چونسکا دے گا۔ سب سے پہلے تو وہ گنگا کی ہی کلائی پھڑکے گا اور اُسی کو ڈھال بنا کر ان سب کو پستول کی زد پر لے گا۔ تب کوئی ہتھیار اٹھانے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔

خیالوں ہی خیالوں میں اپنی فتح کا جشن مناتا ہوا کمرل دکر سنگھ تقریباً دو فرلانگ کا فاصلہ طے کر گیا۔ اس کا دل خوشی اور جوش سے اُچھل رہا تھا۔ اگر آج اس کا یہ چھاپا کامیاب ہو گیا تو وہ ایک ساتھ تین شکار کر لے گا۔ یعنی گنگا کے علاوہ ہتھیار فروخت کرنے اور اس طرح کے سودے کرانے والے ٹھاکر دلپت سنگھ کو بھی حراست میں لے لے گا۔

اچانک پیچھے سے جیب کے تیز مارن کی آواز سن کر اس کے خیالوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ اُس نے گردن گھما کر دیکھا تو جیب میں ملٹری کی وردی پہنے ہوئے دو آدمی بیٹھے دکھائی دیے۔ انھیں دیکھ کر اُسے حیرت ہوئی اور اُس نے یہ سمجھا کہ کہیں میسر ہی آدمی مجھے واپس بلانے تو نہیں آگئے؟ لیکن ان دونوں کے چہرے اسے اجنبی سے لگے اور انھوں نے بھی اُسے کمرل کے طور پر پہچان کر سیلوٹ نہیں کیا تھا۔ یہ دیکھ کر وہ بھی انجان بنا رہا۔

”اُسے ٹھاکرا“ دونوں میں سے ایک نے اُسے مخاطب

کیا۔ ”یہاں کے ٹھاکر دلپت سنگھ کے کھیت کہاں ہیں؟“ یہ سوال دکر سنگھ کے کیلچے میں اُتر گیا۔ اُسے لگا کہ میں جہاں جا رہا ہوں، وہاں کے باپے میں پوچھنے والے یہ لوگ کون ہیں؟ اس کا جی چاہا کہ وہ اُن سے کہہ دے کہ مجھے نہیں معلوم لیکن پھر ایک نکتہ اس کی سمجھ میں آ گیا۔ ممکن ہے یہی لوگ ملٹری کے ہتھیار فروخت کرنے والے ہوں! اس خیال کے آتے ہی اُس نے جھٹ جیب کے کچھواڑے نظر ڈالی تو اُسے سفید کپڑے کے نیچے کوئی سامان جیسی چیزیں ڈھکی ہوئی دکھائی دیں۔ یہ دیکھ کر اُسے سو فیصد یقین ہو گیا کہ یہی اسلحہ فروخت کرنے والے لوگ ہو سکتے ہیں۔ اُس نے فوراً ہی اپنے چہرے کے تاثرات چھپا لیے اور جیب چلانے والے شخص سے بولا۔ ”داہنی جانب کے دو کھیتوں سے گزر جائیں تو جو تیسرا کھیت آئے گا وہیں سے ٹھاکر دلپت سنگھ کے کھیت شروع ہوں گے۔ اتنا کہنے کے بعد وہ اپنا چہرہ چھپاتا ہوا آگے بڑھ گیا لیکن اُسے فوراً ہی رُک جانا پڑا۔ جیب چلانے والے نے جیب کو اُس کے برابر لاتے ہوئے کہا۔ ”ٹھاکرا! تمہیں کس طرف جانا ہے؟ چلو جیب میں بیٹھ جاؤ۔“ دکر سنگھ کو یہ بات کچھ عجیب سی لگی لیکن اُس نے مسکرا کر اس پیش کش کو ٹالتے ہوئے کہا۔ ”نہیں، مجھے تو بس تھوڑی سی دور جانا ہے۔ آپ لوگ جائیں۔“

لیکن جہاں تک جانا ہے، وہاں تک تو بیٹھ جاؤ۔“ جیب چلانے والے کے دوسرے ساتھی نے ہنس کر کہا۔ ”بھائی! تمہارے وزن سے ہمارا پیڑول زیادہ نہیں چلے گا۔“

دکر سنگھ کے دل میں اس بات سے ایک خیال ابھرا کہ اس بہانے کیوں نہ ان لوگوں کا اعتماد حاصل کر لیا جائے تاکہ یہ بھی اندازہ ہو جائے کہ جیب کے پچھلے حصے میں انھوں نے کیا چیز چھپا رکھی ہے؟ یہ سوچ کر اس نے اپنی رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”ابھی بات ہے جناب! آپ جیسے ملٹری افسروں کی بات تو ماننی ہی پڑے گی۔“ یہ کہہ کر وہ جیب کے پچھلے حصے پر چڑھنے لگا لیکن جب اس نے دیکھا کہ جیب چلانے والے کے برابر بیٹھے ہوئے اس کے ساتھی نے اپنا جسم سمیٹ کر اس کے لیے بھی اوہیں جگہ کر دی ہے تو اسے مجبوراً اُسے ہی بیٹھ جانا پڑا۔ ادھر ہی آجاؤ بھائی! پیچھے سامان پڑا ہے اس لیے تمہیں تکلیف ہوگی۔“ دشمن کے شائے سے شائے ملا کر دو منٹ بیٹھنا بھی اُسے

ناگوار لگ رہا تھا۔ بیٹھتے بیٹھتے اُس نے چورنگا ہوں سے ان دونوں کے چہروں کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کی تھی۔ وہ دونوں ملٹری والے ہوسکتے ہیں، یہ بات ان کے چہروں سے ظاہر نہیں ہو رہی تھی، بلکہ اُسے تو لگ رہا تھا کہ فوجیوں کے ہتھیار چرانے والے یہ لوگ جھوٹ موٹ ملٹری والوں کی طرح رعب دکھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد جیب چلانے والا اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کو دیکھ کر بڑبڑایا۔ ”ہمیں چار بجے پہنچنا تھا لیکن اب ساڑھے چار بج چکے ہیں، جہاں ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔“

یہ سن کر دکر سنگھ چونک پڑا۔ جہاں کا مطلب سمجھنے میں اُسے دیر نہیں لگی تھی۔ اُسے یقین ہو چکا تھا کہ یہ لوگ گنگا ہی سے ملنے جا رہے ہیں۔ اُسے اُن پر غصہ آنے لگا لیکن وہ نچلے ہونٹ کو دانتوں میں دبا کر رہ گیا۔

جب ٹھاکر دلپت سنگھ کے کھیتوں کی طرف مڑنے والا راستہ آگیا تو دکر سنگھ نے اپنا ہاتھ اٹھا دیا۔ ”ذرا روکنا۔ میں اُتر دوں گا۔“ پھر نیچے اُترنے کے بعد وہ اپنی عادت کے مطابق انگریزی میں ”ٹھیکس فور دی لفٹ“ کہنے ہی والا تھا کہ اُسے فوراً خیال آگیا اور وہ صرف ”رام رام“ کہہ کر جیب کی جانب دیکھے بغیر، سیدھے راستے پر چل پڑا۔

ٹھاکر دلپت سنگھ کے کھیت میں جیب جب بالکل اندر تک پہنچ گئی تو بریک لگا کر لاکھن اپنے برابر بیٹھے ہوئے گوپال کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور دھیرے سے بولا۔ ”ابھی تک اسے اس بات کی بو نہیں آئی ہے کہ وہ ہمارے جال میں پھنسا جا رہا ہے۔“

تم کچھ بھی کہو لا کھن، لیکن یہ دکر سنگھ بڑا بہت جواں ہے۔ بھیس بدل کر وہ آگیا ہی یہاں تک آگیا ہے۔ ہم لوگ اگر درگا پور سے ہی اس کے پیچھے نہ لگے ہو تو اُسے اس حیلے میں پہچاننا ہمارے لیے بھی مشکل تھا۔“ گوپال نے کہا۔ ”پہلے تم یہ بتاؤ کہ جو کام میں نے تمہیں بتایا تھا، وہ کیا یا نہیں؟“

”ہاں، میں نے اُس کی پسلی میں دھیرے سے گھنٹی ماری تھی۔ مجھے کسی ہتھیار کی موجودگی کا احساس نہیں ہوا اگر اس



کے گھرنے کی جیب میں ڈبیا جیسی کوئی چیمیز ضرور موجود تھی۔  
گوپال نے بتایا۔

”تب تو وہ یقیناً کار تو سول کی ہی ڈبیا ہوگی۔“ لاکھن  
اپنی تیز نگاہوں کا ثبوت دیتے ہوئے بولا۔ ”اُس کے  
بائیں پہلو میں پستول چھپا ہوا تھا کیونکہ وہ جھٹکے اٹھا ہوا  
دکھائی دے رہا تھا۔ بائیں ہاتھ بھی اس نے مکر پر رکھا ہوا  
تھا یہ تو تم نے دیکھا ہی ہوگا؟“

گوپال تھوڑی دیر تک بیٹھا سوچتا رہا۔ آج تک اُن کو  
کو گرفتار کرنے کے لیے کسی پولس افسر نے اکیلے اتنی ہمت  
نہیں کی تھی اس لیے رہ رہ کر اسے ایک شک ہو رہا تھا۔  
آخر اس نے وہ اگل ہی دیا۔ ”لاکھن! مجھے تو یہ شک ہو  
رہا ہے کہ جس طرح ہم نے اُسے پھنسانے کی جال چلی ہے  
اُسی طرح اُس نے بھی ہمارے لیے کوئی جال نہ بچھا دیا  
ہو؟ ہمیں بدل کروہ اکیلا ہی آیا ہے۔ یہ ظاہری بات ہو سکتی  
ہے۔ ممکن ہے پیچھے سے ہمیں پولس گھیر لے، اُس کے ذہن میں  
ایسی ہی کوئی چال ہوئی تب تو ہم دونوں بڑی طرح پھنس  
جائیں گے۔“

”ہمیں گوپال! اس طرح ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں  
ہے۔“ لاکھن نے اُسے اطمینان دلایا۔ ”ہمیں پولس کے محکمے  
میں ہونے والی ایک بات کی خبر مل جاتی ہے۔ وکرم سنگھ  
نے اپنے اس اقدام سے ابھی تک پولس کو بے خبری میں رکھا  
ہوا ہے۔ اتنا کہنے کے بعد لاکھن نے ادھر ادھر ایک نگاہ ڈالی  
پھر بولا۔ ”مگر اب ہمیں بحث کرنے کی بجائے اُس سامنے والے  
جھونپڑے میں گھس جانا چاہیے۔ تھوڑی ہی دیر میں وکرم سنگھ  
حملہ کرنے کے لیے آجائے گا۔“ پھر لاکھن کے پیچھے پیچھے گوپال بھی  
جیب سے اُتر پڑا۔ وہ لاکھن کے ساتھ جھونپڑے تک گیا تو کسی  
لیکن اُس کے دل میں اب بھی ایک دہشت سی چل رہی تھی کہ  
جھونپڑے پر حملہ کرتے وقت وکرم تنہا نہیں ہوگا بلکہ پولس  
کی بہت بڑی پارٹی کھیت کو چاروں طرف سے گھیر لے گی شاید  
یہاں سے زندہ واپس جانا اب ان کے لیے ناممکن ہو!



آدھے گھنٹے کے انتظار کی بوریٹ سے وکرم سنگھ کے صبر  
کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ ان دونوں ملٹری والوں کو اُس نے

جھونپڑے میں داخل ہونے دیکھا تھا، لیکن اس کے بعد  
جب آدھے گھنٹے تک کوئی پھل نہیں ہوئی تو اسے دھڑکا لگا  
کہ آخر یہ لوگ اندر کیا کر رہے ہیں؟ کوئی اگر جیب میں رکھا  
ہو اسامان اٹھاتا کیوں نہیں ہے؟ کھیتوں میں اس قدر  
خاموشی کیوں چھائی ہوئی ہے؟ کیا لنگا ہتھیاروں کا سودا کرنے  
کے لیے آئی ہی نہیں ہوگی؟

اس کی گھبراہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ لنگا  
کے کسی آدمی نے اس پر نظر رکھی ہوئی ہے۔ ممکن ہے درگاہ پور  
سے ہی کوئی اس کی نگرانی کر رہا ہو اور اس نے لنگا کو اس کی  
اطلاع دے دی ہو، اور اگر ایسا ہو گیا ہو تو شاید اب لنگا  
نہیں آئے گی۔

لیکن فوراً ہی اس نے اپنے دل کو سمجھا لیا۔ نہیں، یہ ممکن  
نہیں ہے کیونکہ جیب ڈرائیو کرنے والا شخص کہہ رہا تھا کہ  
مہمان ان کی راہ دیکھ رہے ہوں گے اس لیے شاید لنگا کسی  
ایک ساتھی کے ہمراہ پہلے سے پہنچ چکی ہوگی اور اس وقت ہتھیار  
فروخت کرنے والوں کے ساتھ اس کی سودے بازی ہو رہی  
ہوگی۔ تھوڑی دیر میں جب سودے ہو جائے گا تو وہ دونوں  
جیب والے ہتھیار اس کے حوالے کر کے واپس چلے جائیں گے!  
لیکن کیا لنگا یہاں تک پسپا چل کر آئی ہوگی؟ اس سوال  
کا جواب اُسے نہیں سوچو سکا۔

تو پھر وہ ہتھیار لے کر یہاں سے کس طرح جائے گی؟ اس  
سوال کے جواب میں وہ اپنے آپ کو سمجھانے لگا کہ شاید جیب  
سمیت ہی ہتھیاروں کا سودا ہوگا اور اندھیرے میں لنگا خود  
ہی جیب لے کر روانہ ہو جائے گی۔

وکرم سنگھ انہی الجھنوں میں گرفتار تھا اور انتظار میں خطرہ  
بھی بڑھتا جا رہا تھا اس دوران میں ایک دوبار تو اس کے جی  
میں آیا کہ وہ اٹھ کر وہاں سے واپس چل دے لیکن اُس نے  
اپنی اس خواہش کو اس خیال سے جبراً روک رکھا کہ لنگا اگر نہ  
بھی آئی ہو تو کم از کم وہ ان ہتھیار فروخت کرنے والوں کو  
تو پچھڑا ہی سکتا ہے اور ان سے لنگا کا پتا بھی معلوم کیا  
جاسکتا ہے۔

دل ہی دل میں یہ سارے پروگرام بنانے کے بعد وہ  
آہستہ آہستہ کھیت کے اندر گھستا چلا گیا لیکن چند قدم چل

کر جب اس نے کسی کتے کے بھونکنے کی آواز سنی تو اسے کچھ  
دیر کے لیے جھاڑیوں میں دبک جانا پڑا۔ پھر جب اس نے اندازہ  
لگایا تو کتے کی آواز ساتھ والے دوسرے کھیت سے آتی  
محسوس ہوئی۔ وہ جھونپڑا اب اس سے تقریباً بیس گز کے  
فاصلے پر تھا اس لیے ایک قدم سنبھال کر اٹھاتا ہوا وہ دھیرے  
دھیرے آگے بڑھنے لگا۔

جھونپڑے پیچھے پہنچ کر اس نے اندر ہونے والی بات  
چریت سننے کی کوشش کی لیکن جب دیر تک اُسے کوئی آواز  
سنائی نہیں دی تو اُسے اس خاموشی پر حیرت سی ہونے  
لگی۔ تب ہی اچانک اس کی سماعت سے ایک بھی مگر کھاری  
آواز ٹکرائی۔ ”دیدی! ابھی فوجیوں کے ہتھیار چلنے والوں  
کی کڑی نگرانی کی جا رہی ہے اس لیے ہم کچھ عرصے تک مزید  
ہتھیار نہیں سپلائی کر سکیں گے۔ آپ بھی کار تو بس سنبھال کر  
خارج کریں۔“

وکرم سنگھ اندر ہونے والی یہ گفتگو سن کر دم سادھ گیا  
اس آواز کو وہ پہچان چکا تھا۔ یہ وہی شخص تھا جو جیب چلا رہا تھا  
اور وکرم سنگھ یہ بھی جانتا تھا کہ ”دیدی“ کا لفظ یہ لوگ صرف  
لنگا کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اندر چونکہ دیدی کو ہی مخاطب  
کیا جا رہا تھا تو اس کا یہی مطلب ہو سکتا تھا کہ وہاں لنگا ضرور  
موجود ہے۔ سانس روک کر وکرم سنگھ نے مکر کے نیچے سے اپنا  
پستول نکال لیا، پھر ہونٹ پیچ کر وہ دیے قدموں سرک رہا  
جھونپڑے کے دروازے کی جانب بڑھنے لگا لیکن اچانک اُسے  
ایک بار پھر رُک جانا پڑا کیونکہ اندر سے پھر اُسی جیب چلانے والے  
کی آواز آرہی تھی۔ ”دیدی! ہم جانتے ہیں کہ اس عینے آپ کو  
ہتھیاروں اور کار تو سول کی زیادہ ضرورت پیش آئے گی کیونکہ  
کنٹرل وکرم سنگھ نے آپ کی گرفتاری کا بیڑا اٹھایا ہے اور آپ  
اس کا سامنا کرنے میں ذرا بھی نہیں ہچکچائیں گی، یہ بات ہم اچھی  
طرح جانتے ہیں۔ آپ کے مقابلے پر اگر وہ بے جا کر کنٹرل مفت  
میں ہولی کاناریل بنتا جا رہا ہے۔“

لاکھن کی یہ بات پوری ہوئی ہی تھی کہ جھونپڑے کے دروازے  
پر ایک دھماکا سا ہوا۔ وکرم سنگھ نے زوردار لات مار کر  
دروازہ کھول دیا تھا۔

”خبردار کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے!“ پستول تانے اندر

داخل ہو کر وہ بہت زور سے گرجا لیکن یہ کیا؟ وہ چونک پڑا۔  
جھونپڑا خالی تھا۔ وہاں اُسے کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔  
وہ گھبرا کر واپسی کے لیے مڑنے ہی والا تھا کہ اچانک دروازے  
کے نیچے سے لاکھن نے اس پر پھیلانگ لگا دی۔ اس غیر متوقع  
حملے نے وکرم سنگھ کو ایک لمحے کے لیے غفلت میں ڈال دیا۔ اپنی  
پشت پر لٹکے ہوئے لاکھن کے وزن سے اس کے قدم لڑکھڑا  
گئے، پھر بھی زمین پر گرنے سے پہلے اس نے اپنا پستول اُلا ہاتھ  
پیچھے کی جانب موڑ کر لاکھن کی کھوپڑی کا نشانہ لے لیا لیکن اس  
سے پہلے کہ وہ اپنی انگلی کو جنبش دیتا، نہ جانے کہاں سے لاکھن  
کا دوسرا ساتھی گوپال نکل آیا اور اس نے وکرم سنگھ کا پستول  
والا ہاتھ پکڑ کر اتنی زور سے مرڈا کہ پستول اس کے ہاتھ سے  
چھوٹ کر نیچے گر پڑا۔ گوپال نے جھپٹ کر پستول اپنے قبضے میں  
لے لیا اور بولا۔ ”ٹھاکر وکرم سنگھ! اب زیادہ طاقت دکھانے  
کی ضرورت نہیں ہے۔ تم ہمارے قبضے میں ہو۔“

”لیکن تم ڈرو مت۔“ لاکھن اس کی گردن کا دباؤ کم کرتے  
ہوئے بولا۔ ”دیدی کا حکم ہے کہ تمہیں ذرا بھی تکلیف نہ ہونے  
پائے۔“

ان دونوں کی باتوں سے وکرم سنگھ کو یقین ہو گیا کہ بازی  
پلٹ چکی ہے۔ یہ دونوں ہتھیاروں کے سوداگر نہیں بلکہ لنگا  
کے ساتھی جن کے کھائے ہوئے جال میں وہ خود ہی پھنس چکا ہے۔  
”کہاں ہے وہ تمہاری قاتل دیدی؟“ وکرم سنگھ غصے سے  
چخا۔ ”آج یا تو میں ختم ہو جاؤں گا یا اسے ختم کر دوں گا۔“  
لنگا دیدی کے قتل کی بات سن کر لاکھن کا خون کھول  
اٹھا اور اسی جوش میں لنگا کے حکم کو بھول کر اُس نے وکرم سنگھ  
کے پیٹ میں ایک زوردار گھونسہ جڑ دیا۔ وکرم سنگھ اس  
اچانک حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ پیٹ دبا کر جھپک گیا۔  
گوپال طیش میں آ کر بولا۔ ”پھر بھی دیدی کو ختم کرنے کی بات  
کی تو تمہارا گلا دبا دوں گا۔“ یہ کہہ کر اُس نے پھر ایک لات ماری  
تو وکرم سنگھ زمین پر پڑھیر ہو گیا۔ لاکھن اُس کی گردن پر ہاتھ  
ڈالنے ہی والا تھا کہ اچانک اُسے لنگا کی تاکید یاد آئی۔ اس  
کا ہاتھ اٹھا ہی رہ گیا۔ لنگا نے اُس سے کہا تھا۔ ”یہ یاد  
رہے لاکھن کہ ٹھاکر وکرم سنگھ کو ایک مہمان کی طرح عزت  
سے یہاں لانا ہے۔ اُس کی شان میں تم لوگوں کی طرف سے

کوئی گستاخی نہ ہوتے پاسے۔

وکریم سنگھ پیٹ اور پسیلی دباے فرش پر بٹھا شاید دوسرے گھوڑے کی راہ دیکھ رہا تھا لیکن جب ایک منٹ تک اس کے جسم پر کوئی دوسرا دھماکا نہیں ہوا تو اچانک وہ ایک گز کے فاصلے پر رکھے ہوئے اپنے پستول پر جھپٹا جسے گوبال نے وہاں رکھ دیا تھا لیکن اسے ایک پل کی دیر ہو چکی تھی۔ چلا گیا گوبال نے اس سے پہلے ہی پاؤں کی ٹھوکر سے پستول کو اور دیر بچھینک دیا تھا۔ پھر اس سے پہلے کہ وکریم سنگھ اس طرف لپکتا، لاکھن نے جیسے کی طرح اس کی پیٹھ پر جھپٹا تاکہ لگا دی۔ صحت مند جسم والا کرنل وکریم سنگھ اس کے نیچے دب کر بری طرح ہانپنے لگا تھا۔ اس کا سر زور سے فرش پر ٹکرایا تھا۔ پیشانی پر لگنے والی یہ چوٹ اتنی شدید تھی کہ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور پھر دھیرے دھیرے اس کی پلکیں اس کی آنکھوں پر چھکتی چلی گئیں۔

وکریم سنگھ کے ماتھے پر سے بہتے ہوئے لہو کو دیکھ کر گوبال گھبرا گیا اور لاکھن سے کہنے لگا۔ ارے لاکھن! یہ تو زخمی ہو گیا ہے۔ اس کا یہ زخم دیکھ کر دیدی ہم پر سخت ناراض ہوگی۔

”اب اس کی فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ لاکھن نے وکریم سنگھ کو ہلکا کر اس کی بے ہوشی کا یقین کر لیا، پھر آگے بولا۔

”اب تم باہر جا کر ایک چکر لگاؤ اور یہ دیکھ لو کہ اس کا کوئی ساتھی تو وہاں موجود نہیں ہے! اس وقت تک میں اس کے ہاتھ پاؤں اور منہ باندھ دیتا ہوں۔ پھر اسے جیپ میں ڈال کر ہم فوراً ہی نکل جائیں گے۔“

آدھے گھنٹے بعد غروب ہوتے ہوئے سورج کی ہلکی روشنی میں ان کی جیپ ٹھکا کر دلپست سنگھ کے کھیتوں سے باہر نکل گئی۔ جب لاکھن اور گوبال اپنے آڈے پر پہنچے تو گنگا کی طرف سے انھیں اس کامیاب مہم پر بہت بہت شاباشی ملی، تب موقع پا کر لاکھن نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے گنگا سے کہہ دیا۔

”دیدی! شاباشی کے ساتھ کچھ ایسی بات بھی ہو گئی ہے جس کی وجہ سے تم یقیناً ہم پر ناراض ہوگی۔ دراصل ہماری وکریم سنگھ سے تھوڑی سی جھڑپ ہو گئی تھی اور تمہارے منہ کرنے کے باوجود ہمیں مجبور ہو کر اس پر ہاتھ اٹھانا پڑا تھا جس کی وجہ سے کرنل کے ماتھے پر ذرا چوٹ لگ گئی ہے۔“

”کوئی بات نہیں۔“ گنگا نے انتہائی نرم لہجے میں جواب دیا۔ اس کے لیے میں خود اس سے معافی مانگ لوں گی لیکن تم لوگوں کے ہاتھوں اس کی بے عزتی تو نہیں ہوئی نا؟

”نہیں دیدی! ایسی کوئی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ بس سر میں لگنے والی چوٹ کی وجہ سے کرنل وکریم سنگھ بے ہوش ہو گیا تھا۔ ہم فوراً ہی اسے اٹھا کر یہاں لے آئے ہیں۔ اتنا کہہ کر لاکھن ایک لمحے کے لیے کہہ کا پھر آگے بولا۔ لیکن دیدی! کرنل تم سے بے حد نفرت کرتا ہے۔ اس کی زبان پر تمہاری موت کی ہی تکرار رہتی ہے۔“ لاکھن کی اس بات کا جب گنگا نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ کچھ اور جوشیلا ہو گیا۔ دیدی! تم تو اس کی اتنی عزت کرتی ہو لیکن وہ تمہیں قاتل کہتا ہے اور یہ بات بھلا ہم کیسے برداشت کر سکتے ہیں؟

اس بار گنگا دھیرے سے ہنس دی۔ دیکھو لاکھن! اس کی زبان سے اپنی تعریف سننے کے لیے ہم اسے یہاں نہیں لائے ہیں۔ میں تمہیں یہ بتا دینا چاہتی ہوں کہ وہ کہنے ہی سخت الفاظ کیوں نہ استعمال کرے مگر ہمیں اپنا لہجہ نرم ہی رکھنا ہے۔ اس کے ساتھ ہمیں جہاں جیسا ہی سلوک کرنا پڑے گا چاہیے اس ملاقات کے بعد بھی وہ ہمارا دشمن ہی کیوں نہ بننا ہے لیکن اس وقت ہمیں اپنے دماغ اور اپنی زبان پر قابو رکھنا ہے۔ جاؤ! اسے عزت سے اندر لے آؤ۔“

”اچھی بات ہے۔“ کہہ کر لاکھن، وکریم سنگھ کو لینے چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد جب لاکھن اور گوبال کرنل وکریم سنگھ کو غار کے اندر لے رہے تھے، اس وقت اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ گنگا کے ساتھیوں کے جال میں پھنس جانے کی وجہ سے اسے اپنے آپ پر بھی غصہ آ رہا تھا وہ سوچ رہا تھا کہ صبح ہوتے ہی جب سارے علاقے میں یہ خبر پھیل جائے گی کہ گنگا نے کرنل وکریم سنگھ کو اغوا کر لیا ہے تو اس کی کتنی بے عزتی ہوگی؟ لیکن یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ اسے اس طرح اٹھانے میں گنگا کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟

”آئیے کرنل وکریم سنگھ! شریف لائے۔“ خوش آمدید کے یہ الفاظ وکریم سنگھ کو چونکا گئے۔ مشعل کی پھرکتی ہوئی روشنی میں گنگا کا سراپا دیکھنے میں اسے تھوڑی دیر لگی تھی جس کو ختم

کرنے کا اس نے بیڑا اٹھایا تھا اور جس کی کالی کالی تصویریں ہی اس نے اخباروں میں دیکھی تھیں وہی قاتل اور ڈاکو گنگا اس وقت ایک حسین عورت کی طرح اس کے سامنے کھڑی تھی۔ مردوں کا لباس پہننے کے باوجود اس کے چہرے پر عورتوں کی سلی ملاحت تھی۔ اس کی آنکھوں میں بھی ہمیں ڈر و ڈور تک سنگدلی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ اس کے لیے میں طرہ ہی نہیں تھا۔ وہ تو اس کے ماتھے پر لگے تھے وکریم کو دیکھ کر مگر منہ ہی ہو گئی تھی۔ اس کا یہ انداز دیکھ کر وکریم سنگھ کو حیرت ہو رہی تھی لیکن اس کے باوجود اس نے اپنے رویے میں تبدیل نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ گنگا سے نفرت کا جو جذبہ اس کے دل میں پیدا ہو گیا تھا، اسے وہ کسی قیمت پر بھی دبانے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اسی مضبوط ارادے کے ساتھ اس نے اتھالی قہر آلود نظروں سے گنگا کی طرف دیکھا۔

گنگا اپنی نرم آواز میں کہہ رہی تھی: ”آپ کے ساتھ اگر کوئی یاد دل ہوئی ہے تو اس کے لیے میں اپنے ساتھیوں کی طرف سے معافی چاہتی ہوں۔ گنگا نے کہہ کر اپنی نگاہیں جھکا لیں تو وکریم سنگھ کی حیرت کچھ اور بڑھ گئی۔ وہ سوچنے لگا کہ اتنا نرم لہجہ اختیار کر کے کہیں گنگا کوئی نئی چال تو نہیں چلانا چاہتی؟

”لیکن یہ دونوں مجھے یہاں کیوں لائے ہیں؟“ وکریم سنگھ نے اپنی آواز میں سختی پیدا کرتے ہوئے جواب طلب کیا۔ ”میں تمہیں بتا دیتا چاہتا ہوں گنگا کہ ان شریفانہ باتوں کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہو گا۔ میں اپنا عہد نبھانے کے لیے موت کی منزل تک تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔“

یہ سن کر لاکھن اور گوبال نے غصے سے اپنی اپنی مٹھیاں پیچنے لیں، لیکن گنگا کے چہرے کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ وہ تھوڑی دیر تک وکریم سنگھ کے تھمتے ہوئے چہرے کو دیکھتی رہی شاید وہ سوچ رہی تھی کہ وکریم سنگھ سے کس طرح اور کہاں سے بات شروع کرے؟ لیکن اس کی یہ خاموشی وکریم سنگھ سے برداشت نہیں ہوئی۔

”اور دوسری بات بھی سن لو“ وکریم سنگھ اسی سخت لہجے میں بولا۔

”مجھے یہ خیال بنا کر اگر تم کوئی مال فائدہ چاہتی ہو تو یہ تمہاری بھول ہو گی۔ یہ خیال اپنے دل سے نکال دو۔“

گنگا کے ہونٹوں پر ایک دھیمی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اسے لگا

کہ اس کی خاموشی وکریم سنگھ کے غصے کی آگ کو اور بھی بڑھاتی جا رہی ہے، اسی لیے اس نے توجہ نہ دیکھا کہ رانی ماں تو خیریت سے بیٹھ نا؟

یہ سوال سن کر وکریم سنگھ نے غصے سے ہونٹ پیچنے لیے اور نفرت انگیز لہجے میں بولا کہ رانی ماں کی غربت پوچھنے کے لیے ہی تھے یہاں لایا گیا ہے؟ یا پھر اس ہمارے تم مجھے اپنے احسان یاد دلانا چاہتی ہو جو تم نے رانی ماں پر کیے ہیں؟

گنگا کو ایک بار ضبط سے کام لیتے ہوئے وکریم سنگھ کے یہ تشنہ برداشت کرتے پڑے۔ ”ٹھاکرا آپ آرام سے بیٹھ جائیں۔“ یہ کہہ کر گنگا نے چادر کچھ ہونٹ چارپائی کی جانب اشارہ کیا۔ اس دیران علاقے میں آپ کی مدد کرتے کے لیے ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے لیکن جب آپ آئے ہیں تو ہمارے ساتھ کھانا کھانے میں انکار نہیں کریں گے۔“

”لیکن میں خود نہیں آیا ہوں۔“ وکریم سنگھ نے دو ٹوک لفظوں میں جواب دیا۔ میرے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔ قریب دس گز بڑھے جال میں چھانسا گیا ہے کھانے کی بات تو آگ رہی، میں لوگوں کے پاس سے لوٹی ہوئی کسی چیز کو دیکھنا بھی نہیں چاہتا۔

”پانی تو پی لیں گے نا؟“ گنگا کے لیے میں ساجزی تھی یہ تو کبھی سے لڑا ہوا مال نہیں ہے۔ یہ تو قدرت کی طرف سے دھرتی پر بتا رہا ہے۔“

اس کی اس بات پر وکریم سنگھ کچھ نہیں بولا کیونکہ اس کا گلا خشک ہونا جادہ تھا اور آواز میں زور پیدا کرنے کے لیے اسے پانی کی شدید ضرورت تھی۔ وہ چارپائی پر بیٹھ گیا تو گوبال نے پانی کا لٹوا اس کے ہاتھ میں تھا دیا لیکن پانی سے بھرنا تو اس نے ہاتھ میں لینے کے بعد اچانک اسے اپنا ارادہ بدل دینے کا خیال کیا وہ پانی کے ٹوٹے کو گور گھور کر دیکھنے لگا۔ گنگا چند لمحوں تک اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات کو دیکھتی رہی پھر بولی: ”ٹھاکرا آپ ذرا پی لیں۔“

پھر اس سے پہلے کہ وکریم سنگھ کوئی جواب دیتا، بہت دیر سے خاموش کھڑا لاکھن بول پڑا۔ آپ کے پڑے جہاں ٹھاکر مشیر سنگھ نے اس بد معاش اچیت سنگھ سے مل کر ناگرم مساجن کے پانی میں زہر ملا دیا تھا۔ وہی بات شاید آپ کو یاد آ رہی ہے۔

یہ تیز دھواں طفر سن کر وکرم سنگھ نے ایک بجھلے سے لاکھن کی طرف دیکھا۔ گنگا کو بھی لاکھن کی یہ بات اچھی نہیں لگی تھی اس لیے وہ جلدی سے بولی نہ لاکھن سنگھ نے گزری ہوئی باتیں یاد دلانے کا یہ وقت نہیں ہے۔ تم اور گوپال مقوڑی دیر کے لیے باہر چلے جاؤ۔ میں ٹھکا کر سہے وہ منٹ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔

لاکھن کو گنگا کے حکم سے زیادہ اُس کا وکرم سنگھ کے پاس  
 اکیلا رہنا کھٹک رہا تھا لیکن پھر بھی کسی کی موجودگی میں گنگا کا حکم نہ  
 ٹالنے کی غرض سے وہ گوپال کو لے کر چپ چاپ باہر نکل گیا۔ اُن  
 کے جانے کے بعد گنگا اور وکرم سنگھ وہاں تنہا رہ گئے لیکن دونوں  
 میں سے کسی نے بات کرنے میں پہل نہیں کی۔ شاید وہ فیصلہ  
 نہ کر پارہے تھے کہ دونوں میں سے کس کو گنگا کا آغاز کرنا چاہیے؟  
 پال کا پورا اٹھا خالی کر دینے کے بعد بھی وکرم سنگھ نے کچھ بولنے کی  
 ضرورت محسوس نہیں کی۔ اُسے کچھ کہنے کی ضرورت بھی کیا تھی؟ وہ تو  
 صرف یہ جانتا تھا تھا کہ گنگا کیا چاہتی ہے؟

آخر کار لنگا کو کسی یہ خاموشی توڑنی پڑی تب مجھے دو مہینے میں ختم کر دینے کی قسم کھا کر آپ نے ایک سو ست بڑی مصیبت کھڑی کر دی ہے۔  
 بھائی! لنگا نے جب فرم آواز میں گفتگو شروع کی تو کوہِ مستحکم کا جی چاہا کہ وہ اس سے کہہ دے کہ میں نے کوئی مصیبت تمہیں کھڑی کی ہے بلکہ تمہاری زندگی کی مصیبتوں کو کم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، لیکن اپنے سوچے سمجھے ارادے کی وجہ سے اُسے اپنی زبان بند ہی رکھنی پڑی وہ چپ چاپ لنگا کی باتیں سننے لگا۔ وہ کہہ رہی تھی: "آپ کے بڑے بھائی کا قتل میرے ہاتھوں ہوا تھا۔ اس کا انصاف مجھے دینا مستحکم نہیں لیتے ورنہ..."

”اس کے باوجود تم رات دن قتل کرتی رہتی ہو کہ اس بار وکرم  
ننگے نے خاموشی کی مہ توڑ دی ہے اور اوپر سے کہہ رہی ہو کہ میرے  
بڑے بھائی کے قتل کا انیسویں تھیں دن رات بسے عین کوٹا رہتا  
ہے۔“

آپ مائیں یا نہ مائیں یہ آپ کی مرضی ہے، لنگنگا لنگا ہیں جو کاشے  
کہہ رہی تھی۔ میں ڈاکو بننے کے بعد جو کچھ بھی کر رہی ہوں، اسے دھرم  
سمجھ کر کرتی رہی ہوں لیکن آپ کے بڑے بھائی مرزا قاتل تو مجھے اپنی آبرو کی  
حفاظت کے لیے کرنا پڑا تھا۔ میری جگہ اگر آپ کی کوئی سگی بہن  
ہوتی اور کوئی اُس کی عزت کوٹھنے کی کوشش کرتا تو وہ بے چاری

”جب وہ واقعہ ہوا تھا، تب مجھے تم سے ہمدردی ہو گئی تھی۔۔۔۔۔  
مجرمانہ جملہ کرتے والا اگرچہ میرا بھائی تھا لیکن میں نے اُس کی فرداری  
نہیں کی تھی۔ راقی ماں سے جب اس سلسلے میں بحث ہوئی، تب  
بھی میں نے تمہیں بے قصور کہا تھا یہ کہتے کہتے دو کوم سنگھ اٹک  
گیا۔ شاید اُسے خیال آ گیا کہ اپنے لیے میں نرمی پیدا کر کے اُسے  
گولگا سے بائیں نہیں کرن چاہئیں۔ اس خیال کے اُتے ہی  
اُس نے پھر اپنا لہجہ تبدیل کر لیا اور سختی سے بولا ”میرے بڑے بھائی  
کے پیٹ میں تم نے خیز جو تک دیا تھا لیکن میں تمہیں پھر بھی قائل کیا  
کتنا لیکن اب...“ اُس نے دانست پیسے اور اپنی بات جاری رکھی  
اب میں تمہیں اس دھرتی پر گناہ کا ایک بوجھ سمجھتا ہوں۔ تمہاری  
جہان نے کہ میں اس دھرتی کے ہزاروں لوگوں کو خوف کے اندھیر  
سے نکال لینا چاہتا ہوں۔ اب تمہاری موت میں ہی سنسار کی  
نزدگی ہے گنگا“

”لیکن غریب لوگوں کی زندگی بیری موت میں نہیں ہے فحاکم؟“  
گزگاپڑے پڑسکون لہے میں بولی میں آپ یوں کہیں کہ آپ بے زبندوں  
اور جاگیرداروں کو میرے خوف سے نکالنا چاہتے ہیں کیونکہ گزگاپڑے  
نے کبھی کسی غریب کا گھر نہیں آجاڑا ہے۔ آپ کی پولیس اور ساج  
کے بڑے بڑے ٹھیکیدار ہمیشہ غریبوں سے مالصاف کرتے رہے  
ہیں۔ انھوں نے ہمیشہ غریبوں کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کیا  
کیا ہے مگر پھر بھی آپ انھیں غریبوں کا ہمدردی ہیں اور بچے جیسی  
معمولی عورت کو ختم کرنے کی قسم کھا کر اپنے فوجی جاہ وخیلال کے  
ساتھ میدان میں کود پڑے ہیں۔ کیا وہ سب لوگ آپ کی نظروں  
میں بے گناہ ہیں؟“

”کچھ بھی ہو، میں اپنے فرض اور اپنے پیشے پر اکتے نہیں آنے  
 دوں گا۔ وگرنہ سبھی خوش رہے میں بولا کہ گناہ تھا اور پاپ اسب  
 چھٹک پڑا ہے۔ تمہارے گناہ کا گھڑا اسب بھر چکا ہے اور اسے توڑنے  
 کے لیے قدرت نے مجھے مقرر کیا ہے۔ تم کسی غلط فہمی میں نہ  
 رہتا۔ تمہیں اگر زندہ رہنا ہے تو چپ چاپ خود کو میرے حوالے کر  
 دو، نہیں تو اس بات کے لیے تیار ہو جاؤ کہ موت کسی بھی گھڑی تمہارا  
 گلے لگ سکتی ہے۔“

”یہ کون چاہتا ہے؟“ اٹھا کر کہہ کر اس کی موت کس کے ہاتھوں ہوگی؟  
گنگا نے بینظر والی سے اس کی طرف دیکھا، دیکھے، مگر آپ کی موت

”تمیں تم ایسا نہیں کر سکو گی۔ و کرم سنگھ دل ہی دل میں کھپکھپاہٹ  
سی محسوس کرتے ہوئے بولا کہ تم جانتی ہو کہ میری موت سے خود تمہاری  
موت بھی تم سے بہت زیادہ قریب ہو جائے گی۔ میری موت پر پورے  
ملک میں ایک مشورہ جاری ہو جائے گا اور سرکار تمہارے پیچھے اپنی پوری قوت  
جوہر نکال دے گی۔“

یہ سن کر گنگا جنس پڑی۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ اس قسم کی ٹکڑاؤں اور بحث سے متعصب حاصل نہیں ہو گا لیکن پھر بھی خوش میں بول گئی نہ کہ رمل کو برم سنگھ! فرض کیجیے کہ میں دو بیٹے تک میں آپ کو قدم میں رکھ لوں تو؟“

پہلی بار لنگا کے ان لفظوں نے وکرم سنگھ کو بکھلا دیا۔ اُس کے چہرے پر گھبراہٹ سی پھیل گئی۔ اُسے اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا کہ اب تک اُس کے دماغ میں یہ خیالی کیوں نہیں آیا۔ لنگا اگر آئے تو میرے تک اپنی قید میں رکھ لے تو اُس کا عہد اُس کی قسم پوری نہیں ہو سکتی اور اپنے کیسے ہوئے اعلان کے مطابق تو سب ملزم کی وردی اُتار کر گھر میں بیٹھ جاتا پر اُس کا دل لرزے لگا لیکن پھر بھی کھٹک کر اُسے جواب دینا پڑا۔ لنگا کا اب میں تمہارا ارادہ سمجھ گیا ہوں۔ تم بہادری سے میرا مقابلہ کرنا نہیں چاہتیں اور مجھے قید کر کے ہم واقعی طور پر اپنی موت کو ملال دینا چاہتی ہو۔

”بھوتہ گنگا بڑے غرور سے مسکرائی۔۔ میں دو مہینے تو گیا  
صرف دو گھنٹے کے لیے بھی آپ کو اپنی قید میں نہیں رکھنا چاہتی گی گنگا  
کو۔ شاید آپ نے ابھی پہچانا نہیں ہے۔ میں نے پہلے ہی آپ کو بتا دیا ہے  
ہے کہ آپ کے اس عہد نے مجھے ایکس بڑی مصیبت میں جھنسا دیا  
ہے۔ سوائی ماں کے ایک بیٹے کی موت تو میرے ہاتھوں ہوئی۔ جکی  
مٹھی اور اب اُن کے دوسرے بیٹے کو موت کی نیند سلا کر میں اُن کی  
گود سونے کرتا نہیں۔ سچا بتی گئے

”راہی مالی سے اس بھدرو کی وجہ؟“ وکرم سنگھ کی آواز اچھل  
 درجہ سخت تھی۔

گنگا نے اپنے بچے میں ہمتی نہیں آنے دی، وہ اسی پر سکون  
انداز میں بولی: "ٹھیک کرچو کہ آپ نے مجھے قاتل سمجھ رکھا ہے، اس لیے  
میرے جذبات کو سمجھنا آپ کے لیے مشکل ہے لیکن والی ماں یہ مجھ  
اپنی ماں نہی کی طرح عزیز ہیں۔ بچپن سے میں انہیں ایک دیوی کی طرح

سمجھتی آئی ہوں۔ درگاہ پور کے ٹھاکر تو شاید میرے ہو سکتے ہیں لیکن  
ملک ماں تو اپنی رعایا کے لیے ایک مادتا بھری مورتی ہیں۔ آپ کے  
خاندان کی لامع آنکھوں نے ہی رکھی ہے۔ خصوصیت کا جو سایا تین  
پیشتوں سے آپ کے خاندان پر چھایا ہوا غنا اسے زانی ماں نے  
ہی دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ اپنے بیٹوں کو جوان کرتے اور  
ان کی حفاظت کرنے میں انھوں نے اپنی جوانی اور اپنی ذات کو  
بھی گھس لگا کر ختم کر لیا ہے۔ ایسی عورت کو کیا یہ چیل ملنا چاہیے  
کہ جیتے جی ہی انھیں موت کا مزا چکھا دیا جائے؟ بے بس یہی سوال ہے  
جو مجھے چین نہیں لینے دینا۔ میں ان کی زندگی سنا کر ایک کرتا نہیں جانتی  
کیونکہ میں جانتی ہوں ان کے دل سے نکلی ہوئی آہ کتنے سکون سے  
مرنے نہیں دے گی۔

گنگا بنے حد چنبا تی ہو گئی تھی۔ وکرم سنگھ کو اُس کے چہرے سے یہ نہیں لگ رہا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے لیکن یہ موقع ہی تھا کہ اُس کے ساتھ وہ بھی چنبا تی ہو جاتا، وہ تو جانتا ہی تھا کہ اُن دونوں میں سے کسی ایک کو تو موت سے لگے ملنا ہی ہو گا کیونکہ یہ گنگا ہی خود کو اُس کے حوالے کرے گی اور نہ ہی وہ قسم توڑے گا۔ یہی سوچ کر وہ گنگا سے بولا: اُن باتوں کا اب کوئی مطلب نہیں ہے گنگا،“ اتنا کہہ کر وہ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: تمہارے ہاتھ سے مجھے اپنی موت کی اُمید کم ہی ہے، اس لیے تم رانی حال کی فکر کو چھوڑ کر اپنے مستقبل کی فکر کرو۔ میں جانتا ہوں تم اپنے راستے سے واپس نہیں لوٹو گی اور میں بھی اپنے عہد سے پھر نہ تمہیں چاہتا ہوں اتنا کہہ کر اُس نے جانے کے لیے اپنے قدم بڑھا دیے لیکن جب وہ چلتے چلتے غار کے دہانے تک پہنچا تو بندوبست تانے ہوئے لاکھن اور گوپال نے اُس کا راستہ روک لیا۔ لاکھن نے کہا: دیدی کی اجازت کے بغیر آپ نہیں جا سکتے ٹھاکر!۔“

لاکھن کی بندوبست پر نظر ڈالتے کے بعد وکرم سنگھ نے سیکریٹٹ  
کو رنگا کی طرف دیکھا تو رنگا گاتے اُس سے کہا تے بیٹا کر! آپ کھانا  
کھا کر جائیں ۛ

”نہیں یہ مجھ سے نہیں ہو گا۔ یہ کہہ کر وکرم سنگھ گویاں اور  
لاکھن کی پروا کیے بغیر آگے بڑھتے دکھائی دیے۔ روکنے کی کوئی کوشش  
نہ کر سکتے تھے۔“

ایک منٹ ٹھہرا کر بائیں بازو کو بائیں ہاتھ سے اُس کے پاس آگئی۔  
ایک مریض کے خلاف آپ کو کوئی عیبیں نہ کہے گا لیکن آپ کو

یہاں تک لاسے والے ہم ہیں، اس لیے آپ کی جیب تک پہنچانے کی ذمہ داری بھی ہماری ہے۔

یہ سن کر وکرم سنگھ دھیر سے ہنس پڑا، پھر بولا: مجھے تم میں سے کسی کی مدد نہیں چاہیے۔ میں خود ہی راستہ ڈھونڈ لوں گا۔

”لیکن آپ بھول رہے ہیں جتنا کروم سنگھ کہ آنکھیں کھلی رکھتے ہوئے لوگ بھی ان گھانٹوں میں دن کا اجالا ہونے کے باوجود بھٹک جاتے ہیں۔ یا تو آپ راست کو رک جائیں یا ہمیں اپنے ساتھ چلتے ہیں۔“

”راست تو میں کسی قیمت پر نہیں رک سکتا کروم سنگھ نے خود اعتمادی کا دامن قبضہ میں چھوڑا۔ میں نے جو ملی سے نکلتے وقت سے یہ لوگ کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا اس لیے میری راست بھر کی غیر حاضری رانی ماں پر لیشان ہو جائیں گی۔“

”تو پھر چلیے، میں آپ کو چھوڑنے چلتی ہوں گنگا کے اپنی بتدوقی اپنے کندھے پر لٹکالی اور ایک مشعل لاکھن کے ہاتھ میں دیتے ہوئے بولی: تم اور گویاں آگے آگے چلو میں جھانک رہی ہوں۔“

گنگا کا یہ سلوک وکرم سنگھ کو بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔ اس کی جھمپ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کی حفاظت کی خاطر گنگا اتنی تکلیف کیوں اٹھا رہی ہے؟ اس طرح وہ کہیں اس کی ہمدردی تو حاصل کرنا نہیں چاہتی، یا پھر ممکن ہے کہ اس کا ارادہ کچھ اور ہی ہو۔ پھر چلتے چلتے اس نے راستے میں اپنے آپ کو ہمت ہوشیار رکھا اور چلتا رہا۔

پڑھی میٹھی پگڈنڈیوں اور ابھی ابھی چھانڈیوں میں پندرہ منٹ تک پیدل چلتے کے بعد وکرم سنگھ کا تجسس بڑھ گیا اور وہ گنگا سے پوچھ بیٹھا: جب مجھے یہاں لایا گیا تھا تو راستہ اس قدر پیچیدہ نہیں تھا۔ تھوڑے سے آثار چرھاؤ آئے تھے لیکن واپسی کے لیے ایسا پیچیدہ راستہ اختیار کرنا کیا بہت ضروری تھا؟

گنگا مسکرا دی۔ آگے بڑھ کر وکرم سنگھ کا یہ سوال اچھا لگا تھا۔ اس بہانے آگے بڑھ کر وکرم سنگھ کا غصہ کم ہوتا نظر آ رہا تھا، اس لیے وہ بولی: آپ کو جیب پر جس راستے سے لایا گیا تھا، اسی راستے سے واپس جانے میں زیادہ خطرہ ہے۔

”کیسا خطرہ؟“

”پولیس کا، گنگا نے ہنس کر جواب دیا: بڑے راستوں پر پولیس

کی ڈیوٹی شروع ہو چکی ہے۔ یہ اطلاع ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی ملی ہے۔“

وکرم سنگھ دو گھنٹی کے لیے سویرج میں پڑ گیا۔ اس طرح کی گفتگو سے وہ کچھ جان لینے کی خواہش کو دبا نہیں سکا تھا اس لیے پوچھ بیٹھا: تم یا عینوں کو پولیس کی ڈاڑھی بات کی بھر کیسے ہو جاتی ہے؟ کیا پولیس کے خکے میں بھی تمہارے آدمی شامل ہوتے ہیں؟

گنگا وکرم سنگھ کا ارادہ بھگتی۔ وہ خطرناک جھاڑیوں سے گھری ہوئی پگڈنڈی کو پار کرتے ہوئے بولی: اگر مل صاحب، آپ تو ایک فوجی انٹرپرائز۔ لڑائی میں گرنے والی طرف سے غفلت برتی جائے تو لڑائی میں شکست کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔

وکرم بھگ گیا کہ گنگا نے سیدھا جواب دینے کی بجائے لڑائی کی آڑ میں بات ٹالنے کی کوشش کی ہے گنگا اسے خاصی چالاک لگ رہی تھی۔ خوبصورت تو وہ تھی، لیکن اس کے سینے میں ایک ہمدرد دل بھی دھڑک رہا تھا۔ شاید اسی لیے ڈاکٹر وگیش نے اسے حد چاہتا تھا۔

”گنگا ممکن ہے کہ میں روہیتے میں اپنا اہم دورانہ کر سکوں اور تم زندہ رہ جاؤ لیکن جو بیسے ملی کی یہ زندگی کب تک گزار سکو گی؟“

گھر شوہر اور بال بچوں کے بغیر عورت کی زندگی کوئی زندگی نہیں ہوتی کروم سنگھ نے کہا۔

یہ سن کر اتنی دیر کی گفتگو میں پہلی بار گنگا نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور بے حد جذباتی لہجے میں بولی: جھانک صاحب! کبھی کبھی آدمی کو اس کا نصیب بھی دھوکا دے جاتا ہے۔ وہ ایک کم نصیب گھڑی تھی جب میں آپکے پڑے بھائی کی نظر میں چڑھ گئی تھی اور اس طرح میرا آپ ہی میرا دشمن ہو گیا۔ درگیش پر خون کا الزام عائد کرنے کے لیے ناگرمہا جن کو رہ دیا گیا تیب درگیش کی ضمانت کے لیے میں رانی ماں کی جو ملی پر لڑی تو وہاں پر بھی بڑے

جھانک شہر سنگھ نے مجھے بانٹوں میں پھنسانا چاہا، اس لیے میں ان کی مدد لیے بغیر واپس آ گئی لیکن انھوں نے میری عزت کو لے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ نتیجہ یہ اپنی عزت بچانے کے لیے میرے ہاتھوں ان کا خون ہو گیا۔ اس طرح میری زندگی کا دھارا بدل گیا اور آپ جیسے لوگوں کی نظروں میں، میں قاتل ٹھہر گئی۔ اب موت کے سوا میرے لیے اس زندگی سے چھٹکا حاصل کرنے کی کوئی صورت

باقی نہیں رہی ہے۔“

اس کے ایک ایک لفظ میں درد تھا۔ اس درد کو محسوس کر کے وکرم سنگھ کا پاؤں چلتے چلتے پھسل گیا لیکن گرتے گرتے اس نے سیمینے کی کوشش کی اور اس کوشش میں اس کا ہاتھ گنگا کے کندھے پر چلا گیا اور گنگا نے بھی سہارا دینے کے لیے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”بس جھانک صاحب! اب دس منٹ سے زیادہ نہیں چلنا پڑے گا۔ تھوڑی دیر میں یہ کھیتوں کا تکلیف دہ راستہ ختم ہو جائے گا۔ گنگا نے کہا: باہر نکلتے ہی آپ کے لیے جیب بھر دی ہوگی“

لیکن اب وکرم سنگھ دل ہی دل میں یہ سوچ رہا تھا کہ یہ کتنی جلدی ختم نہ ہو تو اچھا ہے۔ درگیش نے دل بدلنے والی جو بات اس سے کہی تھی، وہ اسے گنگا سے کہہ دینا چاہتا تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ گنگا پر اس بات کا کیا اثر ہوتا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ اس بہانے وہ گنگا کی قوت ارادی کا بھی اندازہ لگا سکے گا اور اگر وہ خون خرابی کی زندگی سے اکتا گئی ہے تو اس کا بھی اسے علم ہو جائے گا۔

یہ ساری باتیں سوچنے کے بعد جب وہ یہ بات گنگا سے کہنے جا رہا تھا کہ اچانک بند وق چلتے کی آواز سنائی دی۔ اس دھماکے سے کھیتوں کا سناٹا اچانک کا دب گیا۔ ایک لمبے کے لیے تو وکرم کو یوں لگا جیسے آگے جانے والے گنگا کے ساتھیوں میں سے کسی نے اس کا نشانہ لیا تھا۔ خود گنگا بھی اس اچانک دھماکے سے چونک گئی تھی۔ اس نے بڑی پھرتی سے وکرم سنگھ کا بازو پکڑ کر اسے جھاڑیوں کے پیچھے دھکیل دیا۔ آگے چلتے ہوئے لاکھن کی مشعل پر گولی لگی تھی اور مشعل ہاتھ کے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی جس کی وجہ سے سارا ماحول اندھیرے میں ڈوب چکا تھا۔

”لاکھن! گنگا نے لرزیدہ آواز میں پوچھا: تم دونوں میں سے کسی کو گولی تو نہیں لگی؟“

لیکن جواب ملنے میں جب چند ساعٹوں کی تاخیر ہوئی تو گنگا کی گھبراہٹ کچھ اور بڑھ گئی۔ اس کے پیچھے جھاڑیوں میں چھپے ہوئے وکرم سنگھ نے اس کے چہرے پر بکھری ہوئی گھبراہٹ کو اندھیرے میں بھی دیکھ لیا۔ وہ سوچنے لگا کہ ہنستے ہنستے موت کو گلے لگانے کا دعویٰ کرنے والی عورت کا دل اپنے ساتھیوں کی تکلیف کے خیال سے ہی دھڑکنے لگا ہے۔

دھیر سے دھیر سے کرتا ہوا لاکھن ان کے قریب آچکا تھا۔ وہ دلی دلی سی آواز میں بولا: اتفاق ہے کہ میرا ہاتھ گولی کے نشانے سے بچ گیا۔“

”لیکن یہ گولی کس نے چلائی ہے؟“ وکرم سنگھ نے تیز نظروں سے گنگا کی طرف دیکھا: گولی چلانے والا اگر چاہتا تو مشعل کے بدلے لاکھن کے جسم کو چھید کر سکتا تھا۔“

اپنے پہلے ہی ساتھ کوزھی ہوتا دیکھ کر گنگا کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اس کی ہمداشت جواب دے گئی اور وہ بے حد جنونی انداز میں بولی: ”اس طرح تو فیصلہ ہونے میں دیر لگے گی لاکھن!“

وکرم سنگھ کی بات سن کر گنگا نے اس کا دم دور کرنے کی کوشش کی جھانک یہ بحث کا وقت نہیں ہے۔ آپ کی حفاظت کے لیے تم عینوں اپنی جان بھی قربان کر دیں گے۔ اس وقت ہم اپنی دشمنی بھول کر اس انجان آفت کا مقابلہ کریں گے۔“

”لیکن وہ سامنے والا دشمن ہے کون؟“ وکرم سنگھ کے لیے میں بچی جی تھی۔ پولیس ہوگی تو میں تم لوگوں کا ساتھ کس طرح دے سکوں گا؟“

یہ سن کر لاکھن کو جھانک وکرم سنگھ پر غصہ آ گیا لیکن گنگا نے اسے بولنے کا موقع نہیں دیا۔ وہ اپنی کمر سے اس کا پستول نکال کر وکرم سنگھ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے بولی: ”یہ آپ کا پستول ہے اور خاتو کار تو سوں کی ڈھیا آپ کی جیب میں ہی ہے۔ ضرورت پڑے تو استعمال کر سکتے ہیں۔“

”کس کے خلاف؟“ اپنی پولیس کے خلاف؟“ وکرم طنز پر لہجے میں بولا

گنگا نے ہومٹ بھیج لیے اور غصے میں بولی: ”جھانک! یہ بار بار آپ اپنی پولیس اپنی پولیس کیا کر رہے ہیں؟ اگر آپ کے ان خاکی کپڑے والوں میں اتنی ہمت ہو تو اس علاقے میں کوئی بھی باقی سال دو سال سے زیادہ تک نہیں بکسکتا تھا۔ ان خونخوار گھاشیوں میں اگر پولیس نے اپنی جان خطرے میں ڈالنے کی کبھی ہمت ہی نہیں کی ہے۔“

تو پھر تمہارا راستہ روکنے والا یہ دوسرا کون ہو سکتا ہے؟“

وکرم نے پوچھا

”آپ کو ابھی اور اسی وقت سب کچھ جان لینا ہے جھانک“

گنگا نے بات بدلنے کی کوشش کی: ”مجھے تو آپ کی فکر ہو رہی



ہے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ ان خطرناک گھاٹیوں کے اندر سے نہ جانے کب گولی چل کر کسی کو ڈھیر کر دے۔ آپ ذرا بھی غفلت نہ برتیں گے۔ ہمارا یہ دکھانے کے لیے آپ کو اور بھی مواقع مل جائیں گے۔ اس وقت ہم سب سے جدا ہو کر لڑائے مہربانی میں پریشانی میں نہ ڈالیں۔

اس سے پہلے کہ وکرم سنگھ اس کی بات کا کوئی جواب دینا ان کی دونوں طرف سے بیک وقت دو دھماکے ہوئے اور پتھری چٹانوں سے ٹکر کر گولیوں نے اس پاس کے ماحول پر سنسنی بٹ سی چادی۔ ایک ایک گنگا نے جھجکا کر دانت پیسے اور دھیمی گرجا بٹ بھری آواز میں بولی۔ سامنے والوں کو دودھ ہاتھ کرنے کی توجہ جلدی معلوم ہوتی ہے۔ دہرا دھماکا کر کے وہیں جھٹکانا چاہتے ہیں لیکن اس طرح تو وہ خود سامنے آجائیں گے لاکھن انکنا ہے کہ ان کے آدمی دو تین حصوں میں بٹ گئے ہیں۔ چلی گولی انہوں نے درمیانے حصے میں چلائی تھی لیکن جب ہماری طرف سے کول جواب نہیں ملا تو وہ لوگ دو حصوں میں یعنی دائیں اور بائیں بٹ گئے ہیں۔ تم اور گویاں واہنی جانتے کامور چہ سنبھال لو۔ میں بٹھا کر کے ساتھ بائیں طرف سرکتی ہوں۔

گنگا کے اس انداز میں وکرم سنگھ کو کسی ملٹری افسر کی سی جھٹک دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے کتنی حیلہ بازی دشمن کی چال کو سمجھ لیا تھا لیکن گنگا کی تعریف کے ساتھ ساتھ ایک اور شک بھی اس کے دل میں جاگ پڑا۔ اس کا خیال تھا کہ جن لوگوں کو گنگا دشمن سمجھ رہی ہے، اگر وہ پولیس کے آدمی ہوئے تو؟

گنگا اسے اغوا کر کے لے آئی ہے۔ یہ خبر ممکن ہے؟ پولیس کو مل چکی ہو اور اس نے مجھے بچانے کے لیے ان گھاسیوں میں گھسنے کی ہمت کر ڈالی ہو؟ ابھی وہ اتنا ہی سوچ پایا تھا کہ اچانک گنگا کی بددوق سے ایک دھماکے کے ساتھ آگ کا شعلہ نکلا۔ گولی چلانے کے بعد گنگا نے فوراً ہی اسے اپنی بائیں جانب کھینچ لیا۔ پھر تھوڑی ہی دیر میں گنگا کی چال بازی کا نتیجہ ظاہر ہو گیا۔ دشمنوں نے گنگا کی چلائی ہوئی گولی کے جواب میں بالکل اسی جگہ نشانہ باندھ کر گولی چلائی جہاں چند لمبے قبل گنگا اور وکرم موجود تھے۔ وکرم سنگھ سمجھ گیا کہ گنگا ان لوگوں

کو دھوکے میں رکھ کر گھیرنا چاہتی ہے۔

ایک ایک اپنے پستول کی نال پر انگلی پھیرتے ہوئے ایک خیال بڑی تیزی سے اس کے ذہن میں آیا اور وہ دل ہی دل سے سوچنے لگا کہ اس وقت وہ چاہے تو گنگا پر گولی چلا کر اسے قتل کر سکتا ہے اور اس طرح اپنے کیسے ہوئے عہد کو واپسی وقت پورا کر سکتا ہے۔

لیکن فوراً ہی اس نے اپنے اس خیال کو جھٹک دیا اور سوچنے لگا کہ گنگا اگر چاہتی تو اسے ہی ختم کر سکتی تھی اگر اس کی نیت میں فتور ہوتا تو وہ کب کالاش میں تبدیل ہو چکا ہوتا۔ اس وقت بھی وہ ان تینوں کے درمیان اکیلا ہی تو ہے لیکن پھر بھی گنگا کو اس کی سلامتی کی فکر ہے۔ اس نے اس کا پستول بھی اسے واپس کر کے اس پر اعتماد کا ثبوت دیا ہے اور وہ اس کے اعتماد کو دھوکا دینے کی بات سوچ رہا ہے!

اس اثناء میں چاروں طرف سے گولیوں کا تبادلہ شروع ہو چکا تھا۔ یہ دیکھ کر وکرم سنگھ کی گھبراہٹ میں اضافہ ہو گیا۔ گولیوں کی اس بوچھاڑ میں آخر وہ پستول ہاتھ میں تھا مے چپ چاپ کیوں بیٹھا ہے؟ لیکن اندھیرے میں نشانہ لگانے کا ارادہ اس نے ترک کر دیا۔ اسے اس بات کا ڈر تھا کہ اگر سامنے پولیس والے ہوئے تو کوسپاسی اس کی گولی کا نشانہ بن سکتا ہے۔

ہو پولیس اسے گنگا کے شکنجے سے چھڑانے آئی ہے، کیا اسے اس پر گولی چلائی چاہیے؟ یہ ساری باتیں اس نے ایک بل میں سوچ لیں، اس نے دل ہی دل میں یہ فیصلہ کیا کہ گنگا سے قریب نہیں کرے گا، اس پر وہ بزدلوں کی طرح گولی نہیں چلائے گا لیکن مخالفت پارٹی پر گولی چلانے میں وہ گنگا کا ساتھ ہرگز نہیں دے گا۔ اس کے لیے اسے ایک ترکیب سمجھ میں آگئی اس نے سوچا کہ جب گنگا اور اس کے ساتھی اندھیرے میں گولیاں چلانے کی کوشش میں مصروف ہیں تو وہ کیوں نہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر وہاں سے نکل بھاگے؟ گنگا اور اس کے دونوں

ساتھیوں کو بے خبر رکھ کر ان اونچی نیچی چٹانوں اور چھاڑیوں میں سرکتے ہوئے دوسری جانب نکل جانا اس کے لیے کچھ زیادہ مشکل نہیں تھا۔ اسے سو فیصد یقین تھا کہ دوسری جانب سے گولیاں چلانے والے یقیناً پولیس کے ہی آدمی ہوں گے اس لیے وہ ان کے پاس پہنچ کر ان سے کہے گا کہ ہمت سے آگے بڑھو اور

چاروں طرف سے گھیر ڈال کر حملہ کر دے تاکہ اس وقت گنگا کے ساتھ اس کے صرف دو ہی ساتھی ہیں اور ان کے پاس زیادہ کاٹوس بھی نہیں ہیں۔ پولیس والوں کے پاس پہنچ کر وہ گنگا کو لندکارے گا کہ... گنگا اب ہم پھر سے ایک دوسرے کے دشمن بن گئے ہیں، ایک دوسرے کی طاقت آزمائے کا موقع ہمیں مل گیا ہے اس لیے میدان چھوڑ کر جگہ گنا مت آج یا تو تمہاری صد پوری ہوگی یا میری جان جائے گی۔ دل ہی دل میں یہ ساری باتیں سوچتے ہوئے اس نے اپنے ارادے کو مضبوط کر لیا۔ پھر دھیرے دھیرے گنگا سے دور بیٹھنے لگا۔ گنگا اندھیرے میں ادھر ادھر نشانہ لگانے میں مصروف تھی۔ اس موقع کا فائدہ اٹھا کر وکرم سنگھ نزدیک کی چھاڑیوں کے نیچے سرک گیا لیکن فوراً ہی گنگا کو اس کی بغیر موجودگی کا احساس ہو گیا۔ بٹھا کر کہاں ہیں آپ؟ لیکن جب اسے کوئی جواب نہیں ملا تو وہ چونک پڑی۔ اب اس کی آواز بھی بے حد گھبرائی ہوئی لگ رہی تھی۔ کرنل!۔۔۔ اس طرح ادھر ادھر ہوتا ٹھیک نہیں ہے۔ دشمن کی نظر میں تیز ہیں۔ آپ کہیں ان کی گولی کا نشانہ نہ بن جائیں!

لیکن جواب دینے کے بجائے وکرم سنگھ ان چھاڑیوں کے اندر ہی اندر سرکنا جاری رکھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے گنگا کی باتوں کا جواب دے دیا تو آواز کے رخ کا اندازہ لگا کر وہ اس کے سر پر پہنچ جائے گی۔ اس کا خیال تھا کہ گنگا اسے اپنے قبضے میں رکھ کر آخری وقت پر پولیس پارٹی کو دنگی مینا چاہتی ہے کہ وہ اس کے راستے سے ہٹ جائیں ورنہ وہ کرنل وکرم سنگھ کو ڈھیر کر دے گی۔

اسے جیسے جیسے گنگا کے اس ارادے کا یقین ہوتا جا رہا تھا ویسے ویسے اس کے غصے میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ایک کے ایک ایک چھاڑی اور چٹان کا سہارا لیتا ہوا وہ آہستہ آہستہ وہ گنگا سے دور ہوتا جا رہا تھا۔ اچانک گنگا نے اس کے سرکے ہوئے سائے کو دیکھ لیا۔ اس پر نظر پڑتے ہی وہ چیخ کر بولی بٹھا کر اس طرف مت جانا!۔۔۔ آپ کو رانی ماں کی قسم ہے۔ آپ کے سامنے پولیس والے ہمیں بلکہ ہمارا دشمن ہماری ہے!

لیکن گنگا کے ان آخری الفاظ کے ساتھ ہی ہماری کی جانب سے چلائی جانے والی گولی وکرم سنگھ کا دلایا نشانہ

چھیلتی ہوئی نکل گئی۔ گولی کے دھکے سے وکرم سنگھ زمین پر گر پڑا۔ اس کی چیخ سن کر گنگا اس کی طرف بچی تو ہماری کی جانب سے کیسے بعد دیگرے دو گولیاں چھین بیکن دونوں نشانے ضائع کرتی ہوئی گنگا، وکرم کے پاس پہنچ گئی۔ اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر اس نے بددوق ایک طرف رکھ دی اور وکرم سنگھ کے برابر بیٹھ گئی۔ بٹھا کر گولی اندر تو نہیں اترو گئی نا؟

زخمی کندھے پر وکرم سنگھ کے دبے ہوئے ہاتھ پر گنگا نے اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے مدد دی۔ سسر پوچھا تو وکرم سنگھ کے دل میں پیدا شدہ وہم دور ہو گیا۔ اس نے بڑی سے گنگا کی طرف دیکھا اور کہا کہ نہیں گولی صرف شانے کو چھوتی ہوئی نکل گئی ہے لیکن تم میری فکر نہ کرو۔ فوجی آدمی کے لیے تو یہ بہت معمولی زخم ہوتا ہے! تب اس کی طرف سے مطمئن ہو کر گنگا نے اپنی بددوق اٹھائی اور انتہائی سرد لہجے میں بولی۔ اب اس ہماری کے بچے کو میں زندہ نہیں جانتے دوں گی!

اور میں بھی اب صرف پستول پکڑے نہیں بیٹھا ہوں گا۔ وکرم سنگھ طیش میں بولا کہ یہ ہماری ختم ہو جائے تو میں سمجھوں گا کہ میری بیعت رائیگاں نہیں گئی! لیکن گنگا نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اب اس طرف فائر کر رہی تھی جہاں سے تھوڑی دیر پہلے گولیاں چلائی گئی تھیں۔ دوسری طرف سے لاکھن اور گویاں بھی چٹانوں کی اوٹ سے غصے کے عالم میں ہاتھ نکل آئے۔... ٹھیک اسی وقت ہماری کے کسی ساتھی نے نشانہ لگانے کے لیے اپنی ٹاپچ روشن کر لی اور روشنی کی کیر کرنی ہوئی گنگا کی جانب پہنچ گئی لیکن گنگا غافل نہیں تھی۔ اس نے پیسے پیسے ہوئے بددوق کی گنگا بادی۔ دھماکے ساتھ ایک بڑے فوج میں بلند ہوئی۔ گنگا کی گولی نے ٹاپچ والے کے پیٹ کو چھید دیا تھا اور اس کے ہاتھ سے ٹاپچ دور جا گری تھی لیکن اس کی اڑتی ہوئی روشنی میں گنگا دوبارہ نشانہ تاک چکی تھی۔ اس کی دوسری گولی نے ہماری کے ایک اور ساتھی کی پیٹھ میں بھی سوراخ کر دیا۔ دوسری چیخ پہلی چیخ سے زیادہ بھیانک تھی جو پتھریل چٹانوں سے ٹکرا کر دور تک پھیل گئی۔ ٹاپچ چھاڑیوں کے اوپر ہی گری تھی لیکن

وہ بھی نہیں تھی۔ گنگا نے اس کی روشنی میں تیسرا نشانہ باندھا  
ہی تھا کہ بچے چھپے ہوئے ہماری تے بڑی چھرتی سے جلتی  
ہوئی ٹاپرچ کا نشانہ لے کر اسے اڑا دیا۔ گھپ اندھیرا ایک  
بار پھر چاروں طرف چھا گیا۔ تب گنگا کو چور یا قسری گول  
چلائے کا ارادہ بدل دینا پڑا۔ تھوڑی دیر تک دونوں جانب  
سناٹا چھایا رہا۔ گنگا نے پھر پیٹ کر وکرم سنگھ کی طرف دیکھا  
اور اس کی خیریت پوچھنے لگی۔ اور اب کیا حال ہے تمہارے؟  
وکرم سنگھ ہنس دیا، پھر کہنے لگا۔ اس زخم کے بدلے  
میں میں نے تمہاری نشانے بازی اور حاضر دماغی دونوں ہی  
دیکھ لی ہیں۔ اس کے بعد میں طنز نہیں بلکہ تعریف  
تھی۔ اب جب کبھی ہم ایک دوسرے کے دشمن بن کر آتے  
سامنے ہوں گے، تب تمہاری چالاکی کو میں اچھی طرح یاد رکھوں  
گا۔

گنگا نے اپنے سر پر بندھا ہوا ریشمی رومال کھول کر  
وکرم سنگھ کے زخمی بازو پر باندھ دیا اور بولی۔ تب کی بات  
تب ہی ہوگی۔ اس وقت تو مجھے ہی فکر ہے کہ کسی طرح آپ  
کو خیر خیریت سے پہنچا دوں۔  
لیکن اس سے پہلے ہمیں ہماری کو ختم کرنا بھی ہے۔  
وکرم سنگھ نے اسے یاد دلاتے ہوئے کہا۔ اور اس کی  
لاش کو تمہیں میرے حوالے کرنا ہوگا۔  
آپ ہمارے مہمان ہیں، تمہارا جو مال لگے، وہ آج میں  
دینے کے لیے پابند ہو چکی ہوں، گنگا نے دھیمی آواز  
میں کہا۔  
”جو مانگوں گا...“ وکرم سنگھ نے اس کی نظروں سے  
نظریں ملا کر پوچھا۔

اسی وقت لاکھن وہاں آگیا اور گنگا سے یولاء دیدی  
ہماری اپنے زخمی ساتھیوں کو لے کر پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گیا  
ہے۔ اتنا کہہ کر اس نے وکرم سنگھ پر تالپہ دیدہ سی نظر  
ڈالی، پھر آگے بولتا۔ میرا خیال ہے دیدی کہ اب تمہارا کو اسی  
جگہ پڑا رہنے دو ہم دونوں اس کا پیچھا کرتے ہیں۔ بہت دلوں  
کے بعد وہ کم سخت ہمارے ہاتھ آتا ہے۔  
”نہیں لاکھن میں بھی تم لوگوں کے ساتھ چلوں گا، وکرم  
سنگھ درمیان میں بول پڑا، میں اسے اپنی گولی سے ختم کرنا چاہتا

ہوں یہ کہہ کر وہ گنگا کے کندھے کا سہارا لے کر اٹھنے لگا لیکن  
زخمی بازو میں تکلیف ہوئی تو اس کے منہ سے ایک ہلکی سی سہکاری  
نکل گئی۔  
گنگا نے کہا۔ تمہارا ہماری کا حساب پھر کسی وقت  
سمجھ لیا جائے گا۔ اس وقت اگر وہ نکل جاتا ہے تو جانے دیں۔  
لیکن دیدی! ہمیں یہ تو جان لینا چاہیے کہ وہ کس مقصد  
سے ہمارے درمیان کو پڑا تھا؟ کیا ارادہ تھا اس کے دل میں  
لاکھن نے کہا۔  
”میں خود بھی بڑی دیر ہی سوچ رہی ہوں، گنگا اس  
طرح بولی جیسے وہ وکرم سنگھ کی موجودگی کو بھول چکی ہو۔ لگتا  
ہے ہماری ٹولی کا کوئی آدمی غداری کر گیا ہے۔ یقیناً اسی  
ہماری کو یہ خبر دی ہوگی کہ ہم تمہارا وکرم سنگھ کو چھوڑنے جا رہے  
ہیں۔ یہیں پہلے اس غداری کی خبر لینی ہے۔“  
یہ سن کر وکرم سنگھ کی الجھن بڑھ گئی۔ اس نے کہا۔ گنگا  
ہماری کے ساتھ تو تمہاری دشمنی ہے لیکن اس وقت ہمارے  
درمیان میں اگر وہ کیا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا؟  
”نشانہ آپ کی جان لے کر وہ مجھے بدنام کرنا چاہتا ہے۔  
گنگا نے اندازہ لگایا۔ آپ کی اور میری ملاقات کا نتیجہ پڑا  
نکلے، اس میں اسے فائدہ نظر آیا ہوگا۔ اسی لیے تو میں آپ  
کی زندگی کے لیے اتنی فکر مند تھی۔ اگر آپ کو کچھ ہو جاتا  
تو...“  
”مجھے کچھ بھی نہیں ہوگا گنگا، وکرم سنگھ پر اعتماد بے  
میں بولتا۔ جب تک میرا عمر پورا نہیں ہوتا، اس وقت تک  
بھگوان میری حفاظت کرنا چاہتا ہے۔“  
”آپ دونوں کی اس بحث میں ہماری نکل گیا، لاکھن  
ذرا غصے میں بولتا۔ دیدی! اگر آپ کو نہیں جانا ہے تو میں اس  
کے پیچھے جاتا ہوں۔“  
اتنا کہہ کر وہ بڑی تیزی سے مڑا اور گول پال کو لے کر اندھیر  
میں سرک گیا۔ لیکن ابھی وہ دو قدم ہی بڑھا تھا کہ گنگا نے اسے  
آواز دیتے ہوئے کہا۔ نہیں لاکھن! اس کی فکر چھوڑ دو اور پہلے  
تمہارا کوئی فکر کرو۔ انھیں سہارا دے کر جیپ تک لے چلو۔ پہلے  
ہمیں ڈاکٹر یا بوسے پاس چلنا پڑے گا۔ بازو بری طرح چھل گیا  
ہے۔ اس زخم کی مرہم پٹی کرنا ہے بغیر ہم انھیں نہیں جمانے۔“

دیں گے۔

یہ سن کر وکرم سنگھ نے بہت انکار کیا لیکن گنگا نے اپنی  
مند نہیں چھوڑی۔ پھر نہ جانے کیوں وکرم سنگھ خود بھی گنگا کی اس  
ہمدردی میں ہٹا چلا گیا۔ گنگا کے ساتھ ڈاکٹر درگیش کے پاس  
جانے کے لیے وہ دل ہی دل میں رضا مند تھا۔ اس کا دل اس  
سے کہہ رہا تھا... وکرم سنگھ آج تو بہت کچھ اچانک ہو گیا ہے  
جس کا کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا، وہی سامنے آتا جا رہا ہے۔ یوں  
لگتا ہے جیسے ابھی اور بھی بہت کچھ ہوگا۔

گئی دن گزر گئے اور وکرم مختلف قسم کے خیالات سے  
البتار رہا۔

کبھی کبھی انسان کی زندگی میں رونما ہونے والا ایک معمولی  
سا واقعہ بھی اس کی سوچ بدل دیتا ہے۔ اسی طرح وکرم سنگھ  
کو بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ جو واقعہ اس کے ساتھ گزر چکا ہے  
اس کا حقیقت سے بھی کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔ اسے تو وہ سب  
ایک خواب ہی لگ رہا تھا، یہ جیسے جاگتے میں اس نے کوئی پہنا  
دیکھا ہو۔

جس گنگا کو دو مہینے میں اس نے صفحہ ہستی سے مٹا دیتے  
کا وعدہ کیا تھا، وہی گنگا خود اسے اٹھا کر لے گئی تھی۔ اس سے وہ  
چار باتیں کرنے کے بعد اسے صحیح سلامت واپس پہنچانے کے  
لیے اس نے کتنا بڑا خطرہ بھی مول لیا تھا، ہماری کی گولی سے  
اس کا زخمی ہو جانا گنگا کا اس کے زخم پر رومال باندھنا اور  
پھر اس کی مرہم پٹی کے لیے اسے ڈاکٹر درگیش کے پاس لے  
جانا، یہ ساری باتیں وہ اگر کسی سے کہہ بھی دے، تو بھی لوگ  
اس پر یقین نہیں کریں گے۔ وہ تو یہی کہیں گے کہ جھگڑا لڑائی کو  
کیا پڑی ہے کہ وہ اپنے سب سے بڑے دشمن کے ساتھ ایسا  
سلوک کرے؟ لوگ اس بات پر اسے ہی پاگل سمجھ کر اس کی  
بہنشی اڑائیں گے۔

بڑی دیر سے وہ بیٹھا سوچ رہا تھا کہ کیا صرف اس سے  
روبرو ملنے کے لیے ہی گنگا نے یہ خطرہ مول لیا تھا؟ گنگا نے  
ہی اپنے پرانے ساتھی ہماری کی طرف سے اسے فون کر لیا  
تھا جس میں لاکھن نے ہماری بن کر اسے یہ اطلاع دی تھی  
کہ گنگا ہتھیاروں کے سودے سے ملنے کے لیے رتن پور کے  
ایک کھیت میں جانے والی ہے۔ یہ اطلاع دے کر انھوں

نے مجھے اکیلے ہی پہنچنے کا لالچ دیا تھا۔ گنگا کے دوساتھی لوگ لالچ  
سے ہی اس کا تعاقب کر رہے تھے جنہوں نے بعد میں اسے  
اپنی جیپ پر بٹھالیا تھا اور وہ کسی جاسوس کی طرح دل ہی  
دل میں منصوبے بنا رہا تھا کہ گنگا اور اس کے ساتھیوں  
پر کس طرح ہاتھ ڈالا جائے لیکن اس وقت اسے یہ وہم گمان  
بھی نہیں تھا کہ وہ خود اس وقت دشمنوں کے فتنے میں پھنس  
چکا ہے کیسا عجیب لگ رہا تھا یہ سب...

اور اس سے بھی عجیب تو یہ تھا کہ گنگا کسی مہمان ہی کی  
طرح اس کی حفاظت کر رہی تھی۔ اس نے دشمن کی طرح نفرت  
کرنے کی بجائے اپنے بھریور غلوں کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ اگر  
چاہتی تو اسے ذلیل اور بے عزت کر سکتی تھی کیونکہ وہ اس وقت  
اس کی قید میں تھا۔ وہ جو چاہتی، وہی سلوک اس کے ساتھ کر  
سکتی تھی لیکن وہ اسے ختم کرنے کی بے وقوفی نہیں کر سکتی تھی  
کیونکہ وہ چاہتی تھی کہ ایک خوشی افسر کو ہلاک کر کے وہ مرکار کی  
نظروں میں اور زیادہ گناہ گار بن جائے گی وکرم یہ سوچنے پر  
مجبور ہو گیا کہ گنگا بے حد چالاک لڑکی ہے۔ وہ یقیناً اس کی موت  
کے بعد پیش آنے والے واقعات سے پہلے ہی باخبر ہو چکی ہوگی۔  
سوچتے سوچتے وکرم سنگھ کو گنگا کی چالاکی، ہوشیاری اور حاضر دماغی  
کا خیال آگیا اور وہ دل ہی دل میں اس کی تعریف کرنے لگا۔ اس  
کا جیسے چہرہ بڑی تیز آنکھیں، پتلیں تیلے ہوٹ پر اعتماد لہجہ اور  
شریفانہ انداز گفتگو اس کے علاوہ مردوں کو بھی تھکا دینے والی بہت  
اس پر کمال کی نشان دہی تھی کہ دشمن کے ہوش گم ہو جائیں۔  
خطرناک گھماٹوں کے درمیان خوفناک اندھیرے میں گولیوں  
کا تبادلہ اور اس درمیان ذرا سی دیر کے لیے گنگا کی قربت کا  
لطیف احساس، وہ بھلائے نہیں بھولتا تھا۔ موت کے سلسلے  
میں بیٹھے بیٹھے جو میٹھی میٹھی لذت اس نے محسوس کی تھی وہ اسے  
بار بار یاد کرنا چاہ رہا تھا۔ ہمدرد تھا بھلائے ہوئے اس کے ہاتھ میں  
کیسا رعب تھا اور اس کے لیے اس کے دل میں کتنی ہمدردی تھی  
یہ ساری باتیں اس کے دماغ سے گزرتی ہو رہی تھیں۔ ان  
خیالوں میں اچھے ہوئے وکرم کو بار بار اپنے آپ کو سمجھانا پڑ رہا  
تھا کہ جس لڑکی کو میں ڈاکو اور قاتل کہہ کر پکارتا ہوں، اسی کے  
بارے میں ایسی نرم باتیں کیوں سوچ رہا ہوں؟ ایک ہی ملاقات  
میں میں اس قدر کھل کیوں گیا؟ اس کے متعلق میرے خیالات

یوں ہی بدلتے رہے تو اسے ختم کرنے کا عہد ایک ہی ہفتے میں میرے دل کے اندر دم توڑ دے گا۔ اب تو اسے اور زیادہ بڑھایا رہنا چاہیے کیونکہ اس کی چالاک اور ہوشیاری اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد ہی تو اندازہ ہوا ہے کہ میں نے کس کے سامنے آنے کی ہمت کی ہے؟ کس کو چیلنج کیا ہے؟ لیکن ہے ان دو مہینوں میں گنگا کی بجائے میں خود ہی ختم ہو جاؤں کیونکہ مجھے بلا کر اس نے ایک طرح سے مجھے وارننگ دی ہے ایسا کر کے اس نے اپنی بہادری کا ہلکا سا مظاہرہ کیا ہے۔ رانی ماں کی خاطر اس نے بھلے ہی مجھ سے ہمدردی دکھائی ہو لیکن میں اپنی کھائی ہوئی قسم اور اپنے کیے ہوئے عہد سے ہرگز پیچھے نہیں ہٹوں گا۔

”ابھی کچھ دنوں سے یہ پتھیں کیا ہو گیا ہے بیٹے؟ اچانک رانی ماں نے آکر اسے چونکا دیا۔ اس رات کے واقعے کو اس نے گزشتہ چار روز سے اپنی ماں سے چھپا رکھا تھا۔ بازو کے زخم پر ماں کی نظر نہ پڑتے پاتے، اس لیے کام کا بہانہ بنا کر وہ کمرے میں بند رہا تھا اسے ڈر تھا کہ ماں نے اگر کثرت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا تو ایک ہی سسکاری میں سارا راز فاش ہو جائے گا۔ اسی لیے وہ رانی ماں کے پاس جانے سے گھبرار رہا تھا۔

پچھلے چار دنوں سے میں دیکھ رہی ہوں کہ پوری رات گھر سے غائب رہنے کے بعد تم نے چند لمحوں کے لیے بھی مجھ سے سکون سے باتیں نہیں کی ہیں؟ رانی ماں اپنی عجزت کا اظہار کرنے کے لیے اس کے قریب پہنچ کر بول تو وکرم سنگھ نے اپنا زخمی نشانہ ذرا ترچا کر لیا لیکن رانی ماں اپنی ہی ذہنی کمزوری جاری تھی ”تم مجھ سے کچھ ناراض ہو گیا؟ مجھ سے کچھ پھپھا رہے ہو؟“ اس راست میں ساری رات تڑپتی رہی تھی پر صبح جب تم واپس آئے تو میں تمہاری خیریت پوچھنے کے لیے بے چین تھی لیکن تم نے منہ پھیر کر جواب اڑا دیا تھا ”سچ بتانا بیٹے! تم مجھ سے ناراض ہو گئے ہو نا؟ میں بار بار گنگا کی طرف داری کرتی رہتی ہوں۔ شاید اسی لیے تمہیں مجھ پر غصہ آ گیا ہے۔“

”ماں آپ اب ایسی بے کار باتیں سوچ کر کیوں اپنے آپ کو دکھی کر رہی ہیں؟“ اتنا کہہ کر اپنے لیے کونرم بنانے کے لیے وکرم سنگھ ذرا سا مسکرایا اور آگے بولا ”آپ تو جانتی ہیں

کہ میں نے ایک سہست بڑی ذمے داری اٹھائی ہے۔ اس سے پہلے کہ اپنا وعدہ پورا کرنے کا وقت گزر جائے، مجھے گنگا کے لیے جال بچھانے کی تیاری کرنی ہے۔ اس کے لیے اطمینان سے سوچنا پڑتا ہے۔ سارے پہلوؤں پر غور کرنا پڑتا ہے۔ میں گھر میں بیٹھا ہوں تو کیا ہوا میرے آدمی گنگا کی پستی قاتل عورت کو پھنسانے کے کام میں مصروف ہو چکے ہیں؟ گنگا کے لیے بولے جانے والے لفظ قاتل میں پہلے میں نفرت کی آگ نہیں تھی۔ یہ بات خود وکرم سنگھ کے علاوہ رانی ماں نے بھی محسوس کر لی اس لیے رانی ماں نے جلدی سے کہہ دیا ”تمہارے کام میں خلل نہ پڑتا ہو تو میں بتا دوں کہ میں یہی بات کرنے آئی ہوں۔“

اس کے لیے آپ کو مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے ماں۔“

”میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے اس کے لیے جی چاہتا ہے کہ وہ کہہ ہی دوں۔“ حقوڑی دیر چپ رہ کر رانی ماں وہ بات زبان پر لے ہی آئی جو پچھلے چار دنوں سے اس کے دل میں کھول رہی تھی ”تمہارا عہد بھی پورا ہو جائے اور گنگا بھی زندہ رہے۔ ایسی ایک ترکیب میری سمجھ میں آئی ہے وکرم!۔“

یہ سن کر وکرم سنگھ کی گردن ذرا اوپر اٹھ گئی لیکن فوراً ہی نشانے میں تکلیف کے آثار اس کے چہرے پر دکھائی دیے تھے لیکن اس خیال سے اسے ہنسنا پڑا ”ایسی کون سی ترکیب ہے ماں؟“

”گنگا کا خود کو قانون کے حوالے کر دینا؟ رانی ماں نے کاشفی ہوئی آواز میں کہا ”گنگا ہتھیار پھینک کر اگر خود کو تمہارے حوالے کر دے تو تم دونوں کی عزت اور زندگی پر کوئی آنچ نہیں آسکتی۔“

وکرم سنگھ سوالیہ نظروں سے رانی ماں کے چہرے کو دیکھتا ہی رہ گیا۔ ایک بار درگیش نے بھی کچھ ایسا ہی مشورہ اُسے دیا تھا۔ وہ بولا ”لیکن رانی ماں! یہ ممکن نہیں ہے۔ گنگا ہتھیار پھینک کر خود کو قانون کے حوالے کرنے پر کبھی تیار نہیں ہوگی اور اگر ایسا ہو بھی گیا تب بھی اس کی زندگی کو موت سے بچانا ناممکن ہے۔“

”کیوں ممکن نہیں ہے؟“ رانی ماں نے پرجوش لہجے میں دلیل دی ”جس کی وجہ سے سرکار کی نیندیں حرام ہو چکی ہیں، وہ باغی اگر خود کو پولیس کے حوالے کر دے تو کیا وہ اسے معاف نہیں کرے گی؟“

”نہیں ماں! یہ درست ہے کہ قانون سرکار بناتی ہے لیکن اس پر عمل عدالت میں ہوتا ہے۔“ وکرم کھڑکی سے باہر نظر ڈالتا ہوا بولا ”پہلے تو آدمی بھینکا گیا ہے بھینکا جرم کرے اور پھر جھگ کر خود کو قانون کے حوالے کر دے تو اس کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا کہ اس کے سارے گناہ معاف کر دیے جائیں؟“ ”لیکن بیٹے! یہ میں کب کہہ رہی ہوں؟“ رانی ماں نے اپنی دلیل جاری رکھی ”فرصت کرو کہ گنگا کی عمر اور بھی لمبی ہو اور وہ مزید چند سالوں تک سرکار کے ہاتھ نہ لگے اور اس عرصے میں وہ اور جی سوچا اس آدمیوں کی جان لے لے، تو کیا یہ اس سے بہتر راستہ نہیں ہے کہ سرکار اس کی جان بخشی کر کے ان سوچا اس مرنے والوں کی زندگیاں بچالے جو بے قصور ہی اس کا شکار بننے والے ہیں؟“

ماں کی اس دلیل نے وکرم سنگھ کو گہری سوچ میں ڈال دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کی ماں نے گنگا کی خاطر اتنی ساری باتیں کیسے سوچ لیں؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ کسی نے ماں کے دفاع میں یہ ساری باتیں بیٹھا دی ہوں؟ حقوڑی دیر تک وہ ماں کی باتوں پر غور کرتا رہا پھر بولا ”نہیں ماں جو بات ممکن ہی نہ ہو، اس پر بحث کرنا حاصل ہے۔ نہ تو گنگا ہی خود کو قانون کے حوالے کرے گی اور نہ قانون اسے معاف کرے گا۔ پھر ان باتوں پر سوچنا ہی بے کار ہے۔“

”لیکن فرصت کرو کہ گنگا ہتھیار پھینکنے پر رضامند ہو گئی تو؟“ رانی ماں کی آواز پر اعتماد تھی ”کیا اس قریانی کے بدلے تم اس کی پھانسی کی مرامفات کرا سکتے ہو؟“

”آپ تو اس طرح یہ بات کہہ رہی ہیں جیسے گنگا نے آپ کو یقین دلادیا ہو کہ وہ خود کو قانون کے حوالے کر دے گی؟ وکرم سنگھ ہنس کر بولا۔“

”میں نے تم سے جواب مانگا ہے وکرم! بتاؤ تم اس کی جان بخشی کرانے کا وعدہ کرتے ہو؟“ رانی ماں کی آواز سے لگ رہا تھا جیسے وہ وکرم سنگھ کے جواب کے لیے بے چین

ہو رہی ہو۔ ”لیکن رانی ماں! آپ بھول رہی ہیں کہ وکرا پور کے چٹا کر اور ایک ملٹری افسر کے اختیار میں یہ بات نہیں ہے میں قانون کے ہاتھ میں ہوں ماں! قانون میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اگر میں حکومت سے اس کی سفارش کرنے جاؤں گا تو لوگ مجھ پر ہتیس گئے مجھے اپنی وردی کی لالچ رکھنی۔“ وکرم سنگھ نے جانے کیوں اپنی بات اور موری چھوڑ دی۔

اس کی بات سن کر رانی ماں کی امیدوں پر پانی پھر گیا وہ بالکل ڈھیل پڑ گئی، پھر ایک سر د آہ بھر کر کہنے لگی ”میں جانتی ہی تھی کہ تم لوگ کسی کو معاف کرنا نہیں جانتے۔ تم لوگ تو جان لینے میں ہی اپنی بہادری سمجھتے ہو؟ اتنا کہہ رانی ماں اٹھ کر کمرے سے باہر جانے لگی۔

اچانک وکرم سنگھ کو کچھ یاد آگیا ”ایک منٹ رانی ماں! ذرا غور جائیں؟“ اس نے ماں کو پکارا تو رانی ماں کے دل میں ایک بار پھر امید کا دیا جلنے لگا۔ اسے لگا جیسے اس کے آخری تھلے نے اس کے سینے کے دل میں گہرا اثر چھوڑا ہے لیکن حقوڑی ہی دیر میں اس کا یہ وہم چکنا پور ہو گیا کیونکہ وکرم سنگھ نے پوچھا تھا ”سچ کہنا ماں! جو ترکیب ابھی آپ نے بتائی ہے؟“

کیا وہ خود اپنے سوچی بے یا کسی نے آپ کو سمجھائی ہے؟“ اس سوال کے جواب میں رانی ماں نے فوراً ہی اپنا منہ پھیر لیا لیکن جواب دینا بھی عذوری تھا اور جھوٹ بولنا اسے پسند نہ تھا، اس لیے اسے کہنا پڑا ”تمہارا اندازہ درست ہے وکرم! یہ مشورہ مجھے درگیش نے دیا تھا۔ وہ اچانک ہی یہاں آگیا تھا۔ باتوں باتوں میں تمہارے عہد کا ذکر چھیڑ دیا تو وہ گنگا کی صندی طبیعت کے بارے میں بتانے لگا۔ اس کی باتوں سے یوں لگا کہ اگر گنگا کو کچھ ہو گیا تو وہ زندگی بھر اس کے غم میں جلتا رہے گا اور اس جنگ میں تمہیں کچھ ہو گیا تو میرا کیا ہوگا؟ تم دونوں کی لڑائی میں ہم دونوں یعنی مجھے اور درگیش میں سے کسی ایک کو تو کچھ کھوتا ہی ہے۔ زندگی کے اس تلخ صدمے سے نکلنے کے لیے درگیش کو یہ ایک ہی ترکیب سمجھ میں آئی تھی اور اس کی یہ بات مجھے بھی چھ گئی، اس لیے تمہیں سمجھانے کی ذمے داری میں نے اٹھائی تھی اور گنگا کو سمجھانے کا کام اس نے سنبھالا ہے؟ ایک اتنا بولنے کے

بعد رانی ماں ہاپنے لگی تھی۔ حقوڑی دیر سانس لینے کی غرض سے وہ ٹھہر گئی پھر ایک گہرا سانس لے کر بولی: لیکن جسے کوئی نہ پہچان سکتا، اسے اس کے پیٹ کی اولاد ہی پہچانتی ہے یہ کہاوت آج تم نے سچ ثابت کر دی ہے۔ یہ آخری الفاظ کہتے کہتے رانی ماں کی آواز بھر اگئی۔ وکرم نے دیکھا تو ماں کی آنکھیں بھیگی ہوئی دکھائی دیں۔ اسے ماں کی حالت پر آنسوؤں ہونے لگا۔ اس نے جلدی سے اپنی نثریں جھکا لیں، پھر وہی آواز میں بولا: رانی ماں میں اطمینان سے آپکے مشورے پر غور کروں گا۔

لیکن رانی ماں تو اس طرح کمرے سے باہر نکل گئی جیسے اس نے اس کی بات سنی ہی نہ ہو یا پھر ممکن ہے اسے یقین کی جھلک نظر نہ آئی ہو۔ رہ رہ کر اسے ایک خیال ستا رہا تھا کہ یقیناً جھگوان نے اس کے دوسرے بیٹے کو بھی اس سے چھین لینے کا فیصلہ کر لیا ہے ورنہ وہ گنگا کو گرفتار کرنے کا بیڑہ ہی کیوں اٹھاتا؟

اُدھر گنگا بھی سخت الجھن میں پڑی ہوئی تھی۔ درگیش ایک ہی بات کی تکرار کر رہا تھا۔ بس بہت ہو گیا گنگا اب اس راستے سے لوٹ آؤ خود کو قانون کے حوالے کرنے میں شرم کی کوئی بات نہیں ہے بلکہ یہ تو بہاوری ہے۔ ہتھیاروں کی دھماکتا بھی اور رباری کے سوا کیا دیتی ہے؟ دوسروں کو راستہ دکھانے کے لیے کسی نہ کسی کو پہلا قدم تو اٹھانا ہی پڑتا ہے۔ تم ابتدا کرو گے تو آئندہ دوسرے یا غنیوں کو بھی زندگی کی طرف لوٹ آنے کی ہمت ہوگی۔

درگیش کی اس دلیل میں گنگا کو سچائی کی جھلک تو دکھائی دے رہی تھی لیکن پھر بھی اس کا دل نہیں مان رہا تھا۔ خود کو قانون کے حوالے کرنے میں بزدلی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہ بات رام سنگھ سے سیکھ لینے کے بعد وہ شخص اپنی جان بچانے کے لیے درگیش کی بات کیسے مان لے؟ وہ نہ تو درگیش کا دل توڑنا چاہتی تھی اور نہ ہی اپنے ساتھیوں کو دھوکہ دے کر درگیش کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا چاہتی تھی۔ درگیش کی ماں یعنی رام سنگھ راڈ کی بیوہ نے بھی اسے بہت سمجھایا تھا۔ رادھا ماں نے اس سے کہا تھا: ”تمہارے راڈ نے چاہے تمہیں کچھ بھی کیا ہو لیکن وہ مرد تھے اس لیے اُن کی بات جملہ ہے لیکن تم ایک عورت

ہو۔ کبھی تو تمہیں گھر کے بغیر کی زندگی ڈسنے لگے گی اس لیے میرے سوچ کی اور اپنے درگیش کی بات مان لو بیٹی!“ ان باتوں کے بعد جب اس کے پاس کہنے کے لیے گئے نہیں رہا تو اس نے اپنا فیصلہ اپنے ساتھیوں پر چھوڑ دیا تھا۔ اس نے درگیش سے کہا تھا: تم خود میرے ساتھیوں کو سمجھاؤ اگر خود کو وہ قانون کے حوالے کر دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں تو میں درمیان میں نہیں پڑوں گی۔

گنگا کی یہ بات سن کر درگیش اس طرح خوش ہوا تھا جیسے اس نے آدمی بازی جیت لی ہو۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ڈاکٹر درگیش کی حیثیت سے نہیں بلکہ رام سنگھ کے بیٹے سورج کی حیثیت سے اپنے باپ کے ساتھیوں کو سمجھائے گا اس لیے پراغید ہو کر اس نے گنگا کے ساتھیوں سے بات کی تھی اس نے لاکھن، گوپال، موہن، کشن اور وکرم کے ایک ایک آدمی کا نام لے کر اس سے گزارش کی اس وقت گنگا اپنے ساتھیوں کے چہروں پر بکھرے ہوئے تاثرات کو پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ شاید وہ اندازہ لگاتا چاہتی تھی کہ درگیش کی اس بات سے اُن کے ساتھیوں کے دل پر کیا گز رہی ہے؟

”لیکن چھوٹے بھائی! پہلے تم وکرم سنگھ سے کہہ دو وہ اپنا جیلنگ واپس لے لے!“ لاکھن نے اس کی بات سن کر کہا۔ ”میں لڈکارے، ہماری دیدی کو ختم کرنے کی قسم کھاؤں اور تب ہم اپنے آپ کو قانون کے حوالے کرنے کے لیے جائیں!“ اس میں اس نے تو تمہارے باپ اور تمہارے مردار کی آبرورک میں مل جلانے کی۔ ہم نے بھی درگنا مانا کی اس سورتی کے آگے رام سنگھ راڈ کی موجودگی میں یہ قسم کھانی تھی کہ زندگی بھر ہم پولیس کو دشمن کی نظر سے دیکھیں گے۔“

”دیکھو لاکھن!“ درگیش نے پرسکون لہجے میں انھیں سمجھایا۔ ”انسان کبھی بھی جھوٹ قسم بھی کھالیتا لیکن موقع ملنے پر اسے اپنی یہ بھول سنواری لینی چاہیے۔“

”لیکن یہ قسم ہمیں تمہارے باپ نے دلوائی تھی لاکھن بولا۔“

”ہاں ہم سبھی نے اپنے مردار کے کہتے پر یہ قسم کھائی تھی۔“ گوپال بے چینی سے بول پڑا: ”کیا آپ اُن کی قسم کو بھی بھول بھٹکتے ہیں؟“

”ہاں درگیش نے ہاں بھر کے لیے آنکھیں موند لیں اور ہر وقت اپنے لیے۔“ سورج کہنے کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔ وہ بڑی بھاری اور ٹھہری ٹھہری سی آواز میں بولا: ”لام سنگھ! کوئی اوتار نہیں تھا۔ اپنے اکلوتے بیٹے کی بددلی میں اس نے غلط سے بغاوت کی تھی لیکن اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ بیس برس کی اس بھاری زندگی میں گھر سے رہنے کے بعد مرنے سے کچھ دیر پہلے اسے معلوم ہوا کہ اوپر وارے نے اس کے بیٹے کو زندہ رکھا ہے۔ اب تم اپنا واس اس کی بغاوت اور کھائی ہوئی قسم جھوٹی تھی یا نہیں؟“ لیکن ہم یہ مانتے کے لیے تیار نہیں ہیں نہ کسی نے کہا۔

”لیکن حقیقت کو نہ مانتے سے کیا فائدہ؟ رام سنگھ راڈ غلطی سے پھیل رہا تھا۔ اس کا زندہ ثبوت میں لوگوں کے سامنے موجود ہوں۔ میں اُن ہاتھوں ہونے والے بے شمار قتلوں کے پناوے کے روپ میں کھڑا ہوں اور اگر میں زندگی بھر بھی ہماروں کی خدمت کروں تو بھی سماج کے خون کا بدلہ میں نہیں دے سکتا۔“

”چھوڑو غلط کرنا زبان سنبھال کر بات کرو! بکا ایک لاکھن راڈ بولا۔“ راڈ نے پاپیوں کو قتل کیا ہے جسے ہم گناہ نہیں کہتے۔ اُن کے خلاف اگر کسی اور نے یہ بات کہی ہوتی تو ہم اُن کی زبان پر پتھر پڑھتے۔“

یہ سن کر درگیش کو بھی غصہ آگیا اور وہ حقارت سے منس کر بولا: ”کسی کی جان لینے والے سے کسی کے لیے جان دینے والا زیادہ بہادر ہوتا ہے لاکھن!“

درگیش کی اس بات پر وہ لوگ اس طرح خاموش ہو گئے جیسے اُن کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ وہ جواب میں کیا کہیں اور کیا نہ کہیں؟ لیکن گنگا کے دل میں درگیش کے لیے ہمدردی کا لہر جاگنے لگا تھا۔ وہ اگر اپنے ساتھیوں سے کہہ دیتی کہ تم لوگ ابی میں آئے کرو، میں اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر درگیش کے مشورے پر عمل کرنا چاہتی ہوں تو یقیناً اس بات کا فیصلہ ہو سکتا تھا لیکن ابھی تو درگیش کی بات ہی اس کے حلق سے نیچے نہیں اتری تھی۔

”فرض کیجیے کہ آپ کی بات مان کر ہم ہتھیار پھینک دیتے ہاتھ تو...“ ابھی دھرم نے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ اس کے تمام ساتھیوں کی گردنیں اس کی طرف گھوم گئیں۔ ایک ساتھ اتنی ساری

آنکھیں اسے اپنے اندر چھپتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھیں اس لیے دھرم اپنی بات مکمل کیے بغیر ہی خاموش ہو گیا۔ ”یوں تو دھرم! جو کہنا چاہتے ہو کہہ دو گنگا کو اس کا خاموش ہو جانا پسند نہیں آیا اس لیے اس نے ہمت دلائی۔ ہاں تو تم کہہ رہے تھے کہ ہم ہتھیار پھینک دیں تو...؟“

”تو ہم اپنے بیوی بچوں میں جا سکیں گے۔ یا نہیں؟ دھرم اس طرح جلدی سے بولا جیسے اس نے پہلے ہی سے سوچ رکھا ہو۔ ”کیا ہمیں ہماری زندگی واپس مل سکتی ہے؟“

اب جواب سننے کے لیے سب کی آنکھیں درگیش کے چہرے پر جم گئیں۔

”تمہیں اس کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ قانون کی رو سے بڑیوں کو برا بھلا کہتی ہی پڑتی ہے لیکن آپ لوگوں کے اٹھائے ہوئے قدم سے قانون کی آنکھیں کھل سکتی ہیں۔“ درگیش نے ایک ایک اظہار پر زور دے کر کہا۔

”لیکن قانون کی آنکھوں پر تو ہمیشہ سے پٹی بندھی ہوئی ہے۔“ گوپال نظریہ لہجے میں بولا۔ اس کی آنکھیں جھلاکس طرح کھل سکتی ہیں؟“

گوپال کے اس جملے پر کچھ سا تھی منس پڑے۔ اُن سب میں صرف ایک گوگنا موہن ہی ایسا تھا جو ان باتوں پر بڑی سنجیدگی سے غور کر رہا تھا۔ وہ بار بار گنگا کی طرف دیکھ لیا کرتا تھا۔ اس کی نگاہوں میں ایک عجیب سی التجا تھی لیکن زبان نہ ہونے کی وجہ سے کوئی اس کی طرف متوجہ ہی نہیں تھا۔ لیکن گنگا سمجھ گئی کہ موہن کس کشش میں ہے۔

”میں کچھ کہنا ہے موہن!“ گنگا نے اس سے پوچھا تو وہ اثبات میں مڑلانے لگا۔

درگیش اس کے اشاروں کو سمجھ نہیں سکا کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے لیکن گنگا حقوڑی دیر تک اس کے اشاروں کو غور سے دیکھتی رہی پھر اس طرح بولی جیسے وہ سمجھ گئی ہو کہ موہن کیا کہہ رہا ہے۔ ”نہیں... نہیں موہن یہ ممکن نہیں ہے اس نے کہا۔“

”کیا یہ ممکن نہیں ہے گنگا؟“ درگیش کا تجسس بڑھ گیا۔ یہ موہن کیا کہہ رہا ہے؟“

”یہ کہہ رہا ہے کہ اگر درگیش بابو ہماری گنگا ویدی کی جان



مخشی کو واپس تو ہم سب خود کو قانون کے حوالے کرنے کے لیے تیار ہیں۔

یہ سن کر ماحول پر ایک ستانا سا چھا گیا۔ گونگے موہن نے بڑی اہم بات کہہ دی تھی۔ اس کا اُن سبھوں کو خیال تھا۔ اُن میں سے ہر ایک ہی سوچ رہا تھا کہ اپنی دیدی کے لیے قربانی دینے کا خیال اُن کے دل میں کیوں نہیں آیا؟

”موہن کی تجویز ہم سب کو منظور ہے۔“ تھوڑی دیر بعد لاکھ نے پہل کی تو اس کے دوسرے ساتھیوں نے بھی اُس کا ساتھ دیا۔ ”ہاں ہاں، اگر آپ ہماری دیدی کو بچالیں تو ہم ہتھیار چھیننے کو تیار ہیں۔“

اُن سب کا جوش و خروش دیکھ کر درگیش حیرت زدہ رہ گیا۔ جن کو سمجھانے کی کوشش میں اُسے دانتوں پسینہ آگیا تھا۔ اُن سبھوں کو ایک گونگے آدمی نے بغیر کچھ بولے، ایک منٹ میں ہی متا لیا تھا۔ گنگا کی خاطر ہر آدمی اپنے کو قانون کے حوالے کرنے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ تب ہی گنگا کی آواز ابھری۔ ”نہیں؟ نہیں ہو سکتا۔ جو شتر تم لوگوں کا ہوگا، وہی شتر میرا بھی ہونا چاہیے۔ تمہاری سردار ہونے کی حیثیت سے مرنے کے لیے مجھے سب سے آگے ہی ہونا چاہیے۔ ہم سب کے نصیب میں اگر مزہابی ہے تو ہم سب ساتھ مل کر دشمن سے لڑتے لڑتے اُن کو مار کریں مرنے لگے۔ میرا تو یہی فیصلہ ہے۔ آگے تم لوگوں کی مرضی۔“

درگیش کا اٹھا ہوا ہاتھ خود بخود نیچے آگیا۔ اُس نے بڑی دھار دار نظروں سے گنگا کی طرف دیکھا لیکن اُن نظروں میں نہ تو غصہ تھا اور نہ ہی ہمدردی کا احساس دکھائی دے رہا تھا۔ گنگا کو حیرت ہو رہی تھی کہ زہر پینے کے بعد بھی یہ آدمی اہمیت کے مزے کا اظہار کر سکتا ہے؟ لیکن اس کے باوجود گنگا کی نظریں جھک گئی تھیں۔

”ٹھیک ہے اب مجھے تم لوگوں سے ایک دوسری بات کی اجازت دینی ہے۔“ درگیش کی آواز نے سب کی توجہ اپنی جانب مبذول کر لی۔ یوں تو یہ ہماری نئی بات ہے لیکن پھر بھی تم لوگ چونکہ کسی نہ کسی طرح اس میں شامل ہو، اس لیے اجازت مانگ رہا ہوں۔“

یہ سن کر گنگا کی گردن تن گئی اور اپنے ساتھیوں کی طرح اس کی نظریں بھی درگیش کے سنجیدہ چہرے پر جم گئیں۔ درگیش نے

ایک بار اُن سب کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔ ”میرے باپ اور تمہارے دادا نے مرنے سے پہلے اپنی جس آخری خواہش کا اظہار کیا تھا اسے پوری کرنے کی ذمہ داری تم سب پر ہے یا نہیں؟“

گنگا اتنی سی بات پر ہی حقیقت سمجھ گئی۔ اس نے درگیش کو روکنے کی کوشش کی لیکن اُسے دیر ہو گئی۔ درگیش نے آگے کھنکھار کر دیا تھا۔ گنگا تم لوگوں کی دیدی ہنسنے سے پہلے میری منگیت رہن چل تھی اور اب میں اسے اپنی بیوی بنانا چاہتا ہوں۔ یہاں کی بھی یہی خواہش ہے۔ اس کے علاوہ گنگا کی ماں ساوتری بھی بھی اُس مبارک دن کی راہ دیکھ رہی ہے۔ اب صرف تم لوگوں کی اجازت کی دیر ہے۔“

سب کے چہروں پر مسرت کی ہر دوڑ گئی۔ چھوٹے بھائی اس میں ہماری اجازت کی ضرورت کیا ہے؟ ہمیں تو خوشی ہوگی۔ اگر کہیں تو ابھی اور اسی وقت۔۔۔“

”لیکن آپ لوگ پہلے میری بات تو سن لیں۔“ گنگا کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن درگیش نے اُسے موقع ہی نہیں دیا۔ ”ہمارا دھرم کیا کہتا ہے؟ جس کے ساتھ مگنی کی جائے شادی بھی اسی سے کرنی چاہیے۔ مرنے وقت جو بڑوں کی آخری خواہش ہو وہ بھی پوری کرنی چاہیے۔ تمہاری گنگا دیدی اگر اس بات کو ماننا چاہتی ہے تو اُسے ایسا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ ہم یہ شک ساتھ نہ رکھیں اور گنگا بے شک اپنے رائے پر چلے لیکن اس میں ہماری شادی کب رکاوٹ بن رہی ہے؟“

”ٹھیک ہے۔۔۔ بالکل ٹھیک ہے۔“ کئی ساتھیوں نے ایک ساتھ کہا تو درگیش نے غریب انداز میں مسکرا کر گنگا کی طرف دیکھا۔ لیکن گنگا کی آنکھیں تو جھجک چکی تھیں۔ اپنے آپ کو قانون کے حوالے نہ کرنے کی اُس کی جگہ آگے درگیش نے شادی کرنے کی جگہ تھی اور اُس کے سب ساتھیوں کے آگے اُس نے اُس کا اظہار بھی کر دیا تھا۔

”تو پھر پندرہ دن بعد ہم سب حاضر ہو جائیں گے۔“ درگیش اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ ”تم سب لوگوں کی گواہی میں، ہم دادی کی آخری خواہش پوری کریں گے۔ اس میں اب کوئی تاخیر نہیں ہوگی۔ اب میں جا رہا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اتنی تیزی سے باہر نکل گیا جیسے اُسے ڈر ہو کہ گنگا کہیں اس فیصلے میں رکاوٹ نہ ڈال دے لیکن گنگا تو گم سم بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ دیر تک درگیش

کے دور ہوتے ہوئے قدموں کی چاپ مٹی رہی اور دل ہی دل میں سوچتی رہی کہ درگیش واقعی مرد ہے اُس کی محبت کتنی عظیم ہے۔۔۔“

لیکن دوسرے ہی پل گنگا کی سوچ کا دھارا بدل گیا۔ چہرے کی نگاہیں دھیرے دھیرے تنگ ہوتی چلی گئیں، بھنوں تن گئیں اور آنکھوں میں ایک خوفناک چمک سرائے لگی، پھر آواز اس نے عہد کر ہی لیا کہ درگیش جو فیصلہ سنا کر گیا ہے، اُس پر وہ عمل نہیں ہونے دے گی۔ اس کے لیے وہ ایسے بہانے تلاش کرے گی کہ پندرہ دن پہلے ہی کرنل وکرم سنگھ سے اُس کا مقابلہ ہو جائے۔ وہ راجستھان کی دھرتی پر ایک زلزلہ، ایک طوفان بن کر ٹوٹ پڑے گی تاکہ درگیش کو اُس سے نفرت ہو جائے اور وہ اپنا فیصلہ بدل دے۔ اُس نے عہد کر لیا کہ درگیش کو اپنی بہت کے جانی سے چھڑانے کے لیے وہ پولیس سے لڑتے لڑتے ہی خود کو موت کے سپرد کرے گی۔

پھر چھیل کی گھٹائیاں گھوڑوں کی ٹاپوں سے گونجنے لگیں۔ رات کے ستارے میں گاؤں گاؤں موت کی چیخیں بلند ہوتی رہیں۔ کوئی رات ایسی نہیں گذرتی تھی جب گنگا نے کوئی گاؤں نہ اجاڑا ہو کہیں نہای نہ پھیلائی ہو۔ کوئی رات ایسی نہیں تھی جب کسی جاگیر دار یا ساہوکار کے خون سے راجستھان کی دھرتی سرخ نہ ہوتی ہو۔ پورے راجستھان میں سچ سج کی قیامت آگئی تھی۔ پوری دھرتی ایک عجیب انگ زلزلے سے تھر تھرا رہی تھی۔ گنگا واقعی موت کا لوقا بن کر پھٹ پڑی تھی۔ اُس نے پولیس کی بینڈیں حرام کر دی تھیں اور مال داروں کا سکہ چوڑی جھین لیا تھا۔ سرکار کے پٹلے آگے قانون کی دیگیاں بکھیر دی تھیں اور کرنل وکرم سنگھ کے بے توائیہ حالات پیدا کر دیے تھے کہ اُس کا جینا حرام ہو گیا تھا۔ اخبار والوں اور مال داروں نے وکرم سنگھ کو ہی گنگا کے اس غصے کا ذمہ دار ٹھہرایا تھا کیونکہ اُن کے خیال سے کرنل وکرم سنگھ نے ہی سوئی شرنی کے منہ میں ہاتھ ڈال کر اُسے جگایا تھا۔ اس نے پھر ہی شرنی گنگا کو پھیرا نہ ہوتا تو وہ راجستھان کی دھرتی پر اتنی تباہی اور اتنا خوف و ہراس کبھی نہ پھیلاتی۔ اپنی ڈاؤن مار اور ہر حملے کے دوران گنگا جیج جیج کر پولیس اور سرکار کی پیچ کر تی ستانی دیتی۔ وہ کہتی۔

”اپنی مٹری کے شیروں سے کہہ دو کہ وہ ایک بار میرے سامنے

اگر گر جیں میں بھگوان کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اُن کی آواز ان کے حلق میں ہی دم توڑ دے گی۔ صرف لوگوں سے ایک وعدہ کر کے اور اپنے دل میں عہد کر کے درگیش کی جی ملی کے نرم ہاتھ پر لپٹے ہی گنگا کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ پولیس والوں کی دوڑ دھوپ سے یہ گنگا زندہ یا مردہ ہاتھ نہیں آئے گی۔ میں پکار پکار کر کہہ رہی ہوں کہ جس نے بھی اپنی ماں کا رو دھریا ہے، وہ میدان میں آجائے۔ میں نے توجہ سے بددوق ہاتھ میں لی ہے زندگی ہی چھوڑ دی ہے۔۔۔“

اخبارات کے صفحات پر گنگا کے یہ الفاظ جب ٹوٹی ہوئی مٹی کی مٹیوں کے روپ میں چمکتے تو انھیں پڑھ کر کرنل وکرم سنگھ کے منہ کا زلزلہ بدل جاتا۔ گنگا کا ایک ایک لفظ اُس کے گلے کو کچل دیتا۔ وہ کسی سے یہ بات کہ نہیں سکتا تھا کہ اُسے پولیس کی پوری مدد نہیں مل رہی ہے۔ گنگا کے بھڑپولیس والوں میں شامل ہیں، اُس لیے جب بھی کہیں چھاپہ مارنے کا منصوبہ بنایا جاتا ہے تو گنگا کو خبر ہو جاتی ہے۔ ایسے میں، میں اکیلے کیا کر سکتا ہوں؟ دن رات دوڑ دھوپ کرتا ہوں۔ چھیل کی ایک ایک گھاٹی اور جنگل کا ایک ایک کونا چھان چکا ہوں۔ گنگا کے قدموں کا نشان ڈھونڈنے کے لیے لالچ اور دھمکی بھی دے کر دیکھ لی کبھی کبھی تو ہاتھ میں آیا ہوا شکار کسی اپنے ہی کی ذرا سی غفلت سے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ آخر وہ یہ سب باتیں کس کو کس طرح سمجھائے؟۔۔۔“

لیکن گیارہویں روز تو گنگا نے حد کر دی۔ ایک ہی رات میں اُس نے تین الگ الگ گاؤں پر ایک ساتھ ہی ہلہ بول دیا تھا۔ اُس نے تجوریاں خالی کیں، چوٹیوں کو آگ لگا دی لیکن جب اس سے بھی اُسے سکون نہیں ملا تو اُس نے اُسٹانوں کی لاشیں گرادیں۔ اس کے علاوہ اُن ٹینوں گاؤں میں اُس نے وکرم سنگھ کے لیے ایک طرح کا پیغام بھی چھوڑا تھا۔ اس نے اپنی چھٹی میں دکھا تھا۔۔۔ ”اب کب تک میرے ہاتھوں سے اس طرح قتل کراتے رہو گے کرنل وکرم سنگھ؟ اپنا عہد نبھانا ہے تو ایک بار تو سامنے آجاؤ۔“

اس چھٹی کو پڑھنے کے بعد وکرم سنگھ کے دل کی آگ اور بھڑک اٹھی۔ اس کی شریانوں میں دوڑنے والا راجپوتی خون جوش مارنے لگا اور منٹری اس کا نقشہ کھینچنے لگا۔ ایک عورت اس کی بے عزتی کر جائے ہے۔

بے گناہ لوگوں کی جان لینے کے لیے اس نے مہرے عہد میری قسم کو دیا ہے  
بنایا ہے!  
ایک ایک اخبار پھینک کر وہ بہت زور سے چیخا: "جا کر دیکھو جو خدا  
سنگہ بچے جیپ تیار ہے یا نہیں؟"

جو دیکھا سنگھ نے اس سے پہلے کرمل وکرم سنگھ کو اتنے غصے اور  
اس قدر جنونی کیفیت میں کبھی نہیں دیکھا تھا اس کی آنکھوں میں انگاروں  
جیسی چمک دیکھ کر راجپوت چوکیہ رانگی کانپ اٹھا تھا۔

مٹری دروی پر "ویر چکر" کا تمغہ لگانے کے بعد اس نے اپنے  
باپ پر ٹھاکر جواہر سنگھ کی تصویر کی طرف دیکھا اور بولا: "پتا چلی آج  
آپ کے بیٹے کو ایک عورت نے لٹکا رہا ہے۔ میں جا رہا ہوں۔" رانگی اور  
آپ کے نام کی لالچ رکھ کر وہی گھروالپس آؤں گا؟ اتنا کہہ کر وہ  
سنگہ بے چینی کی کیفیت میں ڈر اٹھا۔ روم کے اندر ٹھٹھکا رہا۔ اس جب  
سنگہ بوجھ سے فارغ ہو کر آئیں، اس وقت تک تو اسے انتظار نہ رہا تھا  
امتحان کی گھڑی نزدیک آتی جا رہی تھی اور وہ ٹھٹھکتے ٹھٹھکتے سوچ رہا تھا کہ  
اس کا ارادہ سن کر ماں کا دل لرزے گا، لیکن اس کی ماں ایک راجپوت  
عورت ہے اس لیے اپنا دل مضبوط رکھے گی، مگر اندر تو جو لالہ کبھی ضرور  
چھوٹ نکلے گا۔

ایک ایک بوجھ کرے کا دروازہ کھلا اور رانی ماں پوجا کی تھالی ہاتھ میں لے کر  
اس کے سامنے آگھڑی ہوئی، لیکن بیٹے کی نظروں سے نظروں ملتے ہی  
وہ جیسے سب کچھ سمجھ گئی۔ اس کا دل دھڑکنے لگا اور ماتا لرزے لگی۔  
"وکرم کیا تم کہیں باہر جا رہے ہو؟ قریب آ کر رانی ماں نے پوچھا  
کی تھالی اس کے سامنے کر دی تو وکرم سنگھ نے کوئی جواب دیے بغیر  
پریشان اٹھا کر اپنے تڑپے میں رکھ لیا، پھر دھیرے سے بولا: "ہاں رانی ماں  
پچھلی رات گنگا کے تین گاؤں لوٹ بیٹے ہیں اور آٹھ دس آدمیوں کو جان  
سے مار دیا ہے اس لیے میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ..."

"کیا؟ رانی ماں نے تپتی آواز میں اس کی بات کاٹ دی اور اس  
ڈر سے پوچھا: "تھالی ایک طرف رکھ دی کہ کہیں وہ اس کے ہاتھ سے  
چھوٹ کر گر نہ پڑے؟" کیا فیصلہ کیا تم نے وکرم؟  
"میں گنگا کے تعاقب میں جا رہا ہوں،" بولتے ہوئے وکرم سنگھ  
کی آواز بھاری ہو گئی، لیکن وہ کھنکھار کر بولا: "باتو میں اسے ختم کر کے  
آؤں گا یا میری لاش..."  
رانی ماں نے فوراً ہی بیٹے کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا: "ایسا مت کہو  
بیٹے! ایسا مت بولو!"

"آپ کے جذبات کو میں سمجھ سکتا ہوں ماں! وکرم سنگھ نے  
دھیرے سے اپنی ماں کا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے ہٹاتے ہوئے کہا: "لیکن  
میں اپنا کام ختم کیے بغیر اس حویلی میں قدم نہیں رکھوں گا۔"  
رانی ماں کی آنکھیں بھیگ گئیں اور ان کے ہونٹ کانپنے لگے۔  
لیکن وکرم نے اپنی ماں کی حالت پر کوئی توجہ نہیں دی۔ وہ جلدی سے  
اس کے پیروں پر چمک گیا۔ پیر چھوڑنے کے بعد آٹھ دس آدمیوں کی بچاؤ  
وہ خود ہی بول پڑا: "ماں کا آٹھ دس آدمی ہمیشہ اس کی اولاد کے ساتھ  
ہو تے ہیں۔"

وہ من کی حیثیت سے اگر وکرم سنگھ کے سامنے کوئی اور توتا تو  
وہ یقیناً وکرم سنگھ کو آٹھ دس آدمیوں کے ساتھ ہمت بھی دیتی، لیکن اس وقت  
تو وہ کچھ کہہ بھی نہیں سکی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک لفظ بھی نہیں آسکا۔  
وہ چاہتے ہوئے بھی نہ کہہ سکی کہ چاہیے، اپنا فرض پورا کر کے ہی  
والپس آنا۔ بڑی مشکل سے وہ اتنا کہہ سکی: "بھگوان تیری حفاظت  
کرے۔"

وکرم سنگھ نے اپنے سر پر کچھ ہونٹے ماں کے ہاتھ میں محبت کے  
ساتھ ساتھ خوں کی تھمر تھراہٹ بھی محسوس کی تھی۔ اگلوتے بیٹے کو موت  
کے منہ میں جانے کے لیے رخصت کرتے ہوئے ایک ماں کی کیفیت  
وکرم سنگھ سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔ اس سے اپنی ماں کی حالت بھی  
نہیں جا رہی تھی، لیکن دل پر پتھر رکھ کر وہ اپنی بھیگی ہوئی بالوں پر  
ہاتھ رکھ کر تیزی سے مڑ گیا اور بیٹے کے ڈنگ بھرتا ہوا کمرے سے باہر  
نکل گیا۔

پچھلے کمرے پر سے جیپ کے انجن کی آواز آتی بند ہو چکی تھی جب  
رانی ماں کو احساس ہوا کہ وکرم سنگھ کی جیپ حویلی سے نکل کر جا چکی  
ہے تو کیا ایک جیسے جو ہم پر پڑی، پھر جاکر صوفے پر گر پڑی۔  
گرتے وقت اس کے منہ سے آپ ہی آپ نکلا تھا: "گنگا بیٹی میری  
کو کھمست اجاڑنا..."

نہیں یہ ہرگز نہیں ہو سکتا، ہماری بہت زور سے چیخ کر بولی  
"گنگا اور درگیش کی شادی ہو رہی ہے، یہ خبر سن کر اس کی تین بھیلیاں  
آگ سی لگ گئی تھی۔" میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گا، وہ بالکل  
کی طرح بڑبڑاتا تھا: "گنگا کو میں نے ندی میں بہنے سے بچا دیا تھا۔  
اس کی زندگی اور اس کی زندگی پر صرف میرا ہی حق ہے۔ میں درگیش  
کو اپنے راستے سے ہٹا دوں گا، ختم کر دوں گا اسے، میں شادی سے

پہلے ہی گنگا کو جھوٹا کر دوں گا تاکہ درگیش کو اس سے نفرت ہو جائے۔  
اس کے ساتھیوں نے اسے ٹھنڈا کرنے کی بہت کوشش کی۔  
انہوں نے اسے سمجھایا کہ گنگا تو اس کی دشمن ہے، پھر اس کی محبت میں  
اس طرح ٹر رہا ہے، وقوفی نہیں تو اور کیا ہے؟ اور درگیش تو رام سنگھ  
کا بیٹا ہے جس کا اصل نام سورج ہے۔ وہ دونوں شادی کرتے ہیں  
تو کرنے دو۔ ہمیں ان کے معاملے میں ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے۔  
"لیکن ساتھیوں کی اس نصیحت نے جتنی پرتیل کا کام دکھایا بہانہ  
غیر کر لولا، اتنے سب اپنی بکواس رہتے دو۔ یہ وہی گنگا ہے جو ہمارے  
معاملے میں کو پڑی تھی۔ میں اپنی اس شکست کو ابھی بولا نہیں ہوں۔  
اس میں اسے بچپن سے شادی نہیں کرتے دوں گا، ہوا میں ہاتھ لہرا  
اور گھونٹے چلاتا ہوا وہ مسلسل گنگا پر اپنے غصے کا اظہار کرتا رہا۔ وہ  
کہہ رہا تھا: "اس نے ہمارے خیر کی جان لی ہے۔ جب وہ وکرم سنگھ کو  
والپس چھوڑنے جا رہی تھی، تب ہم نے اس کا راستہ روکنے کی کوشش  
کی تھی، لیکن اس وقت بھی اس نے ہمارے دو ساتھیوں کو زخمی  
کر دیا تھا۔ اس کا حساب چکانے کا یہی ایک موقع ہے اور میں اسے ہاتھ  
سے جانے نہیں دوں گا۔"

لیکن ہماری ٹولی سے اس کا گروہ جا کر گنا بڑا ہے۔ اس کے پاس  
انہما کی خطرناک سہارا ہیں۔ گنگا ایک منہ سے پہلے ہماری لاشیں میں  
پر کھڑ جائیں گ۔ ہمیں ایسا خطرہ اٹھانا ہی کیوں چاہیے؟  
ہماری نے دلیل پیش کرنے کے لیے کہ گھور کر دیکھا اور خیر ساتھیوں  
تک دیکھتا ہی رہا۔ اس کے ساتھی کی یہ بات بالکل درست تھی۔ اس  
پے وہ دروڑوں کی طرح اپنا سر پیٹنے لگا: "گنگا... گنگا... گنگا...  
اور اپنے ہونٹ چبانے لگا۔ گنگا کی محبت اب آہستہ آہستہ نفرت  
میں بدلتی جا رہی تھی، مگر گنگا کسی کی ہو جائے، یہ بات بھی اسی سے  
رواشت نہیں ہو رہی تھی۔ غصے سے اس کا سر پھٹ رہا تھا، لیکن  
تب ہی ایک ترکیب اس کے ذہن میں آگئی۔

"ہمیں ایک ذرا سے خطرے کا سامنا بھی نہ کرنا پڑے گا، لیکن  
ایک ایسی ترکیب میری سمجھ میں آگئی ہے۔" اچانک اس نے اپنے  
ساتھیوں کو جھٹکاتے ہوئے کہا: "ہم گنگا کے چھوٹے بھائی کو کو  
انہیں لے گئے۔ پس یہ خبر سننے ہی گنگا سیدھی سادھی گائے کی طرح  
کھنکھ کر رہاں چلی آئے گی اور اگر بھائی کی زندگی اسے پیاری ہوئی تو وہ اپنا  
آپ میرے حوالے کر دے گی۔ پس ایک بار وہ میری منہ میں آجائے  
میرے منہ کی جھولی گنگا کو درگیش ہاتھ نہیں لگائے گا۔ وہ اگر میری

نہیں یہ ہرگز نہیں ہو سکتا، ہماری بہت زور سے چیخ کر بولی  
"گنگا اور درگیش کی شادی ہو رہی ہے، یہ خبر سن کر اس کی تین بھیلیاں  
آگ سی لگ گئی تھی۔" میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گا، وہ بالکل  
کی طرح بڑبڑاتا تھا: "گنگا کو میں نے ندی میں بہنے سے بچا دیا تھا۔  
اس کی زندگی اور اس کی زندگی پر صرف میرا ہی حق ہے۔ میں درگیش  
کو اپنے راستے سے ہٹا دوں گا، ختم کر دوں گا اسے، میں شادی سے

نہیں بن سکی تو نہیں اسے کسی کی بھی نہیں ہونے دوں گا، بولتے  
بولتے ہمساری ہانپنے لگا۔ اس کے ساتھیوں کو اس کا چہرہ بڑا  
بھانک لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے انگارے برس رہے  
تھے۔ اس کی یہ خوفناکی دیکھ کر کسی میں کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی۔  
اور نہ ہی کسی نے اس کے ارادے کو جاننے کی کوشش کی۔  
"تم سب گونگے کیوں ہو گئے؟" تھوڑی دیر بعد ہمساری  
نے کہا۔

اس بار اس کا لہجہ نرم پڑ چکا تھا: "اس کام کے لیے مجھے تم لوگوں  
کی مدد کی ضرورت ہے۔ کالیا اور شمشور رام پرے جا کر گنگا کے بھائی  
کو اٹھا لائیں گے۔ انہیں اس کے گھر جانے کی ضرورت بھی نہیں  
پڑے گی۔ جس اسکول میں مشہور پڑھتا ہے، بس وہیں جا کر اس  
سے صرف اتنا کہنا ہے کہ تمھاری دیدی گاؤں کے باہر کھڑی ہے،  
چل کر اس سے مل لو۔ وہ اپنی دیدی کا نام سننے ہی دوڑا آئے  
گیا۔ اس کے بعد اگر ایک منہ پڑا سی نہ بروستی بھی کرتی پڑ جائے  
تو اس میں کیا بگڑے گا؟

اس کی اس ترکیب کا بھی اس کے ساتھیوں نے کوئی جواب  
نہیں دیا تو ہماری کالیا اور نرم ہو گیا۔ اب اس کی آواز میں عاجزی  
کی جھلک تھی: "اس معاملے پر زیادہ غور کرنے کے لیے کچھ بھی تو  
نہیں ہے؟ اس بار تم سب دیکھ لینا کہ انجام ہماری سوچ کے مطابق  
نہ ہوا تو میرا نام بھی ہماری نہیں ہے؟"

"ٹھیک ہے ہماری باتم اپنا یہ ارمان بھی پورا کر لو۔ ویسے ہم تو  
یہ سمجھتے ہیں کہ گنگا کے حوٹو خان اٹھا کر کھائے، اس میں ہی اس کا  
انجام ہو سکتا ہے۔ کچھ روز اور ٹھہر جاؤ تو وکرم کے ہاتھوں وہ خود  
ہی اپنے انجام کو پہنچ جائے گی۔ پھر اس کے باقی بچ جانے والے  
ساتھیوں کو ہم میں شامل ہونا ہی پڑے گا۔ جس کے ہوا ان کے پاس  
کوئی اور چارہ ہی نہیں ہے۔"

"لیکن گنگا کی موت سے پہلے میں اپنے دل کی آگ بجھا لینا چاہتا  
ہوں۔ تاکہ اسے احساس ہو کہ کوئی راجپوت اس سے ٹکرائے گا؟  
ہماری اپنی مونچھوں پر تڑاؤ دیتا ہوا بولا: "جب اس کے پھیرے ہوئے  
ہوں گے، تب ہی اسے خبر پڑے گی کہ اس کا بھائی ہماری کھنکھ میں  
ہے۔ یہ خبر سننے ہی وہ پھیرے چھوڑ کر بیس دوڑی آئے گی۔"  
"ٹھیک ہے، تو یہیں تیار رہی کہ جیپ چاہیے؟" یہ کہہ کر اس کے  
ساتھی نے بات ختم کر دی، لیکن ہماری کے دماغ میں تو دو دن تک

انتقال اور سوس کی آگ بھڑکتی رہی تھی۔

تیاری تقریباً مکمل تھی۔ شام کو شادی کا وقت مقرر ہو چکا تھا۔ اس کی خاص تاکید کی جا چکی تھی کہ چیکے چیکے ساری رسمیں پوری کر لی جائیں۔ درگیش روزانہ کی طرح سائیکل پر اپنا بیگ رکھ کر گھر سے نکل گیا تھا۔ اسے دیکھ کر کسی کو بھی شک نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ دو لہا بن کر شادی کرنے جا رہا ہے۔ اس کی ماں رادھا کو لے جانے کی فطری لاکھن پر ڈالی گئی تھی۔ اس کی خوشیوں کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہیں تھا۔ اگرچہ بیویوں کے بعد ملنے والے بیٹے کی شادی دھوم دھام سے کرنے کا موقع اسے نہیں ملا تھا، لیکن ہو گھر میں قدم رکھے گی۔ اس خیال سے ہی وہ بھولے نہیں سمجھتی تھی۔ ماں بیٹے نے پہلے ہی سے یہ طے کر رکھا تھا کہ شادی ہو جانے کے بعد موقع ملے ہی گنگا کو ایک رات کے لیے گھر لے آیا جائے گا۔ بھگوان نے جاپا تو اس گھڑی سارے خطرات ٹل جائیں گے اور شگون کرنے میں کوئی روت نہیں پڑے گی۔

لیکن ابھی تو رادھا نے لاکھن کے ساتھ گھر سے باہر قدم رکھا ہی تھا کہ اچانک ایک اجنبی ہمان کو دیکھ کر اس کے قدم رک گئے۔ رادھا اس اجنبی کو پہچان نہیں سکی۔ اس کی شکل صورت اور ٹھٹھاٹھاٹا دیکھ کر تو لگ رہا تھا، جیسے وہ کوئی بڑے گھر کی عورت ہو اور غلطی سے اس کے گھر میں آگئی ہو۔ لاکھن نے چونک کر اس کی طرف دیکھا لیکن چپ رہا۔

”ٹھکرائن! ادا کر گھر میں موجود ہے؟“ اس اجنبی عورت نے پوچھا۔

”نہیں نے پہچانا نہیں۔۔۔ آپ کون ہیں؟ کیا کام ہے آپ کو؟“ اگرچہ ٹھکرائن رادھا نے اسے خوش آمدید کہنے کی بجائے کئی سوال کر دیے، مگر کوئی یہ سورت گھر میں تو موجود نہیں ہے۔ لیکن آنے والی اجنبی عورت کو اپنا تعارف کرانے کی ضرورت نہیں پڑی۔ لاکھن نے رانی ماں کے کان میں پھونک مار دی تھی۔

”ماں جی! یہ درگا پور کی رانی ماں ہے۔ وکرم سنگھ کی ماں۔ یہ سنتے ہی رادھا کے چہرے کی ساری خوشیاں غائب ہو گئیں۔ گنگا کو ختم کر دینے کی قسم اٹھانے والے کرنل وکرم سنگھ کی ماں کو اس وقت یہاں اچانک آ جانے کی کیا ضرورت تھی؟ بیویوں پہلے جس کے شوہر نے اس کے بیٹے کی جان لینے کی سازش کی تھی اور

جس کی وجہ سے اس کے شوہر ٹھکرا رام سنگھ کو مانتی بننے پر مجبور ہوا پڑا تھا اور جس کے بڑے بیٹے شمشیر سنگھ نے اس کے بیٹے کی شہریت عزت لوٹنے کی کوشش کی تھی، وہی درگا پور کی رانی ماں اس وقت بدشگون کرنے اس کے دروازے پر گئیں آگئی ہے۔ ٹھکرائن رادھا کو اس طرح چپ چاپ دیکھ کر رانی ماں نے کہا: ”میں جانتی ٹھکرائن! میری پہچان ہوتے ہی تمہیں ماضی کے وہ بڑے دن یاد آ جائیں گے اور تمہارے زخم تازہ ہو جائیں گے، لیکن درگیش سے اس وقت مجھے ایک ضروری کام ہے اس وقت ہارے مہربانی پرانے زخم تازہ کر کے آپ مجھے شرمندہ نہ کریں۔“

”جس کو بیس برس تک بیٹے کی جدائی میں تمہارے شوہر کی قبر سے تڑپنا پڑا ہو، ایسی ماں کو گھر میں تمہاری آمد سے شک نہ پیدا ہو تو کیا خوشی حاصل ہو؟“ ٹھکرائن رادھا نے بڑی نفرت بھری آواز میں کہا: ”بس اب عزت سے واپس چلی جاؤ۔ مجھے باہر جانا د مجھے بھی گنگا کے پاس پہنچنے کی جلدی ہے۔“ رانی ماں نے کہا تو رام سنگھ کی بیوہ ٹھکرائن سر سے لے کر پاؤں تک کپکپا کر رہ گئی۔ اسے لگا کہیں اس عورت کو معلوم تو نہیں ہو گیا ہے گنگا کے پاس جا رہی ہے۔ اگر یہ بات اسے معلوم ہے تو پھر تعینا اس کا پیٹا کر کے سنگھ بھی یہ بات جان چکا ہوگا۔

اس کی خاموشی نے ایک بار پھر رانی ماں کو بے چین کر کے ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ مجھے گنگا کے ٹھکانے کا علم نہیں ہے۔ درگیش ہوتا تو وہاں تک ضرور پہنچا دیتا۔

”اس کا اصل نام درگیش نہیں، سوریج ہے۔ ٹھکرائن رادھا نے تلخ لہجے میں کہا: ”گنگا کا ٹھکانا جان کر تم اپنے بیٹے کو اشارہ کرنے کی چالاک کھیلنے آئی ہو رانی ماں! گنگا کو گرفتار کر کے شاید تم اپنے بیٹے کی عزت بڑھانا چاہتی ہو، کیوں؟“

”نہیں ٹھکرائن! میں اپنے اہلوتے بیٹے وکرم کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میرا لیا کوئی ارادہ نہیں ہے۔“ رانی ماں کی آنکھوں میں آنسو چھپنے لگے اور اس کی آواز بھرا گئی: ”میں یہاں اپنے بیٹے سے ٹھیک آئی ہوں اور اس بات کا خیال رکھتے ہوئے یہاں تک پہنچی ہوں کہ کوئی میرا پیچھا نہ کرے۔“

اتنی دیر میں لاکھن نے پھر ٹھکرائن رادھا کے کان میں کہنا دیا: ”ماں بہتر ہے کہ اسے اپنے ساتھ لے لو، اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے۔ یہ ہمارے قبضے میں ہوگی تو وکرم سنگھ گنگا دہری کا بال بلی بچا

نہیں کر سکتا۔“

پہلے بھروسے ٹھکرائن رادھا کے چہرے پر خوشی کی لہری دوڑ گئی۔ اچانک ہی اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے اور وہ مسکراتی ہوئی بولی: ”ٹھیک ہے تم پر بھروسہ کر کے ہم تمہیں گنگا تک پہنچانے ہیں، لیکن تمہارے ساتھ آئے ہوئے اس آدمی کو اس وقت تک میرے گھر میں قید رہنا پڑے گا۔ کیا تمہیں یہ بات منظور ہے؟“ ”آپ جو کہیں گی، وہ مجھے منظور ہوگا، یہ کہہ کر رانی ماں نے اپنے ملازم گرام سنگھ کو اپنے قریب بلایا اور اس سے بولی: ”گرام سنگھ! جب تک میں واپس نہ آ جاؤں، اس وقت تک تمہیں اس گھر میں بند رہنا ہوگا۔ خبردار! جو تم یہاں سے پہلے تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔“

”میں آپ کے آنے تک یہاں سے نہیں ہلوں گا رانی ماں!“ گرام سنگھ ادب سے سر جھکا کر بولا: ”آپ اطمینان رکھیں۔“ لیکن پھر بھی لاکھن اسے ایک کمرے میں بند کر کے اسے تنہا سے باندھنا نہیں بھولا تھا۔ گرام سنگھ کو رشتہوں سے باندھ دینے کے بعد اس نے کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر دیا تھا۔

ادھر ٹھکرائن رادھا کو لانے کے لیے گئے ہوئے لاکھن سے زیادہ دیر گویا کو ہو گئی تھی جس نے گنگا کی ماں سادتری کو لانے کی ذمہ داری اٹھائی تھی۔ شادی کی خبر سننے ہی سادتری چاچی انڈ اندھے مہاری ماما کی خوشیاں سننے لگی تھیں۔ دل ہی دل میں وہ بھگوان کا شکر ادا کر رہے تھے کہ آخر کار بھگوان نے ان کی سُن لی اور انہیں ایک اچھا دن دیکھنا نصیب ہو گیا۔ بیٹی کے کنیاوان کے لیے رکھے ہوئے زیورات تو تارام نے بیچ کھائے تھے۔ پھر بھی مہاری ماما کے پاس جو کچھ تھا، ان کی چھوٹی سنی پوٹلی باندھ کر سادتری چاچی جھٹ پٹ تیار ہو گئی۔ انہیں گاؤں سے باہر اس طرح نکلتا تھا کہ کسی کو بھی ان پر شک نہ ہو سکے کہ وہ کہیں دور جا رہے ہیں۔ اس دروازے پر تالا ڈال کر دونوں بہن بھائی سامنے کھڑی ہوئی ہیل گاڑی میں بیٹھ گئے۔ شہو کا اسکول چونکہ راستے میں پڑتا تھا اس لیے اسے وہیں سے ساتھ لے لینا تھا۔ ہیل گاڑی والے کے بھیس میں گویا سامنے بیٹھ گیا اور بھگوان کا نام لے کر اس نے بیلوں کی نیکیل کھینچ دی۔ سادتری چاچی نے جاتے جاتے اپنے گھر کے بند دروازے کی طرف دیکھا، لیکن ہیل گاڑی ابھی چند ہی قدم چلی تھی کہ گاؤں کے اسکول کا چہرہ سی بانپنا کا پٹا ویاں دوڑا آگیا اور بولا:

”ساوتری چاچی! آپ کے شہو کو کوئی اٹھا کر لے گیا ہے۔“ چہرہ سی کی بات سن کر ماں کا دل دھک سے رہ گیا۔ ”ہاٹے بھگوان! کون اٹھا کر لے گیا؟“ اندھے مہاری کی سانس بھی رکنے لگی: ”کون تھا؟ کس لیے لے گیا؟“

”یہ تو معلوم نہیں۔“ گھبرائے ہوئے چہرہ سی نے سینے پر ہاتھ دبا کر جواب دیا: ”کوئی بد معاش جیسے در آدمی آٹھتے تھے۔ وہ شہو کو پھینک اسکول سے باہر لے گئے۔“ تھوڑی دیر تک تو شہو جان کے ساتھ گیا لیکن شاید اسے ان دونوں پر کچھ شک ہو گیا تھا۔ اس لیے وہ اپنا ہاتھ جھڑا کر واپس بھاگا۔ اس وقت میں ماسٹری کے گھر تک جا کر واپس ہو رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر شہو میری طرف دوڑنے لگا۔ لیکن ان بد معاشوں نے اسے آگے بڑھنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ انھوں نے اسے اپنے بازوؤں میں جکڑ کر اس کا منہ بھی بند کر دیا اور گھوٹے پر ڈال کر اسے زبردستی اٹھائے گئے، اس لیے میں آپ کو خبر دینے یہاں دوڑ آیا ہوں۔“ اتنا کہہ کر وہ سانس لینے کے لیے رکھا پھر آگے بولا: ”ان دونوں میں ایک کا ناں اور کالا دکھائی دے رہا تھا۔“ یہ سن کر گویا چونک پڑا اور اس کے دماغ میں بتیاں سی جلنے لگیں۔ اسے لگا کہ تعیناً وہ شخص ہماری کاساتھی کا بیاہی ہوگا۔ یہ صحبت اچانک ہی سامنے آگئی تھی، پھر بھی اسے سنبھالنے کے لیے گویا نے اپنے ہوش و حواس برقرار رکھے تھے، اسے ڈرتا کہ شہو کی ماں اور ماما اصل حقیقت کا علم ہو گیا تو بازی بگڑ جائے گی، اس لیے اس نے جھٹ پٹ ترکیب ڈھونڈ لی۔ وہ فوراً ہی سادتری چاچی سے بولا: ”آپ لوگ اس کی بالکل نگرہ کریں۔ شاید گنگا دہری نے ہی شہو کو لانے کے لیے ہم میں سے کسی کو بھیج دیا ہو۔ اب چلیے، وہ لوگ ہماری راہ دیکھ رہے ہوں گے۔“

گویا نے یہ کہہ کر بیلوں کو نوٹا نک دیا لیکن فوراً ہی اسے اسکول کے چہرہ سی کی موجودگی کا احساس ہو گیا۔ اسے لگا کہ اسکول میں واپس جا کر اس نے شہو کو اپنا تو پوچھ لیس تک بات پہنچ سکتی ہے اپنی حماقت کا خیال آتے ہی اسے وقت کی نزاکت کا احساس ہوا۔ اب چہرہ سی کو چھوڑنا خطرے سے قالی نہیں تھا اس لیے اس نے چالاک سے اسے اپنی ہیل گاڑی میں بٹھالیا۔

”آ جاؤ بھائی! ادا تھوڑی دیر تک ساتھ چلے چلو۔ راستے میں وہ دونوں ہمیں مل جائیں تو تم واپس ہو جانا۔“

یہ سن کر گاؤں کا سپردھا سادھا چرپاسی کچھ سوچے سمجھے بغیر گویا پال کے ساتھ بیل گاڑی میں بیٹھ گیا اور بیل گاڑی پھر آگے بڑھ گئی۔

سوچ سمجھ کر آج کا دن گنگا کے ساتھ ساتھ شام کو چوٹے والی شادی کی خوشی میں ناپسنے گانے لگے تھے۔ کچھ ساتھی ڈھول اور شہنائی بجانے والے کو بھی اٹھالائے تھے۔ بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ ان کی گنگا دیدی کے پیچھے ہوں اور شہنائی وغیرہ نہ بنے؟ ایک ساتھی نے تو عورتوں کے کپڑے پہن کر طواف کی طرح جھلجھلی کر دکھایا تھا۔ پھر جب بغیر زارت کا دو لہا درگیش دیاں آگیا تو وہ سب اس سے لپٹ گئے۔ "جی جی! آج تو آپ کو ہماری بات ماننی ہی پڑے گی۔ ہم اس طرح آپ کو بھروسے نہیں کرنے دیں گے۔" پھر دو آدمیوں نے مل کر نہ ہرستی درگیش کے سر پر گلابی پکڑی باندھ دی۔ پھر شہنائی کے سہارے ڈھول کی تھاپ پر اسے بھی ان لوگوں کے ساتھ ناچنا پڑا۔ درگیش کو اس روپ میں دیکھ کر گنگا کبھی دل ہی دل میں خوش ہوتی اور پھر کسی الجھن کی گہرائی تک اتڑ جاتی۔ وہ بار بار یہی سوچتی تھی کہ آخر وہی ہوا جو درگیش نے چاہا تھا، حالانکہ اس نے تو بہت کوشش کی تھی کہ ایسا کوئی موقع اس کی زندگی میں آنے ہی نہ پائے۔ اسی لیے تو اس نے کرنل کو سنکھ کر لٹکا رکھا، اسے سامنا کرنے کے لیے بہت اکسایا تھا، لیکن ان پندرہ دنوں میں ایک بار بھی مقابلہ نہیں ہو سکا۔ درگیش کے دل میں اپنی نفرت جگانے کے لیے اس نے اندھا دھند لوٹ مار چائی تھی اور قتل عام کا بازار گرم کر دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے گناہوں کے اس جنون کو دیکھ کر درگیش کا خون کھول اٹھے گا اور وہ اس سے نفرت کرنے لگے گا اور پھر یہ شادی خود بخود ختم ہو جائے گی۔ لیکن یہ تو وقت مقررہ پر بالکل تیار ہو کر آگیا تھا۔ نہ تو اس نے اس سے دو کڑوے بول بولے تھے اور نہ ہی اسے نفرت بھری نظروں سے دیکھا تھا، لیکن وہ جانتی تھی کہ درگیش یوں تو اوپر سے خوش خوش رکھائی دے رہا ہے، مگر اس کے اندر اس کے خصلتیں جھڑک رہے ہوں گے، لیکن پھر بھی عبت کی خاطر یہ شخص زمر کے کڑے گھونٹ بھی نہ کرنا جانتا ہے۔

ایک گہرا سانس لے کر گنگا نے بھگوان کو یاد کیا "یہ بھگوان! اب کوئی ایسا کرشمہ دیکھا کہ آخری گھڑی یہ لگن ملتوی ہو جائے۔"

اس نے دل ہی دل میں بھگوان سے ہزار تنہائی تھی، لیکن جیسے اس کی ہزار تنہائی کا جواب بھگوان، کبلی کی کی تیزی سے دینا چاہتا ہو۔ بالکل ایسے ہی پنڈت جی کو لاسے کے لیے گیا ہوا کشن، پنڈت جی کی بجائے کسی اور آدمی کو پکڑ لیا۔

"دیدی! یہ آدمی ہمارے آگے کے آس پاس ہم لوگوں کی جاسوسی کے لیے گھوم رہا تھا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور جب دو گھنٹے لگے تو اس نے قبول کر لیا کہ اسے ہماری سب سے بھلا ہے۔" کشن نے غصے میں اس آدمی کو گنگا کے آگے دھکیل دیا۔ اس اچانک شور و غل سے ناچ گانے ختم گئے۔ سارے لوگ گنگا اور کشن کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے۔ ہر ایک کی آنکھوں میں غصے کی جھلک تھی۔ ہماری ساتھی کو ان کی آنکھوں میں اپنی موت نظر آ رہی تھی۔ اس نے گنگا کے آگے اپنے ہاتھ جوڑ دیے۔

"میرا نام بھجن سنگھ ہے" وہ شش بولا "میں ہاں جا سکتا ہوں، بلکہ میں ہماری کا ایک پیغام لے کر یہاں آیا تھا۔ آپ کے پاس پہنچنے سے قبل مجھے یہ پیغام کسی اور کو نہیں سنانا تھا۔" "ہماری کا پیغام؟" گنگا کے ہونٹ کھلے "ہمارا اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ پھر اس نے یہ کیسا پیغام بھیجا ہے؟" "وہ آپ کے بھائی شیشو کو لٹکا کر لے گیا ہے۔" بھجن سنگھ کے ان لفظوں نے جیسے ان سب لوگوں پر بجلی گرا دی۔ گنگا کا سر دھڑکنے لگا۔ موت بن کر بھجن سنگھ ٹوٹ پڑنے کے لیے بے قرار تھا، لیکن گنگا نے اسے روک دیا۔ اس نے بھجن سنگھ سے پوچھا "بتاؤ! ہماری نے میرے بھائی کے بدلے میں کیا مانگا ہے؟"

تب بھجن سنگھ نے اپنی جیب سے ایک کاغذ نکال کر گنگا کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا "اس میں ہماری نے اپنی شرط لکھ دی ہے۔"

ہماری کی چپٹی پڑھ کر گنگا کا چہرہ لال سرخ ہو گیا۔ اسے اس حال میں دیکھ کر درگیش سے برداشت نہیں ہوا۔ اس نے جلدی سے گنگا کے ہاتھ سے چپٹی لے لی اور بگڑاؤ سے پڑھنے لگا۔ "گنگا! تمہارا بھائی شیشو میرے قبضے میں ہے۔ تم اگر اسے زندہ دیکھنا چاہتی ہو تو جلد سے جلد میرے پاس آ جاؤ۔ یاد رکھو میں اکیلے ہی آتا ہوں۔ اپنے ساتھ اگر کوئی تمہارا وغیرہ لائیں تو تمہیں اپنے بھائی کی لاش ہی ملے گی۔ جھوٹے سنے کی جگہ تمہیں میرا آدمی

بتائے گا۔ تمہارے بھائی کے بدلے مجھے تم سے کیا چاہیے؟ یہ میں تمہیں رو برو خود بتاؤں گا۔ فقط تمہارا ہماری! جھٹی سن کر گنگا کے سارے ساتھی بھجن سنگھ کو غصے سے گھورنے لگے۔ جیسے وہ اسے کچا ہی چبا جائیں گے۔

اس ہماری کے بچے کو آج ہی ختم کرنا ہو گا؟ ساتھیوں میں سے کوئی ختم کر لولا۔

"نہیں بدلے لینے کی بات پھر کبھی ہوگی؟" گنگا نے ہر ہتھار لیے میں اپنے ساتھیوں سے کہا۔ اس وقت شیشو کی زندگی کا سوال ہے میں ابھی اور اسی وقت جاؤں گی اور اسے چھڑا کر لے آؤں گی۔

"گنگا! میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا؟" درگیش نے کہا "نہیں! ڈاکٹر بابو! گنگا نے انکار کرتے ہوئے کہا "ہماری اس چپٹی میں صاف لکھا ہے کہ تم اپنے ساتھ کسی کو بھی نہیں لاؤں۔ نہیں تو وہ شیشو کو زندہ میرے حوالے نہیں کرے گا؟"

"لیکن دیدی! وہ بد معاش تمہاری بے عزتی کرے گا؟" کشن نے دانت پیستے ہوئے کہا "ہم تمہیں تنہا اس کے پاس جانے نہیں دیں گے؟"

"لیکن میں تنہا نہیں ہوں؟" گنگا بڑے ہی سکون سے بولی۔ میرے ساتھ درگما مانا کی آخری وار ہے۔ تم لوگ بالکل بے فکر ہو۔ مجھے واپس آنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ اس سے پہلے اگر ماں مانا اور ٹھکانا ماں آپ نہیں تو انھیں شیشو کے بارے میں کچھ نہ بتانا۔ ان سے کہہ دینا کہ میں ضروری کام سے گئی ہوئی اور اب واپس آ جاؤں گی؟ اتنا کہہ کر اس نے کمر سے بندھا ہوا لولہ لہر لہر کر اس کی پیٹی کھول کر ایک ساتھی سے ہاتھ میں لے دی۔ پھر سر پر کپڑی باندھتے ہوئے درگیش کے چہرے پر ایک بار اس سسی نظر ڈالی اور بولی "ڈاکٹر بابو! میں کتیا دان کے وقت تک شیشو کو لے کر آ جاؤں گی۔ درگما دیکھوں تو سسی کہ ہماری بد معاش، شیشو کی زندگی کی کیا قیمت مانگتا ہے؟"

اب ہماری کا ساتھی بھجن سنگھ خاموش نہیں رہ سکا۔ گنگا کی بات ختم ہوتے ہی وہ بول پڑا "میں جانتا ہوں دیدی! ہماری شیشو کی زندگی کے بدلے تمہاری عزت کو بچا جاتا ہے۔ وہ زبردستی تم سے شادی کرنا چاہتا ہے، لیکن دیدی! اب میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ میں ہماری کا ساتھی ضرور ہوں، لیکن پہلے میں ایک انسان ہوں۔ تم مجھ پر بھروسہ کرنا۔ میں تمہاری عزت پر اپنی

جان قربان کر دوں گا؟ گنگا کے ساتھیوں کو اس کی باتوں میں چالاک اور دھوکے بازی کی بو آ رہی تھی۔ گنگا بھی سوچے میں پڑ گئی کہ کہیں واقعی بھجن سنگھ اس سے فریب نہ کر رہا ہو اس لیے کچھ دیر تک سوچنے کے بعد وہ بولی "تم میرے خاطر اپنی جان قربان کر کے اپنے سردار سے غداری کرنا چاہتے ہو؟"

"نہیں دیدی! اسے غداری نہیں کہا جاسکتا؟ بھجن سنگھ بڑے باوقار لکھے میں بولا "جو آدمی تم جیسی دیدی کو اپنے بس میں کرنے کے لیے ایسے خطرناک کھیل کھیل سکتا ہے، اس کے ساتھ وفاداری کرنا گناہ ہے۔ اس کی ابھی تا پاک حرکتوں سے ہمارا دل جلتا ہے۔ میں را جپوت ہوں اس لیے کسی عورت پر ایسا اتیا چار نہیں دیکھ سکتا۔ میں تمہیں یقین دلانا ہوں بہن کہ مجھ پر کیا ہوا بھروسہ سچوٹا ثابت نہیں ہو گا؟"

"ٹھیک ہے؟" گنگا نے پر یقین لکھے میں کہا "پہلے تم مجھے جلدی سے اس سے ملوادو وہاں پہنچنے کے بعد دیکھا جائے گا؟" پھر بھجن سنگھ کے ساتھ جاتے جاتے گنگا نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا "یاد رکھنا! تم میں سے کوئی میرے پیچھے نہیں آئے گا۔ یہ میرا حکم ہے۔ تمہاری اس دیدی کی موت اس کے ہاتھوں نہیں لکھی ہے تو میں صبح سلامت واپس آ جاؤں گی؟" اپنے ساتھیوں سے اتنا کہہ کر وہ بھجن سنگھ کے ساتھ اپنے ٹھکانے سے رخصت ہو گئی۔

شیشو کو ایک درخت سے باندھ دینے کے بعد گنگا کی راہ دکھائی ہو ہماری بار بار اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھتا رہتا تھا۔ وہ اس کا پیغام لے کر گنگا کے پاس جانے والے اپنے ساتھی بھجن سنگھ کو دل ہی دل میں گالیاں دے رہا تھا اور اپنے آپ سے کہہ رہا تھا "مجھے اس کم بخت کو میرے گنگا کے پاس نہیں بھیجنا چاہیے تھا۔ وہ بہت ڈر لکھ ہے۔ گنگا کے ساتھیوں نے اگر راستے ہی میں اسے دبوچ لیا ہو گا تو بازی بگڑ جائے گی اس کی آنکھوں میں ہوس کی چنگاریاں ناچ رہی تھیں۔ گنگا کی باتوں کا وہ دوراتوں سے نہیں سو سکتا تھا، اس لیے آج صبح ہی سے اس کا پارہ چڑھا ہوا تھا۔ وہ بار بار گنگا کو بڑبھلاکتے ہوئے بڑبڑانے لگتا تھا "میں گنگا کے ساتھ بڑا خوف ناک سلوک کروں گا، اس



کی جوانی کو مسل کر رکھ دوں گا۔ اسے جھوٹا کر کے جھوٹے دوں گا۔ اس کا ساتھی کا لیا شیو کو لے کر آگیا تھا تب بھی ہماری شیو کے سامنے اس کی بہن کو گالیاں دیتا رہا۔ اس کی یہ جنونی کیفیت دیکھ کر اس کے ساتھی بھی اسے اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے تھے سب کے چہروں سے یوں لگ رہا تھا جیسے انھیں ہماری یہ حرکت قطعی پسند نہ ہو لیکن وہ ہماری کے ہاتھوں مجبور تھے، پچھتائے کے سوا اور کرکھی کہا سکتے تھے۔

ہماری جانتا تھا کہ اپنے ساتھیوں کی موجودگی میں وہ لنگا کے زبردستی تمیں کر سکے گا اس لیے وہ ان سب کو اپنے اڈے پر چھوڑ کر تنہا ہی یہاں آگیا تھا، لیکن اس کے باوجود جیسے اس کے ساتھی اس کے قریب ہی موجود تھے۔ وہ لنگا کو آئے دیکھ کر قہقہہ لگا کر اپنی بڑائی کرنے لگا: "خیر لنگا میرے بازوؤں میں سمٹنے کے لیے آئی گئی۔ ہا... ہا... ہا..."

ایک جھٹکے سے اٹھ کر وہ شیو کے پاس پہنچ گیا۔ نزدیک آتی ہوئی لنگا کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کے لیے اس نے بندھے ہوئے شیو کی پیشانی پر اپنی بندوق کی نال رکھ دی۔ اس کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ اور آنکھوں میں ہوس کی چنگاریاں سلگ رہی تھیں۔ لنگا کے روپ کی پیاس سے اس کا کلا سوکھ رہا تھا۔ "آؤ لنگا رانی آؤ آؤ" لنگا کو طنزیہ انداز میں مخاطب کرنا ہوا وہ آہستہ سے ہنسا، لیکن لنگا نے اس کی کوئی پروا نہیں کی۔ وہ سیدھی درخت سے بندھے ہوئے اپنے بھائی شیو کی طرف پکی۔ شیو کو زندہ دیکھ کر اسے کچھ سکون محسوس ہوا تھا۔ "مجھے یقین تھا لنگا کہ اپنے بھائی کی خاطر تم ضرور آؤ گی" ہماری نے کہا۔

مگر لنگا کوئی جواب دینے بغیر جب اسے گھورتی رہی تو ہماری کو ذرا دیر محسوس ہوا۔ وہ فوراً ہی اپنے ساتھی سے بولا: "مجھ سنو، تم اپنا اطمینان کر لو کہ لنگا اپنے ساتھ کوئی ہتھیار وغیرہ تو چھپا کر نہیں آئی ہے نا"

"نہیں سردار! میں نے دوبار اپنا اطمینان کر لیا ہے۔ میں خود بھی اس کی چالاکی سے بہت زیادہ ڈرتا ہوں۔ تم سے بھی زیادہ۔" مجھ سنو نے جواب دیا۔

لیکن اس کے جواب سے ہماری پھر گیا "بے وقوف آؤ، جیج کر لولا" اس لنگا سے میں کبھی بھی نہیں ڈرتا۔ مجھے تو اس کی بے وفائی

کھٹکتی ہے۔ یہ کہہ کر وہ دھیرے دھیرے لنگا کی جانب بڑھنے لگا۔ "یاد ہے لنگا! یہ وہی جگہ ہے جہاں اس مسلمان بیوہ عورت کے لڑکے کو تم میرے قبضے سے چھڑا کر لے گئی تھیں؟ میرا شکرت تم نے میرے منہ سے چھین کر کچھ اچھا نہیں کیا تھا اور آج میں اسی کا بدلہ لینا چاہتا ہوں!"

"کتنے روپے سے تمیں یہ بدلہ لینا ہے ہماری؟" لنگا نے ذرا بھی گھبراہٹ کا مظاہرہ کیے بغیر پوچھا۔ میرے بھائی کی جان کی قیمت تم کتنی لگا تا چاہتے ہو؟

"روپے...؟" ہماری کی کھل کھلا کر سنس پڑا۔ "مجھے تمہارے روپے نہیں لنگا رانی! مجھے تمہارا روپ چاہیے۔ روپے تمہارے بھائی کی قیمت نہیں ہیں۔ جب سے میں نے تمہیں مذہبی میں ڈوبنے سے پرہیز کیا تھا، اس وقت سے تمہارے پیار میں ڈوب چکا تھا!"

"اور اسی لیے تم نے داؤ کے سامنے درگیش کے پاس میں چھوٹ بولا تھا، کیوں؟" لنگا کی آواز بڑی کاٹ دار تھی۔

"ہاں لنگا! یہ سچ ہے۔ پیارا اور جنگ میں سب کچھ جانتا ہے۔ ایسا کرتا ہی پڑتا ہے۔ ویسے تم بے کاری اسن ڈاکٹر کے پیچھے پڑی ہوئی ہو۔ اب بھی وقت ہے، مان جاؤ میری رانی! میرے دل کی ملکہ بن جاؤ۔ ہم دونوں مل کر نیلے کی طرح ڈاکے ڈالا کریں گے۔" لیکن اس سے پہلے کہ لنگا کچھ کہتی، شیو چیخ کر بولا "تمیں دیکھا اس کیلئے کی کوئی بات مت سننا۔ ابھی یہ تمہیں بری بری گالیاں دے رہا تھا۔"

یہ سن کر ہماری دانت پیستا ہوا غرور اٹھ اٹھا اور شیو کے پاس پہنچ کر اس کا جی چاہا کہ اس کے گال پر ایک زوردار تھپنا لگا دے۔ لیکن فوراً ہی کچھ سوچ کر اس نے اپنے ہاتھ کو قابو میں کر لیا۔ پھر بڑے پیار سے شیو کے گال کو اسی ہاتھ سے سملائے ہوئے بولا: "اپنے دو لہا بھائی کو کہہ نہیں کہتے۔ تمہاری دیدی اب میرے قبضے میں آ چکی ہے۔ مجھ سے شادی کے بغیر اب اس کا چھٹکارا ناممکن ہے!"

"ہماری! اس سے اس قسم کی باتیں مت کرو۔ پہلے اسے جھوڑ دو! لنگا نے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔

"تمیں دیدی! شیو پھر درمیان میں بول پڑا: "یہ آدمی..."

"شیو! چپ رہو تم! لنگا اپنے بڑے بھائی کو ڈاٹتے ہوئے ہوسے بولی: "بڑوں کے بیچ میں نہیں بولنا چاہیے"

ہماری کی بے چینی بڑھ چکی تھی اس لیے اسے خاموشی نہیں

رہا جا رہا تھا! لنگا رانی! تمہاری مانگ میں ابھی پوری کرتا ہوں! یہ کہہ کر اس نے مجھ سنو کو حکم دیا کہ اس لڑکے کے بندھن کھول دو۔ مجھ سنو نے مجھ سے اس حکم کا منتظر تھا۔ وہ بڑی تیزی سے درخت کی طرف لپکا اور شیو کے بندھن کھولنے کھولنے اس نے پیچھے ہٹ لنگا کو اشارہ کر دیا۔ راستے میں ان دونوں کے درمیان جو طے ہوا تھا اس کے مطابق لنگا نے اس کے اشارے کا مطلب سمجھ لیا، لہذا وہ دھیرے دھیرے ہماری کی طرف بڑھتی چلی چلی رہی تھی۔ وہ اس سے چند قومیوں کے قافلے پر گزری۔ "مجھے تم پر بھروسہ نہیں ہے ہماری! اس نے اپنی جال چلی: اس سے پہلے کہ میں تمہاری خواہش پوری کروں، میرا بھائی فصیح سلامت ہمارے محفوظ ٹھکانے پر پہنچ جانا چاہیے۔ تم اپنے آدمیوں سے کہہ دو کہ وہ شیو کو جلدی سے لے جائے اور اسے راستے میں کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچنے پائے۔"

"واہ! لنگا رانی! ہماری ہاتھ پچا کر لولا! تم نے تو بہت جلدی میری بات مان لی۔"

اس کا یہ انداز دیکھ کر لنگا سمجھ گئی کہ ہماری کو اس کی بات کا یقین نہیں آ رہا ہے۔ اس لیے وہ جلدی سے آگے بڑھی اور اس کے اس طرح پھسپھسا کر بولی جیسے اس کے کان میں کہہ رہی ہو: "ہماری! شیو کی موجودگی میں کچھ کمنا سننا ممکن نہیں ہے۔ ڈاکٹر درگیش سے جو مجھے پیار تھا وہ آج فصیح ہی دم توڑ گیا۔ سچی بات کا تو مجھے اب بتا چکا ہے میرے ساتھ شادی کا دھونگ رہا کر وہ مجھے پولیس کے حوالے کر دینا چاہتا تھا!"

"اچھا یہ بات ہے؟" ہماری کا شک اڑن چھو ہو گیا اور خوشی سے سرشار ہو کر اس نے لنگا کا ہاتھ تھام لیا: "تو اب تمیں میرے پیار کی تدبیر ہوئی ہے؟"

لنگا نے بڑی پویشیاری سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور مذہبی آواز میں بڑی اپنائیت سے بولی: "ہماری پہلے تم شیو کو یہاں سے روانہ کر دو۔ اس کی موجودگی میں ایسی کو بات نہیں ہو سکے گی!"

"مجھ گیا،" ہماری پوری طرح پگھل چکا تھا۔ وہ فوراً ہی شیو کی طرف گھوم گیا اور بولا: "تم ابھی تک کھڑے کیوں ہو؟ جاؤ! شیو کو یہ حفاظت لنگا کے اڈے پر چھوڑ آؤ۔ وہاں جا کر لنگا کے ساتھیوں کو یہ خوش خبری سنا دینا کہ ہم دونوں شادی کر کے وہاں پہنچ چکے ہیں!"

مجھ سنو نے گھبراہٹ کی اداکاری کے ساتھ شیو کا ہاتھ پکڑ

لیا اور وہاں سے دوڑ پڑا، لیکن جانتے بھی وہ لنگا کو بہت دلانے کی غرض سے اشارہ کرنا نہیں بھولا تھا۔

شیو اور مجھ جب تک نظروں سے اوجھل نہ ہو گئے، اس وقت تک لنگا اور بری چٹان سے شرمیلی میٹھی میٹھی لڑائی کو دیکھتی رہی۔ اسے اس بات پر حیرت ہو رہی تھی کہ آخر ہماری یہاں آگیا کیوں ہے؟ ان کے دوسرے ساتھی اس کے ساتھ کیوں نہیں ہیں۔ وہ ہماری کی نظریں پھا کر اس کی بندوق پر قبضہ کرنے کی ترکیب سوچ رہی تھی، لیکن ہماری اس کی طرف سے ناخوشی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے لنگا کا ہاتھ تھام کر کتنا شرمیلی کیا! لنگا رانی! اب تمہاری ٹیمیں آگئی ہے۔ چلو اس کھنڈر کے پیچھے ہم اپنی محبت کے چراغ روشن کریں گے!"

اس دیرپلی قربت سے لنگا کانپ گئی، لیکن اسے اپنے غصے کو پی جانا پڑا۔ اس نے بڑی چالاکی سے اس کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹا لیا اور مسکرا کر بولی: "مگر ایک بات سمجھ لو ہماری! میں اپنی تعلیم و تربیت اور ذہنی امور کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ شادی سے پہلے دو جیسوں کے ملاپ کو میں گناہ سمجھتی ہوں۔ اس سے تو بہتر میں سمجھتی ہوں کہ آدمی کو مر جانا چاہیے، لیکن وہ ایسے گناہ و عظیم کا مرتکب نہ ہو!"

"ارے رانی! زندگی کی زندگی کے درمیان تم موت کو کسسا لارہی ہو؟" ہماری موم کی طرح پگھل گیا: "سچ کہوں تو اب ایک منٹ کے لیے بھی صبر نہیں ہو سکتا۔ خوابوں میں تو بہت بار میں نے تمہیں اپنا یا ہے، لیکن..."

"تو چلو! مذہب میں چل کر پہلے ہم شادی کر لیں!" لنگا نے ہماری کی بندوق پر انگلی پھرتے ہوئے جال پھینکا: "میں کسی اور کی موجودگی کی ضرورت ہی کیا ہے۔ دیوی دیوتا کے سامنے ایک دوسرے کے بن جانے کے بعد پوری زندگی ہم اسے سامنے پڑی ہے!"

"تو پھر چلو!" ہماری کو لنگا کی بات پر یقین نہیں آ رہا تھا، لیکن پھر بھی آزمائے کی نیت سے وہ بول پڑا، مگر بندوق اب بھی اس کے ہاتھ میں تھی جس پر اس کی گرفت پہلے سے زیادہ مضبوط ہو چکی تھی۔ چند لمحوں بعد وہ پھر بھولا! کھنڈر کے پیچھے دو گھوڑے تیار کھڑے ہیں۔ ہم پندرہ منٹ کے اندر ہی رادھا کرشن مندر میں پہنچ جائیں گے! یہ اتنا کہ ہماری آگے بڑھا تو لنگا بھی اس کے پیچھے اس طرح بڑھنے لگی جیسے اب کوئی اعتراض ہی نہ ہو۔ وہ اس پاس لگا ہوں ڈاکٹر ہوئی آگے بڑھ رہی تھی اور ہماری کی بندوق چھین لینے کی ترکیب بھی سوچ رہی تھی۔ وہ اس پہلو پر بھی غور کر رہی تھی کہ ہماری کا کوئی ساتھی

اے پیچھے نہیں چھپا ہوا ہوتا... یہ لیکن جب اسے کوئی دکھائی نہیں دیا تو وہ بوجھ بیٹھی؟ مجھے اس بات پر حیرت ہو رہی ہے ہماری آخر تم یہاں اکیلے کیوں ہو؟ گنگا نے اپنا اطمینان کرنے کی نیت سے کہا۔  
"فرصت کرو کہ میں اپنے ساتھیوں کو اپنے پیچھے آنے کے لیے کہہ دیتی تو اس وقت تم آجیے۔"

"نہیں نہیں گنگا رانی! ہماری گردن ہلا کر اور سر کر کر لولا یہ میرا اندازہ شاید ہی کبھی غلط ہوتا ہے۔ میں جانتا تھا کہ شبیہ کی زندگی کے لیے تم کسی قسم کا خطرہ مول نہیں لو گی۔ اسی لیے میں نے بھی اپنے ساتھیوں کو اپنے اڈے پر بٹھا دیا ہے۔ وہ سب اس وقت میرا انتظار کر رہے ہوں گے یہ پھر جب وہ ہماری شادی کی بات سنیں گے تو ان کی خوشیوں کا کوئی ٹکنا نہیں ہے گا۔"

"گنگا جو کچھ بھی جانتا چاہتی تھی۔ وہ اس نے ہماری سے اگلوایا تھا اور اس نے ہماری پر ٹوٹ پڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ جان بوجھ کر ذرا سست ہو گئی، لیکن ہماری نے فوراً ہی گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا کہ کیوں تھا اسے قدم ڈھیلے کیوں پڑ گئے؟"

"نہیں نہیں... پیروں میں کوئی پتھر آ گیا تھا، جھوٹ بولنے کے بعد گنگا کو جو برا اپنی رفتار تیز کر دیتی پڑی "چلو۔"

"یہ پتھر نہیں ہیں گنگا!... یہ تو محبت کے راستے کے بھول ہیں۔ یہ کہہ کر گنگا نے سہارا دے کر گنگا کو گھوڑے کی پیٹھ پر بٹھا دیا اور بولا۔  
"میں تمہیں اپنے گھوڑے پر سوار کر رہا ہوں۔ بھولنے کی کوشش مت کرنا نہیں تو یہ بہادر تمہیں پیچھے چھینک دے گا۔"

"پھر تمہارا یقین ڈگمگایا؟" گنگا نے آنکھیں ملٹا کر ہماری کو کوبے خبر کرنے کی کوشش کی "جو اب دیکھنے کی عادت پڑی ہوئی ہے نا۔ اس لیے شادی کے وقت بھی تمہیں یہ سب خواب کی طرح جھوٹا ہی لگے گا۔"

یہ سن کر ہماری ہنسن دیا۔ پھر گھوڑے کی گام کھینچ کر بولا۔  
"چلو! اب تو رنگ انگ میں آگے سی لگ رہی ہے گنگا۔"  
گنگا نے دانت پیس کر گھوڑے کو اڑا دیا۔ تھوڑی دیر تک تو وہ گھوڑے کو ہماری کے گھوڑے کے ساتھ ساتھ بھگاتی رہی، لیکن تھوڑی دیر چلنے کے بعد اس طرح دھیرے دھیرے اپنی رفتار میں کمی کرتی گئی کہ ہماری کو شک نہ ہو۔ پھر موقع ملے ہی پکا یک وہ پل کر گھوڑے کی پیٹھ پر اگڑوں پیٹھ لگتی اور دیکھتے ہی دیکھتے آگے جاتے ہوئے ہماری کے گھوڑے پر چبھنے کی طرح چھلانگ لگا دی۔ بے خبر ہماری

کی گردن پر گنگا کے دونوں ہاتھ لپٹ گئے۔ اس اچانک حملے سے ہماری اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ گھوڑے کی گام اس کے ہاتھ سے چھوٹی اور وہ گنگا کے ساتھ ہی بھاگنے ہوئے گھوڑے کی پیٹھ سے نیچے گر پڑا۔ گردن پر گنگا کے ہاتھوں کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ اسے کندھے پر لٹکی ہوئی بندوق کو سنبھالنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ بندوق اس کے کندھے سے نکل کر درجہ جگری تھی، لیکن اس سے پہلے کہ وہ قلابا زمی کھا کر بندوق کی جانب ہاتھ بڑھاتا، گنگا بندوق کی طرف چھپتا پڑی۔

سال... حرام زادی کہیں کی، کالی دیتا ہوا ہماری پہلے تو گنگا کے پیچھے لپکا، لیکن پھر فوراً ہی اسے احساس ہو گیا کہ وہ گنگا سے پہلے بندوق تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس بات کا خیال آتے ہی پھرتی سے واپس پلٹا اور چند قدم کے فاصلے پر کھڑے ہوئے گھوڑے پر اچھل کر سوار ہو گیا۔

ہاں پتی ہوئی گنگا نے بندوق اٹھا کر گردن گھمائی تو ہماری گھوڑے پر سوار بھاگتا ہوا دکھائی دیا، تب نشانہ لگانے کے لیے گنگا کو تھوڑا کھڑا پڑا۔ پھر ہماری کا گھوڑا جیسے ہی ایک چٹان کی اوٹ سے نکلتا دکھائی دیا۔ گنگا نے اپنی انگلی کو حرکت دے دی۔ ٹھٹھائی ایک دو آواز گونجی اور بندوق کی گولی سنسناتی ہوئی ہماری کے کندھے کو چھلتی ہوئی نکل گئی۔ گولی کے دھکے سے ہماری ایک بار پھر گھوڑے پیٹھ پر سے اچھل کر نیچے گر پڑا اور پھر پٹی چٹانوں کے پیچھے گر پڑا۔ گنگا دوسری گولی چلانے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتی تھی کیونکہ بندوق میں اب ایک ہی گولی رہ گئی تھی۔ کار تو سولہ کی پٹی تو ہماری کی کمر سے بندھی ہوئی تھی۔ ایک لمحے کے لیے تو اس کے جی میں آیا کہ وہ ہماری کے پاس پہنچ کر بندوق کے کندھے سے اس کا سر کھین کر اسے ہلاک کر دے، لیکن وہ ہاتھ آٹے ہوئے وقت کو ضائع کرنا نہیں چاہتی تھی۔ ہماری کو اسی حالت میں چھوڑ کر وہ اپنے ٹھکانے پر پہنچنے کے لیے گھوڑے کی جانب دوڑ پڑی، لیکن بندوق کے دھماکے سے گھوڑا بھڑک اٹھا تھا۔ اس نے پہلے تو گنگا کو پیٹھ پر سوار ہی ہونے نہیں دیا، مگر گنگا اس کی خدمت آگے ہتھیار کیسے ڈال سکتی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں اس نے اس طوفانی گھوڑے کو اپنے قابو میں کر لیا اور اس کی پیٹھ پر سوار ہو کر اسے مخالفت سمیت میں دوڑا دیا۔ اب اس کے پاس اتنی فرصت نہیں تھی کہ وہ پلٹ کر بھی دیکھ لیتی، لیکن اگر اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھ لیا ہوتا تو اسے یقیناً کرنل وکرم سنگھ کی جیب نظر آ جاتی جو دراصل اڑاتی

بڑی تیزی سے بڑھتی چلی آ رہی تھی۔



رنگ میں جیسے بھنگ پر گیا ہوا بالکل اس طرح گنگا کے ساتھیوں کے ساتھ درگیش، رانی ماں، ساو تری چاچی، ٹھکران رادھا اور اندھا مراری لال سب ایک طرح کے بے چینی غم سے کرسے تھے۔ لاکھن اور گوبال جب سارے بزرگوں کو رے کر اڈے پر واپس آئے تو گنگا ان کے آگے سے پہلے ہی شبیہ کو چھڑانے کے لیے ہماری کے پاس جا چکی تھی۔ جب انہیں یہ پتا لگا کہ گنگا وہاں بغیر کسی ہتھیار کے اکیلی گئی ہے تو غصے سے ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ لاکھن اپنا غصہ اپنے ساتھیوں پر اتارتے ہوئے چیخ رہا تھا لا دیدی نے منع کیا تھا تو کیا تھا تو کیا ہوا؟ تم لوگوں میں تو اتنی عقل تھی۔ تم لوگوں میں تو دو ایک آدمی چھپ کر اس کے پیچھے جا سکتے تھے؟

لاکھن کی ڈانٹ سن کر ہر ساتھی کا سر جھٹک گیا۔  
یہ دیکھ کر درگیش کو ان کا بچاؤ کرنا پڑا۔ اس میں ان بے چاروں کا کوئی قصور نہیں ہے۔ تمہاری دیدی نے تو مجھے بھی اپنے ساتھ آنے نہیں دیا۔ اس نے تو میری بات بھی نہیں سنی۔

"تمہاری بات انگ ہے ٹھاکر سورج! لاکھن فوراً زم لیے میں بولا۔ ایسے خطرے میں تمہیں بھیجا نہیں جاتا۔ ہماری اتنی ذلیل حرکت بھی کر سکتا ہے، یہ تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ اتنا کہہ کر اس نے دانت پیسے اور غصے کا اظہار کرتے ہوئے آگے بولا "اس کی جالا کی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ گنگا دیدی سے تمہاری شادی نہ ہو پائے لیکن اب میں زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔ اگر آدھے گھنٹے تک کبھی دیدی واپس نہیں آتی تو میں گوبال اور موہن اس ہماری کی تلاش میں نکل جائیں گے۔ ہم ہماری کو زمین کے اندر سے بھی ڈھونڈ نکالیں گے۔"

"لیکن موہن ہے کہاں؟ اچانک گوبال کو گونگے موہن کی غیر موجودگی کا احساس ہوا۔ اس گونگے کو ابھی ہی غائب ہونا تھا؟"  
"لیکن جب دیدی گئی تھی اس وقت تک تو موہن یہاں موجود تھا؟ ایک ساتھی نے یقین سے کہا تو سب ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے، لیکن لاکھن کی آنکھوں میں ایک عجیب سی جھلک لہرا رہی تھی۔ وہ کسی فیصلے پر پہنچ کر بولا "تب تو یقیناً وہ گنگا دیدی کے پیچھے پیچھے ہی نکلا ہوگا۔"

درگیش نے غم سے کہا کہ لاکھن کے اس انداز سے سب کے

چہروں پر امید کی شمع جلا دی ہے وہ سب اس طرح شادی کی تیاریوں میں بھرے مصروف ہو گئے جیسے انہیں موہن کی ہمت اور ہوشیاری کا پورا پورا بھروسہ ہو، لیکن ساو تری چاچی، رانی ماں اور مراری لال وغیرہ کی گھبراہٹ میں ذرا بھی کمی نہیں ہوئی تھی۔ ساو تری چاچی کے آنسو تو خشک ہی نہ تھے۔ اس کی بڑی بیٹی گنگا تو ڈاکو بن کر گھر سے نکل ہی چکی تھی اب اس کا ایک ہی سہارا تھا، شبیہ! اگر اسے بھی کچھ ہو جاتا ہے تو اس کی زندگی میں وہ ہی کیا جاتا ہے اندھا مراری لال اپنی بہن کو تسلی دے کر بھگوان کی یاد میں مصروف ہو گیا تھا۔ اور رانی ماں کا دل تو صبح ہی سے کسی بدشگون کی پیش گوئی کرتا ہوا دھڑک رہا تھا۔ وہ اسی لیے تو گنگا سے ملنے کے لیے یہاں تک ڈری آئی تھی، لیکن گنگا سے ابھی تک ملاقات نہ ہو سکی تھی۔ اس لیے دل میں چھپا ہوا شک اور زیادہ مضبوطی سے بیٹھ گیا تھا کہ غصہ سرد کوئی نہ ہونے والی بات اب ہو کر ہی رہے گی۔ صبح آٹھ بجے پہلے اس نے جو بھیانک سہنا دیکھا تھا، وہ سہنا کیا سچ ثابت ہوئے بغیر نہیں رہے گا، آج کس کے سر پر موت تاج رہی ہے۔ یہاں پہنچنے سے پہلے تو اسے اپنے بیٹے وکرم کی موت کا خوف تڑپا رہا تھا لیکن جب اسے پتا لگا کہ گنگا کسی کو ساتھ لے کر بغیر ہماری کے پاس اپنے شجر کو چھڑانے کے لیے اکیلی چلی گئی ہے تو اس کا دل بچنے لگا تھا۔ کیا موت اس کے بیٹے وکرم سنگھ کے سر سے اتر کر گنگا کے سر پر ناچنے لگی ہے؟

"دیدی آ رہی ہے... شبیہ کو رے کر دیدی آ رہی ہے۔ آٹھ کے باہر جہرا دیتے ہوئے ایک ساتھی کی خوشی سے بھرپور داد سن کر وہ سب کے سب چونک پڑے۔ بل بھر میں سارے ماحول پر چھایا ہوا وحشت ناک ستارہ دور ہو گیا۔ دور سے گھوڑے پر سنبھلے ساتھی تیزی سے آتی ہوئی گنگا کو دیکھتے ہی جین غور توں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چھلنے لگے۔ درگیش، لاکھن اور گوبال کے ساتھ دوسرے ساتھی بھی آگے دوڑ گئے۔

"میری بھانجی پر درگما تائے آٹھ ہاتھ ہیں۔ جب تک گنگا کے ہاتھوں کوئی پاب نہیں ہوگا اس وقت تک اسے کوئی آہن نہیں لگائی۔ اندھے مراری کے ان غفلتوں نے رانی ماں کو دوسرا مطلب سمجھنے پر مجبور کر دیا۔ تب تو میرے وکرم کی موت گنگا کے ہاتھوں سے ہی نکلی ہوگی۔"

لاکھن اور گوبال نے آگے بڑھ کر گنگا کے گھوڑے کی گام تھام

لی: اگر پال خوشی سے بولا: دیدی شہر کے ساتھ ہماری کا گھوڑا اور اس کی بندوق بھی لے آئی ہے۔۔۔ اس قدر خوشم کر کے دیدی تے راڑی روح کو سکون پہنچا یا ہے۔

”ہیں! گنگا گھوڑے کی پیٹھ سے نیچے اتر آئی: وہ ذرا سناپ گیا۔ اس کی بندوق میرے پاس رکھی اور کارٹوس اس کے پاس لیکن یہ ایک طرح سے اچھا ہی ہوا: اتنا کہ اس نے ورگیش کی طرف مڑ کر ہونٹ دیکھا اور آگے بولی: آج کے مبارک دن میں میرے ہاتھوں اس کا خون نہیں ہوا، نہیں تو شاید ڈاکٹر یا لو کا دل تڑپ جاتا۔

شہر گھوڑے پر سے کود کر نیچے اتر اور اپنی ماں سے لپٹ گیا۔ اور کہنے لگا: ماں! دیدی نے مجھے بجا لیا۔ یہ کہہ کر وہ پر را در اعدان کو سنانے لگا، لیکن اسی وقت گنگا نے اس کا کان پکڑ لیا اور اسے چپ کر اسے ہونٹے بولی: باب یہ ساری باتیں تم اطمینان سے بتانا تھیں بچانے میں ہماری کے ساتھی، مجھ سنو کہ کبھی یا تو تھا۔ یہ یاد رکھنا: یہ کہتے کہتے اچانک گنگا کی نظر رانی ماں پر پڑ گئی: ایسے تو گویا آپ کو بھی مجھے آئیر واد دینے کے لیے تکلیف اٹھانی پڑی۔ آپ کو بھی اتنی دور سے آنا پڑ گیا: اتنا کہ گنگا ان کے قدموں میں جھک گئی اور آگے بولی: میں دنیا کی کتنی خوش نصیب لڑکی ہوں کہ میرے کتیاں کے لیے تین ماٹیں موجود ہیں۔

”بیٹی! رانی ماں نے اسے جھک کر اور پراٹھا یا، پھر اپنے سینے سے لگا کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: سستی آئیر واد تو درگاما کا ہوتا ہے۔ میں تو بگنے کچھ دینے کی بجائے تجھ سے کچھ مانگنے آئی ہوں۔“ بیٹی کے پاس سے ماں مانگتی نہیں ہے۔ ویسے آپ حکم کیجیے۔ اگر میری جان کی بھی ضرورت ہے تو دینے سے پہچھے نہیں ہٹوں گی۔ گنگا نے کہا۔

رانی ماں نے سکون سے گہرا سانس لیا۔ لیکن وہ دل ہی سوچ رہی تھی کہ اس کی زندگی میں یہ کیسی گھڑی آگئی ہے۔ گنگا تو اس کے لیے جان بھی دینے کے لیے تیار ہے جبکہ وہ۔۔۔

”رانی ماں! آپ چپ کیوں ہو گئیں؟ گنگا نے دھیرے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا: آپ دل کی بات ہونٹوں پر کیوں نہیں آئے دیتیں؟ آپ کو میری قسم۔“

اب رانی ماں کی بھیگی آنکھیں بہنے کے لیے تیار ہو چکی تھیں۔ وہ کانپتی آواز میں بولی: بیٹی! تم میرے خاطر اپنی جان دینے کی بات کر رہی ہو مگر مجھ کو ان ہتھاری زندگی سلامت رکھے۔ میں تو

تھا اسے پاس اپنے بیٹے وکرم سنگھ کی زندگی مانگنے آئی ہوں۔ وکرم سنگھ کا نام سن کر وہ سب چونک پڑے۔ رام سنگھ کی بیوہ را در اعدا کے چہرے کی تو لکیریں ہی توں گئیں۔ گنگا کے ہاتھوں کے چہروں پر بھی نفرت کے آثار دکھائی دینے لگے، لیکن گنگا نے رانی ماں کی بھیگی ہلکوں کو ہونچھ دیا اور بولی: رانی ماں! آپ اپنے بیٹے کو کیوں نہیں سمجھا تیں کہ وہ میرے راستے سے ہٹ جائے۔“

دیکھ کر رانی بیٹی! میں نے اسے بہت سمجھا یا ہے۔ اپنی قسم پوری کرنے کے لیے اس نے میرا آئیر واد بھی مانگا تھا، لیکن میں نے اسے اپنا آئیر واد بھی نہیں دیا، لیکن اس کے باوجود وہ یہ کہہ کر حویلی سے نکل گیا کہ اپنا عہد پورا کیے بغیر حویلی واپس نہیں آئے گا: رانی ماں کی آواز میں ماں کی محبت جھلک رہی تھی۔

”دیکھیں یہ بات جانتی ہوں رانی ماں! گنگا پر یقین لے لیں بولی:“ حضور! یہ دونوں میں ہماری مڈ بھڑ ہونے والی ہے۔“

”بیٹی! اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کہ باقی رہنے والے ایک بیٹے کا سہارا بھی تم سے چھن نہ جائے اس لیے مجھ پر لازم کرنا۔ تمھارے پاس یہ آخری بھیک مانگنے آئی ہوں: رانی ماں کے لیے میں حد درجہ عاجز تھی۔ اس نے نگاہیں جھک کر اپنی ساری کا آچل گنگا کے سامنے پھیلا دیا۔ وہاں موجود ہر ایک کی آنکھ گنگا کے چہرے پر جمی ہوئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد گنگا نے درگیش کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں اسے جو پیغام دکھائی دیا، اسے وہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ درگیش جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس سے کہہ رہا تھا: جس کا ایک بیٹا تمھارے ہاتھوں مارا گیا تھا، اس گناہ کا بدلہ تم آج چکا ہی دو۔“ گنگا نے فوراً ہی اپنے آگے جھکی ہوئی رانی ماں کے کندھے پر لپے اور اسے اٹھاتے ہوئے بولی: بیٹی! یہ بھیک مانگ کر آپ مجھے شرمندہ نہ کریں ماں جی! آپ کے بیٹے کی زندگی پر کوئی آپ بچ نہیں آئے گی۔ اس کی جان سلامت رہے گی۔ میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ میں اور میرا کوئی بھی ساتھی اس کے سامنے ہتھیار نہیں اٹھا گا۔ بس۔“

گنگا کا وعدہ سن کر اس کے ساتھیوں کے چہرے لٹک گئے۔ لاکھن غصے میں آکر کچھ بولنے ہی والا تھا، لیکن رانی ماں نے اسے بولنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ وہ گنگا سے کہہ رہی تھی: بیٹی! تم ڈاکٹر نہیں دہو رہی ہو۔۔۔

”جلو اب! سا دھری چاچی نے اپنی بیٹی کا ہاتھ تھام کر کہا: گنگا کی شہر گھڑی گزرتی جا رہی ہے۔“

”ہاں ہاں، چلو! ٹھیک! ٹھیک! را در اعدا نے غصیلی نظروں سے رانی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے سب سے کہا: ڈھول بلبے بجادو اور میرے سوز کو صوم دھا سے دو لھا بناؤ۔“

فوراً ہی غار کے اندر ڈھول اور شہنائی کی آواز گونجنے لگی۔

میرے ساتھ سوسے ہار کر باہر نالائق! وکرم سنگھ نے زخمی ہماری کے منہ پر ایک تھپتھر رسید کرتے ہوئے کہا: گنگا کو گرفتار کرنے کے لیے مجھے تیری مدد کی ضرورت نہیں ہے۔“

دکڑل صاحب! اگر اس گنگا نے مجھے زخمی نہ کیا ہوتا تو میں اتنی آسانی سے آپ کے ہاتھ کبھی نہ آسکتا تھا، ہماری اپنی آواز میں نرمی پیدا کرتا ہوں اور لا: آپ کو اپنا عہد نبھانا ہے اور مجھے گنگا سے اپنا بدلہ لینا ہے۔ آپ کا کام بھی ہو جائے گا اور میری غرض بھی پوری ہو جائے گی۔“

”تو پھر اس کے بدلے تم مجھ سے رحم کی ضمانت کیوں مانگ رہے ہو؟“

یہ سوال سن کر ہماری کی آنکھیں جھک گئیں۔ پھر ہونٹ چبا کر ایک سرواڑہ بھری: دکڑل صاحب! مجھے پھانسی سے بچنا ہے آپ کی سفارش ہوگی تو جان بچ جائے گی۔“

یہ سن کر وکرم سنگھ کے دل میں رحم کی بجائے اس سے نفرت کا جذبہ جاگ گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ بے قصور لوگوں کی جان لینے کو ہمارا دے سمجھنے والے یہ ڈاکٹر اپنی موت کا ذکر سننے ہی کتنے زبردست جانتے ہیں؟

”دکڑل صاحب! یہ سوچنے کا وقت نہیں ہے: ہماری نے اسے خاموش دیکھ کر کہا: تھوڑی ہی دیر میں گنگا اس ڈاکٹر سے شادی کر لے گی۔ اس کی اس شادی کر دینے کے لیے ہی میں اس کے بھائی کو اٹھا کر یہاں لے آیا تھا، لیکن میرے ساتھ دھوکا کر کے وہ چالاک لڑکی میرے ہاتھ سے نکل گئی، لیکن اب بھی مجھے پاس وقت ہے۔ اس کے ٹھکانے کا مجھے علم ہے۔ میں اس کا خفیہ راستہ بھی جانتا ہوں۔ میری مدد سے بغیر آپ جانیں تو اپنے پیسے پچاس سپاہیوں کی جانیں بھی گنوا دیں گے۔ مجھے پھانسی سے بچانے کا وعدہ کر کے آپ اپنے ساتھیوں کی جان بچا سکتے ہیں۔

بہتر یہی ہے کہ آپ میری بات مان لیں۔“

وکرم سوچ میں ڈوب گیا۔ چھ چہروں بعد بولا: لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ تم کوئی بددعا شہی نہیں کرو گے؟

اب ہماری کو کچھ امید ہو گئی اور وہ دکڑل وکرم کوڑی سے بچھا ہوئے بولا: مجھے زندہ رہنا ہے دکڑل صاحب! آپ کے اتنے ساتھی کی موجودگی میں میں کوئی چالاک کروں گا تو بچ نہیں سکوں گا۔ مجھے تو صرف گنگا کے غرور کو ٹوٹنے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھنا ہے۔ ایک بار میں نے ہی اس کی جان بچائی تھی، لیکن اب اسے مرتے دیکھ کر میرے دل کو ٹھنڈک غسوس ہوگی۔“

”اچھی بات ہے۔ چلو بیٹھ جاؤ میری جیب میں: وکرم سنگھ نے اپنا فرض پورا کرنے کے لیے ہماری کی مدد کو قبول کر لیا۔ پھر جیب میں بیٹھتے ہوئے بولا: تم مجھے دوری سے گنگا کے ٹھکانے کا راستہ دکھا دینا۔ میں وائرلیس کے ذریعے پولیس فورس کو بلوائے لیتا ہوں۔ لیکن ہماری میں گنگا کو مردہ دیکھنا نہیں چاہتا۔ میں تو اسے زندہ گرفتار کرنا چاہتا ہوں۔“

اتنا کہ اس نے جیب آگے بڑھادی اور پھر ہماری کے بتائے ہوئے پڑچ راستوں پر جیب آگے بڑھنے لگی۔

جیسے جیسے درگیش اندر گنگا کے ملاپ کی گھڑیاں قریب آتی جا رہی تھیں، ویسے ویسے ایک کے بعد ایک ساتھی غار کے اندر سے باہر آنے لگے تھے۔ گنگا جو کہ نظروں سے جھکائے پنڈت جی کے منتر سننے میں مصروف بیٹھی تھی اس لیے اپنے ساتھیوں کی ہلچل پر اس کی نظر نہیں پڑ سکی۔

ہماری کے قبضے سے اپنے بھائی شہو کو چھڑا کر وہ صحیح و سلامت قسٹ آگئی تھی، دیکھ کر اس کی خوشی تھی اور شادی کے دھوم دھڑکتے میں گونگے موسیٰ کی غیر عارضی برکسی نے توجہ بھی نہیں دی تھی، لیکن جب وہ ہانپتے کانپتے اچانک وہاں پہنچا تو اسے دیکھ کر گرو پال کو کچھ شک سا ہوا کہ ضرور کوئی ایسی دلی بات ہے جس کی وجہ سے گنگا موسیٰ اس قدر پریشان نظر آ رہا ہے۔ گرو پال نے اس کے اشاروں سے اس کی سمجھ لی۔ اس کی پریشانی کی وجہ معلوم ہوتے ہی وہ سیدھا غار کے اندر چلا گیا۔ جہاں لاکھن موجود تھا۔ اس نے جب لاکھن کے کان میں یہ بات ڈالی تو لاکھن کی آنکھیں اڑگاسے برسائے لیکن کسی کو خبر نہ ہو، اس لیے وہ دونوں چپکے سے اٹھ کر باہر آگئے اور پس میں صلاح مشورے کرتے گئے۔ انھوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ جیب شادی کے پھیرے مکمل نہیں ہو جاتے، اس وقت تک انھیں بہتر ہے ہونے





آپ ہی آپ گنگا کی بندوق کی مال اس طرف اٹھ گئی۔ وکرم کا سر اونچا ہوتا دکھائی دیا تو گنگا نے بندوق کے طریقہ پر انگلی رکھ کر اپنے ہونٹ پیچھے لیے اور وکرم سنگھ کی کھوپڑی کا نشانہ لگایا لیکن اس سے پہلے کہ وہ طریقہ پر انگلی بٹائی، اس کو رانی ماں کی یاد آگئی جس نے بڑی عاجزی سے اس سے کہا تھا: ”بیٹی! تمہارے پاس میں اپنے بیٹے وکرم کی جہان کی بھیک مانگتے آئی ہوں۔“

اس کے ساتھ ہی گنگا کے دل میں اپنا کیا ہوا وعدہ تازہ ہو گیا۔ اس کی انگلی اچانک ہی بے حس و حرکت ہو گئی۔۔۔۔۔

”دیدنی!۔۔۔ وکرم نشانے سے باہر نکلا جا رہا ہے۔“ لاکھن نے گنگا کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا: ”تم ہٹ جاؤ دیدنی! تمہاری بچائے میں گولی چلانا نہیں۔“

”نہیں! گنگا نے ایک جھٹکے سے لاکھن کی بندوق کا رخ موڑ دیا اور بولی: ”لاکھن! مجھے اپنا وعدہ نبھانا ہے۔ اسے ختم نہیں کرنا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس نے دشمن کو ڈالنے کی ترکیب تو جاری ہی رکھی! وہ چاہتی تھی کہ وکرم سنگھ کسی طرح اس قتلے سے دستبردار ہو کر واپس لوٹ جائے لیکن وکرم سنگھ تو موت کی طرح اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔“

یکایک وکرم سنگھ کے برابر بیٹھے پولیس والے پر گنگا نے نشانہ ہانک کر گولی چلا دی۔ گولی اس سپاہی کی گردن میں سوراخ کرتی ہوئی پار نکل گئی۔ وکرم سنگھ کیسے گیا۔ اپنے پیروں کے قریب گرے ہوئے سپاہی کی لاش دیکھ کر اس کی آنکھوں میں سرخی دوڑ گئی۔ اس نے جھٹکے سے سہرا اٹھا کر دیکھا تو گنگا اسے بڑے مزے سے ہنسی دکھائی دی۔ وکرم سنگھ کو لگا جیسے وہ اس سے کہہ رہی ہو: ”اب بھی وقت ہے کہ ملے۔۔۔“

واپس لوٹ جاؤ، نہیں تو میری کوئی بھی گولی تمہیں ٹھنڈا کر سکتی ہے۔ وکرم سنگھ کے اندر کی نفرت اب اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی اور اب وہ دوسرے انداز سے سوچنے پر مجبور ہوا جا رہا تھا۔ اس طوفانی لڑائی کو زندہ گرفتار کرنے کے لیے آخر اتنے سارے سپاہیوں کو کیوں قربان کر دیا جائے؟ کیا ضرورت ہے؟ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑا کر اس نے بندوق کا رخ گنگا کی طرف موڑا اور نشانہ تاک کر گولی چلا دی لیکن اسے ایک ٹپ کی دیر بھر چکی تھی۔ گنگا نے بڑی چالاکی سے اس کا نشانہ خطا کر دیا تھا۔

ٹھیک اسی وقت دگیش پر لگا رکھے ہوئے بہاری سومو قتل گیا۔ ایک زخمی ڈاکو لڑائی جھگڑا لگانے کے لیے دگیش پیچھے جھکا ہوا

تھا۔ اس کی دو انگلیوں کے درمیان الجھش کی سیر سیج دی ہوئی تھی۔ زخمی ڈاکو کے بازو میں سوتی بھونک کر وہ انگوٹھے سے سیر سیج کے پمپ کو دبائی رہا تھا کہ ٹھیک اسی وقت بہاری نے بندوق کے طریقہ پر اپنی انگلی دبا دی۔ گولی چلی اور دھماکے کی آواز کے ساتھ ہی ایک جیسے سنائی دی۔ باتیں پولیسوں میں لگنے والی گولی نے درگیش کو اچھال کر در پھینک دیا۔

”دیدنی!۔۔۔۔۔“ لاکھن کے غصے سے جیسے نکل گئی: ”کسی نے ڈاکو باؤ کو گولی ماری ہے۔۔۔۔۔“

تڑپتے ہوئے درگیش پر نظر پڑتے ہی گنگا کا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا۔ چند ساتوں کے لیے تو وہ گم سم سی رہ گئی۔ اس کا دماغ سنسن ہو کر رہ گیا۔ یوں لگ رہا تھا کہ اب وہ گولیوں کی آواز بھی نہیں سن رہی ہے۔ وہ کسی پتھر کی مورتی کی طرح بے حس و حرکت بیٹھی رہی اور درگیش کو دیکھتی رہی۔

”دیدنی! لاکھن نے اس کا کندھا ہلایا: ”حرام غوار بہاری نے ہی رام سنگھ داؤ کے سورج کو غروب کر دیا ہے۔ وہ دیکھو دیدنی! وہ اس چٹان کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔“

گنگا کی پیشانی کی نسیم اتنی زیادہ پھول گئی جیسے وہ ابھی پھٹ پڑی ہوگی۔ یکایک اس کے ہونٹ کپکپاتے ہوئے ہلکے ہلکے پھر اس کیسے نے ہتھیلدا اٹھالی ہے! اس کی سانس تیز تیز چلنے لگی اور آنکھوں میں موت کی آندھی اٹھنے لگی۔ یکایک وہ اپنی جان کی پروا کیے بغیر اٹھی اور چھلانگیں لگاتی ہوئی درگیش کے پاس پہنچ گئی۔ لاکھن اسے ہوشیار رہنے کے لیے آوازیں دیتا رہا لیکن گنگا کو اب اپنی زندگی کی پروا ہی کب تھی؟

”درگیش!۔۔۔ میرے۔۔۔ درگیش!“ کتنی ہوئی وہ پاگلوں کی طرح زخم و درگیش سے لپٹ گئی، پھر اپنی گود میں اپنے شوہر کا سر رکھ کر گرم گرم آنسوؤں سے اس نے اس کا چہرہ بھگو دیا۔ ”تم کس لیے پیچھے میں آئے تھے درگیش؟“

پیس کر گھٹل درگیش نے اپنی تکلیف کو دبانے کی کوشش کی اور ہنس کر خفیف آواز میں بولا: ”گنگا! اب تم میری فکر چھوڑ دو۔ ڈاکو کو اپنی موت کا پہلے سے علم ہو چلا ہے۔ میں اب بھی تم سے یہی کہوں گا کہ تم اپنی خند چھوڑ دو۔ بندوق پیچھ کر خود کو قانون کے حوالے کر دو۔“

”کس کے لیے درگیش؟ اب زندہ رہنے کے لیے بچا ہی کیا ہے؟“ آنسوؤں اور ہچکیوں کے درمیان وہ بہ مشکل بول سکی: ”میرے ساتھ

کی بند باند چائے میرے سر کا تاج بکھر جائے، اس وقت تک میں زندہ رہتا نہیں چاہتی بے شک ہم دونوں ساتھ ہی نہیں سکے تھے، لیکن اب جیون ساتھی کی حیثیت سے ایک ساتھ مر سکتے ہیں نا؟“

ٹھیک اس وقت گنگا کے لہراتے ہوئے بالوں کو جھوٹی ہوئی ایک سنسنائی ہوئی گولی نکل گئی۔ چونک کر اس نے اس طرف دیکھا جہاں سے گولی چلائی گئی تھی۔ وہاں چٹان کی اوٹ سے سر نکالے بہاری دوسری گولی چلانے کے لیے بندوق میں کار توں بھرتا دکھائی دیا، بہاری کی جھٹک دیکھتے ہی گنگا کے ہونٹ سفید سے پیچھے گئے اور وہ دانت پیس کر خود کلامی کے انداز میں بولی: ”مرنے سے پہلے میں تمہارا جواب ضرور دے باقی کروں گی!“ اس نے دھیرے سے درگیش کا سہرا اپنی گود سے ہٹا کر زمین پر رکھ دیا اور ایک جھٹکے سے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ پھر اس سے پہلے کہ بہاری گولی چلاتا، گنگا نے ہی نشانہ تاک کر گولی چلا دی۔ گولی ٹھیک نشانے پر لگی تھی۔ بہاری کی پیشانی میں سوراخ ہو گیا اور اس کی کھوپڑی پھٹ گئی۔

اپنی کامیابی پر مطمئن ہونے کے بعد گنگا نے پھر درگیش کی طرف دیکھا لیکن اتنی دیر میں وکرم سنگھ نے اپنی بندوق کا ٹرگر دبا دیا، گنگا کے بازو میں گولی لگی اور بندوق اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ وکرم سنگھ کا ارادہ اسے زخمی کرنے کا ہی تھا۔ ابھی تک گنگا کو زندہ گرفتار کرنے کا پلچ اس کے دل سے گیا نہیں تھا۔

لاکھن نے دور سے ہی گنگا کو زخمی ہوتے دیکھا تو پاگلوں کی طرح بڑبڑانے لگا: ”دیدنی! اب میں گولی چلانے والے وکرم سنگھ کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ وعدے کی بندی اب مجھ سے نہیں ہوگی۔“ وہ بندوق تان کر گولی چلانے ہی والا تھا کہ اچانک پیچھے سے کسی سپاہی کی چلائی ہوئی گولی اس کی پیٹھ میں اکر گھس گئی۔ وہ اچھل کر اوندھے منہ گر اور اس کی حسرت اس کے دل میں ہی رہ گئی۔

”اب کوئی بھی گولی نہ چلائے!“ لاکھن کے گرسے ہی وکرم سنگھ کی آواز لاؤ ڈرا سپیکر پر سنائی دی: ”جو جہاں ہے، وہاں سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرے۔“ اس آواز کے ساتھ ہی دو منٹ کے اندر اندر اس پاس کی چٹانوں میں سنسنائی چھا گیا۔

گنگا اپنے زخمی بازو سے ہوتے ہوئے خون پر ہاتھ داکر آہستہ آہستہ درگیش کی جانب سر کے لگے۔ قریب آکر اس نے درگیش کے چہرے کا پسینا اپنے اچھل سے پونچھا۔ پھر نیچے جھک کر اپنے ہونٹ اس نے درگیش کی پیشانی پر رکھ دیئے۔ تھوڑی دیر بعد درگیش کی بند بلیکوں

میں جھپٹش ہوئی۔ آنکھیں کھلتے ہی دونوں کی نظریں ٹکرائیں۔ دونوں کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے گزرتا ہوا وقت ٹھہر گیا ہو۔ دونوں پر یہی نگاہوں ہی نگاہوں میں ایک دوسرے پر محبت کی بارش کرتے رہے جاتے کب تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

”گنگا!“ یکایک وکرم سنگھ کی گرجا آواز نے پیار کی اب پر سکون گھڑیوں کو توڑ دیا۔ تمہارے ساتھی ختم ہو چکے ہیں۔ اب بھی اگر تمہیں اپنی جان پیاری ہے تو اپنے ہیقتار بھینک دو۔“

”اب تو موت کے آگے ہی ہیقتار ڈالنے میں!“ گنگا کے دل سے آواز اٹھی، پھر دھڑپڑی ہوئی بندوق پر اس کی نظریں جم گئیں یکایک وہ جھپٹش اور رنگیتی ہوئی جا کر بندوق اٹھا لائی۔ پھر اپنی کمر سے بندھی ہوئی پیٹی پر ہاتھ پھیر کر دیکھا تو اس میں صرف ایک ہی کار توں کو دیکھتی رہی، جیسے پڑھنے کی کوشش کر رہی ہو کہ اس کار توں پر کس کا نام درج ہے؟ لیکن وہ کچھ بھی نہ جان سکی۔

”گنگا! میں پھر کہہ رہا ہوں کہ اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دو۔“ وکرم سنگھ کے بڑبڑانے پھر پیچھے کر بولا: ”تمہارے پاس گولیاں ختم ہو چکی ہیں اور اب کھیل بھی ختم ہو چکا ہے۔“

یہ سن کر گنگا نے بندوق میں آخری گولی بھی ڈال دی اور درگیش کی بند بلیکوں کو اپنی انگلی سے سہلانے لگی دونوں کے زخموں سے بہتے ہوئے خون کی ٹکری زمین پر بہہ کر ایک دوسرے میں شامل ہو گئی تھیں یہ دیکھ کر گنگا نے دھیرے سے کہا: ”دیکھو درگیش!۔۔۔۔۔ ہم دونوں کا لہو آخر ایک ہو ہی گیا۔۔۔۔۔ دیکھو۔۔۔۔۔“ گنگا بڑبڑاتی لیکن درگیش نے ہلکی نہیں اٹھا اس، صرف اس کے ہونٹ پھر پڑائے لیکن وہ صرف دوہرا لفظ بول سکا۔۔۔۔۔ ”گنگ۔۔۔۔۔ گا۔۔۔۔۔“

”میں تمہارے پاس ہوں میرے درگیش!“ بہت دھیمی آواز میں وہ بولی: ”درگاتا کا نام آلود درگیش!۔۔۔۔۔“ پھر آنکھیں بند کر کے وہ بھی درگا مانا کو یاد کرنے لگی۔

وکرم سنگھ کے فوجی جوانوں کی آواز قریب آتی جا رہی تھی۔ اس نے احتیاط کے طور پر اپنی بندوق تان رکھی تھی لیکن جیسے ہی گنگا اس کی نظر پڑی، وہ بندوق اس پر تان کر بولا: ”مجھ پر بھینکتی ہو یا میں گولی چلا دوں؟“

گنگا نے اس طرح چونک کر اپنی آنکھیں کھول دیں جیسے وکرم سنگھ کی اس دھمکی نے اس کے سکون کو دھڑکڑایا ہو۔ وہ درگیش کا

اٹھی اور زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ وکرم سنگھ پر نظروں سے مخفی کی باتیں کر کے اس نے پھرتی سے ہندوؤں اس پر تان لی۔ گنگا کی اس اچانک تبدیلی سے وکرم سنگھ بوکھلا گیا۔ اسے لگا کہ گنگا اس پر گولی چلانے ہی والی ہے اس لیے وہ اس کا نشانہ خطا کرنے کے لیے قریب کی ایک چٹان کے پیچھے سمٹ گیا۔

تب ہی ہندوؤں کا دھماکا ہوا۔ کوئی آدمی منہ سے تنک تو وکرم سنگھ کو لگا کر بازی پلٹ چکی ہے۔ گنگا اسے نزدیک آنے کا لالچ دے کر اسے ڈھیر کر دینا چاہتی ہے۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے دھیرے دھیرے اپنی ہندوئی کی تال کو چٹان سے باہر نکالا اور پھر سر اٹھا کر دیکھنے لگا لیکن سامنے کا منظر دیکھتے ہی اس کی آنکھیں چھٹ گئیں۔ گنگا درگیش کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ ڈال کر اس کے برابر بیٹھ ہوئی تھی۔ اس نے اپنی ہی گولی سے اپنا سینہ چھیر لیا تھا اور خود کو موت کے حوالے کر دیا تھا۔ گنگا کے دوسرے ہاتھ میں اس کی ہندوئی تھی جبکہ درگیش کے دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں انجش کا سر بیچ دیا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر قبل ہی شادی کرنے والی ایک ڈاکو خورت اور ڈاکٹر مرد کے ملاپ کا یہ ہلاک گر تھری منظر دیکھ کر کرنل وکرم سنگھ کا کلیجہ کٹنے لگا۔ اس کے کانپتے ہاتھ سے ہندوؤں کی جھوٹ گئی۔ تھوڑی دیر کے لیے وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا اور کسی پتھر کی طرح بے حس و حرکت ہو گیا۔

”کرنل وکرم سنگھ کی جے...“ پولس کے سپاہی نعرے لگاتے ہوئے دوڑے آئے۔ یہ کرنل کا وعدہ پورا ہو گیا۔ گنگا ختم ہو گئی۔ کرنل وکرم سنگھ کی جے....“

خوشی سے گونجتی ہوئی آوازوں نے گھاٹی کی چٹانوں کو ایک بار پھر حیران کیا لیکن غار کے اندر سہمے ہوئے بوڑھوں کے لیے تو خوشی کے یہ نعرے موت کی آواز کی طرح وحشت ناک لگ رہے تھے۔ شیو، ٹھکران، دادھا، ساوتری چاچا، رانی ماں اور اندھا ملاری لال سب کے سب ان نعروں کی آواز سن کر باہر کی طرف بھاگے۔ اندھا ملاری تو ٹھکران کا غار کے دہانے پر ہی گر پڑا تھا۔ یہ دیکھ کر رانی ماں اسے سہارا دینے کے لیے وہیں رک گئی۔ وکرم سنگھ ابھی تنک گنگا اور درگیش کی لاشوں کے پاس کسی بت کی طرح کھڑا تھا ان دونوں کی لاشوں پر سے اس کی نظر ہٹتی نہیں تھی اور آگے بڑھنے کے لیے اس کے پاؤں بھی نہیں اٹھ رہے تھے۔

پولس کے گھیرے میں سے راستہ بناتی ہوئی دونوں مائیں

اپنی بیٹی اور بیٹے کی خونیں لٹ پٹ لاشوں کے پاس اگر گر پڑیں۔ روٹی ہوئی دو چنچیں ایک ساتھ فضا میں بلند ہوئیں۔

”گنگا!“  
”سورج!“  
رام سنگھ کی بیوہ کا تو جیسے دماغ ہی الٹ گیا تھا۔ وہ بیٹے کی لاش کے قریب اپنا سر مٹختے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ہائے بیٹا... بیس سال کی جدائی کے بعد تو تو مجھے ملا تھا۔ لیکن بیس مہینے میں ہی ماں کی محبت کو چھوڑ کر تو اپنے باپ کے پاس چلا گیا۔ اب تو میں بھی تیرے پاس آ رہی ہوں! اتنا کہہ کر وہ زور زور سے اپنا سر پتھر پر مارنے لگی۔ ایک سپاہی روکھا گویا کہ نہ سے روکنے کے لیے آگے بڑھا تو غصے میں رام سنگھ کی بیوہ نے اسے دھکا دیتے ہوئے کہا: ہٹ جاؤ! کہتے: تم لوگوں نے ہی میرا سہاگ اجاڑا تھا لیکن اس سے تم لوگوں کا کلیجہ ٹھنڈا نہیں ہوا تو میری گود میں کھیلنے والے کو بھی تم لوگوں نے موت کی نیند سلا دیا۔ اس معصوم نے تمہارا کیا بگاڑا تھا؟“ کہتے کہتے وہ پاگوں کی طرح پولس والوں کو بددعا دینے لگی۔ بھگوان تم لوگوں سے اس کا حساب لے گا۔ تم برباد ہو جاؤ گے۔ اولاد کی جدائی میں تمہاری آنکھیں اندھی ہو جائیں گی۔“

رام سنگھ کی بیوہ تھوڑی دیر تک گل جھڑ پھاؤ کر چلتی رہی پھر ہلچلتے ہاتھوں سے ایک چٹپ ہو کر اس طرح زمین پر بیٹھ گئی جیسے کوئی شدید جوش کا اسے لگا ہو۔ اس کی آواز بند ہو چکی تھی۔ لیکن اس کے آنسو اور تیزی سے بہنے لگے تھے۔

شیو تو درگیش اور گنگا کے سروں کے درمیان اپنا چہرہ رکھ کر سسک سسک کر رہا تھا۔ ”ویدی...“ ڈاکٹر بیٹا...“ کے سوا کوئی اور لفظ اس کے منہ سے نہیں نکل رہا تھا۔ اچانک کھڑے کھڑے وکرم سنگھ کو خیال آیا کہ اس کی آنکھیں اس منظر کو دیکھ کر گولی ہوتی جا رہی ہیں۔ اس سے پہلے کہ انہوں کے قطرے اس کی آنکھوں سے بہہ نکلیں، اس نے سب لوگوں کو لاش کے پاس سے ہٹا دیا۔ پھر وائٹس کے ذریعہ جے پور خیر پھانے لگا کہ ہم اپنے مشن میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اب لاشوں کو ہٹانے اور زمینوں کو اسپتال بھیجے گا جلد سے جلد انتظام کیا جائے۔ وہ وائٹس پر خیر پھانی کر جیسے ہی ہٹا تو ایک پولس انسپکٹر اس کی خوشامد کرتے ہوئے چلے کر بولا: ”لو کرنل سنگھ کی جے...“ اس کے جواب میں ایک بار پھر خاموشی کی گود میں سوئی ہوئی

گھاٹی جاگ پڑی۔ سپاہیوں کی آوازیں چاروں طرف کی چٹانوں سے ملکر گئیں۔ لیکن ان آوازوں کی گونج میں ایک اور تیز آواز گونجی۔ ”شرم نہیں آتی تم لوگوں کو؟“ اندھے مراری لال کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھتی ہوئی رانی ماں چلے کر کہہ رہی تھی: ”کس کی جے کر رہے ہو تم سب؟“ وکرم سنگھ نے ایک جھٹکے سے گردن گھمائی اور رانی ماں کو دیکھ کر وہ چونک پڑا: ”ارے ماں...“ آپ یہاں کہاں سے...؟“

لیکن رانی ماں نے تو اس کی طرف دھیان ہی نہیں دیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے بیٹے کو پہچانتی ہی نہ ہو۔ وہ اس کی طرف دیکھ کر بغیر سپاہیوں سے کہہ رہی تھی: ”موت کا ادب اور لاشوں کا لحاظ کیے بغیر یہ نعرے آخر تم لوگ کس خوشی میں لگا رہے ہو؟“ اس کی آواز کی سختی اور چرسے کا عجب دیکھ کر وکرم سنگھ بھی کانپ گیا۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ درگیاور کی رانی ماں اپنے بیٹے کے کارنامے پر چاہے تاغوش ہی کیوں نہ ہو، لیکن اسے ان سب لوگوں کے سامنے اپنی نادراصلی کا اظہار کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ایک ایک رانی ماں کی آواز پھر اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ گنگا کو ختم کرنے کی طاقت تمہارے اس کرنل میں کہاں تھی؟ اسے اس بات کی خبر ہی کیا ہے۔ کہ میں نے گنگا کے پاس آکر اس سے اپنے بیٹے کی جان کی بھیک مانگی تھی؟“

یہ سن کر سب لوگوں کے چہرے جھک گئے اور وکرم سنگھ بیک کر اپنی ماں کے پاس آ گیا، پھر بولا: ”رانی ماں! آپ میری کامیابی پر خوش نہیں ہیں، لیکن آپ ایسی باتیں کیوں کہہ رہی ہیں؟ گنگا بھلے ہی میری گولی سے نہ مری ہو۔ اس نے زندہ گرفتار ہونے کی بجائے خود کشی کر لینی ہی زیادہ پسند کی ہو، لیکن آپ کو میری سلامتی کے لیے یہاں تنک آنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ گنگا سے میری زندگی کی بھیک مانگ کر آپ نے مجھے بزدل ثابت کرنے کی کوشش کیوں کی؟ میرے فرض کے راستے میں آپ نے رکاوٹ کیوں ڈالی رانی ماں؟“

تب رانی ماں نے بڑی نفرت سے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا، پھر چند لمحوں کے بعد بولی: ”فرخ...“ تم لوگ ایک ماں کی ممتا اور اس کے جذبات سے زیادہ اپنی ہمدردی کو اپنا فرض سمجھتے ہو؟ لیکن درگیاور تم جیسے ڈاکو اور قاتل کہہ کر مخاطب کرتے رہے ہو، وہ عورت تم لوگوں سے زیادہ ہمارے تھی میں نے جب تمہاری سلامتی کے لیے اس سے وعدہ مانگا تو وہ کسی خوف کے بغیر یہ کہہ گئی تھی: ”رانی ماں! تمہارے بیٹے کو کچھ بھی نہیں ہوگا۔ میں آپ سے اس کا وعدہ کرتی ہوں، اب بولتے بولتے

رانی ماں کی آنکھیں بھیگ گئیں اور اس کا گلہ زندہ گیا۔ ٹھیک اسی وقت رنجی لاکھن زمین پر ریگتا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا تو سب لوگوں کی نظریں اس پر جم گئیں۔ بیٹھنے پر سے ملتا ہوا خون اس کے کپڑوں کو رنگین کر چکا تھا لیکن زمین پر گھٹنے کی وجہ سے زمین کی مٹی بری طرح اس کے گیلے کپڑوں میں چپک گئی تھی۔ وکرم سنگھ بڑے دھیان سے لاکھن کو دیکھ رہا تھا۔

تب لاکھن زمین پر ایک ہاتھ ٹیکتا ہوا بولا: ”کرنل وکرم سنگھ! تم شاید بہت خوش ہو رہے ہو؟ اپنی کامیابی پر تمہاری گردن بہت تن گئی ہے لیکن اگر گنگا دیدی تمہاری ماں سے کیے ہوئے وعدے سے ہندوہ جالت تو اس وقت یہاں ایک تیسری لاش بھی پڑی ہوئی۔ اور اس تیسری لاش پر یہاں ایک تیسری ماں بھی آنسو بہاتی نظر آ رہی ہوئی اور وہ ماں درگیاور کی ٹھکران رانی ماں ہوتی، لاکھن دہرا جو کہ اور رک رک کر پڑی مشکل سے کہہ رہا تھا: ”میں بھی اب اس دنیا کے مایا جال سے رخصت ہو رہا ہوں۔ میری رزق میرے جسم سے نکلنے ہی والی ہے اس لیے زندگی کی آخری گھڑی میں میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، اس پر پھر دیکھا میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔ گنگا دیدی نے تو خود تم پر نشانہ نہیں لگایا، لیکن اس نے مجھے بھی گولی چلانے سے روک دیا تھا تمہارے برابر جیسے ہوئے سپاہی کو ڈھیر کر کے اس نے ایک طرح سے تمہیں بچھانے کی کوشش کی تھی کہ تم وائٹس لوٹ جاؤ اور اگر سامنے آؤ گے تو ج نہیں سکو گے۔“ آخری جملہ ادا کرتے وقت لاکھن کی زبان پر کھڑے لگی تھی۔ پھر بیک ایک اس کے جسم کو ایک جھٹکا لگا اور اس کی گردن ایک طرف ڈھک گئی۔

مرے ہوئے آدمی کے آخری بول وکرم سنگھ کا دل چیر گئے۔ اس نے مضبوطی سے اپنے ہونٹ پیچھے لیے، جیسے دل ہی دل میں کوئی عہد کر رہا ہو پھر نیچے جھک کر اس نے اپنی ہندوئی اٹھائی اور درگیش اور گنگا کی لاش کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ان دونوں کی لاشوں کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور اپنی کمر سے اپنا پستول نکالنے لگا۔ اس کی اس حرکت کو سارے لوگ بڑی حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ وہ کیا کر رہا ہے؟ اپنی ہندوئی اور اپنے پستول کو گنگا کی لاش کے پاس رکھ کر وہ تھوڑی دیر تک آنکھیں بند کیے بیٹھا رہا، پھر خون سے تر زمین کی مٹی کو اس نے اپنے ہاتھ کی مٹی میں بھر لیا اور بولا: ”گنگا! میرا فرض تمہارے جذبات کے آگے ہار گیا ہے۔ اگرچہ آج میرا پہلا عہد پورا ہو گیا ہے لیکن آج میں ایک دوسرا عہد کر رہا ہوں کہ اب آئندہ کبھی مجھ

نہیں اٹھاؤں گا۔ حالت میں ہی جان دے دی تھی۔ ٹھکانا رادھا کی اس خاموش

موت کا جھٹکا آنا شدید تھا کہ وہاں کھڑے ہوئے ایک ایک شخص کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ قریب قریب پڑی ہوئی چار لاشوں پر جب چادریں ڈال جا رہی تھیں تو عزوب ہوتا ہوا سورج بھی تھوڑی دیر کے لیے بادلوں میں چھپ گیا تھا۔

ایک کھلے ہوئے ٹرک میں گنگا اور درگیش کی لاشیں رکھوانے کے بعد کرنل وکرم سنگھ کی جیب آگے بڑھی۔ رام سنگھ کی بیوہ رادھا کی لاش کو رام پور سے جانے کی ذمہ داری رانی ماں نے سنبھال لی تھی۔ کرنل وکرم سنگھ کی جیب آگے تھی اور ٹرک اس کے پیچھے پیچھے رہ گیا تھا۔

گنگا اور درگیش کی موت کی خبر تھوڑی ہی دیر میں ایک ایک گاؤں تک پھیل چکی تھی۔ ٹرک جہاں جہاں سے گزرتا تھا وہاں وہاں گنگا دیدی اور ڈاکٹر بالو کی لاشوں کا دیدار کرنے کے لیے گاؤں کی عورتیں بچے ما بوڑھے اور جوان سب ہی آنسو بہاتے جمع ہوتے جا رہے تھے کئی عورتیں اور مرد تو ہاتھ جوڑے اور سر جھکا کر عقیدت سے کھڑے ہوئے نظر آئے۔ شاید انھیں گنگا دیدی اور ڈاکٹر بالو کے لیے سوئے احسانات یاد آ رہے تھے۔

جس ندی میں کوکر گنگا نے اپنی زندگی کا راستہ تبدیل کیا تھا، اسی ندی کے پاس سے جب ٹرک اس کی لاش لے کر گزرا تو سب مغرب میں عزوب ہو رہا تھا۔ اپنی ساری تاباںیاں سمیٹ کر!۔۔۔۔۔ روشنی جیسے ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی تھی!۔ کیا گنگا دیدی ایک روشنی تھی۔



درگیش!۔۔۔۔۔ تم نے دوسروں پر فح حاصل کرنے کے لیے پھیلنے کے استعمال کے بدلے دشمنوں کے دل حقیقت کی ترکیب جو مجھے بتائی تھی، اس کو من کر میں نے تمہاری ہنسی اڑائی تھی۔ لیکن اب میں تمہاری اس عظیم قربانی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تمہاری بتائی ہوئی نصیحت پر پوری طرح عمل کروں گا۔ میں مجرموں کو پھیلنے سے ختم کرنے کی بجائے ان کے گناہ گار ضمیر کو پیار سے دھو دوں گا۔ میں ان کی سوچ بدل لوں گا۔ ان کے جذبات بدل لوں گا۔ ان کا دل بدل لوں گا اور انھیں سپردہ راستے پر لانے کے لیے ہر ممکن مدد کروں گا۔ اب میری بقیہ زندگی بھلے ہوئے باغیوں کو محنت اور پیار سے راہ راست پر لانے میں گزرے گی۔ بولتے بولتے وکرم سنگھ کی آواز بھاری ہو گئی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا وجود اندر سے ٹوٹ پھوٹ کر بکھرتا جا رہا ہو اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا۔ بیٹھے گا یہ حال دیکھ کر رانی ماں کا غصہ پھیل گیا۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا اور وکرم سنگھ کے پیچھے آ کر کھڑی ہو گئی اور بیٹے کے کندھے پر ہاتھ رکھ اپنی محبت اور ہمدردی کا اظہار کرنے لگی۔

ماں کے ہاتھ کی گرمی یا وکرم سنگھ نے اس طرح گردن اٹھائی جیسے اسے ماں سے معافی مل گئی ہو۔ رانی ماں نے ساری کے بلوے سے اس کے گالوں پر ہتے ہوئے آنسوؤں کو پونچھ دیا اور پھر اشارے میں اسے سمجھانے لگی: ”اتھو بیٹی! اب مرنے والوں کے عزیزوں کو بھی سنبھالو!“

ماں کا اشارہ سمجھ کر وکرم سنگھ اٹھا اور روتی جلتی ساوتری چاچی کے سر پر ہاتھ رکھ اسے تسلی دینے لگا، پھر چکیاں بھرتے ہوئے شیو کو کھڑا کر کے اس نے اسے اپنے سینے سے لگالیا اور بولا: ”شیو!۔۔۔ آج سے تو میرا چھوٹا بھائی ہے۔ تمہاری دیدی کی کمی تو میں پورا نہیں کر سکتا لیکن بڑے بھائی کی حیثیت سے میں اپنا فرض ضرور کروں گا!“

شیو کو چپ کرانے کے بعد وکرم سنگھ درگیش کی ماں کی جانب بڑھا جو ایک طرف بے ہوشی کے عالم میں پڑی تھی۔ وہ اس کے قریب بیٹھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولا: ”ماں جی!۔۔۔ میں!“ لیکن رام سنگھ کی بیوہ کی گردن ایک طرف ڈھلکتے دیکھ کر وکرم سنگھ شدت غم سے بے قابو ہو کر وہیں بیٹھ گیا۔ شوہر کے بعد بیٹے کی جہاں ایک ماں سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔ اس نے بے ہوشی کی